مقالاتِ عرشی

مولانا امتیاز علی عرشی

مجلسِ ترقیِ ادب
کلب روڈ لاہور

مقالاتِ عرشی

•

مولانا امتیاز علی عرشی

مجلسِ ترقیٔ ادب
کلب روڈ لاہور

فہرست مضامین

امام سفیان ثوری کے سوانح حیات
اور
اُن کی تصنیفات

گذشتہ تیرہ صدیوں میں سپہرِ اسلام پر لاکھوں ستارے چمکے اور ڈوبے، لیکن قضا و قدر نے قبولیتِ عام کا شرف تقریباً اُنھی کو عطا کیا، جو اسلام کے ابتدائی تین قرنوں میں صفحۂ گیتی پر رونق افروز ہوئے۔ موجودہ عقل زدہ دور میں اس قبولیت کی وجہ کچھ ہی قرار دی جائے، لیکن میرے نزدیک یہ ترجمانِ وحیِ الٰہی کی اس پیشین گوئی کا نتیجہ تھا کہ ''خیر القرون قرنی، ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم۔''

اسلام کے ان مایۂ ناز فرزندوں کے حالات کی تلاش و تفتیش میں مورخین اسلام نے بڑی جاں کاہی اور فراخ حوصلگی سے کام لیا ہے۔

ہم ان تاریخی افراد کو دو طبقوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

طبقۂ اول:

وہ اصحاب جو خصوصیاتِ عامہ و مشترکہ کے مالک تھے، اور اس لیے عام کتبِ رجال و تذکرہ میں مذکور ہوئے۔

طبقۂ ثانیہ:

وہ اصحاب جو مذکورہ خصوصیات کے ساتھ ساتھ بعض خصوصیات خاصہ بھی رکھتے تھے، اس لیے مشترکہ خصوصیات کی بنا پر اُن کا ذکر عام کتب رجال و تذکرہ میں کیا گیا اور ممتاز ہستیاں ہونے کے باعث اُن کے حالات پر مستقل کتابیں تالیف کی گئیں۔

صفحات آیندہ میں، میں آپ کو مؤخرالذکر طبقے کی ایک ایسی ہستی سے روشناس کرنا چاہتا ہوں جو بہ یک وقت جلوت شریعت و خلوت طریقت دونوں کی رازدار ہے، اور اس وجہ سے مجمع البحرین کہلائی جاتی ہے۔

وہ ذات گرامی ''امام سفیان بن سعید بن مسروق الثوری الکوفی'' کی ہے۔ چونکہ آپ قرنِ ثانی کے پانچ مشہور مجتہدین میں کے ایک ہیں، اس لیے علاوہ

کتب تاریخ و رجال کے محدث ابن جوزی نے آپ کے مناقب میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی تھی[1] - یہ کتاب آج ناپید ہے ، اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس میں امام ثوری کے کن حالات کو بالتفصیل لکھا گیا تھا ، تاہم محدث ذہبی نے اپنی تصنیفات میں اس سے فائدہ اٹھایا ہے ، اور ذہبی میرے پیش نظر ہے ، اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابن جوزی کی 'مناقب سفیان، کے اہم حالات و واقعات ہمارے علم میں آ چکے ہیں[2] -

نام و نسب :

سفیان نام ، ابوعبداللہ کنیت اور سیدالحفاظ ، امیرالمؤمنین فی الحدیث وغیرہ القاب ہیں -

شجرۂ نسب :

سفیان بن سعید بن مسروق بن حبیب بن رافع بن عبداللہ بن موہبہ بن أبی بن عبداللہ بن منقذ بن نصر بن الحارث بن ثعلبہ بن عامر بن ملکان بن ثور

---

۱ - تذکرۃالحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۹۰ و دول الاسلام ذہبی مخطوطہ ، ذکر المہدی العباسی -

۲ - اگرچہ اس مقالے کی ترتیب میں تار[یخ] و رجال کے ساتھ تذکرات صوفیہ کو بھی میں نے پیش نظر رکھا ہے ، لیکن پھر بھی مجھے یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ میں ان سے کماحقہ فائدہ نہیں اٹھا سکا ، کیونکہ ان کتابوں میں بیشتر وہ حکایات مذکور ہوتی ہیں جن سے بزرگان دین کی خرق عادت عبادات و واقعات پر روشنی پڑتی ہے - اس قسم کے حالات جن کا تعلق اخلاق و عادات ، معاشرت و تہذیب اور دنیوی داد و ستد سے ہو ، قریب قریب مذکور نہیں ہوتے ، حالانکہ ہمیں اس وقت ان اصحاب کے دنیوی معاملات دیکھنے اور سیکھنے کی زیادہ ضرورت ہے - امید ہے کہ موجودہ دور ابتلا میں ہمارے نوجوان امام ثوری کی حق جوئی ، حق گوئی اور حق پرستی سے سبق حاصل کریں گے اور اُن کے اقوال و اعمال کو اپنی شاہراہِ حیات کے لیے مشعلِ ہدایت بنائیں گے -

بن عبد مناۃ بن اُد بن طابخۃ بن الیاس بن مضر بن نزار ہے[1] -

سفیان ، ثور مضر یا بالفاظ دیگر ثور بن عبد مناۃ کی نسل میں ہونے کے باعث ثوری کہلاتے ہیں ، لیکن بعض مورخین نے ثور ہمدان کی طرف منسوب کیا ہے[2] -

سفیان کے والد سعید بن مسروق الثوری کوفے کے مشہور محدث تھے - انہوں نے بقول ابن ابی عاصم ۱۲۶ھ (۷۴۳ع) ، بقول ابن قانع ۱۲۷ھ (۷۴۴ع) اور بقول احمد و ابن حبان ۱۲۸ھ (۷۴۵ع) میں وفات پائی[3] - اُن کی والدہ بھی جو اُم سفیان کے نام سے مشہور ہیں ، بڑی نیک بی بی تھیں[4] -

ان دونوں میاں بیوی کو خدا نے تین بیٹے اور ایک بیٹی عطا کی - بیٹوں

---

۱ - نسب ناموں میں بالعموم اسما کا حذف و اضافہ یا رد و بدل پایا جاتا ہے - سفیان کے نسب میں بھی قدرے اختلاف ہے - مرقومہ بالا شجرہ علامہ ابن سعد ، (طبقات جلد ۶ صفحہ ۲۵۷ ، طبع لیڈن ۱۳۲۵ھ) اور مورخ طبری (الذیل المذیل صفحہ ۱۰۵ طبع مصر) نے تحریر کیا ہے - ابن القیسرانی (الجمع بین رجال الصحیحین ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۹۴ طبع دائرۃ المعارف) اور الخزرجی (خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال ، صفحہ ۱۴۵ ، طبع مصر ۱۳۰۱ھ) نے موہبہ اور منقذ کے درمیان دو نام ابی بن عبداللہ اور الحارث کے بعد ایک نام ثعلبہ حذف کردیا ہے ، نصر کے بعد الحکم بڑھایا ہے اور عامر کے عوض مالک بن ملکان لکھا ہے - سمعانی (کتاب الانساب صفحہ ۱۲۷ ، حرف ثا) نے مسروق اور حبیب کے درمیان حمزہ کا اضافہ کیا ہے اور عبداللہ ، منقذ ، الحاکم اور الحارث چار اسما حذف کر دے ہیں - اور ابن خلکان (وفیات الاعیان ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۹۶) نے نصر بن الحکم بن الحارث اور ثعلبۃ ابن ملکان ثبت کیا ہے -

۲ - تہذیب التہذیب ، جلد ۴ ، صفحہ ۱۱۱ ، طبع حیدر آباد و خلاصۃالتہذیب صفحہ ۱۴۵ -

۳ - ابن القیسرانی ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۶۹ و تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۸۲ و الخزرجی صفحہ ۱۴۲ -

۴ - الکواکب الدریہ للمناوی ، مخطوطہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۶۲ -

میں سب سے بڑے سفیان ہیں - دوسرے عمر بن سعید اور مبارک بن سعید تھے- یہ دونوں اپنے عہد کے معزز ارباب حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں[۱] -

سعید کی بیٹی عمار بن محمد کی ماں تھیں - عمار بھی بڑے محدث اور صالح و خدا پرست آدمی تھے - اُنھوں نے ۱۸۲ھ (۸۰۱ء) میں وفات پائی -

ولادت :

سفیان ثوری ، سلیمان بن عبدالملک اموی کے عہد خلافت میں ۹۷ھ (۷۱۰ء) میں عراق کے مردم خیز شہر کوفے میں پیدا ہوئے[۲] -

ابن خلکان اور یافعی نے مذکورہ سنہ کے علاوہ ۹۵ھ (۷۱۳ء) یا ۹۶ھ (۷۱۴ء) بھی لکھا ہے[۳] - لیکن ان سنین میں ۹۵ھ قطعاً نا درست ہے ، کیوں کہ یہ امر تمام مورخین کے نزدیک مسلم ہے کہ سفیان ، عہد سلیمان بن عبدالملک میں پیدا ہوئے ، حتیٰ کہ ابن القیسرانی نے یہ لکھ کر کہ سفیان ، سلیمان بن عبدالملک کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے ، اپنے بیان کو ختم کر دیا ہے - اور سلیمان جمادی الاخریٰ ۹۶ھ مطابق فروری ۷۱۵ء میں سریر آرائے خلافت ہؤا ، لہذا سفیان کی ولادت مذکورہ سنہٗ جلوس کے قبل درست نہیں ہو سکتی -

طلبِ علم :

سفیان ثوری نے ہوش سنبھالا تو اُس زمانے میں کوفہ علم و فن کا مرکز تھا - شہرۂ آفاق ادیب ، فقیہ اور محدث مسند درس و افتا پر رونق افروز تھے - خود ثوری کے والد سعید بن مسروق کوفے کے نام آور محدث مانے جاتے تھے- ان حالات کا لازمی نتیجہ یہ ہؤا کہ ثوری ، صغرسنی ہی میں طلب علم میں مشغول ہوگئے[۴] - ان کی والدہ کو اشتیاق تھا کہ اپنے نور نظر کو لباس علم و فضل

---

۱ - تہذیب التہذیب ، جلد ۴ ، صفحہ ۳۵۴ ، و جلد ۱۰ صفحہ ۲۸ -

۲ - ابن سعد ، جلد ۶ ، ذکر سفیان و ذیل طبری ، صفحہ ۱۰۵ و معارف ابن قتیبہ ، صفحہ ۲۵۵ ، مخطوطہ و تذکرۃ الحفاظ للذہبی ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۹۲ و تہذیب التہذیب جلد ۴ ، صفحہ ۱۱۳ و طبقات الحفاظ للسیوطی صفحہ ۳۵ ، طبع یورپ -

۳ - وفیات ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۶ و مرآۃ الجنان جلد ۱ صفحہ ۳۴۵ -

۴ - تذکرۃ الحفاظ للذہبی ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۹۰ -

میں ملبوس دیکھیں ، اس لیے اثنائے طلب علم میں سفیان کو نصیحت کرتی رہتی تھیں ۔ مناوی نے اُن کی دو نصیحتیں نقل کی ہیں ؛ پہلی یہ کہ مصارف کے خوف سے تحصیل علوم میں کوتاہی نہ کرنا ، میں چرخہ کاتوں گی اور تمہارے اخراجات پورے کروں گی ۔ دوسری یہ کہ جب دس لفظ لکھ چکو تو غور کرنا کہ تمہاری چال ڈھال اور حلم و وقار میں بہتر اضافہ ہؤا یا نہیں ۔ اگر تمہیں کچھ فرق محسوس نہ ہو تو یقین کر لینا کہ یہ حصہ تمہارے بکار آمد نہیں ہے[۱] ۔

والدہ کی نصیحت ، والد کی تعلیم اور کوفے کے ماحول نے سفیان کی تشنگیِ علم کو بڑھا دیا ، اور ابھی کچھ ہی زمانہ گزرنے پایا تھا کہ اساتذہ اور معاصرین دونوں پر اُن کی خداداد ذہانت آشکار ہونے لگی ۔ سفیان نے حدیث کی ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی ۔ بعد ازاں عراق اور دوسرے مقامات کے اساطین حدیث کے روبرو زانوے شاگردی تہ کیا ۔ ان شیوخ میں قرن ثانی کے تمام اجلۂ محدثین وائمۂ مذہب شامل ہیں ۔ عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں ان کے اسما بالتفصیل ذکر کیے ہیں[۲] ۔

سفیان کے زمانے تک احادیث کے دفتر منضبط نہیں ہوئے تھے ، اس لیے طالب حدیث کو مختلف مقامات کا سفر کرکے حدیثیں جمع کرنی پڑتی تھیں ۔ سفیان نے بھی اسی طرح علم حدیث حاصل کیا ۔ لیکن یہ کہاں کہاں گئے ، اس کے متعلق کوئی موثق بیان پیش کرنا دشوار ہے ، کیونکہ سوانح نگاروں نے ان کی سیرت کے اس حصے کو بالکل تاریک چھوڑ دیا ہے ۔

درس و افتاء :

طلب علم سے فرصت پا کر سفیان مسند درس و افتاء پر رونق افروز ہوئے ۔ رفتہ رفتہ اُن کے تبحرِ علمی کی شہرت تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئی اور ہر چہار طرف سے مشتاقان علوم جمع ہونے لگے ۔ یہ سلسلہ آخر عمر تک جاری رہا ؛ چنانچہ جن ایام میں یہ یمن ، بصرے اور مکّے میں روپوش تھے ، علم کے پروانوں سے وہاں بھی پوشیدہ نہ رہ سکے ۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً بیس ہزار

---

۱ ۔ الکواکب الدریہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۶۲ ، مخطوطہ ۔

۲ ۔ تہذیب التہذیب ، جلد ۴ ، صفحہ ۱۱۱ ۔

محدثین نے آپ سے روایتِ حدیث کی ہے[1] ، جن میں شیوخ اور معاصرین دونوں شامل ہیں ۔ یہاں اس طویل فہرست میں سے اعمش ، شعبہ ، امام مالک ، ابن المبارک اور یحییٰ بن سعید القطان کا تذکرہ کافی ہوگا ، کیونکہ یہ حضرات بجائے خود سپہر علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب ہیں ۔

اجتہاد :

قرون اولیٰ میں بہت سے محدثین مجتہدانہ انداز سے مسائلِ مذہب کی اشاعت کرتے تھے ۔ مگر اُن میں سے جن اصحاب کا اجتہاد مقبولِ خاص و عام ہؤا ، وہ انگلیوں پر شمار کیے جاتے ہیں ۔ ہمارے زمانے میں ائمۂ اربعہ کی مقبولیت کے باعث یہ تعداد چار پر ختم ہو جاتی ہے ، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اب سے چند سو سال پہلے تک ائمۂ مجتہدین پانچ مانے جاتے تھے ، اور طبقات محدثین و فقہا میں ان حضرات کا تذکرہ ''احد من الائمة الخمسة'' سے شروع ہوتا تھا ۔

ان پانچ مجتہدوں میں کے دوسرے امام سفیان ثوری ہیں ۔ ان کا اجتہاد کئی سو برس تک مسلمانوں کے ایک معقول طبقے کا رہنما رہا ۔ ابن خلکان اور کفوی نے شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی کو ان کا مقلد لکھا ہے[2] ۔

سفیان ثوری کے مرتبۂ اجتہاد کا اندازہ عیار شناسان مذہب کے اُن اقوال و آرا سے ہوگا جو ذہبی اور عسقلانی نے اُن کے ترجمے میں بالتفصیل نقل کیے ہیں ۔ یہاں ہم محدثین کے اُس نقد پر جو ابن خلکان نے نقل کیا ہے ، اکتفا کرتے ہیں کیوں کہ اس سے ثوری کے مرتبے کا قدرے اندازہ ہوسکے گا ۔ وہ لکھتا ہے :

> ''یہ بات زبان زد ہے کہ امیرالمومنین عمر بن خطاب رض اپنے زمانے میں راس الناس تھے ۔ ان کے بعد علی الترتیب عبداللہ بن عباس ، امام شعبی ، اور امام سفیان ثوری راس الناس قرار پائے ۔''

عقائد :

چونکہ امیرالمومنین حضرت علی رضی‌اللہ عنہ نے سیاسی مصالح کی بنا پر مدینے کے بجائے کوفے کو اپنا مستقر بنایا تھا ، اس لیے کوفے کے عوام و خواص اہل‌بیت رسول اللہ اور اُن کے سیاسی خیالات کے حامی تھے ۔ ان حامیوں

---

۱ - تہذیب التہذیب ، جلد ۴ ، صفحہ ۱۱۱ و الخزرجی ، صفحہ ۱۴۵ ۔
۲ - الکفوی ، ورق ۶۵ ب ۔

میں مذہبی جماعت کے ممتاز افراد بھی شامل ہیں ۔ چنانچہ منصور کے عہد خلافت میں ابراہیم نے خروج کیا تو خود امام ابو حنیفہؒ نے اُن کی امداد کی تھی[۱] ۔

سفیان بھی کوفے کے رہنے والے تھے ، اس لیے بنی اُمیہ اور بنی عباس کے مقابلے میں بنی فاطمہ کی جانب زیادہ مائل تھے ۔ ایک بار کسی شخص نے دریافت کیا کہ حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما میں کون افضل ہے ؟ آپ نے فرمایا ، ''اہل بصرہ افضلیت عثمان کے قائل ہیں اور اہل کوفہ افضلیت علی کا عقیدہ رکھتے ہیں'' ۔ سائل نے کہا ''اور آپ ؟'' تو کہا ''میں بہرحال کوفے کا باشندہ ہو۔[۲] ۔''

مورخین نے اُن کے عقائد کے بارے میں اختلاف کیا ہے ! ابن قتیبہ اور ابن ندیم زیدی قرار دیتے ہیں[۳] ، لیکن طبری لکھتا ہے کہ ابتداءً شیعہ تھے ۔ جب طلب حدیث کے سلسلے میں بصرے گئے اور ابن عون اور ایوب سے ملاقات ہوئی تو اُن کے اثر صحبت سے تشیع ترک کردیا[۴] ۔ چونکہ طبری کے بیان کی تائید خود سفیان کے اُس عقائد نامے سے ہوتی ہے جو اُنھوں نے شعیب بن جریر کو املا کرایا تھا ، اس لیے یہاں اُس کا متن اور اردو ترجمہ دونوں درج کیے جاتے ہیں ۔ اس عقائد نامے کی وجہ املا شعیب کی زبانی یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک بار اُنھوں نے سفیان سے عرض کیا تھا کہ ''سنت رسول اللہؐ کے متعلق مجھے کوئی نفع بخش بات بتائیے'' اس پر سفیان نے کہا ، لکھو :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القرآن کلام اللہ غیر مخلوق منه بدأ و الیه یعود ، من قال غیر ھذا	قرآن خدا کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے ، اور وہی ذات اقدس اس

---

۱ ۔ سیرۃ النعمان ، صفحات ۱ ، ۵۸ ، ۵۹ ۔
۲ ۔ الکفوی ، ورق ۶۵ ب ۔
۳ ۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ، حرف S ، بحوالہٴ کتاب المعارف ، صفحہ ۳۰۱ و الفہرست ، صفحہ ۱۷۸ ۔
۴ ۔ الذیل المذیل ، صفحہ ۱۰۵ ۔

فهو کافر ـ والایمان قول و عمل
و نیة یزید و ینقص ، و تقدمة
الشیخین (الی ان قال) یا شعیب ،
لاینفعک ما کتبت حتیٰ تری المسح
علی الخفین ، وحتیٰ تری ان اخفاء
بسم الله الرحمن الرحیم افضل
من الجهر به ؛ وحتیٰ تومن
بالقدر ، و حتیٰ تری الصلوة
خلف کل بر و فاجر ، والجهاد
ماض الیٰ یوم القیامة ، والصبر
تحت لواء السلطان جائر او
عدل (فقلت یا ابا عبدالله الصلوات
کلها ، قال)

لا ولکن صلوة الجمعة والعیدین
صل خلف من ادرکت ، و اما
سائر ذلک فانت مخیر لا تصل
الا خلف من تثق به و تعلم
انه من اهل السنة ـ اذا وقفت
بین یدی الله فسألک عن هذا
فقل : یا رب ! حدثنی بهذ اسفیان
الثوری ، ثم خل بینی و بین الله

کا مبداء و معاد ہے ـ جو کوئی اس
عقیدے کے خلاف کہے ، وہ کافر ہے ـ
ایمان : قول ، عمل اور نیت تینوں
کا نام ہے اور وہ گھٹتا بڑھتا بھی
ہے ، اور شیخین کو مقدم رکھنا ،
(اس کے بعد کہنے لگے) کہ شعیب
جو کچھ میں نے لکھا ہے ، یہ تجھے
اسی وقت فائدہ پہنچائے گا کہ تو (۱)
موزوں پر مسح کرے ، (۲) اور یہ
مانے کہ بسم الله الرحمن الرحیم
بلند آواز سے پڑھنے کے مقابلے میں
آہستہ پڑھنا بہتر ہے ، اور (۳) قدر
الٰہی پر ایمان رکھے اور(۴) ہر نیک
اور بد کے پیچھے نماز پڑھنا جائز
سمجھے ـ اور جہاد قیامت تک
جاری رہے گا ، اور بادشاہ کے
جھنڈے کے نیچے صبر و استقامت ،
خواہ بادشاہ ظالم ہو یا عادل ـ
شعیب نے سوال کیا کہ تمام نمازیں؟
تو آپ نے کہا نہیں ـ بلکہ صرف
جمعہ اور عیدین کی نمازیں جس
کے پیچھے مل جائیں ، پڑھ لو ـ
باقی نمازوں کے متعلق اختیار ہے
کہ اگر جی چاہے تو اس کے پیچھے
پڑھ لو جس پر وثوق ہو اور یہ
معلوم ہو کہ یہ اہل السنت میں سے
ہے ـ پھر جب خدا کے روبرو حاضر
ہو اور وہ ان امور کے متعلق

عزوجل[1]۔ سوال کرے تو کہہ دینا کہ مجھے یہ باتیں سفیان نے بتائی تھیں ، میں خدا سے عرض معروض کر لوں گا ۔

شہرستانی نے سفیان کو فرقۂ صفاتیہ میں شمار کیا ہے[2] ۔ یہ فرقہ صفات خداوندی میں کسی قسم کی تاویل جائز نہیں رکھتا اور استوا ، رمی ، ید اور وجہ وغیرہ الفاظ کو علی حالہا تسلیم کرتا ہے ۔ چونکہ عام محدثین اسی فرقے سے تعلق رکھتے تھے اس لیے قرین قیاس ہے کہ سفیان بھی اسی عقیدے کے حامی ہوں ۔

سفیان فرقۂ مرجیہ کے بہت سخت مخالف تھے۔ ایک بار کسی مرجی کی نماز جنازہ پڑھنے کو اُن سے کہا گیا تو اُنھوں نے صاف انکار کردیا تھا[3]۔ اسی طرح اہل نجوم کو بھی بری نظر سے دیکھتے تھے ۔ منصور کے عہد میں بغداد میں ایک مشہور یہودی منجم ''ماشاء اللہ'' نامی رہتا تھا ۔ ایک بار اس سے ملاقات ہوگئی ۔ سفیان نے کہا ''ماشاء اللہ! تم زحل سے ڈرتے اور مشتری سے امید باندھتے ہو ، اور میں زحل کے رب سے خوف کھاتا اور مشتری کے رب سے آس لگاتا ہوں ۔ نیز تم روزانہ صبح کو مجھتر دیکھتے ہو اور میں استخارہ کرتا ہوں ۔ دیکھو ہم دونوں میں کس قدر فرق ہے ۔'' ماشاء اللہ نے اعتراف کیا کہ سفیان کا عقیدہ بہتر ہے[4] ۔

زہد و اتقا :

قرون اولیٰ کے تمام اصحاب شریعت راہ طریقت کے جادہ پیما ہیں ، کیونکہ اس با برکت عہد میں شریعت و طریقت دو علیحدہ راہیں نہیں مانی گئی تھیں ۔ لیکن سفیان کو دوسرے ائمہ پر یہ شرف حاصل ہے کہ وہ محفل ظاہر و باطن دونوں میں صاحب اعتبار ہیں ۔ آج ثوری فقہ ناپید ہے لیکن صوفیہ کی مجلسوں میں اُن کے حکیمانہ اقوال واجب التعمیل شمار ہوتے ہیں ۔ تمام ارباب سلوک

---

۱ ۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۹۳ ۔
۲ ۔ کتاب الملل و النحل ، طبع لندن ، صفحہ ۶۵ ۔
۳ ۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام بحوالہ ابن سعد ۔
۴ ۔ تاریخ الحکماء للقفطی صفحہ ۲۱۳ ۔

زہد و اتقا میں انھیں شاہنشاہ عہد تسلیم کرتے ہیں اور اپنی تصانیف میں اُن کو بطور سند پیش کرتے ہیں۔

سفیان کی زاہدانہ زندگی کا آغاز ایک نہایت معمولی واقعے سے ہؤا ہے ؛ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک دن مسجد تشریف لے گئے اور سنت کے خلاف پہلے بایاں قدم اندر رکھ دیا۔ دفعۃً کان میں آواز آئی : ''سفیان ! تم در حقیقت چوپائے ہو۔'' ضمیر کی اس تنبیہ سے اُن کے ہوش پراگندہ ہوگئے اور جب قدرے سکون ہؤا تو داڑھی پکڑ کر گالوں پر طمانچے مارے اور کہا: ''سفیان! جب تو نے مسجد میں داخل ہوتے وقت ادب ملحوظ نہ رکھا تو انسانیت سے تیرا نام خارج ہونا ہی بہتر ہے[1]۔''

اکلِ حلال :

راہِ سلوک کا پہلا مقام پاک روزی ہے۔ سفیان کے زمانے میں اکثر محدثین کو حکومت کی طرف سے وظائف و صِلات ملا کرتے تھے۔ لیکن بسا اوقات یہ رقوم قلب میں امید و بیم کی کشمکش پیدا کرکے حق گوئی سے باز رکھتی تھیں ، اس لیے انھوں نے بجز ایک مرتبہ کے کبھی کسی حاکم سے عطیہ یا وظیفہ قبول نہیں کیا۔

سفیان کے پاس دو ہزار اشرفیاں تھیں۔ اس سرمایے سے ابتداءً خود تجارت کرتے تھے۔ جب ۱۵۰ھ (۷۶۷ء) میں کوفے کو خیرباد کہا تو برادری کے چند تاجروں سے شرکت مضاربت کر لی۔ یہ لوگ سال بھر خرید و فروخت کرکے سالانہ موسم حج میں حساب کرتے اور مقررہ منافع اُن کو دے جاتے [2]۔

سفیان نے ہمیشہ منافع تجارت پر گذر کی اور اصل سرمایہ آخر عمر تک محفوظ رکھا۔ ابن سعد کہتا ہے کہ جس وقت اُن کا انتقال ہؤا ، ۲۰۰ دینار نقد اُن کے پاس موجود تھے ، لیکن ابن قتیبہ نے ۱۰۰ دینار کا مال بتایا ہے۔ اُس کے بیان کے مطابق سفیان نے نقد رقم قطعاً نہیں چھوڑی تھی[3]۔

---

۱ - خزینۃ الاصفیاء ، فارسی ، صفحہ ۲۹۶ -

۲ - ابن سعد ، جلد ۶ ، صفحہ ۲۵۷ -

۳ - کتاب المعارف صفحہ ۲۵۵ مخطوطہ ، لیکن انسائیکلو پیڈیا کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ ابن قتیبہ ۱۵۰ دینار کا مال بتاتا ہے -

صدق مقال :

راہ سلوک کا دوسرا مقام حق گوئی ہے - سفیان میں یہ صفت بھی حد کمال کو پہنچ گئی تھی ، اس لیے تمام تذکرہ نگار اُن کو ''قوّال بالحق'' کہتے ہیں - بعض اصحاب سفیان کی اُن گفتگوؤں کو جو منصور اور مہدی سے بر سر دربار ہوئیں ، سفیان کی درشتیِ اخلاق اور مصلحت ناشناسی پر محمول کریں گے - لیکن واقعہ یہ ہے کہ اُس عہد کے عرب مسلمانوں کو ''دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز'' پسند خاطر نہ تھا - وہ صرف قرآن پاک کا اصول ''لا تکتموا الحق'' (حق کو نہ چھپاؤ) پیش نظر رکھتے اور اسی اصول کے عملی پہلو کو عام بنانا چاہتے تھے - وہ جان ، مال ، راحت ، وطن ہر شے ترک کرنے پر آمادہ ہو جاتے لیکن حق کا ساتھ نہ چھوڑتے - سفیان بھی عرب تھے ، مسلمان تھے اور وارث نبی تھے ، اس لیے لازم تھا کہ جان پر کھیل جاتے مگر حق کا دامن نہ چھوڑتے -

شہپر زاغ و زغن در قید و بند صید نیست
این سعادت قسمت شہباز و شاہین کردہ اند

عام حالات :

ابتدا میں بنی عباس فاطمیین کی حمایت میں حکومت امویہ کی مخالفت کرتے تھے لیکن جب محمد ابن حنفیہ کے صاحبزادے ابو ہاشم عبداللہ نے اپنی وفات کے قبل سفاح کے والد محمد بن علی کو اس تحریک کا علم بردار بنا دیا ، تو عباسی مساعی کا رنگ بدل گیا - محمد نے بظاہر حقوق بنی فاطمہ کے لیے پروپیگنڈا کیا ، لیکن در پردہ وہ عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتے رہے اور جب اُن کے بعد اُموی خلافت کا شیرازہ منتشر ہؤا تو خود ابوالعباس سفاح نے کوفے میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا -

کوفہ امیرالمومنین علی رض کے ہوا خواہوں کا مرکز تھا ، اس لیے وہاں کے علما اور سیاسی مدبرین کو یہ امر ناگوار ہؤا اور یہ لوگ حکومت پر نکتہ چینیاں اور فاطمی مدعیانِ خلافت کی عملی امداد کرنے لگے - اُس زمانے میں علما و محدثین کا حلقۂ اثر تمام عالم اسلامی کو محیط ہوتا تھا ، اس لیے مدعیانِ خلافت سے نبٹ کر حکومت عباسیہ نے حامیانِ بنی فاطمہ کی

طرف توجہ مبذول کی ، اور بہ لطائف الحیل تمام با اثر اصحاب کو اپنے راستے سے ہٹا دیا ۔ ان میں بعضے اصحاب نے وظائف قبول کر لیے ، کچھ اراکین حکومت میں شامل ہو گئے ، بعضوں نے روپوشی اختیار کر لی اور متعدد قتل کر دیے گئے ۔

سفیان اور منصور :

سفیان بھی حکومت کی جابرانہ حکمت عملی پر نکتہ چینیاں کیا کرتے تھے ۔ چنانچہ ۱۴۸ھ (۷۶۵ء) میں منصور نے حج کیا[1] تو اتفاق سے سفیان بھی وہاں موجود تھے ۔ انھوں نے سلیمان خواص سے کہا ''چلو منصور کو سمجھائیں ۔ اگر وہ مان گیا تو مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا اور ہمیں اجر ملے گا ۔'' سلیمان قدرے جھجکے لیکن آخر راضی ہو گئے ۔ اُس وقت منصور منیٰ میں موجود تھا ۔ پہلے سلیمان اُس کے پاس گئے اور وعظ و نصیحت کرکے چلے آئے ۔ ان کے بعد سفیان اندر داخل ہوئے ۔ منصور نے کہا '' آئیے یہاں میرے پاس آ جائیے ۔'' سفیان نے کہا ''میں اُس شے پر جو نہ میری ملکیت ہے ، نہ آپ کی ، کس طرح قدم رکھ سکتا ہوں ۔'' منصور نے غلام کو حکم دیا کہ قالین اور فرش تہہ کرکے الگ رکھ دے ۔ سفیان آگے بڑھے اور منصور کے روبرو زمین پر بیٹھ کر آیت ''منها خلقناکم وفیها نعیدکم ومنها نخرجکم تارةً اخری'' (اسی خاک سے ہم نے تمھیں بنایا ، اسی میں لے جائیں گے ، اور پھر اسی میں سے دوبارہ تمھیں نکالیں گے) پڑھی ۔ منصور کی آنکھیں اشک آلود ہوگئیں ۔ سفیان نے بلا اجازت گفتگو شروع کر دی ۔ اثنائے وعظ و پند میں لہجہ قدرے درشت ہو چلا تو حاجب دربار نے کہا ''او شخص ! تیری جان کی خیر نہیں معلوم ہوتی ۔'' سفیان نے کہا ''تو پھر دیر کیا ہے ، ابھی سہی ۔''

منصور نے کوئی مسئلہ دریافت کیا ۔ سفیان نے اُس کا جواب دے کر کہا ''امیرالمومنین حضرت عمر نے ایک حج میں جس کے تمام مصارف پر

---

۱ ۔ الاخبار الطوال ، صفحہ ۳۸۱ میں منصور کے صرف دو حج ، ایک ۱۴۰ھ میں اور دوسرا ۱۴۴ھ میں ثبت کیے گئے ہیں ۔

۱۶ دینار خرچ ہوئے تھے ، فرمایا تھا کہ :

ما ارانا الا وقد اجحفنا بیت السمال — یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے سارا بیت المال لٹا دیا ۔

آپ نے خدا اور امت محمدیہ کا بے شمار مال بغیر اجازت صرف کیا ہے ۔ آپ اس بارے میں کیا کہیں گے ، بالخصوص جب کہ آپ کو وہ حدیث بھی معلوم ہے جو منصور بن عمار نے آپ کی موجودگی میں بیان کی تھی ، اور سب سے پہلے آپ ہی نے اس کو نوٹ کیا تھا ، کہ ابراہیم نے اسود سے ، اسود نے علقمہ سے اور علقمہ نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ بہت سے اللہ اور اس کے رسول کے مال کو اپنی خواہش نفس کے مطابق خرچ کرنے والے کل قیامت میں آگ کے مستحق ہوں گے ۔'' ابو عبداللہ کاتب نے کہا کہ امیرالمومنین ! اس شخص کو قتل کر دینے کا حکم دے دیجیے ، کیوں کہ اس سے زیادہ مستحق قتل کوئی نہ ہوگا ۔ منصور نے کہا ''چپ ، خدا کی قسم ! مالک بن انس اور اس شخص کے سوا آج روئے زمین پر کوئی نہیں جس سے میں شرم کرتا ہوں[1] ۔''

کوفے سے روپوشی :

اس ملاقات کے بعد سفیان نے منصور کے خلاف اپنی آواز زیادہ بلند کرنی شروع کردی ۔ منصور نے انہیں سلسلۂ حکومت میں منسلک کرنا چاہا مگر انہوں نے انکار کردیا ۔ منصور نے حکم دیا کہ سفیان کو گرفتار کرکے دربار میں حاضر کیا جائے ۔ جب انہیں اس حکم کی اطلاع ہوئی تو وہ کوفے سے روپوش ہو گئے[2] ۔

---

۱ ۔ یہ تمام تفصیل کتاب الامامۃ و السیاسۃ صفحہ ۳۵۹ سے ماخوذ ہے ۔ لیکن ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۹۰ میں الفریابی کی زبانی خود ثوری سے نقل کیا ہے ، کہ حضرت عمرؓ کے مصارف حج کا واقعہ انہوں نے مہدی سے بیان کیا تھا ، اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ مہدی نے اس پر کہا تھا کہ پھر کیا میں تمہاری طرح ہو جاؤں ، تو سفیان نے جواب دیا تھا کہ اگر تم مجھ جیسے نہ بنے تو پھر تو اپنی حالت سے فروتر ہوگئے ۔

۲ ۔ یہ سمعانی کا بیان ہے لیکن کفوی نے لکھا ہے کہ ثوری گرفتار ہو گئے تھے ، مگر راہ میں سپاہیوں کے ہاتھوں سے چھوٹ کر بھاگ نکلے ۔

سمعانی کے بیان کے مطابق یہ نصف ذی قعدہ ۱۴۴ھ (۷۶۱ء) کا واقعہ ہے۔ عسقلانی، ثوری کے شاگرد ابونعیم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ثوری نے ۱۵۰ھ (۷۶۷ء) میں کوفہ چھوڑا اور پھر تا حیات وہاں واپس نہ جا سکے[1] لیکن انھی ابو نعیم سے نووی سنہ ۱۵۵ھ (۷۷۱ء) کی روایت کرتے ہیں[2]۔

بہرحال جس وقت سفیان نے کوفے کو خیر باد کہا، معدان اُن کے ہمراہ تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ سفیان کو اس امر کا افسوس تھا کہ اب کوفے میں کوئی معتمد و معتبر ہستی نظر نہیں آتی[3]۔

ورودِ یمن :

حدود عراق سے نکل کر سفیان نے یمن میں سکونت اختیار کی، لیکن یہاں بھی چین نصیب نہیں ہوا۔ ہر وقت حکومت بغداد کے جبر و استبداد کا خوف دامن گیر رہتا تھا، اس لیے یہاں سے سفیان مکے چلے گئے[4]۔

ورود مکہ :

سفیان کا خیال تھا کہ مکّے میں امن نصیب ہوگا لیکن اُن کا یہ خیال بھی خام نکلا۔ یہاں اُنھیں دوسرے مقامات سے زیادہ تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ بسا اوقات کئی کئی فاقے بھی ہوگئے۔ ابوشہاب الحناط، سفیان کے دوست بیان کرتے ہیں کہ جس زمانے میں سفیان مکّے میں روپوش تھے، اُن کی بہن نے میرے ہاتھ کچھ خشک میوہ بھیجا۔ مکّے پہنچ کر پتا چلا کہ وہ کعبے کی پشت پر باب الحناطین کے قریب بیٹھا کرتے ہیں۔ میں وہاں پہنچا تو سفیان چت لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے پاس جا کر سلام کیا مگر اُنھوں نے نہ تو سلام ہی کا جواب دیا اور نہ یہ دریافت کیا کہ تم کون ہو اور کب آئے ہو۔ میرے ساتھ اُنھوں نے پہلی بار یہ حرکت کی تھی، اس لیے میں نے از خود کہا ''لیجیے، آپ کی بہن نے میوہ بھیجا ہے۔'' میوے کا نام سنتے ہی

۱۔ تہذیب التہذیب، جلد ۲، صفحہ ۱۱۲۔
۲۔ تہذیب الاسما، صفحہ ۲۸۹۔
۳۔ الذیل المذیل، صفحہ ۱۰۵۔
۴۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ذکر سفیان ثوری۔

سفیان بول اٹھے ، ''لاؤ کہاں ہے'' اور یہ کہہ کر اٹھ بیٹھے - میں نے کہا ''ابو عبداللہ! میں تمھارا دوست ہوں ، مگر جب میں نے آ کر سلام کیا تو تم نے جواب تک نہیں دیا اور جب میں نے یہ کہا کہ میوہ لایا ہوں ، تو اٹھ کر باتیں شروع کر دیں ، حالانکہ میرے مقابلے میں میوے کی کوئی حیثیت نہیں-'' اس پر سفیان نے کہا ''ابو شہاب ! مجھے ملامت نہ کرو ، آج تین دن سے میرے منہ میں کھیل تک اڑ کر نہیں گئی ہے -'' یہ بات سن کر میں نے انھیں معذور تسلیم کر لیا[1] -

گرفتاری :

آخر کار منصور کو پتا چل گیا کہ سفیان مکتے میں مقیم ہیں - اُس نے ۱۵۸ھ میں عامل مکہ محمد بن ابراہیم کو لکھا کہ سفیان اور چند دیگر اصحاب کو (جن کے نام خط میں تحریر تھے) گرفتار کرکے دربار خلافت میں بھیج دیا جائے - محمد بن ابراہیم نے سفیان کو بلا کر دریافت کیا کہ وہ بغداد جانا چاہتے ہیں یا نہیں - سفیان نے انکار کیا تو اُس نے مشورہ دیا کہ پھر روپوشی مناسب ہے - سفیان روپوش ہو گئے- بظاہر شہر میں اُن کی روپوشی کا ڈھنڈورا پیٹ دیا گیا اور گرفتار کرنے والے سے معقول انعام کا وعدہ کیا گیا ، لیکن در پردہ آزادی میسر تھی ، اس لیے سفیان مکتے ہی میں مقیم رہے اور معتبر اصحاب سے ملتے جلتے رہے -

یہ ابن سعد کا بیان ہے لیکن طبری (جلد ۳ ، صفحہ ۳۸۵) کہتا ہے کہ عامل مکہ نے سفیان کو گرفتار کر لیا تھا ، بعد ازاں بغیر ازن منصور کے رہا کر دیا - چنانچہ اس وجہ سے منصور ، محمد بن ابراہیم سے ناراض بھی ہو گیا تھا -

سفیان کی بد دعا :

اسی سال منصور نے سفر حج کا ارادہ کیا اور یہ تہیہ کر لیا کہ سفیان کو قتل کرکے چھوڑے گا - چنانچہ اُن کی گرفتاری میں تاکید کی گئی اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے چند ''خشابین'' مکتے روانہ کر دیے گئے - انھوں نے مکتے پہنچ کر سولی نصب کر دی اور وقت کے منتظر رہے - جس وقت یہ خبر مکتے پہنچی ، سفیان حرم میں فضیل بن عیاض کی گود میں سر اور ابن عیینہ کی

---

۱ - یہ تفصیل ابن سعد جلد ۶ سے ماخوذ ہے -

گود میں پیر رکھے سو رہے تھے۔ یہ دونوں اصحاب اس خبر سے بے حد متوحش ہوئے اور از راہ شفقت اُنھیں جگا کر کہا ''سفیان ! برائے خدا دشمنوں کو ہم پر ہنسنے کا موقع نہ دو ۔'' سفیان اٹھے ، ملتزم کے پاس جا کر بیت اللہ کا پردہ پکڑا اور دعا کی ''رب کعبہ ! منصور کو کعبے میں آنا نصیب نہ ہو[1] ۔''

منصور کی موت :

سفیان کی دعا قبول ہوئی ، منصور راستے میں بیمار ہوا اور مکّے میں داخل ہونے سے قبل بئر میمون میں ذی الحجہ ۱۵۸ ھ (اکتوبر ۷۷۵ء) میں مر گیا ۔ سفیان کو یہ خبر پہنچی تو بہ اطمینان تمام اٹھے اور منصور کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے[2] ۔

سفیان اور مہدی :

منصور کے انتقال کے بعد سفیان مہدی کے دربار میں تشریف فرما ہوئے ۔ قعقاع بن حکیم اس وقت حاضر تھا ۔ اُس کا بیان ہے کہ اُنھوں نے اندر داخل ہو کر خلیفہ کو عام مسلمانوں کی طرح سلام کیا ، آداب شاہانہ بجا نہ لائے ۔ ربیع حاجب دربار مہدی کے پس پشت تلوار کے سہارے کھڑا اس گستاخی پر حکم قتل کا منتظر تھا ، مگر مہدی نے کشادہ رو ہو کر کہا :

مہدی :

''سفیان ! تم ہم سے کیوں بھاگتے پھرتے ہو ؟ کیا تم یہ جانتے ہو کہ ہم تمھارے ساتھ کوئی برائی کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے ؟ خوف کھاؤ ، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی خواہش نفس سے تمھارے متعلق کوئی حکم نافذ کر دیں ۔''

سفیان :

''آپ میرے خلاف حکم دیں گے تو وہ بادشاہ قادر جس کو حق و باطل میں خوب امتیاز ہے ، آپ کے خلاف کوئی حکم صادر کر دے گا ۔''

۱۔ کواکب دریہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۱۶ میں سفیان کی دعا کے الفاظ یہ ہیں ''اگر منصور یہاں آ گیا تو میرا اس عمارت سے کوئی واسطہ نہ رہے گا ۔'' لیکن میں نے سوءِ ادب کے خیال سے ان الفاظ کو ترک کر دیا ہے ۔

۲ - تہذیب الاسماء ، صفحہ ۲۸۶ و کفوی ورق ۶۶ ب ۔ کواکب ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۰۶ ۔

ربیع کو اس جواب پر طیش آ گیا اور اُس نے مہدی سے عرض کیا۔ ''امیرالمومنین! کیا یہ جاہل حضور کے ساتھ اس طرح پیش آنے کا مجاز ہے؟ اجازت دیجیے کہ ابھی اس کا سر قلم کردوں۔''

مہدی نے کہا ''کم بخت چپ ہو جا۔ ان جیسے اشخاص کا مقصد یہی ہے کہ ہم انہیں قتل کرکے شقی بنیں۔ میں انہیں کوفے کی عدالت عالیہ کا جج مقرر کرتا ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ ان کے فیصلے کی اپیل نہ ہوگی۔''

مہدی کے حسب حکم سفیان کو پروانہ عطا کر دیا گیا، مگر یہ اس پروانے کو دجلے میں پھینک کر بغداد سے چل دیے۔ مہدی کی یہ تدبیر ناکام رہی تو وہ سخت ناراض ہؤا اور ان کی تلاش کا حکم دیا لیکن جب یہ نہ ملے تو بجائے ان کے شریک بن عبداللہ نخعی کو کوفے کا جج مقرر کر دیا[1]۔ اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی شاعر نے کہا ہے:

تحرز سفیان و فر بدینہ	سفیان تو بچے اور اپنا دین لے کر
وامسی شریک مرصداً للدراھم	بھاگ کھڑے ہوئے مگر شریک
	روپے کی گھات ہی میں رہے۔

ورودِ بصرہ:

بغداد سے نکل کر سفیان بصرے پہنچے اور یحییٰ بن سعیدالقطان کے پڑوس میں قیام کیا۔ ایک دن مالک مکان سے پوچھا کہ یہاں کوئی محدّث بھی رہتے ہیں؟ اُس نے یحییٰ بن سعید کا نام لیا۔ سفیان نے کہا ''ذرا انہیں بلا لاؤ۔'' یحییٰ آئے تو سفیان نے ذکر کیا کہ وہ چھے سات دن سے یہاں مقیم ہیں۔ یحییٰ اُنہیں اپنے ساتھ لے گئے اور اپنی دیوار بیچ ٹھہرا کر درمیان میں دروازہ توڑ لیا تاکہ آمد و رفت میں سہولت رہے۔

تعلیمِ حدیث:

یہاں بصرے کے اربابِ حدیث جوق جوق آنے اور سماعت حدیث کرنے لگے۔

---

۱ - یہ واقعہ مسعودی، جلد ۲، صفحہ ۲۰۰، ابن خلکان، جلد ۱، صفحہ ۲۹۹، الکفوی ورق ۶۵ ب اور شذرات الذہب سنہ ۱۶۱ھ سے ماخوذ ہے لیکن انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کو تاریخی نقطۂ نگاہ سے یہ ملاقات درست نہیں معلوم ہوتی۔

ان اصحاب میں جریر بن حازم ، مبارک بن فضالہ ، حماد بن سلمہ ، مرحوم العطار ، حماد بن زید اور عبدالرحمن بن مہدی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں ۔ موخرالذکر سفیان ہی کے ہو رہے تھے ۔ چنانچہ قیام بصرہ کے زمانے میں یحیٰی بن سعید اور ابن مہدی نے سب سے زیادہ سفیان سے حدیثیں لکھی ہیں ۔

سفیان اور ابوعوانہ :

اس زمانے میں محدث ابوعوانہ صاحب مسند بھی بصرے میں فروکش تھے ۔ یحیٰی اور ابن مہدی نے اُن سے کہا ''آپ سفیان سے کیوں نہیں ملے ؟'' ابوعوانہ نے کہا کہ جب وہ مجھے جانتے تک نہیں تو میں کیوں جاؤں ۔

واقعہ یہ ہؤا تھا کہ ایک مرتبہ مکتے میں ابو عوانہ نے اُنھیں سلام کیا تھا ، مگر اُنھوں نے جواب نہیں دیا اور جب وجہ دریافت کی گئی تو کہا تھا کہ میں ان صاحب کو پہچانتا نہیں ہوں ۔

تبدیل مکان :

یحیٰی بن سعید بصرے کے ممتاز محدثین میں تھے اس لیے ان کے ہاں ارباب حدیث کی آمد و رفت بہ کثرت رہتی تھی ۔ سفیان کو خوف لاحق ہؤا کہ کہیں ان کے قیام بصرہ کی اطلاع حکومت کو نہ ہو جائے ۔ اس بنا پر اُنھوں نے مکان بدل دینے کی خواہش ظاہر کی ۔ یحیٰی نے الہیثم بن منصور کے پڑوس میں منتقل کر دیا ۔ یہاں سفیان کو قدرے اطمینان خاطر نصیب ہؤا ۔

خلیفہ سے مراسلت :

ایک دن حماد بن زید نے تحرز عن السلطان پر اُن سے گفتگو کی اور یہ ثابت کر دیا کہ حکومت سے مقاطعہ اہل بدعت کا رویہ ہے ۔ سفیان بغداد جانے پر رضامند ہو گئے اور یہ طے پایا کہ حماد ساتھ چلیں گے ۔ سفیان نے مہدی کے نام خط لکھا اور حسب سنت اپنے نام سے آغاز کیا ۔ مشیروں نے کہا ، یہ لوگ اس طرز انشا کو ناپسند کرتے ہیں ، خود اُن کے نام سے آغاز کیجیے ۔ ثوری نے آغاز تبدیل کردیا اور اپنے نام کے عوض خلیفہ کا نام پہلے لکھا ۔ بغداد سے اس خط کا امید افزا جواب آیا ، جس میں وعدہ کیا گیا تھا کہ دربار میں اُن کے شایان شان عزت و احترام ہوگا اور اُن کی نکتہ چینیوں اور مشوروں کو سنا اور عمل میں لایا جائے گا ۔

تیاری سفر :

سفیان نے سفر کی تیاری شروع کردی لیکن اسی اثنا میں بخار چڑھ آیا ۔ جب بخار شدید ہوگیا تو اُنھوں نے رونا دھونا شروع کیا ۔ مرحوم بن عبدالعزیز نے کہا ''ابو عبداللہ! رونا دھونا کیسا ؟ آپ تو اُس رب کے پاس جا رہے ہیں ، جس کی عمر بھر پرستش کی ہے ۔'' ان کلمات سے سفیان کو قدرے سکون ہؤا تو بولے ''دیکھو میرے اصحاب میں سے کون کون یہاں موجود ہیں ۔؟'' لوگ عباد ان کو بلا لائے ۔ عبدالرحمن بن عبدالملک اور حسن بن عیاش بھی آ گئے ۔ سفیان نے عبدالرحمن کو وصیت کی کہ تم میری نماز جنازہ پڑھانا[۱] ۔

وفات :

سمعانی لکھتا ہے کہ انتقال سے پہلے سفیان الہیثم کے ہاں سے اپنے شاگرد عبدالرحمن بن مہدی کے گھر چلے آئے تھے ۔ ابن مہدی کہتے ہیں کہ انتقال کے بعد میں نے اور یحییٰ بن سعید نے انھیں غسل دیا ۔ عبدالرحمن بن عبدالملک نے حسب وصیت نماز جنازہ پڑھائی اور خالد بن حارث وغیرہ کی مدد سے عشاء کے وقت قبرستان بنی کلیب میں[۲] اس آفتاب علم و ماہتاب زہد کو خاک میں چھپا دیا ۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ۔ چونکہ سفیان کا قیام بصرہ عوام سے مخفی تھا ، اس لیے اہل بصرہ کو اُن کی وفات کا یقین نہ ہوتا تھا ، تاہم جنازے کے ہمراہ انسانوں کا دریا اُمنڈ آیا تھا ۔ دفن سے فراغت کے بعد ابن عبدالملک اور ابن عیاش نے کوفے جا کر ان کے ہم وطنوں کو خبر موت پہنچائی ۔

تاریخ وفات :

سفیان ثوری نے مہدی کے عہد خلافت میں شعبان ۱۶۱ھ[۳] (۷۷۷ء) میں بصرے میں وفات پائی ۔ ابن سعد اور ابن القیسرانی نے تصریح کی ہے کہ اس سنہ پر تمام مؤرخین کا اجماع ہے ۔ امام بخاری[۴] ، طبری ، مسعودی ، سمعانی

---

۱ ۔ یہ تفصیل ابن سعد ، جلد ۶ ، صفحہ ۳۵۷ سے ماخوذ ہے ۔
۲ ۔ سمعانی نے ابوحاتم سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے قبرستان بنی کلیب میں سفیان کی قبر کی زیارت کی ہے ۔
۳ ۔ مرآۃ الجنان و شذرات الذہب تحت ۱۶۱ھ ۔
۴ ۔ تاریخ صغیر ، صفحہ ۲۸۶ ، طبع الہ آباد ۔

ذہبی[1] ، عسقلانی اور صاحب تاریخ گزیدہ[2] وغیرہ نے یہی سنہ اختیار کیا ہے -
البتہ ابن خلکان اور مؤرخ یافعی ۱۶۲ھ (۷۷۸ء) بھی لکھتے ہیں لیکن خود
انھیں اس پر اعتماد نہیں - چنانچہ دونوں نے ''بقول بعض'' کہہ کر اس قول
کی تضعیف کردی ہے - صاحب خزینۃ الاصفیا (صفحہ ۲۹۷) کو اجماعی سال کے
علاوہ دوسرا سنہ ۱۵۵ھ (۷۷۱ء) ملا ہے لیکن وہ بھی ''بقول بعض اہل اخبار''
کہہ کر صحت کے ذمہ دار نہیں بنتے -

علامہ ذہبی کی ''طبقات الحفاظ'' کے خلاصے میں جو سیوطی کا نتیجہ' قلم
ہے ، ۱۶۹ھ (۷۸۵ء) سال وفات درج ہے[3] لیکن اس کتاب کے قلمی نسخہ
رام پور میں ۱۴۱ھ (۷۵۸ء) ملتا ہے - چونکہ یہ دونوں سنہ ذہبی کی
تصریح کے خلاف ہیں ، نیز پر اغلاط نسخوں میں پائے جاتے ہیں ، اس لیے ان
کو ۱۶۱ھ کی تصحیف سمجھنا چاہیے -

عمر :

سفیان کی مقدار عمر میں بھی اختلاف ہے - سمعانی ، یافعی اور مناوی نے ۶۶ ،
عسقلانی اور صاحب تاریخ گزیدہ نے ۶۴ اور مسعودی نے ۶۳ سال لکھے ہیں -
چونکہ ثوری کے سال وفات ۱۶۱ھ پر سب کا اجماع ہے اور یہ امر ولادت کے
بیان میں ثابت ہو چکا ہے کہ وہ سلیمان کے عہد میں سنہ ۹۷ھ میں پیدا ہوئے ،
اس لیے عسقلانی کا بیان صحیح ہے -

اولاد :

سفیان نے اپنے بعد کوئی اولاد نہ چھوڑی - اُن کے صرف ایک لڑکا تھا ،
جس سے بے حد مانوس تھے اور اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھے دنیا میں
اس سے محبوب تر کوئی شے نہیں - کاش میں اس سے پہلے چل بسوں لیکن جب
وہ اُن کے سامنے فوت ہو گیا تو انھوں نے اپنی ساری پونجی بہن اور بھانجے
عمار بن محمد کو ہبہ کردی - مبارک بن سعید اُن کے بھائی نے بعد میں وفات پائی

---

۱ - تذکرۃ الحفاظ و دول الاسلام مخطوطہ ، ذکر مہدی -
۲ - تہذیب و تقریب التہذیب ، صفحہ ۱۵ ، طبع الہ آباد ۱۲۷۱ھ و تاریخ
گزیدہ جلد۱ ورق ۷۵۸ ، طبع لیڈن -
۳ - خلاصۂ طبقات ، صفحہ ۳۵ ، طبع یورپ -

لیکن اُنھیں ورثے میں کچھ نہ ملا[1] ۔

حکیمانہ اقوال :

سفیان کے حکیمانہ اقوال کتب تاریخ و ادب و سلوک میں بہ کثرت منقول ہیں - ہم یہاں ان کا انتخاب درج کرتے ہیں :

۱ - عالم طبیب اور روپیہ مرض ہے - پس جب طبیب خود مریض ہو تو وہ دوسروں کا علاج کیا کرے گا ۔

۲ - لوگوں کے لیے حدیث سے زیادہ نافع کوئی علم نہیں - نہ کوئی عمل طلب حدیث سے افضل ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو لیکن یہ پُر خطر بہت ہے -

۳ - اہل حدیث کو زکٰوۃ دینا لازم ہے ، یعنی ۴۲ احادیث میں سے کم از کم پانچ پر ضرور عمل کریں ۔

۴ - جو درویش توانگروں کے آس پاس پھرے ، وہ ریا کار ہے - جو بادشاہ کے پاس آمد و رفت رکھے ، وہ چور ہے اور جو اپنی ذات کو دوسروں سے افضل سمجھے وہ متکبر ہے ۔

۵ - کھانے کی لذت اور بدمزگی ہونٹ سے حلق تک رہتی ہے ، اس لیے اتنا صبر کر لو کہ وہ حلق سے اُتر جائے - چونکہ یہ سفر بہت جلد طے ہو جاتا ہے اس لیے اتنا صبر چنداں دشوار نہیں ۔

۶ - جو شخص خدا کی راہ میں ناپاک کمائی صرف کرتا ہے ، گویا وہ پیشاب سے کپڑا پاک کرنا چاہتا ہے -

۷ - جب خود عالم بگڑ جائیں تو بتاؤ اُن کی اصلاح کرنے کون آئے ۔

۸ - جب تم کسی کو ایسا کام کرتے دیکھو جس کے تم خلاف ہو تو اُس شخص کی توہین نہ کرو ۔

۹ - عقل مند کی شان یہ ہے کہ اگر اُس کا ہاتھ بٹانے والا کوئی ہو تو خود دنیا پر نہ جھکے ۔

---

۱ - ابن سعد ، جلد ۶ ، صفحہ ۲۵۷ و کتاب المعارف لابن قتیبہ صفحہ ۲۱۸ -

۱۰ - ایک شخص نے کہا کہ کچھ نصیحت کیجیے - آپ نے کہا ''یہ غور کرتے رہنا کہ تمھاری روٹی کہاں سے آتی ہے''۔

۱۱ - بڑے آدمی کے ساتھ سفر کبھی نہ کرنا ، کیونکہ تم اس کے برابر خرچ کرو گے تو تمھیں نقصان پہنچے گا اور اگر اُس سے کم اُٹھاؤ گے تو وہ تم سے بچے گا ۔

۱۲ - بیویوں کی کثرت دنیا داری نہیں کہی جا سکتی کیونکہ جناب علی ، ازہد صحابہ میں تھے مگر آپ کے پاس چار بیویاں اور اُنیس باندیاں تھیں ۔

۱۳ - اس زمانے میں نجات لوگوں سے پرہیز کرنے میں ہے لٰهذا اُمرا سے بچو - لوگ تم سے کہیں گے کہ اُمرا سے ملاقات رکھنے کی صورت میں آپ ضرورت مندوں کی سفارش کر سکتے ہیں ، مظلوم کی حمایت کر سکتے ہیں ، ظلم کو روک سکتے ہیں ، مگر یہ سب شیطان کا فریب ہے -

۱۴ - اگر تم اپنے آپ کو پہچان لو تو لوگوں کی بری بات سے تکلیف نہ ہو -

۱۵ - عادل امام پانچ ہیں : خلفائے اربعہ اور عمر بن عبدالعزیز - جو شخص اُن کے علاوہ کسی کو عادل کہے، وہ حد سے بڑھ گیا ۔

تصنیفات :

اس باب میں علما کا اتفاق ہے کہ مذہب اور متعلقات مذہب پر تصنیف و تالیف کا آغاز اسلام کی دوسری صدی میں ہوا ، لیکن شرف اولیت میں مختلف اقوال مروی ہیں - حاجی خلیفہ لکھتا ہے[1] :

''خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ بعض علما امام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج البصری المتوفیٰ ۱۵۵ھ کو اور بعضے سعید بن عروبۃ المتوفیٰ ۱۵۶ھ کو پہلا مصنف قرار دیتے ہیں، مگر ابو محمد رامہرمزی

---

۱ - کشف الظنون ، جلد ۱ ، صفحہ ۸۰ و ۸۱ -

بقول بعض اصحاب ربیع بن صبیح المتوفی ۱۶۰ھ کو یہ شرف عطا کرتے ہیں ۔''

حاجی خلیفہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ مصنفین اسلام کا طبقۂ اولیٰ ہے ۔ طبقۂ ثانیہ میں ابن عینیہ ، امام مالک ، ابن وہب ، معمر ، امام ثوری وغیرہ اصحاب ہیں ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ چونکہ یہ اصحاب معاصر اور ایک دوسرے سے صرف چند سال کے تفاوت سے فوت ہوئے ہیں اس لیے بغیر کافی تاریخی شہادت کے کسی ایک کو بھی پہلا مصنف قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ البتہ امام سفیان ثوری کے متعلق اس قدر یقینی ہے کہ وہ مصنفین اسلام کی ابتدائی جماعت سے تعلق رکھتے تھے ۔

سفیان ثوری کی مصنفات کی صحیح تعداد معلوم نہیں ۔ بعضے اصحاب نے ابن قتیبہ کی پیروی میں یہ یقین کر لیا ہے کہ ثوری نے مرتے وقت وصیت کرکے اپنی تمام تصنیفات نذر آتش کرادی تھیں ، اس لیے آج اُن کا وجود عنقا ہے ۔ لیکن درحقیقت یا تو ثوری نے یہ وصیت ہی نہیں کی یا اگر کی تھی تو اُس پر عمل نہیں کیا گیا ، کیونکہ اُن کی بعضے تصنیفات تیرھویں صدی ہجری کے وسط تک درس و تدریس میں کام آتی رہی ہیں ۔

ثوری کی وہ کتابیں جن کے اسماء اور مضامین دونوں ہمیں معلوم ہو چکے ہیں ، حسب ذیل ہیں :

۱ ۔ الجامع الکبیر فی الفقہ والاختلاف :

یہ کتاب ابوبکر محمد بن ابی الخیر الاموی نے چوتھی صدی ہجری میں[۱] ، اور علامہ محمد عابد بن احمد علی سندی نے تیرھویں صدی ہجری کے نصف اول میں پڑھی تھی[۲] ۔

۲ ۔ الجامع الصغیر ۔

۳ ۔ کتاب الفرائض :

---

۱ ۔ الفہرست ، صفحہ ۲۷۵ ، طبع سرقسطہ ۱۸۹۳ء ۔

۲ ۔ حصر الشارد ، مخطوطہ ، حرف جیم ، تصنیف ۱۲۳۰ھ ۔

یہ فرائض نامہ محمد عابد سندی نے پڑھا ہے ، اس لیے تیرھویں صدی کی موجودات میں شمار کیا جائے گا [۱] ۔

۴ ۔ کتاب التفسیر :

یہ تفسیر کشف الظنون میں تفسیرالثوری کے نام سے مذکور ہے ۔ لیکن خود حاجی خلیفہ کی نظر سے نہیں گزر سکی ، اس لیے وہ صرف ''ذکرہ الثعلبی'' لکھ کر گذر گئے ہیں ۔ البتہ علامہ محمد عابد سندی [۲] نے اسے پڑھا تھا : چنانچہ وہ اس کا سلسلۂ سند اس طرح بیان کرتے ہیں :

''اما کتاب التفسیر للامام الثوری فانا ارویہ عن الشیخ صالح الفلانی عن محمد بن مسند عن مولائی الشریف محمد بن عبداللہ باجازتہ عن محمد بن عبدالرحمان العلقمی عن الحافظ السیوطی عن الحافظ ابن حجرعن عبدالقادر بن محمد بن علی الدمشقی سبط الحافظ الذھبی انا احمد بن علی بن الحسن الجزری انا محمد بن اسمعیل بن ابی الفتح خطیب مرو انا علی بن حمزہ بن علی بن طلحۃ البغدادی انا ابوالقاسم ھبۃ الدین محمد بن عبد الواحد ابن الحصین انا محمد بن ابی ابراھیم بن غیلان انا محمد بن عبداللہ ابن ابراھیم الشافعی انا اسحاق بن الحسن الجزمی انا ابو حذیفۃ موسیٰ بن مسعود النھدی عن سفیان الثوری۲ ۔''

اس سند سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سفیان سے روایت تفسیر کا شرف اُن کے شاگرد ابوحذیفۃ النھدی کو حاصل ہؤا ۔ ان چار کتابوں کے علاوہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں ، فہرست ابن ندیم اور تاریخ ابی المحاسن کے حوالے سے دو رسالے اور بھی اُن کی مصنفات میں شمار کیے گئے ہیں ۔ لیکن خود مقالہ نگار کو بھی ان رسائل کے القاب اور مضامین سے واقفیت نہیں اس لیے ان کا ذکر بکار آمد نہیں ۔

---

۱ ۔ ایضاً ، حرف فا ۔

۲ ایضاً حرف تا ، ورق ۱۳۹ الف ۔

گزشتہ صدی میں پریس کے وجود میں آجانے کے سبب جہاں علماے اسلام کی دوسری ہزارہا نادرہ‌کار کتابوں کو صفحۂ ہستی سے ناپید ہونا پڑا، وہیں سفیان کی تصنیفات بھی نذر عدم ہوگئیں ۔ لیکن خوش قسمتی سے کتب خانۂ عالیۂ رام پور میں ”کتاب التفسیر“ کا ایک نسخہ نکل آیا ۔ یہ علم کلام عربی کی ایک کتاب کے آخر میں مجلد تھا ۔ مرتبین فہرست عربی نے اصل کتاب کا جز خیال کرکے اُس کی طرف توجہ نہ کی اور تقریباً پچاس برس تک وہ نسخہ اپنی مستقل ہستی فنا کیے رہا ۔ گزشتہ سال میں مخطوطات علم کلام عربی کی از سر نو فہرست مرتب کر رہا تھا کہ یہ دُرِ مکنون ہاتھ آیا ۔

یہ نسخہ قدیم عربی خط میں دبیز کاغذ پر لکھا گیا ہے ۔ کاغذ، روشنائی اور رسم خط سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ چھٹی صدی ہجری سے اُس طرف کا نوشتہ ہے ۔ اول و آخر سے چند اوراق ضائع ہو گئے ہیں ۔ اس وقت اٹھارہ ورق باقی ہیں ۔ ہرصفحے میں ستائیس سے لےکر اکتیس تک سطور ہیں ۔ سائز $7 \times 10\frac{1}{2}$ اور $4\frac{3}{4} \times 7$ ہے ۔

کتاب آیت ”لا اکراہ فی الدین“ کی تفسیر سے شروع ہو کر سورۂ ’والطور‘ کی آیت اولیٰ کی تفسیر کے آغاز پر ختم ہو جاتی ہے ۔ ہر سورۃ کا عنوان جدا ہے ۔ تفسیر کے لیے وہی آیات انتخاب کی گئی ہیں جن میں کوئی مشکل لفظ یا محاورہ یا کوئی تلمیح ہے، اور ہر تفسیر بیشتر تابعی یا صحابی اور کمتر خود رسول اللہ تک پہنچائی گئی ہے ۔ مفسر نے الفاظ تفسیر میں بے حد اختصار سے کام لیا ہے ۔

تفسیر کے موجودہ نسخے کا آغاز یہ ہے :

”. . . . . . الاسلام یعنی ظورتهم (؟) فنزلت لا اکراه فی الدین ، سفیان عن منصور بن المعتمر عن مجاهد فی قوله و یلعنهم اللاعنون قال العقارب و الخنافس والدواب یقولون حبس عنا المطر بذنوب بنی آدم“ الخ ۔

خاتمے کی عبارت یہ ہے :

”سورة الطور . . . . سفیان عن عمرو بن مرة عن سعید بن جبیر عن

ابن عباس قال ان اللہ . . . .‘‘

سورۂ ’’یٰسین‘‘ اور سورۂ ’’الصافات‘‘ کے آغاز میں سند روایت اس طرح مذکور ہے :

’’حدثنا محمد ثنا ابوحذیفة ثناسفیان ۔‘‘ الخ

ابو حذیفہ کا پورا نام موسیٰ بن مسعود النہدی ہے ۔ عسقلانی وغیرہ نے ان کو تلامذۂ ثوری میں ذکر کیا ہے ۔ یہی بزرگ صاحب ’’حصر الشارد‘‘ کی سند میں سفیان ثوری سے روایت تفسیر کرتے ہیں ۔

ثوری کی اس تفسیر کے متعلق تجویز یہ ہے کہ کتب خانے کی جانب سے اس کو شائع کیا جائے ۔ چنانچہ آج کل میں اس پر کام کر رہا ہوں ۔ انشاء اللہ سال آیندہ میں اس کا ایک اچھا ایڈیشن نذر کیا جائے گا ۔ والحمد للہ فی الاول والاخر[1] ۔ (معارف ، اعظم گڑھ ، اگست و ستمبر ۱۹۳۵ع)

---

۱ ۔ بندۂ حقیر عرشی کا یہ اندازہ غلط نکلا ، اور مختلف اسباب کی بنا پر تفسیر کی اشاعت ۱۹۶۵ع میں ہو سکی ۔ اس ایڈیشن کے دیباچے میں زیادہ تحقیق کے ساتھ سفیان ثوری کے حالات لکھے گئے ہیں ۔ اہل علم اس مقالے کے ساتھ اُسے بھی ضرور ملاحظہ فرمائیں ۔

صحیح مسلم کا ایک قدیم نسخہ ہندوستان میں

کتاب خانۂ رام پور میں مسلم شریف کا ایک پرانا نسخہ محفوظ ہے جو جمادی الاخریٰ سنہ ۷۸۷ھ (۱۳۸۵ء) میں لکھا گیا تھا - اس کی کتابت کا کام دو فاضلوں نے مل کر انجام دیا ہے - پہلی جلد کے کاتب کا نام محمد بن احمد بن محمد اور دوسری کے کاتب کا نام ابراہیم بن حاجی سلیمان بن محمد بن یحییٰ ہے - مقام کتابت 'قلعۂ دارالامان' ہے -

کتاب کو تین حصوں میں لکھا گیا ہے؛ پہلے حصے کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے - دوسرے حصے کے خاتمے میں درج ہے :

''تم المجلد الثانی من صحیح مسلم یوم الجمعة الخامس من جمادی الاخریٰ سنه سبع و ثمانین وسبعمائة بقلعة دارالامان حماها الله تعالی عن الحدثان، بید العبد الضعیف المحتاج الی رحمة الله الاحد، محمد بن احمد ابن محمد حامداً و مسلماً و مستغفراً -'' (ورق ۳۸۵ ب)

آخر کتاب میں حسب ذیل ترقیمہ ملتا ہے :

''تم المجلدالثالث، وهو آخر الکتاب، من صحیح مسلم بن الحجاج، رحمة الله علیه، بحمد الله تعالی و حسن توفیقه فی الثلث والعشرین من جمادی الاخریٰ سنة سبع و ثمانین و سبعمائة علی ید العبد الضعیف المسکین الغریق فی بحار الخطایا، الراجی الی رحمة واهب العطایا، ابراهیم بن حاجی سلیمان بن محمد بن یحییٰ، اصلح الله شانه و رحم اسلافه'' - (ورق ۳۷۵ ب)

کتاب کے حواشی میں جگہ جگہ قراءت وسماع کی یادداشتیں مندرج ہیں - ان میں سے اکثر کے ساتھ تاریخیں بھی موجود ہیں، جن سے بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس کی قراءت میں کتنا وقت لگا - ان میں سب سے پہلی تحریر ورق ۸ الف کے حاشیے پر درج ہے، جس کی تاریخ جمادی الاولی سنہ ۷۸۷ھ

(۱۳۸۵ع) ہے ۔ مگر آخری جلد کے خاتمے پر جو تاریخ سماع درج تھی ، وہ حاشیے کے ساتھ کٹ گئی ہے ، اس لیے واقعی تاریخ ختم قراءت تو بتانا ممکن نہیں ، لیکن اس سے پہلے اندراج کی تاریخ سلخ جمادی الاخریٰ سنہ ۷۸۷ھ (۹ جولائی ۱۳۸۵ع) ہے اور ان دونوں کے درمیان صرف ۲۷ صفحوں کا فصل ہے ، جو ان پڑھنے والوں کی رفتار قراءت کے پیش نظر ایک دن سے زائد وقت کا متقاضی نہیں معلوم ہوتا ، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ یکم رجب کو یہ کام انجام پا گیا تھا ۔

دوسرے اور تیسرے حصوں کے آخر میں استاد نے قاری کا نام تفصیل سے لکھا تھا ۔ اب صرف دوسری کا سماع باقی ہے جو حسب ذیل الفاظ پر مشتمل ہے :

''بلغ سماع مولانا و حبنا و مخدومنا احد العلماء الاعاظم الاکارم مجمع انواع محاسن الممادح و المفاخر و الفضائل و المعالی و الکمالات العلمیة و العملیة ، شمس الملة والدنیا والدین علی الاسم و المنزلة بن مولانا الاعظم عماد بناء الافادة ، اعلی اللہ تعالی شئونها و اوضح براهینها ، فی المجلس الخامس و العشرین فی الثانی عشر من جمادی الثانیہ سنة سبع و ثمانین و سبعمائة ۔ و الحمد کلہ للہ ۔''
(ورق ۳۸۵ ب)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سامع کا نام شمس الدین علی بن عماد تھا ، اور وہ جاہ و منزلت رکھنے والی شخصیت کا حامل تھا ، ورنہ اُسے استاد ایسے القاب کے ساتھ یاد نہ کرتا ۔

مذکورہ سماع کے بعد اس کتاب کو کسی اور محدث نے اپنے بیٹے یحییٰ کو پڑھایا تھا ۔ اس سماع کا پہلا اندراج ورق ۵۸ الف پر ان الفاظ میں کیا گیا ہے :

''بلغ سماع ولدی و فلذة کبدی یحییٰ ، احیاہ اللہ حیوة طیبہ ، و وفقہ للعلم النافع و العمل الرافع ، ۲۰ رجب سنة ۸۰۵ھ ۔''

اس کے بعد ورق ۱۶۳ ب پر لکھا ہے :

''بلغ سماع ولد یحییٰ من والدہ الکاتب ، احسن اللہ الیهما ۰۰۰ من سنة خمس و ثمانمائة ۔ و من هنا سمع ولدی عبدالرحمن ، جعلہ اللہ

تعالیٰ من حزبہ المفلحین‘‘۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع کا اندراج کرنے والے بزرگ کے ایک اور بیٹے عبدالرحمن بھی آخری حصے میں شریک سماع تھے ۔

اس سلسلے کا آخری اندراج ورق ۵۵۰ الف پر ملتا ہے جو ۲۷ رمضان سنہ مذکور کو کیا گیا تھا ۔

حواشی پر اختلاف نسخ بھی پایا جاتا ہے ۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ مصحح نے حسب ذیل ۵ نسخوں سے اس کے متن کی تصحیح کی ہے :

(۱) نسخۂ صاحب الجلودی ۔

جلودی سے مراد ہیں ابو احمد محمد عیسیٰ بن محمد بن عبدالرحمن الزاهد الجلودی النیسابوری متوفیٰ سنة ۳۶۸ھ (۹۷۹ع) ۔ انھوں نے ابراہیم بن محمد بن سفیان النیسابوری متوفیٰ ۳۰۸ھ (۹۲۰ع) سے صحیح مسلم کی روایت کی ہے ، اور ابو عبداللہ حاکم نیسابوری کے بقول ان کے بعد الکسائی سے روایت صحیح کرنے والا کوئی راوی بھی ثقہ نہیں ہے ۔

جلودی کے خصوصی شاگرد جن سے سلسلۂ روایت چلتا ہے ، ابوالحسین عبدالغافر بن محمد بن عبدالغافر الفارسی الفسوی النیسابوری متوفیٰ ۴۴۸ھ (۱۰۵۶ع) ہیں ۔ ان سے الحافظ حسن السمرقندی نے کچھ اوپر تیس بار اور ابو سعید البحیری نے کچھ اوپر بیس بار صحیح مسلم کی قرأت کی تھی ، اس لیے ان کا نسخہ اہم شمار کیا جانا چاہیے ۔

(۲) نسخۂ مغربیہ ۔

علامہ نووی نے دیباچۂ شرح مسلم میں لکھا ہے کہ مشرق میں صحیح مسلم بروایت ابو اسحق ابراہیم بن محمد بن سفیان عن الامام مسلم مروج ہے ۔ لیکن بلاد مغرب میں اس کا رواج ایک اور سند سے ہے ، جو صرف وہیں پائی جاتی ہے ، اور وہ ہے ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ الحذاء التمیمی القرطبی ، عن ابی العلاء عبدالوہاب بن عیسیٰ بن عبدالرحمن بن ماہان البغدادی ، عن ابی بکر احمد بن محمد بن یحییٰ الاشقر الفقیہ الشافعی ، عن ابی محمد القلانسی ، عن مسلم بن الحجاج القشیری ۔‘‘

میری دانست میں ہمارے نسخے کے مصحح نے ’’نسخۂ مغربیہ‘‘ سے یہی نسخہ مراد لیا ہے جو بروایت مذکورہ بلاد مغرب میں مروج تھا ۔

(۳) نسخۂ حافظ اسمٰعیل اصفہانی ۔

اس سے مراد الحافظ ابوالقاسم اسمعیل بن محمد بن الفضل القرشی الاصفہانی الملقب بقوام السنة ہیں ، جو سنہ ۴۵۷ھ (۱۰۶۵ع) میں پیدا ہوئے اور آخر سنہ ۵۳۵ھ (۱۱۴۱ع) میں انتقال کر گئے ۔ یہ ابن مردویہ وغیرہ کے شاگرد اور حافظ ابن عساکر صاحب تاریخ دمشق کے استاد ہیں ۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ (جلد ۴ صفحہ ۷۲) میں عبدالجلیل بن محمد کوباہ کی زبانی اس عہد کے ائمہ بغداد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے بعد بغداد میں ان سے بڑا فاضل اور حافظ حدیث نہیں آیا ۔

(۴) نسخۂ حافظ عبدالغنی مقدسی ۔

حافظ عبدالغنی سنہ ۵۴۱ھ (۷-۱۱۴۵ع) میں پیدا ہوئے اور سنہ ۶۰۰ھ (۴-۱۲۰۳ع) میں فوت ہوئے ہیں ۔ تاج الکندی کا قول ہے کہ دار قطنی کے بعد ان جیسا محدث کوئی نہیں ہوا ۔ فن حدیث میں ان کی متعدد تصانیف ہیں[1] ۔

(۵) نسخۂ مکیہ ۔

کتاب کے ورق ۵۴۹ ب کے حاشیے میں اس نسخے کا حوالہ ہے ۔ مجھے اس کے بارے میں پتا نہ چل سکا کہ یہ کس کا نسخہ تھا ۔

قرأت و سماع کے علاوہ حاشیوں میں الفاظ کی تشریح اور مطالب کی توضیح بھی ملتی ہے ۔ ان میں سے بعض کے آخر میں کاتب کا نام ''محمود عماد'' لکھا ہوا ہے ۔ انھوں نے ایک جگہ ''تقریب'' اور دوسری جگہ ''التقریب و التہذیب'' کا حوالہ دیا ہے ؛ یہ دونوں کتابیں ابن حجر عسقلانی متوفیٰ سنہ ۸۵۲ھ (۱۴۴۹ع) کی تالیف ہیں ، اور ان میں سے التہذیب سنہ ۸۰۸ھ (۱۴۰۵ع) میں اور التقریب سنہ ۸۲۷ھ (۱۴۲۴ع) میں لکھی گئی تھی ۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مذکورہ حاشیے سنہ ۸۲۷ھ کے بعد لکھے گئے تھے ۔

اس نسخے سے پہلے قاری شمس الدین علی بن عماد کے نام کے پیش نظر یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ ''محمود عماد'' ان کے چھوٹے بھائی تھے ۔

نسخے کے سرورق پر حسب ذیل تحریریں اور مہریں ثبت ہیں :

---

۱ ۔ تذکرۃ الحفاظ ۴/۱۶۰ ۔

(۱) مُہر عبدالرحیم خانخاناں ۔

اس مُہر کے اندر لکھا ہے : ''عبدالرحیم بن محمد بیرم ۹۹۱'' اور مہر کے نیچے یہ عبارت درج ہے : ''صحیح مسلم در حدیث کہ در شہور سنہ ۹۹۲ در دارالامان احمد آباد داخل کتاب خانۂ خاصہ شدہ ۔''

(۲) مُہر موسوی خان ۔

اس مُہر کے اندر منقوش ہے : ''موسوی خان ۱۰۲۹'' اور مُہر کی دائیں جانب یہ عبارت درج ہے : ''اللہ اکبر ۔ صار مما صار لخادم الفقراء الاحقر موسوی خان علی اکبر عفی عنہ ۔

و حسبک قول الناس فیما ملکتہ لقد کان ھذا مرۃً لفلان''

(۳) مہر حسن الحسنی ۔

اس مُہر میں منقوش ہے : ''المتوکل علی اللہ الغنی حسن الحسنی''۔ مُہر کے اوپر لکھا ہے : ''اللہ اکبر ۔ شرفنی باعطاء ھذا الکتاب النفیس الشریف . . . جعلہ اللہ من الفائزین بالدرجۃ العلیا ۔ حرر اقل مخلصیہ حاجی حسن الحسنی القزوینی عفی عنہ و عن والدیہ بحرمۃ النبی وآلہ علیھم السلام''۔

منقوط حصہ کبھی ضائع ہو گیا ہے ، اس لیے معطی کا نام معلوم نہ ہو سکا ، لیکن بظاہر یہ عبدالرحیم خانخاناں ہی تھا ۔

(۴) حاجی حسن کی تحریر کے نیچے لکھا ہے : ''انتقل من السید الاجل بطریق الھبۃ والعطیۃ الی اقل محبیہ میرزا علی الحسینی الجیلانی''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی حسن الحسنی نے یہ کتاب علی الحسینی کو تحفے میں دے دی تھی ۔

(۵) ایک محو شدہ مُہر کے نیچے لکھا ہے : ''قد انتقل الیّ بالشراء الصحیح الشرعی فی سلخ صفر للسنۃ العشرین و الالف الھجریۃ ۔ وصلی اللہ علی محمد و آلہ و اصحابہ ۔''

(۶) مُہر مولوی امان اللہ ۔

اس کے نیچے صاحب مُہر نے لکھا ہے : ''انتقل الیّ من مشتری ورثتہ بالابتیاع الشرعی'' لیکن مہر مٹا دی گئی ہے ، اور اُس کے محاذ میں کسی نے لکھا ہے : ''مُہر مولوی امان اللہ کہ در معرکۂ نادر شاہ شہید شدہ ۔''

میرزا محمد حارثی بدخشی نے تاریخ محمدی (جلد ۲ ، حصہ ۲ ، صفحہ ۱۰۳)

میں لکھا ہے کہ یہ ۱۵ ذیقعدہ ۱۱۵۱ھ (۱۷۳۹ع) کو شہید ہوئے تھے ، اور اس زمانے میں عمر کی چھٹی دہائی میں تھے ۔

(۷) درایت خان ۔

انھوں نے مہر کے نیچے لکھا ہے : ''غرۂ محرم الحرام سنہ ۱۱۷۲ . . . نمود ۔ فقط'' ۔ منقوط حصے کی جگہ غالباً لفظ ''ابتیاع'' یا ''خرید'' تھا ۔

(۸) مُہر محمد مراد الدین ۔

ان کی مہر میں منقوش ہے: ''محمد مراد الدین احمد علی'' اور اس کے نیچے لکھا ہے : ''ابتہجت بتملیک ذلک الکتاب المستطاب عبید آل طٰہٰ و یسین محمد مراد الدین بن السید احمد ۔''

(۹) سرورق کے بالائی بائیں گوشے میں لکھا ہے : ''از کتب حافظ غلام حسین متوفاں''۔

(۱۰) تحریر نواب خلد آشیاں ۔

سرورق کے نچلے دائیں گوشے میں نواب کلب علی خاں بہادر خلد آشیاں والیِ رام پور متوفٰی سنہ ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۷ع) نے اپنے قلم سے لکھا ہے : ''بتاریخ ۱۷ شوال سنہ ۱۲۷۳ھ محمد کلب علی عفی عنہ این نسخہ را از برادر زادۂ حافظ غلام محمد خان بقیمت ۲۵ روپیہ خرید نمود''۔ نیز کتاب کے آخری ورق کے صفحۂ الف پر لکھا ہے : ''الحمد للہ کہ بتاریخ شانزدھم شوال سنہ ۱۲۷۳ھ نسخۂ ھذا بہ قیمت بست و پنج روپیہ خرید نمود ۔ (مہر : محمد کلب علی خان) ۔

خلد آشیاں سنہ ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۵ع) میں تخت نشین ہوئے تھے ، لہذا یہ تحریر ان کی ولی‌عہدی کے زمانے کی ہوگی ۔

مذکورہ مہروں اور تحریروں کے علاوہ نسخے میں دو جگہ (ورق ۶ الف اور ۳۱۷ الف) سلطان محمود گجراتی کی مہر ہے ۔ ان میں سے پہلی جگہ مہر کے نیچے کسی نے شنجرف سے لکھا ہے : ''مہر سلطان محمود گجراتی فقط'' ۔ مہر کے اندر یہ شعر کھدا ہوا ہے :

تا بلوحِ آسمان باشد متون مہر و ماہ
جاودان بادا نشان خاتم محمود شاہ

اور شعر کے ساتھ یہ دعائیہ جملہ بھی درج ہے : ''خلد اللہ ملکہ و سلطانہ''۔

سلطان محمود گجراتی معروف بہ بیگڑا سنہ ۸٦۳ھ (۱۴۵۹ع) میں تخت نشین ہوا اور سنہ ۹۱۷ھ (۱۵۱۱ع) میں مر گیا - نویں صدی کا آخری حصہ اس کے لیے آسودگی و اطمینان کا زمانہ تھا - چنانچہ سنہ ۸۹۲ھ (۱۴۸۷ع) میں اس نے احمد آباد کی چار دیواری تعمیر کرائی ، اور اس کے دروازے پر ایک پتھر نصب کرایا جس میں آیت کریمہ : ''من دخلہ کان آمناً'' کندہ تھی -

مذکورہ بالا تمام مطالب کو سامنے رکھنے سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں :

(۱) یہ نسخہ سنہ ۸۷۷ھ میں لکھا گیا -

(۲) اس کا مقام کتابت قلعۂ دارالامان تھا -

(۳) سنہ ۸٦۳ھ اور سنہ ۹۱۷ھ کے درمیان کسی تاریخ میں یہ نسخہ سلطان محمود گجراتی کے کتاب خانے میں داخل ہوا -

(۴) سنہ ۹۹۲ھ میں خانخانان نے گجرات فتح کرکے اسے کتاب خانۂ خاصہ میں داخل کر لیا -

(۵) خانخانان کے پاس سے حاجی حسن قزوینی کے پاس ، اور اس سے میرزا علی جیلانی کے قبضے میں گیا - پھر عہد جہانگیری میں موسوی خان علی اکبر کی ملکیت میں داخل ہوا - اُن کے بعد نادر شاہ کے حملے تک یہ دہلی ہی میں ادھر سے اُدھر منتقل ہوتا رہا ، تا آنکہ اس کے مالک مولوی امان اللہ ، نادری سپاہ کے ہاتھوں شہید ہو گئے- ان کے بعد کسی مراد الدین ولد سید احمد کے ہاں پہنچا - بعد ازاں رام پور میں حافظ غلام حسین کی ملکیت میں آیا ، اور سنہ ۱۲۷۳ھ میں نواب خلد آشیاں - حافظ غلام محمد خاں کے بھتیجے سے خرید لیا - اس وقت سے اب تک کتاب خانۂ رام پور میں محفوظ ہے -

ان نتائج کو ذہن میں رکھ کر مرحوم و مغفور مولانا سید سلیمان ندوی کے اس نوٹ کو پڑھیے جو انھوں نے فروری سنہ ۱۹۲۹ع کے معارف میں نواب حبیب الرحمن خان شروانی مرحوم کے اس مقالے کے شروع میں لکھا تھا ، جس میں نواب صاحب نے اپنے کتاب خانے کے ایک نسخۂ صحیح مسلم کا تعارف کرایا تھا - اس نوٹ کا ماحصل یہ ہے :

(۱) نویں صدی ہجری تک ہندوستان میں صرف مشارق الانوار کا نسخہ

نظر آتا ہے ۔

(۲) عہد اکبری میں کتب حدیث میں سے شمائل کا نسخہ غالباً ہندوستان پہنچ چکا تھا ۔ ملا عبدالنبی اور ملا یعقوب حجاز سے حدیث پڑھ کر آئے تھے ، وہ اپنے ساتھ لائے ہوں گے ۔

(۳) سب سے پہلے شیخ عبدالحق محدث دہلوی عرب سے کم از کم مشکٰوۃ ، مؤطا امام مالک ، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے نسخے لائے ۔

(۴) سلاطین تیموریہ کے کتب خانے سے حدیث کا کوئی نسخہ برآمد نہیں ہوا ۔ میں نے اس نظر سے خاص طور سے یورپ اور ہندوستان کی مطبوعہ فہرستیں دیکھی ہیں ۔

(۵) لیکن بنگال میں خواجگی شروانی نے صحیح بخاری کا ایک نسخہ علاء الدین شاہ حسین (۲۷-۹۰۵ھ) کی نذر کیا تھا ، جو خود خواجگی نے لکھا تھا ۔

میں عرض کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا نسخہ صحیح مسلم سے ان دعووں کی تائید نہیں ہوتی ۔

اولاً تو یہی ممکن ہے کہ اس نسخے کی کتابت ہندوستان میں ہوئی ہو ، کیوں کہ جغرافیے کی کتابوں سے بیرون ہند کسی ''قلعۂ دارالامان'' کا پتا نہیں چلتا ، اور گو کہ ہندوستان میں بھی اس نام کا قلعہ نظر نہیں آتا ، لیکن عبدالرحیم خانخاناں نے اپنی تحریر میں ''دارالامان احمد آباد'' لکھا ہے ۔ بظاہر اس کی وجہ احمد آباد کے دروازۂ شہرپناہ پر آیۂ کریمہ ''من دخلہ کان آمنا'' کا لکھا جانا قرار پاتا ہے ، لیکن بعید نہیں کہ جس پرانی گڑھی کے پاس احمد آباد بسایا گیا تھا ، مسلمانوں نے اسے فتح کرکے ''قلعہ دارالامان'' نام سے موسوم کر دیا ہو ۔ اگر یہ قیاس درست ہے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ آٹھویں صدی میں گجرات کے اندر صحیح مسلم کے متعدد نسخے موجود تھے ۔ چونکہ تاریخی شہادتیں بھی جیسا کہ میں آئندہ صفحات میں پیش کر رہا ہوں ، اس نتیجے کے حق میں ہیں ، اس لیے میں مولانا مرحوم کے نمبر ۱ کو محل نظر جانتا ہوں ۔ اور چونکہ یہ امر کہ نویں صدی میں زیر بحث نسخہ احمد آباد میں موجود تھا ، نا قابل تردید ہے ، اس لیے مولانا کے نمبر ۲ اور ۳ کو بھی تسلیم نہیں کرتا ۔

اب میں تاریخی شواہد پیش کرتا ہوں جن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آغاز ورود اسلام سے ہندوستان میں علم حدیث کا قابل التفات حد تک چرچا رہا ہے ، اور اکبر کے عہد سے بہت پہلے محدثین ہند صحاح سے کماحقہ واقف ہو چکے تھے ۔

تاریخ ہند اور تاریخ اسلام دونوں پر نظر رکھنے والے حضرات بخوبی واقف ہیں کہ ہندوستان میں ارباب حدیث کی آمد تبع تابعین کے دور سے شروع ہوگئی تھی ۔ چنانچہ حضرت حسن بصری کے اُن دو شاگردوں کے نام تاریخوں میں محفوظ ہیں جو ہندوستان آئے تھے :

(۱) ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ البصری : یہ حسن بصری کے علاوہ امام ابن سیرین اور ابو حازم الاشجعی کے بھی شاگرد تھے ۔ امام سفیان ثوری ، ابن عینیہ اور یحییٰ القطان جیسے نامور محدثوں نے ان سے روایت حدیث کی ہے ۔ یہ صحاح ستہ کے رواۃ میں بھی شامل ہیں ، اور صاحب الحسن البصری کہلاتے ہیں[1] ۔

امام بخاری نے التاریخ الکبیر (۵٦/۲/۱) میں ، ابن ابی حاتم نے کتاب الجرح والتعدیل (۳۲۹/۱/۱) میں اور دوسرے تمام علماے رجال نے اپنی اپنی کتابوں میں ان کا ذکر کیا ہے ۔

(۲) ابوحفص ربیع بن صبیح البصری : یہ حسن بصری کے علاوہ مجاہد ، عطا اور قیس بن سعد کے بھی شاگرد ہیں ۔ ان سے سفیان ثوری ، وکیع اور عبدالرحمن بن مہدی نے روایت کی ہے ۔ بڑے صالح ، صدوق اور مجاہد عالم تھے ۔ بعض ائمۂ رجال نے ان کی تضعیف بھی کی ہے ، لیکن ابن عدی ان کی حدیثوں کو صالح اور مستقیم بتاتے ہیں ۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ بصرے کے زہاد اور عباد میں سے تھے ۔ کثرت تلاوت وغیرہ کی بنا پر ان کا گھر شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح بھنبھناتا رہتا تھا ۔ چونکہ حدیث ان کا فن نہ تھا ، اس لیے روایت میں نادانستہ غلطی ہو جاتی تھی ۔ رامہرمزی نے انہیں پہلا مولف قرار دیا ہے ۔ سنہ ۱٦۰ھ ان کا سال انتقال ہے[2] ۔

---

۱ ۔ نزھۃ الخواطر ۲۳/۱ ۔
۲ ایضاً ۳۱/۱ ۔

تاریخ کبیر بخاری (۲/۱/۲۵۳) اور ابن ابی حاتم کی الجرح والتعدیل (۱/۲/۳۶۳) میں ان کا بھی ذکر موجود ہے ۔

ان حضرات کے بعد اور ان کے فیض صحبت سے ، خود اہل ہند میں بھی فن حدیث کا شوق پیدا ہوا ۔ نتیجہ یہ کہ رجال کی کتابوں میں دیبل وغیرہ کے باشندوں کے نام بھی نظر آنے لگے ۔ ذیل میں چند حضرات کا ذکر کرتا ہوں :

(۱) ابو جعفر محمد بن ابراہیم بن عبداللہ الدیبلی ۔ یہ مکۂ معظمہ میں جا بسے تھے ۔ ابن عیینہ کی تفسیرالقرآن اور ابن المبارک کی کتاب البروالصلة کے راوی ہیں ۔ سمعانی نے کتاب الانساب (۲۳۶ ب) میں اور حموی نے معجم البلدان (۴/۱۱۸) میں ان کا ذکر کیا ہے[۱] ۔

(۲) ان کے بیٹے ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الدیبلی السندی ہیں ۔ یہ موسیٰ بن ہارون اور محمد بن علی الصائغ الکبیر سے روایت کرتے ہیں[۲] ۔ سمعانی نے کتاب الانساب (۲۳۶ ب) میں اور یاقوت حموی نے معجم البلدان (۴ / ۱۱۸) میں ان کا بھی ذکر کیا ہے ۔

(۳) ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن سعید الدیبلی ۔ یہ بڑے عالم اور زاہد مسلمان تھے ۔ ابن خزیمہ اور جعفرالفریابی وغیرہ کے شاگرد اور امام حاکم صاحبِ مستدرک کے استاد تھے ۔ انہوں نے نیشاپور میں رجب سنہ ۳۴۳ھ (۹۵۴ع) میں انتقال کیا[۳] ۔ سمعانی نے کتاب الانساب (۲۳۶ ب) میں ان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے ۔

(۴) ابوالعباس احمد بن محمد بن صالح المنصوری سندھ کے مشہور شہر منصورہ کے قاضی اور بڑے محدث تھے ۔ یہ الاثرم اور اُن کے طبقے کے دیگر محدثین کے شاگرد اور حاکم کے استاد تھے ۔ مذہباً ظاہری اور متعدد کتابوں کے مولف ہیں ۔ مقدسی منصورہ میں ان سے ملا تھا ۔ ابن الندیم نے الفہرست (صفحہ ۳۰۶) میں لکھا ہے کہ کتاب المصباح ، کتاب الہادی اور کتاب النّیر

---

۱ ۔ نزہة الخواطر ۱/۷۰ ۔
۲ ۔ ایضاً ۱/۶۴ ۔
۳ ۔ ایضاً ۱/۶۴ ۔

کے علاوہ اور بھی بڑی بڑی کتابیں انھوں نے تصنیف کی تھیں ۔ سمعانی نے کتاب الانساب (۵۴۳ ب) میں ان کا ذکر کیا ہے[1] ۔

(۵) شعیب بن محمد ابو القاسم الدیبلی المعروف بہ ابن ابی قطعان کا ذکر سمعانی نے کتاب الانساب (۲۳۶ ب) میں کیا ہے ، اور بتایا ہے کہ انھوں نے مصر جاکر وہاں کے محدثوں سے روایت حدیث کی تھی ۔ ابوسعید بن یونس ان کے شاگرد ہیں[2] ۔

(۶) ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن مرۃ المنصوری المقری ۔ یہ الحسن بن مکرم اور اُن کے اقران کے شاگرد اور حاکم کے استاد ہیں ۔ سمعانی نے کتاب الانساب (۵۴۳ ب) میں ان کا بھی ذکر کیا ہے[3] ۔

(۷) ابونصر الفتح بن عبداللہ السندی فقیہ ، متکلم اور محدث تھے ۔ انھوں نے الحسن بن سفیان وغیرہ سے روایت حدیث کی ہے ۔ سمعانی نے کتاب الانساب (۳۱۴ الف) میں اپنی سند سے ان کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک دن یہ اپنے دوستوں اور شاگردوں کے ساتھ کہیں جارہے تھے ۔ راستے میں کیچڑ آ گئی ۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سید زادے شراب میں مدہوش کیچڑ میں سنے پڑے ہیں ۔ ابونصر نے انھیں بہ نظر حقارت دیکھا ، سید صاحب اس پر برہم ہوئے اور بولے کہ ''اے منافق غلام ! میں تو اس حال میں پڑا ہوا ہوں اور تیرا یہ رنگ ہے کہ تیرے پیچھے پیچھے ایک ہجوم چل رہا ہے'' ۔ ابونصر نے ادب سے عرض کیا کہ ''حضرت آپ نے اس پر بھی غور فرمایا کہ ایسا کیوں ہے ۔ بات یہ ہے کہ میں آپ کے جد امجد کے نقش قدم پر چل رہا ہوں اور آپ میرے دادا کے نقش قدم پر'' ۔[4]

(۸) ابوالعباس محمد بن محمد بن عبداللہ الوراق الدیبلی ۔ یہ بڑے صالح اور زاہد تھے ۔ ابوخلیفہ الفضل بن الجناب الجمحی ، جعفر بن محمد بن الحسن الفریابی ، عبدان بن احمد بن موسیٰ العسکری اور محمد بن عثمان بن ابی سدید

---

۱ ۔ نزھۃ الخواطر ۱/۶۵ ۔
۲ ۔ ایضاً ۱/۶۷ ۔
۳ ۔ ایضاً ۱/۶۷ ۔
۴ ۔ ایضاً ۱/۶۹ ۔

البصری کے شاگرد اور حاکم کے استاد ہیں ۔ رمضان سنہ ۳۵۴ھ (۹۶۵ع) سال وفات ہے[۱] ۔

چھٹی صدی کے محدث :

اس کے بعد تقریباً ایک صدی تک ہندوستان میں کوئی محدث نظر نہیں آتا ۔ چنانچہ کتب رجال کا پانچواں طبقہ ان کے ناموں سے خالی ہے ، جس کی ظاہری وجہ سیاسی اعتبار سے اس علاقے کا خلفشار میں مبتلا ہو جانا ہے ۔ لیکن طبقۂ ششم میں ہندی محدثین کی ایک معقول جماعت کام کرتی ملتی ہے ۔ ذیل میں اُن میں سے چند کا اجمالی تذکرہ ملاحظہ فرمائیے :

(۱) ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمن الاشعثی ۔ یہ لاہور کے رہنے والے تھے ۔ ابوالحسن علی بن عمر بن الحکم اللاہوری وغیرہ سے انہوں نے ، اور ان سے سمرقند میں سمعانی نے روایت حدیث کی تھی[۲] ۔

(۲) ابوالحسن علی بن عمر بن الحکم لاہوری بہت بڑے ادیب اور قوی الحافظہ محدث تھے ۔ انہوں نے حدیث کی روایت ابوعلی المظفر بن الیاس بن سعید السعیدی الحافظ سے کی تھی ۔ ان سے ابوالفضل محمد بن ناصر السلامی الحافظ البغدادی اور ابوالفتوح عبدالصمد لاہوری نے روایت کی ہے ۔ سمعانی ان سے ابوالفتوح اور ابوالفضل کی وساطت سے روایت کرتے ہیں ۔ ۵۲۹ھ (۱۱۳۴-۵ع) ان کا سال وفات ہے[۳] ۔

(۳) عمرو بن سعید بھی لاہور کے محدث اور فقیہ تھے ۔ الحافظ ابو موسیٰ احمد بن محمد بن ابی‌بکر الاصفہانی متوفیٰ سنہ ۵۸۱ھ (۱۱۸۵ع) ان کے شاگرد ہیں[۴] ۔

(۴) ابوالقاسم محمود بن محمد بن خلف لاہوری بھی فقیہ اور محدث تھے ۔ یہ فقہ میں ابوالمظفر السمعانی کے شاگرد ہیں ۔ حدیث ان سے اور ابوالفتح عبدالرزاق بن حسان المنیعی ، ابو نصر محمد بن محمد الماھانی ، ابوبکر بن خلف الشیرازی ،

---

۱ ۔ نزهة الخواطر ۱/۷۰ ۔
۲ ۔ ایضاً ۱/۱۰۷ و کتاب الانساب ۷۹م الف ۔
۳ ۔ نزهةالخواطر ۱/۱۰۷ ۔
۴ ۔ ایضاً ۱/۱۰۸ ۔

ابواسحق ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الاصفہانی اور ابو سہل احمد بن اسماعیل بن بشرالنہرجانی سے حاصل کی تھی - ابو سعد سمعانی صاحب ِ کتاب الانساب ان کے شاگرد ہیں - سنہ ۵۴۰ھ (۱۱۴۵ع) کے قریب فوت ہوئے ہیں[1] -

ساتویں صدی کے محدث :

ساتویں صدی میں حسب ذیل محدثین ہندوستان کی مسند حدیث پر متمکن نظر آتے ہیں :

(۱) رضی‌الدین حسن صغانی لاہوری متوفی سنہ ۶۵۰ھ (۱۲۵۲ع) - انہوں نے ہندوستان ، حجاز اور عراق کے محدثوں سے سماع حدیث کیا تھا - مشارق الانوار ان کی شہرۂ آفاق کتاب ہے جس میں صحیحین سے انتخاب کرکے ۲۰۴۶ حدیثیں اکٹھی کی گئی ہیں - اس کے علاوہ ''مصباح الدجیٰ فی حدیث المصطفیٰ'' نام سے ایک اور کتاب بھی مرتب کی تھی جس میں محذوف الاسانید حدیثیں جمع کی تھیں - نیز صحیح البخاری کی ایک شرح بھی ان کی تالیف ہے -

صغانی پہلی بار سنہ ۶۱۵ھ (۱۲۱۸ع) میں بغداد گئے تھے - وہاں سے دو برس کے بعد سنہ ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ع) میں الناصر لدین اللہ عباسی کا فرمان لے کر ایلتتمش کےدربار میں آئے ، اور ۶ یا ۷ سال کےقیام کے بعد ۶۲۴ھ (۱۲۲۶-۲۷ع) میں واپس بغداد پہنچے - اس بار انہیں رضیہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا گیا تھا جہاں سے وہ ۶۳۷ھ (۱۲۳۹-۴۰ع) میں واپس گئے[2] -

(۲) کمال الدین احمد الدخمیسی جو بڑے ثقہ محدث تھے ، ہندوستان آ گئے تھے اور بقول ذہبی یہیں ۶۷۱ھ (۱۲۷۲-۷۳ع) میں فوت ہوئے[3] -

---

۱ - نزھۃالخواطر ۱-۱۱۱ -

۲ - ایضاً ۱/۱۳۷ ، و تاریخ محمدی بحوالۂ الخمیس للدیاربکری ، و مرآۃ الجنان للیافعی ، و حبیب السیر ، وفوات الوفیات ، و طبقات الفقہاء للکفوی ، والجواہر المضیئہ ، و دول الاسلام للذھبی ، و طبقات النحاۃ للسیوطی والبلغۃ -

۳ - نزھۃ الخواطر ۱/۱۲۲ بحوالۂ العبر فیمن غبر للذھبی (حالانکہ اس میں دخمیسی کا ذکر نہیں ہے - عرشی) ، و تاریخ محمدی بحوالۂ دول الاسلام للذھبی ۲/۱۳۱ -

(۳) شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی متوفی سنہ ۶۶۶ھ (۱۲۶۷ع) علوم ظاہر و باطن دونوں کے ماہر تھے ۔ آپ نے سفر حج میں کمال الدین محمد الیمانی سے علم حدیث کی تحصیل کی تھی [1] ۔

(۴) کمال الدین محمد بن احمد ماریکلی دہلوی متوفی سنہ ۶۸۴ھ (۱۲۸۵-۸۶ع) ۔ یہ فقہ و حدیث کے بڑے عالم گنے جاتے ہیں ، اور ان فنون میں برہان الدین محمود بلخی کے شاگرد ہیں جو صغانی کے تلمیذ رشید تھے ۔ نیز صغانی کے دوسرے شاگرد مولف آثار النیرین فی اخبار الصحیحین سے بھی اجازہ رکھتے تھے [2] ۔

(۵) برہان الدین محمود بن ابی الخیر اسعد بلخی متوفی سنہ ۶۸۷ھ (۱۲۸۸-۸۹ع) ۔ یہ امام صغانی سے علم حدیث کی تحصیل کے بعد ہندوستان آئے تھے ۔ اپنے علم و فضل اور زہد و اتقا کے باعث سلطان غیاث الدین بلبن کی نظر میں بڑی وقعت رکھتے تھے ۔ چنانچہ بادشاہ ہر ہفتے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کیا کرتا تھا[3] ۔

آٹھویں صدی کے محدث :

آٹھویں صدی کے محدثین میں حسب ذیل حضرات کے نام ملتے ہیں :

(۱) شیخ نظام الدین اولیا متوفی سنہ ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ع) ۔ آپ نے بدایوں سے دہلی تشریف لا کر علوم شریعت و طریقت کی تحصیل کی تھی ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس ضمن میں علم حدیث کا نام خصوصیت سے لیا ہے ، اور یہ بھی لکھا ہے کہ مشارق الانوار کی سند کمال الدین زاہد سے اور انہوں نے برہان الدین بلخی تلمیذ امام صغانی سے حاصل کی تھی ۔

صاحب نزهة الخواطر نے شیخ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے : "اذا سمعتم

---

۱ - نزهةالخواطر ۱/۱۵۷، و تاریخ محمدی تحت ۶۶۱ھ بحوالہ طبقات الفقہاء لکفوی ، و بدایونی ، و اخبار الاخیار ، و سفینة الاولیاء ، و عرفات العاشقین ، و تذکرۂ گنابی ، و گلزار ابرار ، و اخبار الاصفیاء ۔

۲ - نزهة الخواطر ۱/۲۲۹ -

۳ - ایضاً ۱/۲۰۳ -

بالحدیث ولم تجدوہ فی الصحاح ، فلا تقولوا انہ مردود ۔ بل قولوا : انما وجدناہ فی الکتب المتلقاۃ بالقبول''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے زمانے میں حدیث کی تمام کتابیں صحاح اور غیر صحاح موجود تھیں ، اسی لیے وہ فرماتے تھے کہ صحاح میں کوئی حدیث نہ ملے تو اُسے رد مت کرو ۔ بلکہ یہ کہو کہ مقبول کتابوں میں ہمیں دستیاب نہیں ہوئی ۔ یعنی مقبول کتابوں میں کسی حدیث کے نہ ملنے کا مطلب نہ تو یہ ہے کہ وہ سرے سے موجود ہی نہیں ، اور نہ یہ کہ وہ ناقابل قبول ہے ۔ بہت سی حدیثیں صحیح ہوتے ہوئے صحاح اور مقبول کتابوں میں مروی نہیں ہیں ۔

نیز فوائدالفواد میں ''السخی حبیب اللہ و ان کان فاسقاً'' کے تحت آپ کا یہ قول نقل گیا کیا ہے : ''آنچہ در صحیحین باشد ، آن صحیح باشد[1] ۔''

اس سے یہ بات متحقق ہو جاتی ہے کہ اُس زمانے میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں موجود تھیں ، اور یہ کہ صحیح حدیث معلوم کرنے کے لیے اُن کی طرف رجوع کیا جاتا تھا[2] ۔

(۲) علم الدین بن احمد ملتانی بڑے فقیہ ، اصولی ، محدث اور ادیب تھے۔ انہوں نے حجاز و عراق کا طویل سفر کیا تھا ، اور فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد وہاں کے علماء سے تحصیل علم کر کے ہندوستان واپس آئے تھے ۔ شیخ نظام الدین اولیاء اور قاضی جلال الدین ولوالجی کے درمیان حرمت و حلت سماع پر جو مباحثہ ہوا تھا ، غیاث الدین تغلق نے انہیں کو اُس کا حکم بنایا تھا ، اور انہوں نے احادیث شریفہ کے پیش نظر اباحت سماع کا فیصلہ صادر فرمایا تھا[3] ۔

---

۱ ۔ فوائدالفواد، صفحہ ۵۹ ، طبع ہندو پریس دہلی ۱۳۸۲ھ ۔
۲ ۔ شیخ کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ۱۲۲/۲ ، و تاریخ مہدی بحوالۂ اخبار الاخیار ، و نفحات الانس جامی ، و کلمات الصادقین ، و سفینۃ الاولیاء ، و بدایونی ، و حبیب السیر ، و عرفات العاشقین ، و مآثر رحیمی ، و گلزار ابرار ، و ہفت اقلیم رازی ، و طبقات اکبری ، و اخبار الاصفیاء ۔
۳ ۔ نزہۃالخواطر ، ۵۰/۲ ۔

(۳) فرید الدین محمود بن علی ناگوری متوفی سنہ ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ع) اپنے عہد کے بڑے علما اور مشائخ میں شمار ہوتے ہیں - "سرّالصدور" ان کی ایک تصنیف ہے انھوں نے حدیث کی سند اپنے والد سے پائی تھی[1] -

(۴) عبدالعزیز اردبیلی دہلی کے بہت بڑے عالم تھے اور فقہ و حدیث کے ماہر شمار کیے جاتے تھے - شیخ الاسلام ابن تیمیہ حرانی متوفی سنہ ۷۲۸ھ (۱۳۲۸ع)، جمال الدین مزی متوفی سنہ ۷۴۲ھ (۱۳۴۱ع) اور شمس الدین ذہبی متوفی سنہ ۷۴۸ھ (۱۳۴۸ع) سے حدیث پڑھ کر ہندوستان آئے تھے، اور سلطان محمد تغلق ۷۲۵-۵۲ھ (۱۳۲۵-۵۱ع) کے دربار میں بڑا اعزاز حاصل کیا تھا[2] -

(۵) مولانا زین الدین دیوی بھی بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے - انھوں نے شیخ شرف الدین یحیٰی منیری متوفی سنہ ۷۷۲ھ (۱۳۷۱ع) کی خدمت میں صحیح مسلم شریف کا ایک نسخہ تحفۃً پیش کیا تھا[3] -

(۶) مخدوم جہانیاں جلال الدین حسین بخاری متوفی سنہ ۷۸۵ھ (۱۳۸۳ع) کے بارے میں جامع العلوم میں لکھا ہے کہ وہ محدث اور فقیہ تھے - اصول و فروع دونوں میں امام ابو حنیفہ کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے، مگر نماز میں فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے[4] -

ان کے پوتے حامد الکبیر بن محمود بن حسین الاچی اور جلال الدین احمد بن یعقوب بن محمود بن سلیمان البتی کے متعلق صراحت ملتی ہے کہ یہ دونوں فن حدیث میں مخدوم صاحب کے شاگرد تھے[5] -

(۷) سید امیر علی بن شہاب حسینی ہمدانی متوفی سنہ ۷۸۶ھ (۱۳۸۴ع) نے شیخ نجم الدین ابو المیامن محمد بن احمد الموفق الادکانی سے تحصیل علوم کی تھی اور انھیں سے حدیث پڑھی تھی - سنہ ۷۷۳ھ میں آپ کشمیر تشریف

---

۱ - نزهة الخواطر، ۱۰۹/۲ بحوالہ خزینة الاصفیاء -
۲ - ایضاً ۶۸/۲ -
۳ - ایضاً ۴۶/۲ نقلاً من سیرة الشرف -
۴ - نزهة الخواطر ۲۹/۲ و تاریخ مہدی بحوالہ تذکرۂ گنابی، و اخبار الاخیار، و سفینةالاولیا، و مرآةالعالم، و سنوات اتقاء و گلزار ابرار، و اخبارالاصفیا -
۵ - نزهة الخواطر، ۱۵/۳ و ۵۳ -

لائے ، اور بقیہ عمر کا بڑا حصہ میں تبلیغ و تلقین میں صرف فرمایا ۔

ان کی ایک تصنیف ''الاربعین فی مناقب اہل البیت'' ہے ، جسے اپنے استاد حدیث نجم الادکانی کی سند سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے[1] -

(۸) انھیں کے ساتھ جمال الدین محدث کشمیری تشریف لائے تھے - یہ فقہ ، حدیث ، اصول اور ادب کے فاضل تھے - ہمدانی کے حکم سے سلطان قطب الدین شاہ میرزا کی تعلیم و تربیت کے لیے کشمیر میں اقامت گزیں ہو کر وہیں فوت بھی ہوئے [2]۔

(۹) سلطان فیروز شاہ تغلق ۷۵۱-۹۱ھ (۱۳۵۱-۸۸ع) نے دہلی میں ایک عظیم الشان درس‌گاہ قائم کی تھی - اس کے صدر تھے مولانا جلال الدین رومی شاگرد علامہ قطب الدین رازی شارح شمسیہ - رومی علوم عقلیہ کے علاوہ فقہ ، حدیث اور تفسیر کے بھی بڑے زبردست عالم تھے ، اور ان علوم کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے[3] ۔

اس عہد کے ایک شاعر مطہر کڑہ (مانک پور ضلع الہ آباد) نے ایک مدحیہ قصیدے میں ان کے بارے میں لکھا ہے :

راوی ہفت قراءت ، سند چاردہ علم شارح پنج سنن ، مفتی ہر مذہب چار

اس شعر میں ''پنج سنن'' سے حدیث کی یہ پانچ کتابیں مراد ہیں : صحیح بخاری ، صحیح مسلم ، جامع ترمذی ، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی - اور ان کا شارح وہی کہلا سکتا ہے جو یا تو واقعی ان کی شرحیں لکھ چکا ہو، اور یا انھیں پڑھاتا اور ان پر لیکچر دیتا ہو - میرے علم میں جلال رومی کی شروح پنج سنن نہیں ، اس لیے میں اس کا مطلب آخری شق کو قرار دیتا ہوں ۔

---

۱ - نزہۃ الخواطر ۸۷/۲ ، و تاریخ مہدی بحوالۂ نفحات الانس جامی ، و مجالس المومنین ۔

۲ - نزہۃ الخواطر ۵۰/۳ -

۳ ایضاً ۲۲/۲ -

۴ - اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۵ع صفحہ ۱۳۷ -

(۱۰) خود مطہر کڑہ نے ایک قصیدے میں اپنے کتاب خانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

کتابی ز ہر فن بنزدیک من — نہادہ چو گنجینۂ گوہری
ز طب و ز تاریخہا ، واقدی — ز اخلاق و تہذیب آن ، ناصری
ز عرفان عوارف ، ز وجدان فصوص — ز وعظ و نصیحت کتاب سری
ز نحو و معانی مقالید و فتح — ز صرف و لغت کامل و ازہری،
ز اخبار و آثار ہر دو صحاح — ز تفسیر کشاف ز مخشری[1]

اس میں مطہر نے صراحت کے ساتھ ''دو صحاح'' یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا اپنے کتب خانے میں ہونا لکھا ہے۔

نویں صدی کے محدث:

نویں صدی میں حسب ذیل علما کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ حدیث شریف کے بھی عالم تھے:

(۱) رکن الدین قریشی ظفرآبادی متوفی ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ع) ، یہ فقہ ، اصول ، حدیث اور تفسیر کے علامہ تھے۔ انہیں ایک لاکھ حدیثیں یاد تھیں[2]۔

(۲) فضل اللہ بن فیض اللہ حسینی شیراز کے باشندے تھے۔ فیروز شاہ بہمنی والی گلبرگہ متوفی ۸۲۵ھ (۱۴۲۲ع) کے عہد میں دکن آ گئے تھے۔ مورخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ فیروز شاہ کے دربار میں اہل تشیع اور اہل السنت میں متعہ کی حرمت و حلت کی بحث ہوئی ، تو فضل اللہ نے حلت کی سند میں صحیح بخاری ، صحیح مسلم اور مشکٰوۃ المصابیح سے نکال کر حدیثیں پیش کی تھیں[3]۔

(۳) بدرالدین محمد بن ابی بکر دمامینی مالکی شعبان ۸۲۷ھ (۱۴۲۴ع) میں گلبرگہ میں فوت ہوئے ہیں۔ انہوں نے صحیح بخاری کی شرح بنام ''مصابیح الجامع''

۱۔ اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۵ع صفحہ ۱۳۷۔
۲۔ نزھۃ الخواطر ۳/۷۰۔
۳۔ ایضاً ۳/۱۱۷ ، و تاریخ فرشتہ ، مقالہ ۳ ، روضہ ۱ ، صفحہ ۳۰۷۔

لکھ کر احمد شاہ گجراتی کے نام معنون کی تھی[۱]۔

(۴) شیخ حسین بن معزالدین بلخی طریقۂ فردوسیہ کے ایک بزرگ ہیں۔ انھوں نے اپنے چچا مظفر بن شمس الدین بلخی سے صحیحین پڑھ کر سند لی تھی۔ جب سفر حج کی سعادت پائی، تو عدن میں خطیب عدنی سے بھی سند حاصل کی، اور وہاں سے ہندوستان آکر مسند رشد و ہدایت پر متمکن ہوئے۔ انھوں نے ذی حجہ ۸۳۴ھ (۱۴۳۱ع) میں انتقال کیا ہے[۲]۔

(۵) شیخ محمد بن حسن جمادی الاحری ۸۴۷ھ (۱۴۴۳ع) میں پٹن (گجرات) میں فوت ہوئے ہیں۔ یہ بھی فقہ، حدیث اور تصوف میں منفرد مانے جاتے تھے[۳]۔

(۶) خواجہ محمود گانواں متوفی صفر ۸۸۶ھ (۱۴۸۱ع) دکن کی شہرۂ آفاق شخصیت ہیں۔ انہوں نے ۸۷۶ھ (۱۴۷۲ع) میں بیدر میں ایک عظیم الشان مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ علامہ سخاوی نے الضوء اللامع (۱۴۴/۱۰) میں لکھا ہے کہ یہ ۸۴۳ھ (۱۴۴۰ع) میں قاہرہ آئے، تو ہمارے استاد علامہ ابن حجر عسقلانی کے درس بخاری میں شریک ہوئے اور زین الزرکشی سے صحیح مسلم سنی[۴]۔

(۷) شمس الدین خواجگی بن احمد بن شمس الدین العریضی ملتان کے مشہور فضلا میں ہیں۔ یہ فقہ، حدیث اور تصوف میں بہت بلند درجے کے مالک

---

۱ - نزہۃ الخواطر ۱۲۷/۳، و تاریخ مہدی تحت ۸۲۸ھ بحوالۂ ذیل دول الاسلام، والقول المنبی، و حسن المحاضرہ، و تاریخ سید مصطفیٰ رومی، و ظفرالوالہ در ضمن احمد شاہ، والسلوک در سنہ ۸۲۸ھ، و طبقات النحاۃ، والضوء اللامع، و کشف الظنون حروف ج، ح، ع، ل۔

۲ - نزہۃ الخواطر ۵۸/۳ -

۳ - ایضاً ۳۵/۳ -

۴ - ایضاً ۱۶۵/۳، و تاریخ مہدی بحوالۂ عرفات العاشقین، و ظفر الوالہ، و مآثر رحیمی، و دول الاسلام، وصبح صادق، و ہفت اقلیم رازی، و طبقات اکبری در سنہ ۸۸۷ھ، و الضوء اللامع، و مرآۃ اسکندری، و تقویم التواریخ -

تھے ، اور ۱۸ محرم ۸۹۸ھ (۱۴۹۲ع) میں فوت ہوئے ہیں[1] -

(۸) خضر بن حسن العمری الادھمی بہت بڑے محدث تھے - یہ بلخ سے ہندوستان آئے تو حکومت جونپور کی طرف سے لکھنؤ میں رہ کر تدریس و تعلیم کی خدمت سپرد ہوئی ، اور مدد معاش کے لیے ملیح آباد میں چند گاؤں عطا ہوئے - ان کے بیٹے قطب الدین نے انھیں سے حدیث پڑھی تھی[2] -

دسویں صدی کے محدث :

دسویں صدی ہجری میں فن حدیث ہندوستان کے اندر زیادہ برگ و بار لایا۔ اس صدی میں بیرونی محدث بھی ہندوستان میں آئے ، اور خود ہندوستانی علما نے بھی ممالک اسلامیہ کا زیادہ سفر کیا ، اور عراق و حجاز کے مشہور محدثین سے اس علم کی سندیں اور اجازے حاصل کرکے واپس آئے - ذیل میں چند علما کے نام ملاحظہ فرمائیے :

(۱) شیخ سعد اللہ لاری ، ایران سے ہندوستان آ کر مانڈو میں آباد ہو گئے تھے - یہ اس عہد میں ''شیخ المفسرین والمحدثین'' کہلاتے تھے - ۱۱ جمادی الآخر ۹۰۲ھ (۱۴۹۷ع) میں فوت ہوئے ہیں[3] -

(۲) بہاءالدین بن خلق اللہ ناگور کے باشندے تھے مگر جونپور میں آ بسے تھے ، اس لیے جونپوری کہلاتے ہیں - یہ سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ ہیں - انھوں نے سفر حج میں مکۂ معظمہ کے محدثین سے اس فن کی تکمیل کرکے عالی سندیں حاصل کی تھیں - ۲٦ رمضان ۹۱۱ھ (۱۵۰٦ع) ان کا سال وفات ہے[4] -

شیخ بلال سندی معروف بہ مخدوم بلال کے متعلق معصومی نے لکھا ہے کہ ''درعلم تفسیر و حدیث مہارت تام داشتہ''۔ سنہ ۹۲۹ھ (۱۵۲۲-۲۳ع) میں ان

---

۱ - نزھة الخواطر ۳/۹۳ -

۲ - ایضاً ۳/٦۸ و ۱۲۰ -

۳ - تاریخ فرشتہ ، مقالہ ۵/۲۵۷ نزھة الخواطر ۴/۱۲۲ میں سعدالدین نام اور ۱۱ جمادی الاولٰی تاریخ انتقال درج ہے -

۴ - نزھة الخواطر ۴/٦۰ ، و تاریخ مہدی بحوالۂ اخبار الاصفیاء و اخبار الاخیار -

کا انتقال ہوا - قاضی دتہ سیوستانی نے تفسیر و حدیث انہیں سے پڑھی تھی[1] -

(۴) ابوالقاسم بن احمد بن محمد مکی شافعی مشہور بہ ابن فہد قاہرہ میں علم حدیث کی تحصیل کرکے ہندوستان آئے ، اور گجرات میں فروکش ہو گئے - ۹۱۷ھ میں سلطان محمود بیگڑہ کا انتقال ہوا ، تو مانڈو چلے گئے ، اور وہیں اسّی (۸۰) برس کی عمر پا کر ۹۲۵ھ (۱۵۱۹ع) میں فوت ہوے - یہ اپنے ساتھ فتح الباری شرح صحیح بخاری کا وہ نسخہ لائے تھے جو اُن کے والد اور چچا نے مل کر لکھا تھا ، اور اسے والی گجرات کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا تھا[2] -

(۵) جلال الدین محمد بن محمد مالکی مصری ، جو ابن سُوید نام سے مشہور ہیں ، محدث سخاوی کے شاگرد تھے اور اُن سے مؤطا ، مسند شافعی ، سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ حدیث میں ، اور خود سخاوی کی شرح الفیہ اصول حدیث میں پڑھ کر مصر سے یمن چلے گئے تھے ، اور وہاں درس حدیث دیتے تھے - بعد ازاں یمن سے کنبایت آئے اور پھرگجرات پہنچ کر سلطان محمود بیگڑہ کے دربار سے منسلک ہو گئے - بیگڑہ نے انہیں ''ملک المحدثین'' کا خطاب دیا تھا - انہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ اسی فن شریف کی تدریس میں گزارا ، اور سنہ ۹۲۹ھ (۲۳-۱۵۲۲ع) میں احمد آباد میں انتقال کر گئے[3] -

(۶) جمال الدین محمد بن عمر حضرمی مشہور بہ بحرق بہ عہد سلطان محمود بیگڑہ گجرات آئے - یہ مشہور محدث سخاوی اور زین الدین محمد الشرجی کے شاگرد ہیں - انہوں نے اپنی بقیہ عمر گجرات کے تشنہ کامان علم کو درس دینے اور تصنیف و تالیف میں گزاری ، اور ۲۰ شعبان ۹۳۰ھ (۱۵۲۴ع) کو انتقال کیا[4] -

---

۱ - تاریخ معصومی ۱۹۸ ، و تاریخ محمدی - نزہۃالخواطر ۴/۵۶ میں تاریخ وفات ۹۰۹ھ درج ہوگئی ہے جو سہو کتابت ہے -

۲ - ظفر الوالہ ۱/۱۱۰ و نزہۃالخواطر ۴/۱۵ -

۳ - ظفرالوالہ ۱/۱۱۷ ، و النورالسافر ۱۰۲ (۹۱۹ھ) ، و تاریخ محمدی تحت ۹۱۹ھ ، و نزہۃالخواطر ۴/۳۱۳ -

۴ - ظفر الوالہ ۱/۱۱۸ ، والنور السافر ۱۴۳ ، و تاریخ محمدی تحت سنہ ۹۳۰ھ ، و نزہۃالخواطر ۴/۳۰۶ -

(۷) محمد بن لنگن بھکری مشہور بہ ''مصباح العاشقین'' فن حدیث میں مولانا حسین ملتانی کےشاگرد تھے۔ سفرحج میں مشائخ مکہ سے بھی اجازہ پایا۔ حج سے واپس آکر پہلے پانی پت میں رہے ، پھر اجودھیا اور وہاں سے بنارس جا بسے - ۸۸۷ھ میں قنوج کے ضلع میں مٹلاوہ کو وطن بنایا اور یہیں یکم رجب ۹۳۷ھ (۱۸ فروری ۱۵۳۱ع) کو فوت ہوئے[1] ۔

(۸) جلال بن فضل اللہ دہلوی متخلص بہ جالی فارسی کے مشہور شاعر ہیں - دیوان کےعلاوہ مثنوی 'مرآۃالمعانی' بھی ان کی تصنیف ہے - سفر حج میں ابن حجر ہیثمی سے انہوں نے حدیث پڑھی تھی - ۱۰ ذیقعدہ ۹۴۲ھ (۱۵۳۶ع) تاریخ انتقال ہے[2] ۔

(۹) مولانا فیروز حسینی لاہور کے باشندے تھے، اور ۹۳۳ھ (۱۵۲۶-۲۷ع) میں فوت ہوئے ہیں - یہ فقہ ، حدیث اور تفسیر کے جید عالم تھے ، اور لاہور میں ان علوم کا درس دیا کرتے تھے[3] ۔

(۱۰) لاہور ہی کے ایک اور عالم تھےمولانا عبداللہ بن عبدالخالق حسینی بھاکری ، جنہوں نے ۹۴۳ھ (۱۵۳۶-۳۷ع) میں انتقال کیا ہے - یہ علوم عقلیہ کے علاوہ فقہ ، حدیث اور تفسیر کے بھی مشہور عالم تھے[4] ۔

(۱۱) سندھ کے ایک عالم تھے رکن الدین حنفی ، جو مخدوم مستو کےنام سے مشہور تھے - یہ فقہ و حدیث کے بڑے عالم اور 'شرح الاربعین' کے مولف تھے - انہوں نے حدیث کا فن شیخ بلال پٹنی سے حاصل کیا تھا ، اور بقول معصومی علم حدیث میں یگانۂ عصر تھے - سنہ ۹۴۹ھ (۱۵۳۲-۳۳ع) میں ٹھٹھے میں فوت ہوئے ہیں[5] ۔

(۱۲) شیراز کے ایک عالم تھے رفیع الدین محمد بن مرشد الدین محمد حسینی صفوی - یہ محقق دوانی سے تحصیل علم کے بعد حجاز گئے اور وہاں

---

۱ - نزھۃ الخواطر ۴/۳۱۵ -

۲ - تاریخ محمدی تحت سنہ ۹۴۲ھ ، و نزھۃالخواطر ۴/۷۱ -

۳ - خزینۃ الاصفیا ۱۰۹ ، و نزھۃ الخواطر ۴/۲۵۹ -

۴ - نزھۃالخواطر ، ۴/۲۰۸ و حدائق الحنفیہ ۳۷۳ -

۵ - نزھۃالخواطر ۴/۱۱۶ ، و تاریخ معصومی ۲۰۰ و تاریخ محمدی تحت ۹۴۹ھ -

علامہ سخاوی سے حدیث پڑھی ، اور سلطان سکندر لودھی کے عہد میں آگرے آئے ، اور یہیں علم حدیث کی خدمت کرتے ہوئے ۷۶ سال کی عمر پا کر سنہ ۹۵۴ھ (۱۵۴۷ع) میں فوت ہوئے[۱] ۔

(۱۳) شیراز ہی کے ایک اور صاحب کمال خوش نویس تھے حسن بن محمود انصاری ۔ یہ طہماسپ صفوی کے عہد میں سنی ہونے کے باعث شیراز سے بھاگ کر حجاز گئے ، وہاں فن حدیث کی تحصیل کی اور سلطان مظفر گجراتی کے زمانے میں گجرات اور وہاں سے آگرے آئے ۔ ۴ رجب ۹۵۶ھ (۲۹ جولائی ۱۵۴۹ع) کو آگرے میں ان کا انتقال ہوا[۲] ۔

(۱۴) سندھ کے ایک قاضی تھے ، قاضی بن ابو سعید بن زین الدین بھکری ۔ ان کے بارے میں معصومی نے لکھا ہے کہ علم تفسیر و حدیث میں دخل وافر رکھتے تھے ۔ ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ع) ان کا سال وفات ہے[۳] ۔

(۱۵) احمد بن عبدالملک لاہور کے مشہور بزرگ تھے ۔ یہ فقہ و حدیث کے جیّد عالم گنے جاتے تھے ، اور درس و تدریس کا مشغلہ رکھتے تھے ۔ ۱۰ محرم ۹۶۶ھ (۱۵۵۸ع) کو ان کا انتقال ہوا ہے[۴] ۔

(۱۶) شیخ زین الدین ملیباری شافعی مسلک کے پیرو اور بڑے محدث تھے ۔ فن حدیث کی تحصیل شہاب الدین احمد بن عثمان بن ابی الحل الیمنی سے کی تھی ۔ ان کے علاوہ شیخ ابوبکر فخرالدین بن قاضی رمضان ملیباری سے بھی استفادہ کیا تھا ، جو شیخ الاسلام زکریا انصاری کے شاگرد تھے ۔ زین الدین نے ۱۶ شعبان ۹۶۸ھ (۱۵۶۱ع) کو وفات پائی[۵] ۔

(۱۷) شیخ حسن بن موسیٰ گجراتی ، مؤلف گلزار ابرار کے والد ہیں ۔ انہوں

---

۱ ۔ نزہۃ الخواطر ۴/۱۱۵ ، و تاریخ مجدی تحت ۹۵۴ھ بحوالہ بدایونی و الضوء اللامع ، و اخبار الاخیار ۔

۲ ۔ نزہۃ الخواطر ، ۴/۹۰ وگلزار ابرار ۔ تاریخ مجدی تحت ۹۵۶ھ میں لکھا ہے کہ یہ ۴ یا ۶ رجب کو احمد نگر دکن میں فوت ہوئے ۔ نیز دیکھیے بدایونی ۔

۳ ۔ تاریخ معصومی ۲۰۰ ، و نزہۃ الخواطر ۴/۲۶۵ ۔

۴ ۔ نزہۃ الخواطر ۴/۲۳ ، و تاریخ مجدی تحت ۹۶۶ھ ۔

۵ ۔ نزہۃ الخواطر ۴/۱۱۸ ۔

نے فقہ و حدیث کی تحصیل کے بعد شیخ جلال بن احمد بن جعفر حسینی رفاعی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی - ۲ جمادی الاول ۹۴۱ھ (۱۵۳۴ع) میں انہوں نے گجرات فتح کیا ، تو یہ مانڈو جا بسے - ۱۴ صفر سنہ ۹۷۳ھ (۱۵۶۵ع) ان کی تاریخ وفات ہے[1] -

(۱۸) کنز العمال کا نام کس عالم نے نہ سنا ہوگا ؟ یہ احادیث شریفہ کی انسائیکلوپیڈیا ہے - اس کے مؤلف شیخ نورالدین علی متقی اپنے عہد کے بڑے نامور عالم تھے - یہ ہندوستان سے ہجرت کرکے مکۂ معظمہ میں اقامت گزیں ہو گئے تھے - مگر حال یہ تھا کہ جو کوئی ہندی عالم حج کو جاتا ، وہ اُن سے شرف تلمذ حاصل کرکے واپس آتا تھا - علاوہ ازیں سلطان محمود گجراتی کے عہد حکومت میں یہ دو بار گجرات تشریف لائے تھے، اور یہاں کے علماء و طلبا کو استفادے کا موقع دیا تھا - ۲ جمادی‌الال ۹۷۵ھ (۱۵۶۷ع) ان کی تاریخ وفات ہے[2] -

(۱۹) دکن کے ایک عالم احمد بن خلیل بیجاپوری نے سفر حج میں مکہ و مدینہ کے محدثین سے علم حدیث حاصل کیا تھا ، اور واپس ہو کر علی عادل شاہ کے مقربین میں شامل ہو گئے تھے - لیلۃالفطر سنہ ۹۸۰ھ (۱۵۷۳ع) کو انتقال کیا ہے[3] -

(۲۰) شیخ قاسم بن یوسف شہابی سندھ کے بڑے جیّد فقیہ اور محدث تھے، اور انہیں علوم کا درس بھی دیا کرتے تھے - انہوں نے سنہ ۹۸۰ھ (۱۵۷۲-۳ع) میں وفات پائی ہے[4] -

(۲۱) حافظ محمد حسین ہروی نابینا دہلی آ بسے تھے ، اور یہیں فوت بھی ہوے - قرأت ، تفسیر اور حدیث ان کے خصوصی فن تھے - یہ جامع ترمذی کے شارح بھی ہیں - ۱۷ جمادی‌الاولٰی سنہ ۹۸۱ھ (۱۵۷۳ع) کو ان کا انتقال

---

۱ - نزہۃالخواطر ۴/۹۰ ، و تاریخ محمدی تحت ۹۷۳ھ بحوالۂ گلزار ابرار -

۲ - نزہۃالخواطر ، ۴/۲۳۴ ، و تاریخ محمدی تحت ۹۷۵ھ بحوالۂ اخبار الاخیار و مرآۃ العالم ، و نثر الدرر، والنورالسافر، والکواکب السائرہ ، و گلزار ابرار، والسناء الباہر ، و ظفر الوالہ ، و اخبار الاصفیاء ، و لواقح، و کشف الظنون -

۳ - نزہۃالخواطر ۴/۲۲ -

۴ - نزہۃالخواطر ۴/۲۶۲ -

ہوا ہے[1]۔

(۲۲) مولانا محمد سعید ہروی خراسانی مشہور بہ میر کلال متوفیٰ سنہ ۹۸۱ھ (۱۵۷۳-۷۴ع) نے سید نسیم الدین میرک شاہ بن جمال الدین حسینی ہروی سے حدیث پڑھی تھی، اور اس فن میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ جب یہ حج کو گئے تو وہاں ملاعلی قاری نے ان سے شرف تلمذ حاصل کیا[2]۔

(۲۳) شیخ نظام‌الدین عرف بھیکن، کاکوری کے باشندے تھے۔ انھوں نے صحیح بخاری اور جامع الاصول مولانا ضیاء الدین محدث سے ''تدبر و اتقان'' کے ساتھ پڑھی تھیں۔ خود ''المنہج فی اصول الحدیث'' کے مؤلف ہیں۔ سنہ ۹۸۱ھ (۱۵۷۳-۷۴ع) ان کا سال وفات ہے[3]۔

(۲۴) ملا علی طارمی قزوینی ہمایوں کے عہد میں ہندوستان آ بسے تھے۔ انھوں نے علمائے حجاز سے حدیث پڑھی تھی۔ ۱۱ جمادی الاول ۹۸۱ھ (۱۵۷۳ع) کو آگرے میں فوت ہوئے[4]۔

(۲۵) مولانا عبداللہ بن سعدالدین سندھی مدنی المکی سندھ کے سب سے بڑے محدث اور مفسر تھے۔ سفر حجاز میں وہاں کے جن علما سے علم حدیث کی سند حاصل کی تھی، ان میں مولانا علی المتقی بھی شامل ہیں۔ یہ سنہ ۹۷۷ھ (۱۵۶۹-۷۰ع) میں مولانا رحمت اللہ سندھی کے ساتھ ہندوستان آ کر گجرات میں فروکش ہوگئے تھے، اور درس و تدریس کو مشغلہ بنایا تھا۔ کچھ عرصے قیام کرکے پھر ہجرت کرگئے اور مکۂ معظمہ میں ذی‌الحجہ سنہ ۹۸۴ھ (۱۵۷۷ع) میں انتقال کیا[5]۔

(۲۶) مولانا محمد طاہر بن محمد علی پٹنی گجراتی ہندوستان کے محدث کبیر

---

۱ - نزہۃ الخواطر ۴/۳۳۱ (مگر اس میں انھیں یزدی لکھا ہے)، و تاریخ محمدی تحت ۹۸۱ھ بحوالۂ نفائس‌المآثر۔

۲ - تاریخ محمدی بحوالۂ بدایونی، و نزہۃ الخواطر ۴/۳۳۱۔

۳ - نزہۃ الخواطر ۴/۳۷۷، و تاریخ محمدی تحت ۹۸۱ھ بحوالۂ بدایونی۔

۴ - نزہۃ الخواطر ۴/۲۴۷، و تاریخ محمدی بحوالۂ بدایونی، و نفائس المآثر، و ہفت اقلیم رازی۔

۵ - نزہۃ الخواطر ۴/۲۰۵، والنور السافر ۳۵۷، والسناء الباہر، و ظفرالوالہ ۲/۶۳۸۔

اور ''مجمع بحار الانوار'' کے مؤلف ہیں ، جو غریب الحدیث کی شہرۂ آفاق کتاب ہے ۔ یہ سنہ ۹۴۴ھ (۱۵۳۷-۳۸ع) میں بیت اللہ کو تشریف لے گئے اور وہاں کے محدثین ابوالحسن البکری ، ابن حجرالہیثمی اور ابن محمود وغیرہ سے حدیث کی تکمیل کی ۔ اُسی زمانے میں شیخ علی المتقی کی خدمت میں بھی استفادے کی غرض سے حاضر ہوتے رہے ۔ ہندوستان واپس آ کر پوری عمر خدمت علم میں گزاری اور ''ملک المحدثین'' لقب پایا ۔ صاحب النور السافر نے لکھا ہے کہ گجرات میں اتنا بڑا محدث پیدا نہیں ہوا ۔ انہیں سارنگ پور اور اُجَّین کے درمیان ۶ شوال ۹۸۶ھ (۱۵۷۸ع) کو شہید کر دیا گیا تھا[1] ۔

(۲۷) میر سید محمد مشہور بہ میر عدل ، امروہے کے باشندے تھے ۔ انہوں نے سید جلال الدین بدایونی سے علم حدیث حاصل کیا تھا ۔ ۸ شعبان سنہ ۹۸۴ھ (۱۵۷۶ع) ان کی تاریخ انتقال ہے[2] ۔

(۲۸) مکے کے ایک عالم شیخ عبدالمعطی بن حسن بن عبداللہ باکثیر مکی حضرمی، احمد آباد میں آ بسے تھے اور یہیں ۲۷ ذیحجہ سنہ ۹۸۹ھ (۱۵۸۲ع) کو فوت ہوئے ۔ انہوں نے شیخ الاسلام زکریا الانصاری سے صحیح بخاری کی سند لی تھی ، جو ابن حجر عسقلانی کے شاگرد تھے ۔ اس اسناد کی بنا پر عبدالمعطی اپنے عہد کے ''السند العالی'' کہلاتے تھے ۔ ان سے سیکڑوں طالبان حدیث نے فیض پایا ہے ۔ عبدالقادر حضرمی مؤلف النور السافر بھی ان کے درس بخاری میں شریک رہے ہیں ۔ انہوں نے کتاب ''اسماء رجال البخاری'' لکھنا شروع کی تھی ۔ ایک جلد مرتب ہو سکی تھی کہ فوت ہوگئے[3] ۔

(۲۹) الشریف شیخ بن عبداللہ عیدروس حسینی یمنی کو ابن حجر ہیثمی، عبداللہ بن احمد الفاکہی ، عبدالرحمن بن الدیبع وغیرہ سے تلمذ تھا ۔ یہ تفسیر، حدیث ، فقہ ، تصوف اور حساب میں بے بدل شمار ہوتے تھے ۔ سنہ ۹۰۸ھ

---

۱ ۔ نزهۃ الخواطر ۴/۲۹۸ ، و تاریخ محمدی بحوالۂ النورالسافر ۳۶۱ ، و گلزار ابرار ، واخبار الاخیار ۔

۲ ۔ نزهۃ الخواطر ۴/۳۱۷ ، و تاریخ محمدی تحت سنہ ۹۸۴ھ بحوالۂ تاریخ سندھ ۲۴ ، و اکبر نامہ ، و بدایونی ، و طبقات اکبری ، و مآثر رحیمی ۔

۳ ۔ نزهۃ الخواطر۴/۲۱۴ ، و تاریخ محمدی تحت سنہ ۹۸۹ھ بحوالۂ النور السافر۳۶۴ ، و گلزار ابرار سنہ ۹۸۴ھ ، و ظفرالوالہ ۔

(۱۵۰۲-۳ع) میں اپنے وطن سے ہجرت کرکے احمد آباد میں مقیم ہوئے اور یہیں ۳۲ سال خدمت علم کرکے ۲۵ رمضان سنہ ۹۹۰ھ (۱۵۸۲ع) کو فوت ہوئے۔ ''شیخ الاولیا'' مادۂ تاریخ ہے۔ انہوں نے سنہ ۹۸۵ھ میں بخاری شریف کا درس تمام کیا، تو شیخ عبدالمعطی نے اس تقریب میں ایک قصیدہ کہا جسے صاحب النورالسافر (صفحہ ۳۵۸) نے نقل کیا ہے[۱]۔

(۳۰) شیخ الاسلام مخدوم الملک ملا عبداللہ بن شمس‌الدین انصاری سلطانپوری متوفیٰ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۹۹۰ھ (۱۵۸۲ع) عہد اکبری کے مشہور عالم ہیں۔ انہوں نے دہلی میں مولانا ابراہیم بن معین الحسینی الایرجی سے حدیث پڑھی تھی۔ شیخ مبارک جیسے ملاحدہ کے زیر اثر اکبر نے سنہ ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ع) میں انہیں حرمین بھیج دیا، تو وہاں کے علما نے جن میں ابن حجر ہیثمی بھی شامل تھے، ان کا بڑی عزت و احترام کے ساتھ استقبال کیا۔ بدایونی نے لکھا ہے کہ یہ فقہ، اصول، حدیث وغیرہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے سردار شمار ہوتے تھے[۲]۔

(۳۱) شیخ سعید بن ابی سعید حبشی احمد آبادی بھی بڑے محدث تھے۔ انہوں نے بھی سفر حج میں ابن حجر ہیثمی کے روبرو زانوے شاگردی تہ کیا تھا۔ انہیں کتابیں جمع کرنے کا بھی بڑا شوق تھا۔ احمد آباد میں سنہ ۹۹۱ھ (۱۵۸۳ع) میں انتقال کیا ہے[۳]۔

(۳۲) مصر کے ایک عالم، شہاب الدین احمد بن بدرالدین العباسی گجرات آگئے تھے، اور احمد آباد میں ۹۹۲ھ (۱۵۸۴ع) میں فوت ہوئے ہیں۔ یہ شیخ الاسلام زکریا الانصاری وغیرہ کے شاگرد تھے، اور حدیث کی سند

۱۔ نزہۃ الخواطر ۴/۱۳۷، و تاریخ مہدی تحت سنہ ۹۹۰ھ بحوالۂ النورالسافر ۳۷۲، و گلزار ابرار، و ظفرالوالہ۔

۲۔ نزہۃ الخواطر ۴/۲۰۶، و تاریخ مہدی بحوالۂ اخبار الاصفیاء، و بدایونی، و اخبار الاخیار در ضمن عبدالقدوس گنگوہی، و طبقات اکبری، و مرآۃ العالم و گلزار ابرار، و اکبر نامہ، و اقبال نامۂ جہانگیری، و تذکرۂ گناہی۔ و النورالسافر ۳۷۹۔

۳۔ نزہۃ الخواطر ۴/۱۲۵ بحوالۂ النور السافر۔ لیکن النورالسافر ۳۵۷ میں ۳ شوال سنہ ۹۸۴ھ تاریخ وفات لکھی ہے۔ تاریخ مہدی میں بھی بحوالۂ النورالسافر و ظفرالوالہ یہی تاریخ مندرج ہے۔

۹۳۶ھ میں زبید (یمن) کے محدث شیخ الاسلام ابوالعباس الطبنداوی البکری سے حاصل کی تھی - کتاب و سنت پر عامل اور طریق سلف کے پیرو تھے[1] -

(۳۳) حاجی ابراہیم سرہندی حنفی بہت بڑے فقیہ اور بحاث تھے - انہوں نے بھی سفر حج میں ابن حجر الہیثمی سے سند حدیث حاصل کی تھی - ۹۹۴ھ (۱۵۸۶ع) سال انتقال ہے[2] -

(۳۴) شیخ رحمۃ اللہ بن عبداللہ بن ابراہیم سندھی بھی ہندوستان کے مشہور محدث ہیں - انہوں نے سفر حج میں شیخ علی بن محمد بن غریق خطیب مدینۂ منورہ مؤلف تنزیہ الشریعہ وغیرہ علما سے فن حدیث حاصل کیا تھا - یہ ہندوستان واپس آکر عرصۂ دراز تک گجرات میں خدمت علمی بجا لاتے رہے - بعد ازاں حجاز ہجرت کر گئے، اور مکۂ معظمہ میں ۸ محرم ۹۹۳ھ (۱۵۸۴ع) کو انتقال کیا[3] -

(۳۵) شیخ جمال محمد تجستموجی گجرات کے مشہور مشائخ میں سے ہیں - یہ حدیث و تفسیر کے بھی جید عالم تھے - ۹۹۸ھ (۹۰-۱۵۸۹ع) میں برہان پور میں راہی عالم بقا ہوئے[4] -

(۳۶) مولانا عباس بن جلال پاتری سندھی بھی فقہ، حدیث اور تفسیر کے بڑے عالم تھے - قاضی عبدالسلام سندھی ان کے شاگرد ہیں - انہوں نے سنہ ۹۹۸ھ (۹۰-۱۵۸۹ع) میں انتقال کیا ہے[5] -

(۳۷) مولانا عبدالاول بن العلاء الحسینی جون پور کے مشہور محدث اور فقیہ ہیں - حدیث اپنے دادا علاء الدین محدث سے پڑھی تھی جو بہ یک واسطہ ابن الجزری صاحب ''الحصن الحصین'' کے شاگرد تھے - یہ عرصۂ دراز تک

---

۱ - نزہۃ الخواطر ۴/۱۹، و النور السافر ۲۰۴، و تاریخ محمدی - نزہۃ الخواطر میں بحوالہ النور السافر ۴ رمضان تاریخ انتقال لکھی ہے -

۲ - نزہۃ الخواطر ۴/۵، و بدایونی، و گلزار ابرار، و تاریخ محمدی (تحت سنہ ۹۹۴ و ۹۹۸ھ بحوالۂ سنوات اتقیاء) -

۳ - نزہۃ الخواطر ۴/۱۱۲ در ۹۹۴ھ، و تاریخ محمدی تحت ۹۹۳ھ بحوالۂ النور السافر ۳۹۴، و الکواکب السائرہ، و گلزار ابرار، و السماء الباہر (تحت ۹۹۴ھ)، و اخبار الاخیار، و تاریخ ہند -

۴ - نزہۃ الخواطر ۴/۷۹ -

۵ - ایضاً ۴/۱۶۷ -

احمد آباد میں مقیم رہے ہیں - شیخ طاہر بن یوسف سندی وغیرہ ان کے شاگرد ہیں - انھوں نے صحیح بخاری کی ایک شرح بنام "فیض الباری" بھی تصنیف کی تھی - دہلی میں سنہ ۹۶۸ھ (۶۱-۱۵۶۰ع) میں وفات ہوئی[۱] -

(۳۸) شیخ عبداللہ سرہندی پہلے مہدوی تھے - سفر حج کے دوران میں وہاں کے علما حدیث سے تحصیل علم حدیث کی ، تو عقیدۂ مہدویت سے تائب ہوگئے - انھوں نے ۹۰ سال کی عمر پا کر سنہ ۱۰۰۰ھ (۹۲-۱۵۹۱ع) میں سرہند میں انتقال کیا[۲] -

(۳۹) ملک محمود بن ملک پیارو خاندیسی گجراتی بھی بہت بڑے فاضل اور فقہ و حدیث کے علاوہ شعر و شاعری میں بھی بڑے درجے کے مالک تھے - مؤلف ظفرالوالہ نے لکھا ہے کہ انھیں ہر علم میں اتقان حاصل تھا - احمد آباد میں ۱۰۰۰ھ (۹۲-۱۵۹۱ع) میں انتقال ہوا ہے[۳] -

ان حضرات کے علاوہ اسی صدی میں حسب ذیل علما بھی فن حدیث کے پھیلانے میں مصروف رہے تھے :

(۴۰) اثیرالدین بن عبدالعزیز ابہری - یہ اپنے والد کے ساتھ ۹۲۸ھ (۲۲ ۱۵۲۱ع) میں سندھ آئے اور سیوستان کے ایک شہر کاہاں میں اقامت گزیں ہو گئے - انھوں نے اپنے والد سے ، اور ان سے متعدد علمائے سندھ نے حدیث کی تحصیل کی تھی[۴] -

(۴۱) احمد بن اسمٰعیل منڈوی فقہ و حدیث کے بڑے عالم تھے - انھوں نے حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت پائی ، تو وہاں شیخ محمد بن ابی الحسن البکری الشافعی کی خدمت میں عرصے تک رہے ، اور ان سے تکمیل علوم

---

۱ - نزہۃ الخواطر ۴/۱۷۴ ، و تاریخ مہدی بحوالۂ اخبارالاخیار، و گلزار ابرار ، و صبح صادق -

۲ - نزہۃ الخواطر ۴/۲۱۲ -

۳ - ایضاً ۴/۳۳۴ ، و تاریخ مہدی تحت سنہ ۱۰۰۰ھ بحوالۂ ظفرالوالہ تحت احوال حکام خاندیس -

۴ - نزہۃ الخواطر ۴/۱۷ بحوالۂ مآثر رحیمی -

کی[۱] ۔

(۳۲) احمد فیاض امیٹھوی کے بارے میں بدایونی نے لکھا ہے کہ انہیں حدیث ، تفسیر اور تاریخ و سیر میں ید طولٰی حاصل تھا[۲] ۔

(۳۳) جلال الدین بدایونی فن حدیث میں شیخ رفیع الدین صفوی شیرازی مقیم آگرہ کے شاگرد تھے[۳] ۔

(۳۴) شیخ جمال الدین برہان پوری ، شیخ ابراہیم بھکری کی مسجد میں درس دیا کرتے تھے ۔ شیخ طیب بن یوسف سندی محدث وہاں تشریف فرما ہوئے تو انہوں نے اُن سے صحیح بخاری از اول تا آخر پڑھی[۴] ۔

(۳۵) شیخ چندن جون پور کے مشہور فقیہ اور محدث ہیں ۔ شیخ نصیرالدین چونسوی کو ان سے شرف تلمذ حاصل تھا[۵] ۔

(۳۶) قاضی دتا بن شرف الدین حنفی سیوستان کے علمائے صالحین میں سے تھے ۔ انہوں نے تفسیر و حدیث کی تحصیل شیخ بلال تلہتی سے کی تھی[۶] ۔

(۳۷) شیخ راجح بن داؤد حنفی گجرات کے علما میں فقہ و حدیث کے اندر امتیاز رکھتے تھے ۔ علامہ سخاوی نے 'الضوء اللامع' میں ان کا حال لکھا ہے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سخاوی سے شرح الفیۃ الحدیث پڑھی تھی[۷] ۔

(۳۸) قاضی شکراللہ سندھی فقیہ اور محدث تھے ۔ یہ شاہی بیگ اور اس کے بیٹے شاہ حسین کے عہد حکومت میں صوبۂ سندھ کے قاضی القضاۃ رہے تھے[۸] ۔

---

۱ ۔ نزہۃ الخواطر ۴/۱۸ بحوالۂ گلزار ابرار ۔
۲ ۔ ایضاً ۴/۳۱ ۔
۳ ۔ ایضاً ۴/۷۵ ۔
۴ ۔ ایضاً ۴/۷۸ ۔
۵ ۔ ایضاً ۴/۸۱ ۔
۶ ۔ ایضاً ۴/۱۰۹ ، بحوالۂ تاریخ معصومی ۔
۷ ۔ ایضاً ۴/۱۱۱ بحوالۂ الضوء اللامع ۔
۸ ۔ ایضاً ۴/۱۳۸ ۔

(۴۹) ملا شنگرف کشمیری نے سفر حج میں ابن حجرھیثمی سے سند حاصل کی تھی ، اور واپس آ کر درس و تدریس کو اپنا پیشہ بنایا تھا ۔ مؤلف تاریخ اعظمی کے پاس شمائل ترمذی کا ایک نسخہ ملا شنگرف کے ہاتھ کا اور اسماء الرجال پر ابن حجر کا لکھا ہوا اجازہ بھی محفوظ تھا[۱] ۔

(۵۰) ضیاء الدین حسینی مدنی لغت ، نحو اور حدیث کے ماہر تھے ۔ حجاز سے ہندوستان آئے ، تو پہلے دو سال تک دہلی میں رہے ۔ وہاں سے کاکوری (اودھ) آکر ۵ برس ۴ مہینے رہے تھے کہ فوت ہو گئے ۔ شیخ نظام الدین بن سیف الدین علوی کاکوروی نے صحیح بخاری اور جامع الاصول ان سے پڑھی تھیں[۲] ۔

(۵۱) مولانا عبدالرحمن سندھی اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ ، محدث اور مفسر تھے ۔ مرزا عیسی ترخان اور مرزا باقی کے عہد حکومت میں ان سے علما کی ایک جماعت نے استفادہ کیا تھا[۳] ۔

(۵۲) مولانا عبدالعزیز ابہری سندھی فقہ و حدیث کے جیّد عالم تھے ۔ یہ عرصے تک ہرات میں رہے ، اور وہیں مشکوۃ المصابیح کی شرح لکھ کر نظام الدین علی شیر نوائی کے نام معنون کی ۔ سنہ ۹۲۸ھ میں شاہ اسمعیل صفوی نے سنیوں پر تشدد کیا ، تو یہ سنہ ۹۲۸ھ (۱۵۲۲ع) میں ترک وطن کرکے سندھ آئے ، اور سیوستان کے شہر کاہان میں اقامت اختیار کی ۔ یہاں طلبہ نے انھیں گھیر لیا ، اور بہت سے اہل علم ان سے مستفید ہوئے[۴] ۔

(۵۳) مولانا عبدالملک گجراتی نے علم حدیث کی تحصیل اپنے بھائی مولانا قطب الدین عباسی سے کی تھی ، اور وہ علامہ سخاوی کے شاگرد تھے ۔ عبدالملک کو صحیح بخاری زبانی یاد تھی ، اور اُسے پڑھاتے وقت اپنے سامنے کتاب نہیں رکھا کرتے تھے ۔ سنہ ۹۷۰ھ (۱۵۶۲-۶۳ع) کے کچھ بعد ان کا انتقال ہوا ہے[۵] ۔

---

۱ ۔ نزھۃ الخواطر ۴/۱۳۳ ۔
۲ ۔ ایضاً ۴/۱۶۲ ۔
۳ ۔ ایضاً ۴/۱۷۲ ۔
۴ ۔ ایضاً ۴/۱۹۳ ۔ نیز ملاحظہ ہو روضۃ الصفا ، و کشف الظنون ، و مآثر رحیمی ۔
۵ ۔ نزھۃ الخواطر ۴/۲۱۸ بحوالۂ گلزار ابرار ۔

(۵۴) مولانا عظیم الدین شطاری نے سفر حج میں وہاں کے محدثین سے اجازہ پایا تھا - یہ سلطان غیاث الدین خلجی حاکم مالوہ کے عہد میں مانڈو آ گئے تھے ، اور مشتاقان علم کو درس دیا کرتے تھے - شیخ ابراہیم بن معین حسینی ایرچی وغیرہ ان کے شاگرد ہیں[1] -

(۵۵) مولانا محمد لاہوری بھی بہت بڑے محدث تھے ، اور اسی فن کا درس دیا کرتے تھے - ان کے ہاں جب مشکٰوۃ یا بخاری کا ختم ہوتا ، تو علماء و مشائخ لاہور کی دعوت کی جاتی اور انواع و اقسام کے کھانوں سے اُن کی تواضع ہوتی تھی - بدایونی نے ان کا ذکر کیا ہے[2] -

(۵٦) سید یٰسین سامانوی شاگرد وجیہ الدین علوی گجراتی نے سفر حج میں وہاں کے محدثین سے علم حدیث کی سند حاصل کی تھی - نیز انہوں نے لاہور ، سرہند اور بہار میں علم کی روشنی پھیلانے میں بڑا حصہ لیا تھا - شیخ شہباز محمد بھاگل پوری ان کے شاگرد ہیں[3] -

یہ تو علما اور مشائخ کی خدمت حدیث کا تذکرہ تھا ، اب وزراء و سلاطین کا حال دیکھیے :

(۱) تقی الدین بن زین الدین پنڈوی نصرت شاہ اور اُس کے والد حسین شاہ والیان بنگالہ کے وزیر تھے - انہوں نے سنارگاؤں میں ایک مسجد تعمیر کی جو سنہ ۹۲۹ھ (۱۵۲۲-۲۳ع) میں مکمل ہوئی تھی - یہ فقہ اور حدیث کے جیّد عالم تھے[4] -

(۲) مسند عالی آصف خان گجرات کا وزیر اعظم تھا - اس نے قاضی برہان الدین نہروالی سے حدیث کی تحصیل کی تھی - جب مکۂ معظمہ گیا ، تو وہاں کے علما اس کے علم و فضل اور زہد و عبادت سے بے حد متاثر ہوئے - ابن حجر مکی نے سنا کہ اسے سنہ ۹٦۱ھ (۱۵۵۴ع) میں شہید کر دیا گیا ، تو اُنھوں نے اس کی مدح میں ایک مستقل رسالہ لکھا ، اور اُس میں صراحت کی کہ آصف خان

---

۱ - نزہۃ الخواطر ۴/۲۴۹ -
۲ - ایضاً ۴/۳۲۷ بحوالۂ بدایونی -
۳ - نزہۃ الخواطر ۴/۳۹۳ -
۴ - ایضاً ۴/٦۸ -

نے قیام مکہ کے زمانے میں فقہ، حدیث اور تفسیر کے علاوہ دیگر علوم کے مطالعے میں بھی اپنا معتد بہ وقت صرف کیا تھا۔ نیز وہ علماے مکہ سے صحاح ستہ اور ان کے شروح و حواشی کے مشکلات پر بھی بحث و مباحثہ کرتا تھا، جس کے نتیجے میں مکۂ معظمہ کے اندر بڑا علمی چرچا پھیل گیا تھا[1]۔

(۲) مبارک بن ارزانی فاروقی بنارس کے باشندے تھے اور شیرشاہ اور اس کے بیٹے سلیم شاہ کے وزیر رہے تھے۔ یہ بھی بہت بڑے محدث تھے۔ سنہ ۹۵۲ھ (۱۵۴۵ع) میں مشارق الانوار کو مصابیح کے انداز پر مرتب کرکے اس کا نام مدارج الاخبار رکھا تھا۔ انھوں نے سنہ ۹۸۰ھ (۱۵۷۲-۷۳ع) میں انتقال کیا ہے[2]۔

(۴) علامہ مجدالدین محمد بن محمد الایجی حدیث و رجال کے بہت بڑے عالم تھے۔ یہ محمود بیگڑہ کے عہد میں شیراز سے گجرات آئے اور اس کے بیٹے مظفر کے اتالیق مقرر ہوے۔ سنہ ۹۱۷ھ (۱۵۱۱ع) میں مظفر گجرات کا حاکم بنا، تو اس نے انھیں اپنا وزیر بنایا، اور ''مسند عالی خداوند خان'' خطاب دیا۔ انھوں نے اس عہدے کے فرائض کو بحسن و خوبی انجام دیا، اور اپنے عہد وزارت میں طلباء و علما کی بڑی قدر و منزلت کرتے رہے[3]۔

(۵) سلیمان خان کرانی بنگال کا حاکم تھا۔ یہ علماے وقت سے تفسیر و حدیث کے اہم مسائل پر بحث و مباحثہ کیا کرتا تھا، اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا تھا۔ اوائل سنہ ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ع) میں اس نے انتقال کیا ہے[4]۔

(۶) گجرات کا مشہور ترین بادشاہ سلطان محمود بیگڑہ ۵۵ برس حکومت کرکے ۲ رمضان ۹۱۷ھ (۱۵۱۱ع) کو فوت ہوا۔ یہ اہل علم کا بڑا قدردان اور سرپرست تھا۔ نتیجۃً عجم و عرب کے بڑے بڑے علما اور فضلا گجرات

---

۱ - نزہۃ الخواطر ۴/۱۸۵، و تاریخ مہدی بحوالۂ النور السافر ۲۴۲ -

۲ - نزہۃ الخواطر ۴/۲۷۷ -

۳ - ایضاً ۴ ۳۱۲ -

۴ - ایضاً ۴/۱۰۹ (سنہ ۹۹۸ھ)، و تاریخ مہدی تحت سنہ ۹۸۰ھ بحوالۂ منتخب التواریخ، و طبقات اکبری، و جدول، و تاریخ فرشتہ، و بدایونی، و اکبر نامہ، و اقبال نامۂ جہانگیری، و صبح صادق -

میں جمع ہو گئے تھے - اس کے عہد میں محدثین عرب کا اتنا بڑا اجتماع ہو گیا تھا کہ لوگ گجرات کو ہندوستان کا یمن کہنے لگے تھے - علامہ جمال الدین مالکی مصری جماعت محدثین کے سربراہ تھے ، اور انھیں ''ملک الحدیث'' کا خطاب دیا گیا تھا ، جو سلطان محمود اور علامہ جمال الدین دونوں کے اولیات میں تھا ، یعنی محمود سے پہلے کسی نے یہ خطاب کسی عالم کو نہیں دیا تھا ، اور علامہ سے پہلے کسی محدث نے ہند کے کسی بادشاہ سے یہ خطاب نہیں پایا تھا -

اس کے عہد میں مجدالدین محمد الایجی شیراز سے گجرات آئے تھے ، اور ''رشید الملک'' خطاب کے ساتھ اس کے بیٹے مظفر کے اتالیق مقرر ہوئے تھے -

۹۱۶ھ میں یہ نہروالہ گیا ، تو وہاں ایک مجلس مذاکرہ منعقد کی اور اس میں تفسیر و حدیث پر علمائے وقت کا مباحثہ کرایا ، اور شرکاء کو بڑے بڑے انعاموں سے نوازا -

ابوالقاسم بن احمد شافعی معروف بہ ابن فہد نے اس کے حضور میں فتح الباری شرح بخاری کا وہ نسخہ پیش کیا تھا جو اُن کے والد اور چچا کے قلم کا لکھا ہوا تھا[1] -

(۷) امیر اُلغ خان بن یاقوت اُلغ خان حبشی کے دربار میں رجب ۹۷۴ھ (۱۵۶۷ع) میں قاضی جمال الدین محمد مہایمی نے صحیح بخاری کی تدریس ختم کی ، تو اُلغ خان نے اس تقریب میں بہت بڑی دعوت کی - علامہ مہایمی نے اس موقع پر ایک خطبہ دیا جس کے آخر میں خود اُلغ خاں کا بھی تذکرہ کیا تھا - اُلغ خان نے بنگال میں ۵ محرم ۹۹۳ھ (۱۵۸۴ع) کو انتقال کیا ہے[2] -

گیارھویں صدی کے محدث :

اب گیارھویں صدی کے چند ایسے علما کا حال سنیے جو شیخ عبدالحق

---

۱ - نزہۃالخواطر۴/۳۴۱ ، و تاریخ مہدی بحوالۂ مرآۃ سکندری ، و منتخب التواریخ ، و طبقات اکبری ، و جدول ، و تاریخ فرشتہ ، و النور السافر (تحت سنہ ۹۱۶ھ) ، و ظفرالوالہ ، و صبح صادق ، و الضوء اللامع ، و تاریخ سید مصطفیٰ رومی ، و مآثر رحیمی -

۲ - تاریخ مہدی بحوالۂ النور السافر ۲۹۸ ، و ظفرالوالہ -

محدث دہلوی کے معاصر تھے ، لیکن اُن کے زیر اثر کبھی نہ رہے جو یہ کہا جا سکے کہ اُنھوں نے ان سے یا ان کے مشورے سے فن حدیث کی تحصیل کی تھی :

(۱) ابوالمکارم ابراہیم بن داؤد قادری مانکپوری اکبر آبادی المتخاص بہ وصالی فقہ ، حدیث اور تفسیر کے جید عالم تھے ۔ ہندوستان میں تحصیل علم کرکے بغداد گئے اور وہاں رہ کر تفسیر و حدیث کی تکمیل کی ۔ پھر مصر پہنچے اور شمس الدین العلقمی اور محمد بن ابی الحسن البکری سے سند حاصل کی ۔ اس کے بعد مکۂ معظمہ وارد ہوئے اور عبدالرحمان بن فہد المغربی اور علی المتقی جیسے اساتذۂ فن سے اجازے پائے ۔ یہاں سے پھر مصر گئے اور ۲۳ برس وہاں گزار کر ہندوستان واپس آئے اور آگرے میں اقامت گزیں ہوگئے ۔

بدایونی نے لکھا ہے کہ یہ بڑے متقی اور عبادت گزار عالم تھے ۔ اکبر نے انھیں دربار میں طلب کیا ، تو انھوں نے اس لیے جانے سے انکار کر دیا کہ وہاں غیر مشروع آداب پر عمل کرنا ضروری تھا ۔ انھوں نے زندگی بھر علوم دینیہ کی عموماً اور حدیث شریف کی خصوصاً تعلیم دی تھی ۔ ۱۹ ذی الحجہ ۱۰۰۱ھ (۱۵۹۳ع) ان کی تاریخ وفات ہے[1] ۔

(۲) سید ابراہیم غیاث پوری بھی حدیث کے جید عالم تھے ۔ انھوں نے مصر جا کر محمد البکری الشافعی سے تفسیر و حدیث کی تحصیل کی اور مدت تک ان کی خدمت میں رہے ۔ بعد ازاں مکۂ معظمہ میں علامہ علی المتقی سے استفادہ کیا ۔ ۹۷۸ھ (۷۱-۱۵۷۰ع) میں ہندوستان واپس آئے اور اُجین میں بود و باش اختیار کی ۔ یہ ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ع) تک بقید حیات تھے[2] ۔

(۳) شیخ احمد سرہندی کی ذات گرامی عرب و عجم میں مجدد الف ثانی کے لقب سے مشہور و معروف ہے ۔ آپ ۹۷۱ھ (۶۴-۱۵۶۳ع) میں پیدا ہوئے ۔ اکثر علوم اپنے والد ماجد سے اور بعض علوم عقلیہ شیخ کمال الدین کشمیری سے حاصل کیے ۔ بعد ازاں شیخ یعقوب صرفی سے جو ابن حجر ہیثمی مکی کے شاگرد تھے ، حدیث کی سند حاصل کی ۔ آپ قاضی بہلول بدخشی کی طرف سے بھی روایت حدیث

---

۱ ۔ نزہۃ الخواطر ۵٫۴ ، و تاریخ محمدی بحوالۂ گلزار ابرار ، و اخبار الاصفیا ۔
۲ ۔ نزہۃ الخواطر ۸/۵ بحوالۂ گلزار ابرار ۔

کے مجاز تھے - مسند ارشاد پر متمکن ہونے کے بعد تدریس کا مشغلہ بھی جاری رکھا تھا - جن کتابوں کا آپ درس دیا کرتے تھے ، اُن میں بخاری شریف بھی شامل تھی - ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ (۱۶۲۴ع) کو آپ نے انتقال کیا ہے[1] -

گزشتہ صفحات میں جو تاریخی حقائق پیش کیے گئے ہیں ، اُن کے پیش نظر یہ بات ماننا پڑتی ہے کہ ہندوستان میں ساتویں صدی سے لے کر گیارھویں صدی کے آغاز تک صحاح اور بالخصوص صحیحین کے نسخے موجود تھے ، اور علما اُن کو پڑھتے پڑھاتے اور لکھتے لکھاتے تھے - اس لیے یہ دعویٰ درست نہیں کہ سب سے پہلے شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے سفر حج سے موطا وغیرہ صحاح کی کتابیں لائے تھے ، اور انہوں نے ہندوستان میں ان کی تعلیم و تعلم کو رواج دیا - نیز اس صورت حال کو سامنے رکھ کر یہ دعویٰ کہ صحیح مسلم کا زیر بحث نسخہ ہندوستان میں لکھا گیا تھا ، مستبعد نہیں معلوم ہوتا - والعلم عند اللہ -

---

۱ - نزہة الخواطر ۵/۱۴ ، و تاریخ تھدی بحوالۂ سفینة الاولیا ، و مرآة العالم (در سنہ ۱۰۳۵ھ) ، و سنوات اتقیا ، و رسالۂ تلمیح اللہ ، و گلزار ابرار -

نہج البلاغہ کا استناد

عربی ادب کی مشہور کتابوں میں ایک "نہج البلاغہ" بھی ہے۔ اس میں امیرالمؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے منتخب خطبے، خطوط اور حکیمانہ اقوال جمع کیے گئے ہیں۔ امیرالمؤمنین کی گرامی ذات معدنِ فصاحت و بلاغت ہونے کے ساتھ خلیفۂ راشد یا (بعقیدۂ شیعہ) امام معصوم کی حیثیت بھی رکھتی ہے، اس لیے اس کے مشمولات کی اہمیت دہری ہوگئی ہے۔

مشہور یہ ہے کہ اس کے مؤلف الشریف الرضی ذوالحسبین محمد بن الحسین بن موسیٰ الموسوی الشیعی متوفیٰ ۴۰۶ھ (۱۰۱۵ع) ہیں، جو الشریف المرتضیٰ ذوالمجدین علی بن الحسین المشہور بعلم‌الہدیٰ متوفیٰ ۴۳۶ھ (۱۰۴۴ع) کے چھوٹے بھائی تھے۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں خطبۂ شقشقیہ کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرے استاد ابوالخیر مصدق بن شبیب الواسطی (متوفیٰ ۶۰۵ھ مطابق ۱۲۰۸ع) نے ۶۰۳ھ (۱۲۰۶ع) میں مجھ سے بیان کیا تھا کہ میں نے اپنے استاد ابو محمد عبداللہ بن احمد المعروف بہ ابن الخشاب (متوفیٰ ۵۶۷ھ مطابق ۱۱۷۲ع) سے یہ خطبہ پڑھا، تو اُن سے پوچھا تھا:

"أتقول إنها منحولة ؟" فقال : "لا واللہ ! و انی لاعلم أنہ کلامہ کما اعلم انک مصدق ۔"	"کیا آپ اسے جعلی کہتے ہیں ؟" انہوں نے کہا : "بخدا ہرگز نہیں ۔ حقیقۃً میں تو اسے امیرالمومنین کا کلام بالکل اسی طرح جانتا ہوں جس طرح تمھیں مصدق جانتا ہوں ۔"
فقلت لہ : "ان کثیراً من الناس یقولون انها من کلام الرضی ۔" فقال: "آنّی للرضی ولغیر الرضی هذا النَفَس و هذا الاسلوب؟ قد	میں نے کہا : "بہت سے لوگ اسے رضی کا کلام بتاتے ہیں ۔" انہوں نے فرمایا : "رضی وغیرہ کو یہ طریقہ اور یہ طرز کہاں نصیب ! ہم رضی کے

وقفنا على رسائل الرضی و عرفنا طریقته فی الکلام المنثور ۔ و مایقع مع ھذا الکلام فی خل ولاخمر ۔'' ۱

خطوط سے واقف ہیں اور کلام نثر میں اُس کے اسلوب کو پہچانتے ہیں ۔ اُسے اس کلام سے کوئی علاقہ نہیں ۔

آگے ایک اور مقام پر لکھا ہے :

''ان کثیراً من ارباب الھوی یقولون ان کثیراً من نہج البلاغة کلام محدث ، صنعه قوم من فصحاء الشیعة ۔ و ربما عزوا بعضه الی الرضی ابی الحسن وغیرہ ۔ وھٰولاء قوم اعمت العصبیة اعینھم ، فضلوا عن النھج الواضح ، و رکبوا بنیات الطریق ضلالاً و قلة معرفتھم باسالیب الکلام ۔'' ۲

بہت سے ارباب ہوا کہتے ہیں کہ نہج البلاغہ کا بڑا حصہ جدید کلام ہے ، جسے فصحائے شیعہ میں سے کچھ لوگوں نے بنا لیا ہے ۔ اور بعض اوقات اس کے کچھ حصے کو ابوالحسن رضی وغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ ان لوگوں کی آنکھوں کو تعصب نے بے نور کر دیا ہے ۔ پس یہ کھلے راستے سے بھٹک گئے اور چھوٹے چھوٹے راستوں پر پڑ گئے ، اس لیے کہ یہ لوگ اسالیب کلام سے کم واقف تھے ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں نہج البلاغہ کے بڑے حصے کے متعلق یہ خیال علماء کی ایک اچھی خاصی تعداد کا تھا کہ اس کا امیرالمومنین کی طرف انتساب درست نہیں ہے ، اور وہ یہ یقین کرتے تھے کہ اس کے مشمولات کو فصحائے شیعہ نے لکھا ہے ، جن میں خود سید رضی بھی شامل ہیں ۔

ابن خلکان (متوفیٰ ۶۸۱ھ مطابق ۱۲۸۲ع) نے ''وفیات الاعیان'' میں شریف المرتضیٰ کے حال میں لکھا ہے کہ :

قد اختلف الناس فی کتاب نہج البلاغة

لوگوں کو کتاب نہج البلاغہ کے

---

۱ ۔ شرح نہج البلاغہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۰ طبع ایران ۔

۲ ۔ شرح نہج البلاغہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۵۴۳ ۔

المجموع من كلام الامام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ، هل هو جمعه أم جمع اخيه الرضی ؟	بارے میں ، جو مجموعہ ہے امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے کلام کا ، اختلاف ہے کہ اسے مرتضیٰ نے جمع کیا ہے یا اُن کے بھائی رضی نے ؟
و قد قيل انه ليس من كلام علی وانما الذی جمعه و نسبه اليه هو الذی وضعه ۔ واللہ اعلم[1] ۔	اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ علی کا کلام نہیں ۔ جس نے اسے جمع کیا اور اُن کی طرف منسوب کیا ہے ، اُسی نے یہ سب بنایا ہے ۔ واللہ اعلم ۔

ابن خلکان کے بعد ابن الاثیر نے ''مختصر الوفیات[2]'' میں، صلاح الدین صفدی نے ''الوافی بالوفیات[3]'' میں ، علامہ یافعی نے ''مرآۃ الجنان[4]'' میں اور ابن العماد نے ''شذرات الذهب[5]'' میں شریف مرتضیٰ کے تذکرے میں تقریباً انهی الفاظ کو دہرا دیا ہے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب تذکرہ نگار بھی ابن خلکان کے ہمرائے ہیں ۔

---

۱ ۔ وفیات الاعیان ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۲۸ ، طبع مصر ۱۲۷۵ھ (۱۸۵۸ع) ۔

۲ ۔ خود یہ کتاب میرے سامنے نہیں ہے ، لیکن ''روضات الجنات'' طبع ایران ۱۳۰۷ھ صفحہ ۳۸٦ میں اس کے جو الفاظ نقل ہوئے ہیں ، وہ ابن خلکان کی صدائے بازگشت ہے ۔

۳ ۔ ''الوافی'' کی پہلی جلد ۱۳۵۰ھ (۱۹۳۱ع) میں استنبول سے شائع ہو چکی ہے ۔ مگر یہ محمد نام والوں کے احوال پر مشتمل ہے ۔ اس لیے اس میں شریف مرتضیٰ کا ذکر نہیں آیا ۔ میں نے ''الوافی'' کا حوالہ ''روضات الجنات'' صفحہ ۳۸۷ سے نقل کیا ہے ، جس کے سامنے اس کتاب کا مکمل نسخہ تھا ۔ چنانچہ وہ الفاظ جو روضات میں صفدی کے نام سے نقل ہوئے ہیں ، بعینہ ابن خلکان کے الفاظ ہیں ۔

۴ ۔ مرآۃ الجنان ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۵ ، طبع حیدرآباد ۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ع)

۵ ۔ شذرات الذهب ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۵۷ ، طبع مصر ۱۳۵۰ھ (۱۹۳۱ع) ۔

علامہ ذہبی نے "میزان الاعتدال"[۱] میں اور ابن حجر العسقلانی نے "لسان المیزان"[۲] میں یہ رائے ظاہر کی ہے :

"وهو (الشريف المرتضىٰ) المتهم بوضع كتاب نهج البلاغة ـ وله مشاركة قوية في العلوم ـ

ومن طالع كتابه نهج البلاغة ، جزم بانه مكذوب على اميرالمومنين رضي الله عنه ـ ففيه السب الصراح والحط على السيدين ابي بكر و عمر ـ وفيه من التناقض والاشياء الركيكة و العبارات التي من له معرفة بنفس القرشيين الصحابة و بنفس غيرهم ممن بعدهم من المتاخرين ، جزم بأن اكثره باطل ـ"

اُنھیں (شریف مرتضیٰ) پر کتاب نہج البلاغہ کے بنانے کی تہمت لگائی جاتی ہے ـ مختلف علوم میں اُن کی بڑی حصہ داری تھی ـ

اور جس نے اُن کی کتاب نہج البلاغہ کا مطالعہ کیا ہے ، اُسے یقین ہے کہ وہ امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کے نام پر بنائی گئی ہے ـ کیونکہ اُس میں کھلی کھلی گالیاں ہیں اور توہین ہے دو سرداروں ابوبکر و عمر کی ـ اور اُس میں ایسا تناقض ، رکیک باتیں اور عبارتیں ہیں کہ جسے قریشی صحابہ کا طریقہٴ کتابت و گفتگو معلوم ہے ، اور جو اُن کے بعد کے لوگوں کے اسلوب کو پہچانتا ہے ، وہ یقین کر لے گا کہ اُس کا بڑا حصہ باطل ہے ـ

ابن خلکان اور اُس کے متبعین کے تبصروں سے معلوم ہوتا ہے کہ :

(الف) نہج البلاغہ کے مؤلف کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے ـ کچھ عالم اُسے شریف مرتضیٰ کی اور دوسرے شریف رضی کی تالیف بتاتے ہیں ـ

(ب) خود ان حضرات کے نزدیک شریف مرتضیٰ اُس کے جامع ہیں ، اس لیے کہ اُنھوں نے کتاب کا ذکر شریف مرتضیٰ ہی کے حال میں کیا ہے ـ

---

۱ ـ میزان الاعتدال ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۰۱ ، طبع لکھنؤ ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۴ع) ـ

۲ ـ لسان المیزان ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۲۳ ، طبع حیدرآباد ۱۳۳۱ھ (۱۹۱۳ع) ـ

(ج) بعض علما کی رائے یہ ہے کہ نہج البلاغہ کے خطبے وغیرہ امیرالمومنین کے نہیں ہیں ، بلکہ اس کے جامع نے خود لکھ کر ان کی طرف منسوب کر دیے ہیں - ذہبی اور عسقلانی کی رائے یہ ہے کہ شریف مرتضیٰ نے اس کتاب کو خود لکھ کر امیرالمومنین کی طرف منسوب کر دیا ہے - ان دونوں نے ابن خلکان وغیرہ کے برخلاف اس کتاب کے مشمولات کے جعلی ہونے کے دلائل بھی پیش کیے ہیں - یعنی :

۱ - اس میں حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی کھلی توہین نظر آتی ہے -

۲ - اس کے بیانوں میں تناقض اور اختلاف ہے -

۳ - اس میں ایسی رکیک باتیں اور عبارتیں ہیں جو صحابہ کے مزاج اور اسلوب سے دور اور متاخرین کے رویے کے قریب معلوم ہوتی ہیں - اگلے صفحات میں ابن خلکان اور ذہبی کے مذکورۂ بالا دعووں اور دلیلوں کا جائزہ لیا گیا ہے تاکہ نہج البلاغہ کے مؤلف اور اس کے مندرجات کے متعلق قطعی رائے قائم کی جا سکے -

مؤلف کی تعیین :

تاریخ و تذکرے کی جن کتابوں میں شریف رضی و مرتضیٰ کا ذکر ہوا ہے ، ان میں سے حسب ذیل مصنفات کے مرتب ان دونوں بھائیوں کے معاصر ہیں -

۱ - یتیمۃ الدہر و تتمۃ الیتیمہ[۱] ، ہر دو مولفۂ ابو منصور ثعالبی متوفّٰی ۴۲۹ھ (۱۰۳۸ع) -

۲ - کتاب الرجال[۲] ، مولفۂ علامہ نجاشی متوفّٰی ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ع) -

۳ - کتاب الفہرست[۳] ، مولفۂ شیخ الطائفہ ابوجعفر الطوسی متوفّٰی ۴۶۰ھ (۱۰۶۸ع) -

---

۱ - یتیمۃ الدہر جلد ۲ ، صفحہ ۲۹۷ ، طبع دمشق ۱۳۰۳ھ (۱۸۸۴-۸۵ع) ، و تتمۃالیتیمہ جلد ۱ ، صفحہ ۵۳ ، طبع طہران ۱۳۵۳ھ (۱۹۳۴ع) -

۲ - کتاب الرجال ، صفحہ ۱۹۲ و ۲۸۳ ، طبع بمبئی ۱۳۱۷ھ (۱۸۹۹ع) -

۳ - کتاب الفہرست ، صفحہ ۲۱۸ ، طبع کلکتہ ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۳ع) -

۴ - تاریخ بغداد[1] ، مولفہ خطیب بغدادی - متوفی ۴۶۳ھ (۱۰۷۱ع) -

نمبر ۳ میں شریف رضی کا مذکور نہیں ہے ، اور شریف مرتضلی کے ذکر میں اُن کی جن کتابوں کے نام لکھے ہیں اُن میں نہج البلاغہ شامل نہیں ہے -

نمبر ۱ اور نمبر ۴ میں دونوں بھائیوں کا حال لکھا گیا ہے ، مگر نہج البلاغہ کا تذکرہ کہیں بھی نہیں ہوا -

نمبر ۲ میں بھی ان دونوں کا ذکر اور ان کے مصنفات کی تفصیل مندرج ہے ، اور اس میں کتاب کا مؤلف شریف رضی کو قرار دیا گیا ہے -

نجاشی اور طوسی دونوں کی شہادت کی اہمیت محتاج بیان نہیں ، اور اس لیے اسے مسئلۂ زیر بحث میں فیصلہ کن قرار دینا چاہیے - مگر میں چاہتا ہوں کہ دوسری خارجی و داخلی شہادتیں بھی درج کردوں ، تاکہ آئندہ کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے - چنانچہ نہج البلاغہ کے مؤلفۂ شریف رضی ہونے کی دیگر شہادتیں حسب ذیل ہیں :

پہلی دلیل :

کتاب کے دیباچے میں مؤلف نے لکھا ہے کہ میں نے عنفوانِ سن میں ''خصائص الائمہ'' نام کی ایک کتاب لکھنا شروع کی تھی - امیرالمومنین علی علیہ‌السلام کے خصائص لکھنے پایا تھا کہ بعض موانع نے کتاب کے اتمام سے روک دیا - اس حصے کے آخر میں ایک فصل ایسی بھی تھی جس میں امیرالمومنین کی چھوٹی چھوٹی حکمت و ادب اور امثال پر مشتمل گفتگوئیں درج کی تھیں - دوستوں نے اس حصے کو بے حد پسند کیا، اور یہ خواہش کی کہ اپ کے مختلف مضامین پر مشتمل خطبے ، خطوط ، مواعظ اور حکیمانہ اقوال چھانٹ چھانٹ کر ایک کتاب میں جمع کردوں[2] -

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نہج البلاغہ کے جامع نے اُسے اپنی دوسری کتاب ''خصائص الائمہ'' کے بعد تالیف کیا تھا - نہج کے بیسویں

---

۱ - تاریخ بغداد ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۴۶ و جلد ۱۱ صفحہ ۴۰۲ ، طبع مصر ۱۳۴۹ھ (۱۹۳۱ع) -

۲ - نہج البلاغہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۱ ، طبع مصر ، بتصحیح محی‌الدین عبدالحمید ، مطبعۃ الاستقامہ -

خطبے کی شرح میں اس کتاب کا حوالہ دے کر مؤلف نے اپنے دیباچے کے بیان کی توثیق بھی کر دی ہے ۔ چنانچہ اُس کے یہ الفاظ کہ :

''قد نبّهنا فی کتاب الخصائص علی عظم قدرهما وشرف جوهرها'' [1] — ہم نے کتاب الخصائص میں اس کی عظمت قدر اور شرافت جوہر کی طرف متوجہ کر دیا ہے ۔

کتاب ''الخصائص'' کے اُس کی اپنی تالیف ہونے پر حجت قاطع ہیں ۔

اس کتاب کا ایک نہایت قدیم اور بیش قیمت مخطوطہ کتاب خانۂ رام پور میں محفوظ ہے ۔ اس کے خاتمے سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالجبار بن لحسین بن ابی القاسم الحاج الفراہانی نے ۵۵۳ھ (۱۱۵۸ع) میں اس کی کتابت سے فراغت حاصل کی تھی ۔ کتاب کے سرورق پر خود کاتبِ کتاب ہی کے خط میں لکھا ہے : ''کتاب خصائص الائمۃ الاثنی عشر علیہم السلام، تصنیف السیدالامام الرضی ذی الحسبین ابی الحسن محمد بن الحسین بن موسیٰ الموسوی رضی اللہ عنہ ۔''

اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ خصائص کا مؤلف شریف رضی ہے ۔ کاتب کے اس قول کی تائید اُس اجازے سے بھی ہوتی ہے جو سرورق ہی پر کتاب و مؤلف کے نام کے نیچے مندرج ہے ۔ اس اجازے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالرضا فضل اللہ بن علی الحسین الراوندی نے ذیقعدہ ۵۵۵ھ (۱۱۶۰ع) میں یہ کتاب عبدالجبار مذکور کو پڑھائی ، اور خود اُس کی سند ''ابوالفتح اسمٰعیل بن الفضل بن احمد الاخشید السّرّاج'' سے حاصل کی ۔ سراج نے اس کتاب کو ابوالمظفر عبداللہ بن الشبیب سے پڑھا ، اور اُنھوں نے ابوالفضل الخزاعی سے اجازہ لیا جو خود شریف رضی کا شاگرد تھا ۔

اس اجازے سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ فضل اللہ راوندی کے نزدیک ، اُس کے اساتذہ کے بیان کے مطابق ، کتاب الخصائص کا مؤلف شریف رضی ہی ہے ۔

خصائص کے کاتب اور اُس کے استاد راوندی کی تحریر کی تائید علامہ نجاشی کی کتاب الرجال سے بھی ہوتی ہے ، جس میں اس کتاب کو شریف رضی کی تالیفات میں شمار کیا گیا ہے [2] ۔

---

۱ ۔ ایضاً جلد ۱، صفحہ ۵۴ ۔

۲ ۔ کتاب الرجال ، صفحہ ۲۸۳ ۔

ان سب شہادتوں کی پشت پر خود کتاب ''الخصائص'' کی اپنی عبارتیں بھی ہیں - چنانچہ اُس کے ورق ۲۰۰ الف پر امیرالمومنین کے ارشاد ''قیمة کل امری' ما یحسنه'' (ہر شخص کی قیمت اُس کے نیک کام ہیں) کے تحت لکھا ہے :

''قال السید الرضی ابوالحسن رضی الله عنه : و هذالکلمة التی لا قیمة لها ولا کلام یوزن بها -''

سید رضی ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ یہ بات ایسی ہے کہ نہ اس کی کوئی قیمت ہے اور نہ دوسرا کلام اس کے ہم وزن نظر آتا ہے -

علاوہ ازیں اوراق ۲۰۲ الف و ۲۰۷ ب و ۲۰۸ الف پر بھی مؤلف کے تبصرے ''قال الشریف الرضی ابوالحسن رضی اللہ عنہ'' سے شروع ہوئے ہیں ، اور خاتمہ' کتاب کی عبارت میں، مذکورہ لقب اور کنیت کے ساتھ ''ذوالحسبین'' بھی لکھا گیا ہے - ان کلمات کا ''قال المؤلف'' یا ''اقول'' کی جگہ استعمال مؤلف کے شاگردوں کا کام ہے ، اور اس قسم کے استعمال عربی کتابوں میں عام طور پر نظر آتے ہیں ، اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ خود کتاب کے اندر بھی بحیثیت مؤلف شریف رضی ہی کا نام لیا گیا ہے -

اور جب خصائص کو رضی کی تالیف مان لیا جائے گا ، تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ نہج البلاغہ بھی شریف رضی ہی کی جمع کردہ کتاب ہے -

دوسری دلیل :

شریف رضی کی تصنیفات میں نجاشی اور دیگر مؤرخوں نے اُن کی تفسیر قرآن موسوم بہ ''حقائق التنزیل'' کا بھی ذکر کیا ہے - اس تفسیر کی جلد پنجم نجف اشرف میں ۱۳۵۵ھ (۱۹۳۷ع) میں چھپ چکی ہے اور میرے سامنے موجود ہے - اس کے صفحہ ۱۶۷ پر مؤلف لکھتا ہے کہ :

''من اراد ان یعلم برهان ما اشرنا الیه من ذلك ، فلینعم النظر فی کتابنا الذی ألفناه و سمیناه بنهج البلاغة ، و جعلناه یشتمل علی مختار جمیع الواقع الینا من کلام أمیرالمومنین علیه السلام

جو شخص ہمارے اس اشارے کی دلیل جاننا چاہتا ہے ، وہ ہماری اُس کتاب کو گہری نظر سے دیکھے جسے ہم نے تالیف کر کے نہج البلاغہ کے نام سے موسوم کیا ہے ، اور یہ مشتمل ہے چیدہ حصے پر اُس سب کلام

فی جمیع الانحاء والاغراض والاجناس والانواع من خطب و کتب و مواعظ و حکم ، و بوبناه أبوابا ثلاثة لتشتمل علی ھذہ الاقسام ممیزة مفصلة ۔"

امیرالمومنین علیہ السلام کے جو ہم تک پہنچا ہے ، تمام اغراض ، اقسام اور انواع سے متعلق خواہ خطبے ہوں یا خطوط یا نصائح یا حکمت آمیز باتیں ۔ اور ہم نے اسے تین ابواب پر تقسیم کر دیا ہے کہ یہ ان سب قسموں پر جدگانہ اور تفصیلی حیثیت سے مشتمل رہے ۔

اس عبارت میں "نہج البلاغہ" کا نام اور پورا حلیہ بتا دیا گیا ہے جس سے بلا شک و شبہ معلوم ہو جاتا ہے کہ "حقائق التنزیل" اور "نہج البلاغہ" کا مؤلف ایک ہی شخص ہے چونکہ "حقائق" کا تالیف شریف رضی ہونا مسلّم ہے ، لہذا "نہج" کا مؤلف بھی اُنھی کو تسلیم کیا جائے گا ۔

تیسری دلیل :

علامہ نجاشی وغیرہ نے شریف رضی کی ایک اور کتاب "مجازات الآثار النبویہ" کا بھی ذکر کیا ہے ۔ میرے سامنے اس کتاب کا بھی ایک مطبوعہ نسخہ موجود ہے ۔ اس کے صفحہ ۲۲ پر مؤلف کہتا ہے کہ :

یبین ذلك قول امیرالمومنین علی علیہ السلام فی کلام لہ : "تخففوا تلحقوا ۔"

اس کی وضاحت ہو جاتی ہے امیرالمومنین علی علیہ السلام کے اُس قول سے جو اُن کی ایک گفتگو میں ہے کہ "سبک بار بنو ، جا ملو گے ۔"

و قد ذکرنا ذلك فی کتابنا الموسوم بنھج البلاغة الذی أورد فیہ مختار جمیع کلامہ ۔

اور ہم نے اس کا ذکر اپنی کتاب نہج البلاغہ میں کر دیا ہے ، جس میں آپ کے سارے کلام کا چیدہ حصہ موجود ہے ۔

پھر صفحہ ۴۱ پر رقم طراز ہے کہ :

ومثل ذلك قول امیرالمومنین علی علیہ السلام "من یعط

اسی جیسا ہے امیرالمومنین علی علیہ السلام کا یہ قول کہ جو

بالید القصیرة ، یعط بالید الطویلة ۔“

چھوٹے ہاتھ سے دے گا ، وہ لمبے ہاتھ سے پائے گا ۔“

و قد ذکرنا ذلك فی کتابنا الموسوم بنهج البلاغة ۔

اور اس بات کو ہم نے اپنی کتاب موسوم بہ نہج البلاغہ میں بھی ذکر کیا ہے ۔

مؤلف ”مجازاۃ“ نے جن حکیمانہ اقوال کا حوالہ دیا ہے ، وہ ”نہج البلاغہ“ کے تمام نسخوں میں موجود ہیں[1] ، اس لیے یہ نتیجہ نکالنا قرین قیاس ہے کہ ان دونوں کتابوں کا مؤلف ایک ہی ہے ۔ اور چونکہ ”مجازاۃ“ کا شریف رضی کی تصنیف ہونا ثابت و مسلّم ہے ، اس بنا پر ”نہج“ کو بھی اُنھی کی تالیف مانا جائے گا ۔

یہاں یہ بیان کر دینا بھی مناسب ہے کہ خود ”نہج البلاغہ“ میں بھی ”مجازاۃ“ کا بہ این الفاظ ذکر آیا ہے :

”وقد تکلمنا علی هذه الاستعارة فی کتابنا الموسوم بمجازاة الآثار النبویة ۔“[2]

ہم نے اس استعارے پر اپنی کتاب موسوم بہ مجازاۃ الآثار النبویہ میں بھی گفتگو کی ہے ۔

”نہج“ میں جس استعارے کا ”مجازاۃ“ میں مذکور ہونا بتایا گیا ہے ، وہ امیرالمومنین کا یہ قول ہے کہ ”العین وکاء السہ“ (آنکھ سرین کا بندھن ہے) ، اور ”مجازاۃ“ کے محولۂ بالا نسخے میں صفحہ ۱۷۸ پر موجود ہے ۔ اس موقع پر ان دونوں کتابوں کے الفاظ اتنے ملتے جلتے ہیں کہ انھیں دو مؤلفوں کا قرار نہیں دیا جا سکتا ۔

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب ”مجازاۃ“ میں ”نہج“ کا حوالہ آ چکا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ”نہج“ کی تالیف کا کام ”مجازاۃ“ سے پہلے انجام پا چکا تھا ۔ ”نہج“ کے اندر ایسی کتاب کا حوالہ کس طرح آ گیا جو اُس کے بعد کی تالیف ہے ۔ اس شبہ نہ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ ”نہج“ کے خاتمے میں مؤلف نے لکھا ہے کہ میں ہر باب کے خاتمے میں کچھ اوراق سادہ

---

۱ ۔ نہج ، جلد ۱ ، صفحہ ۹۵ و جلد ۳ ، صفحہ ۲۰۳ ۔
۲ ۔ ایضاً ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۶۳ ۔

چھوڑ دوں گا ، تاکہ مزید منتخب کلام کے اضافے میں سہولت رہے[۱] -

''مجازاۃ'' کا حوالہ جس عبارت میں نظر آتا ہے ، وہ عام مطبوعہ و قلمی نسخوں میں تو دوسرے حصوں سے ممتاز نہیں ہے ، لیکن کتب خانۂ رام پور میں ایک قلمی نسخہ محفوظ ہے جس کا کاتب وہی عبدالجبار ہے ، جس نے مذکورۂ بالا ''خصائص الائمہ'' کا نسخہ لکھا تھا - اس نسخے کے خاتمے میں لکھا ہے کہ ''میں نے اسے سید ضیاء الدین تاج الاسلام ابوالرضا فضل اللہ بن علی بن عبیداللہ الحسینی'' کے قلم کے لکھے ہوئے نسخے سے ۱۹ جمادی الاول ۵۵۳ھ (۱۸ جون ۱۱۵۸ع) کو نقل کیا ، اور دوران کتابت میں میرا قیام انھی کی خدمت میں رہا -'' اور پھر اس خاتمے کے نیچے لکھا ہے کہ میں نے ایک اور صاحب کی معیت میں اس کتاب کو تاج الاسلام سے ۵۵۳ھ میں پڑھا -

اس نسخے میں اصل کتاب کے خاتمے پر لکھا ہے : ''زیادۃ من نسخۃ کتبت علی عہدالمصنف رحمۃ اللہ علیہ وسلامہ'' (ورق ۱۶۹ الف) - یہ عبارت بتاتی ہے کہ اس کے تحت جو اندراجات ہوں گے ، وہ بعد کے اضافے تسلیم کیے جائیں گے - چنانچہ نہج البلاغہ کی عبارت ، جس میں ''مجازاۃ الآثار النبویۃ'' کا حوالہ آیا ہے ، اس نسخے کے اندر اسی عنوان کے تحت مندرج ہے -

چوتھی دلیل :

''نہج البلاغہ''[۲] کے کچھ نسخوں میں بھی مختلف تشریحوں سے پہلے شریف رضی کا نام ملتا ہے - اس سلسلے میں ''نہج'' کا وہ نسخہ قابل ملاحظہ ہے جسے محمد محی الدین عبدالحمید استاد جامع ازہر نے اپنی تصحیح کے بعد مطبعۃ الاستقامہ قاہرہ سے شائع کرایا ہے - ان کے پیش نظر ''نہج'' کے آٹھ نسخے تھے ، جن میں سے ایک کے ساتھ ابن ابی الحدید کی شرح اور دوسرے کے ساتھ ابن میثم کی شرح بھی تھی - ابن میثم کی شرح کا ایک نہایت عمدہ قلمی

---

۱ - ایضاً ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۶۷ -

۲ - ملاحظہ ہو نسخۂ مذکور، جلد ۲ ، صفحات ۲۱۲ ، ۲۲۸ و جلد ۳ ، صفحات ۲۶ - ۷۷ - ۱۳۶ - ۱۵۹ - ۱۶۱ - ۱۶۲ - ۱۷۰ - ۱۹۱ - ۱۹۵ - ۲۰۳ - ۲۰۵ - ۲۱۰ - ۲۱۱ - ۲۲۸ - ۲۲۹ - ۲۳۵ - ۲۳۹ - ۲۵۷ - ۲۶۲ تا ۲۶۷ -

نسخہ بھی دوران مقابلہ میں اُن کے سامنے رہا تھا ۔ اس حساب سے اُنھوں نے ۹ نسخوں سے اپنے نسخے کو مرتب کیا تھا ۔

عبدالحمید کے اس نسخے میں جابجا ''قال الرضی'' یا ''قال الرضی ابوالحسن'' آیا ہے ۔ ظاہر ہے کہ ان سب نسخوں میں نہیں ، تو کچھ کے اندر ضرور شریف رضی کا نام آیا ہوگا ، ورنہ مصحح اپنی طرف سے کبھی نہ بڑھاتا ، اور یہ اس کی دلیل ہے کہ نہج البلاغہ شریف رضی کی تالیف ہے ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کہیں اور کسی مخطوطے یا مطبوعہ نسخے میں تو شریف مرتضیٰ کا نام ملتا ۔

اس کی تائید ہمارے مخطوطے سے بھی ہوتی ہے ۔ امیرالمومنین کرم اللہ وجہہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرماتے ہوئے آخر میں ارشاد کیا ہے کہ :

''فمن قام للہ فیھا بما یجب ، عرضھا للدوام والبقاء ۔ و من لم یقم فیھا بما یجب ، عرضھا للزوال والفناء ۔''۱

جو شخص نعمات الٰہی میں رہ کر اللہ کے لیے واجبات ادا کرے گا ، اللہ اُن نعمتوں کو پائدار بنا دے گا ۔ اور جو اس حالت میں واجبات ادا نہ کرے گا ، اللہ اُن نعمتوں کو زائل فرما دے گا ۔

ہمارے نسخے میں (ورق ۱۶۵ الف ، سطر ۸) ''فمن'' کے اوپر ''لا'' اور ''والفناء'' کے اوپر ''الی'' لکھ کر حاشیے پر تحریر کیا ہے :

''فی نسخة الرضی : فان اقام بما یجب للہ فیھا ، عرض نعمته لدوامھا ۔ وان ضیع مایجب للہ فیھا ، عرض نعمته لزوالھا ۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب اور مصحح میں سے کسی ایک کے پاس ''نہج'' کا کوئی ایسا نسخہ بھی موجود تھا جو اُس کے مؤلف شریف رضی کی ملکیت میں رہ چکا تھا ، یا خود اُنھی کے قلم کا نوشتہ تھا ، اور یہ ثبوت ہے اس کا کہ کتاب شریف رضی ہی کی تصنیف و تالیف ہے ۔

---

۲ ۔ ایضاً ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۴۳ ۔

پانچویں دلیل :

نہج البلاغہ کی تقریباً ۴۰ یا ۴۵ عربی اور فارسی زبان میں شرحیں لکھی جا چکی ہیں[1] ۔ ان میں سے کم از کم حسب ذیل کے اندر بالیقین شریف رضی ہی کو مؤلف کتاب تسلیم کیا گیا ہے :

(۱) شرح سید علی بن ناصر علوی موسوم بہ ''اعلام نہج البلاغۃ ۔''

''کشف الحجب'' سے معلوم ہوتا ہے کہ شارح مذکور مؤلف ''نہج البلاغہ'' کا معاصر تھا[2] ۔ اس شرح کا ایک قلمی نسخہ جو بارھویں صدی ہجری کا نوشتہ معلوم ہوتا ہے ، کتاب خانۂ رامپور میں موجود ہے ۔ اس کے ورق ۱۹ ب پر لفظ ''ملطاط'' کی تشریح شارح نے ان الفاظ میں کی ہے :

''قال السید الاجل الرضی ، رضی اللہ عنہ یعنی بالملطاط السمت الذی امرھم بلزومہ ۔ الخ ۔''

سید اجل الرضی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ امیرالمومنین کی ملطاط سے مراد وہ سمت ہے جس کے اختیار کرنے کا انھوں نے حکم دیا تھا ۔

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو فہرست کتاب خانۂ عمومی معارف ، مرتبہ مولانا عبدالعزیز جواہر کلام ، صفحہ ۱۳۱ ببعد ، طبع طہران ۔ فہرست کتاب خانۂ مدرسۂ سپہ سالار، جلد ۲ صفحہ ۱۲۴ ببعد ، طبع طہران میں ۹۶ شرحوں کا مذکور ہے ۔

۲ ۔ مجھے اس میں شبہہ ہے کہ ہمارا نسخہ اُسی ''اعلام نہج البلاغہ'' کا ہے ، جو مؤلف کے معاصر کی تالیف ہے اور ''نہج'' کی سب سے پہلی شرح مانی جاتی ہے ، کیونکہ اس میں جابجا ''قال بعض الشارحین'' نظر آتا ہے ، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اس شرح سے پہلے بھی متعدد شرحیں لکھی جا چکی ہیں ۔ نیز اس کا طرز بیان بھی پانچویں صدی کے علما کا نہیں معلوم ہوتا ، اس لیے بعید نہیں کہ اس شرح کا مؤلف کوئی متاخر شخص ہو ، اور اس نے بھی اپنی شرح کا نام ''اعلام نہج البلاغہ'' ہی رکھ دیا ہو ۔ علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ کسی کاتب نے دانستہ یا نا دانستہ ''اعلام'' کا دیباچہ کسی ما بعد کی شرح کے اول میں لکھ کر اس کی حیثیت کو بلند کر دیا ہو ۔ جو حضرات قلمی کتابوں سے زیادہ وابستہ رہے ہیں ، اُن کی نظر سے ایسے متعدد قلمی نسخے گزرے ہوں گے جن میں اسی قسم کی کارروائیاں پائی جاتی ہیں ۔

''رملطاط'' کی یہ تشریح انہی الفاظ میں ''نہج البلاغہ'' کے اندر موجود ہے[1] - اس کا یہ مطلب ہوا کہ شارح کے نزدیک ''نہج'' کا مؤلف شریف رضی ہے -

(۲) شرح الشیخ ابی الحسن (یا الحسن) بن ابی القاسم زید بن محمد بن علی البیہقی النیشاپوری معروف بہ فرید خراسان -

شارح مذکور اپنے عہد کا مشہور متکلم و فقیہ اور ابن شہر آشوب مؤلف مناقب آل ابی طالب و متوفّی ۵۸۸ھ[2] (۱۱۹۲ع) کا استاد تھا - اس کی شرح کا ایک مخطوطہ شیخ محمد صالح بن شیخ احمد آل طعان قطیفی بحرینی کے پاس موجود ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شارح نے ۵۱۶ھ (۱۱۲۲ع) میں ''نہج'' کو حسین بن یعقوب سے پڑھا ، انہوں نے شیخ جعفر درویش سے قرأت کی اور شیخ جعفر نے خود شریف رضی سے اجازہ پایا -

یہ سند بھی اس کا ثبوت ہے کہ ''نہج'' کے مؤلف شریف رضی ہیں -

(۳) شرح ابن ابی‌الحدید معتزلی متوفّی ۶۵۵ھ (۱۲۵۷ع) -

یہ شرح ایران اور مصر دونوں جگہ چھپ چکی ہے اور اپنا جواب نہیں رکھتی - اس کے دیباچے میں شارح نے کتاب کو شریف رضی کی تالیف قرار دیا ہے - اور شرح کے آغاز میں اُن کا مفصل تذکرہ بھی درج کیا ہے - خود اندرون کتاب میں بھی جگہ جگہ ''رضی'' کا نام تشریحات وغیرہ کے سلسلے میں نظر آتا ہے -

(۴) شرح ابن میثم البحرانی متوفّی ۶۷۹ھ (۱۲۸۰ع) -

یہ شرح بھی ایران میں چھپ چکی ہے ، اور اس میں بھی شریف رضی ہی کو مؤلف کتاب تسلیم کیا گیا ہے -

ان کے علاوہ حسب ذیل شرحیں بھی کہیں نہ کہیں دستیاب ہوتی ہیں اور مجھے گمان غالب ہے کہ ان میں بھی شریف رضی ہی کو مؤلف نہج البلاغہ قرار دیا گیا ہوگا ، ورنہ عبدالعزیز جواہر کلام اپنی مرتّبہ فہرست کتاب خانۂ عمومی معارف ، طہران میں اس کا ضرور ذکر کرتے -

---

۱ - نہج البلاغہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۹۳ -
۲ - کشف الحجب ، صفحہ ۵۵۵ -

۱ - شرح قطب الدین ابوالحسین سعید بن ہبة اللہ بن الحسن الراوندی متوفی ۵۷۳ھ (۱۱۷۷ع) موسوم بہ ''منہاج البراعہ ۔''

روضات الجنات اور کشف الحجب[1] میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے - نیز طہران کے سرکاری کتاب خانے میں اس کا ایک مخطوطہ محفوظ ہے -

۲ - شرح النفس مؤلفہ ۷۵۹ھ (۱۳۵۸ع) - اس کے مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا ، لیکن ایک مخطوطہ کتاب خانۂ رضوی میں موجود ہے -

۳ - شرح کمال الدین عبدالرحمان بن محمد بن ابراہیم العتائقی الحلی مؤلفہ ۷۷۰ھ (۱۳۶۸ع) - اس کا ایک قلمی نسخہ خزانۂ امیرالمومنین نجف اشرف میں محفوظ ہے -

ان دلائل سے یہ امر حتماً ثابت ہو جاتا ہے کہ ''نہج البلاغہ'' شریف مرتضیٰ کی نہیں ، بلکہ اُن کے چھوٹے بھائی شریف رضی کی تالیف ہے ، اور ابن خلکان سے لے کر ڈاکٹر بروکلمان[2] تک جس کسی نے بھی اسے شریف مرتضیٰ کی طرف منسوب کیا ہے ، اُس نے پوری تحقیق سے کام نہیں لیا ، ورنہ اتنا کھلا ہوا دھوکا کبھی نہ کھا سکتا تھا -

مندرجات کی حیثیت :

نہج البلاغہ کے سلسلے میں دوسرا تحقیق طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس کے خطبے اور خطوط وغیرہ کی سندی حیثیت کیا ہے ، یعنی یہ جعلی ہیں یا اصلی - اور

---

۱ - ایضاً صفحہ ۵۶۵ و روضات صفحہ ۳۰۱ -

۲ - علمائے جدید میں سے فانڈیک نے اکتفاء القنوع صفحہ ۱۸۱ میں سید رضی کی جگہ سید رازی لکھ دیا ہے جو غالباً کتابت کی غلطی ہے - جرجی زیدان نے تاریخ آداب اللغة العربیہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۸۸ میں اور ڈاکٹر بروکلمان المانوی نے تاریخ ادب عربی (بزبان جرمن) جلد ۱ صفحہ ۴۰۴ اور اس کے تتمے کی جلد ۱ صفحہ ۷۰۴ میں نہج کا مؤلف سید مرتضیٰ ہی کو قرار دیا ہے - گو مؤخرالذکر نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض نے اسے سید رضی کی تالیف بتایا ہے - چنانچہ سید رضی کے حال (تتمہ جلد ۱ ، صفحہ ۱۳۱) میں اس کا ذکر تبعاً کر دیا ہے ، مستقل شمار مصنفات میں اسے نہیں لیا -

جعلی ہیں ، تو یہ جعل کس نے کیا ہے - شریف رضی جامع نہج البلاغہ نے یا اس سے پہلے کے فصحاے شیعہ یا غیر شیعہ نے -

ابن خلکان اور اُس کے پیروؤں نے نہج البلاغہ کے مندرجات کو اُس کے مؤلف ہی کی کاوش دماغی قرار دیا ہے - اُن کے اس دعوے کی دلیلوں سے بعد میں بحث کی جائے گی - سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ خود کتاب کے اندر بھی ایسا کوئی ثبوت موجود ہے جو اس الزام کی تردید کر سکے ؟

اس نقطۂ نگاہ سے نہج کا سطالعہ کیا جائے تو اُس میں متقدم مصنفین کے متعدد حوالے نظر آتے ہیں -

مآخذ کتاب :

امیرالمومنین کا خطبہ نمبر ۳۱ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے :

''یا أیها الناس ، انا اصبحنا فی دهر عنود و زمن کنود ، یعد فیه المحسن مسیئاً ، و یزداد الظالم عتواً - لا ننتفع بما علمنا ، و لا نسأل عما جهلنا ، ولا نتخوّف قارعة حتی تحل بنا[۲] -

لوگو ! ہم کج رو زمانے اور ناشکرے عہد میں واقع ہوے ہیں ، جس میں نیکوکار کو بدکار شمار کیا جاتا ہے ، اور ظالم زیادہ اکڑفوں دکھاتا ہے - ہم اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھاتے ، اور نہ اُن باتوں کو دریافت کرتے ہیں جن کا علم نہیں رکھتے ، اور نہ مصیبت کے سر پر آ پڑنے سے پہلے اُس سے ڈرتے ہیں -

اس خطبے کو نقل کرکے جامع کہتا ہے :

''هذه الخطبة ربما نسبها من لا علم له الی معاویة ، وهی من کلام أمیر المومنین الذی لا یشک فیه - وأین الذهب من الرغام والعذب من الاجاج ! وقد دل علی ذلک الدلیل الخریت ، ونقده الناقد

اس خطبے کو بہت سے لاعلموں نے معاویہ کی طرف منسوب کیا ہے ، حالانکہ یہ بے شک و شبہ امیرالمومنین کا کلام ہے - بھلا ریتلی مٹی میں سے سونا کب نکلتا ہے اور کھاری پانی میں سے میٹھا پانی

---

۲ - نہج البلاغہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۷۳ -

البصیر ، عمرو بن بحر الجاحظ ۔ فانہ ذکر ھذہ الخطبۃ فی کتاب البیان والتبیین ، و ذکر من نسبھا إلی معاویۃ ، ثم قال : ''ھی بکلام علی علیہ السلام اشبہ ، و بمذھبہ فی تصنیف الناس ، و بالاخبار عما ھم علیہ من القھر والاذلال ، و من التقیۃ والخوف ألیق ۔''

کب پیدا ہوتا ہے ۔ اس امر کی طرف حاذق رہنما نے رہنمائی کی ہے اور صاحب بصیرت نقاد عمرو بن بحرالجاحظ نے اسے پرکھا ہے ۔ چنانچہ اُس نے اپنی کتاب البیان والتبیین میں اس خطبے کا ذکر کیا ہے ، اور معاویہ کی طرف اس کی نسبت کرنے والوں کا بھی ذکر کیا ہے ۔ پھر کہا ہے کہ یہ علی علیہ السلام کے کلام سے زیادہ مشابہ ہے ۔ اور لوگوں کے اصناف و اقسام بیان کرنے ، اور اُن کے ڈر ، بچاؤ ، تذلیل اور زیادتی کی اطلاع دینے میں اُن کا جو طریقہ ہے ، اُس کے زیادہ لائق ہے ۔

قال : ''ومتی وجدنا معاویۃ فی حال من الاحوال یسلک فی کلامہ مسلک الزھاد ، و مذاھب العباد ۔''[1]

اور یہ بھی کہا ہے کہ ہم نے معاویہ کو کسی حالت میں بھی زاہدوں کے مسلک اور عابدوں کے طریقے پر چلتا کب پایا ہے ۔

یہ خطبہ جاحظ کی کتاب ''البیان والتبیین'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام سے درج ہے ، اور اُس کے آخر میں جاحظ کی مذکورۂ بالا تنقید بھی ایک دو الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ موجود ہے ۔[2]

جاحظ کا پورا نام ابوعثمان عمرو بن بحرالجاحظ المعتزلی ہے ، اور یہ

---

۱ ۔ نہج البلاغہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۷۹ ۔

۲ ۔ البیان والتبیین ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۷۲ ، طبع مصر ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۳ع) ۔ نیز دیکھیے منتخبات البیان والتبیین للثعالبی صفحہ ۱۰۱ ۔

محرم ۲۵۵ھ (۸۶۸ع) میں فوت ہوا ہے[۱] -

(۲) امیرالمومنین کے خطبۂ ۲۲۶ کے شروع میں جامع نے لکھا ہے کہ :

"ذکرھا الواقدی فی کتاب الجمل -" اسے واقدی نے کتاب الجمل میں بیان کیا ہے -

اور اس کے بعد اس خطبے کا یہ حصہ نقل کیا ہے :

فصدع بما أمر به ، و بلغ رسالات ربه ، فلمّ الله به الصدع ، و رتق به الفتق ، و ألف به الشمل بين ذوی الارحام ، بعد العدواة الواغرة فی الصدور، والضغائن القادحة فی القلوب -"[۲]	پس رسول اکرمؐ نے اُن کاموں کو جن پر مامور تھے، برملا پیش کیا ، اور اپنے رب کے پیام پہنچائے - نتیجۃً اللہ نے اُن کے ذریعے سے شگاف کو بھر دیا اور پھٹے کو سی دیا ، اور آپ کی وساطت سے رشتہ داروں کے درمیان افتراق کو اجتماع سے بدل دیا ، حالانکہ اُن کے سینوں میں دشمنی تھی ، اور دلوں میں بھڑکنے والے کینے پائے جاتے تھے -

(۳) واقدی کی اسی کتاب سے امیرالمومنین کا خط نمبری ۵۷ نقل کیا گیا ہے جو آپ نے اپنی بیعت لینے کے بعد لکھا تھا - اس کے الفاظ یہ ہیں :

اما بعد فقد علمت اعذاری فیکم و اعراضی عنکم ، حتّی کان ما لا بد منہ ولا دفع له -	بعد ازاں تم اپنے معاملے میں میرے عذر کو جانتے ہو ، اور میرے اعراض سے واقف ہو - تا آنکہ جو ہونا تھا اور جس سے گزیر نہ تھا ، وہ ہو گیا -

---

۱ - تاریخ بغداد ، جلد ۱۲، صفحہ ۲۲۰ ، والکامل لابن الاثیر جلد ۷، صفحہ ۷۷، و مرآۃ الجنان للیافعی جلد ۲ صفحہ ۱۶۲ ، و الجاحظ للحسن المندوبی ، طبع مصر - لیکن شذرات جلد ۲ صفحہ ۱۲۱ میں ۲۵۰ھ میں وفات بتائی ہے -

۲ - نہج البلاغہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۵۳ -

والحدیث طویل والکلام کثیر ۔ وقد ادبر ما ادبر ، و اقبل ما اقبل ۔

اور بات لمبی ہے ، اور گفتگو زیادہ ہے ، اور جو چیز جانے والی تھی وہ چلی گئی ، اور جو آگے آنے والی تھی ، وہ پیش آ گئی ۔

فبایع من قبلك ۔ و أقبل إلی فی وفد من اصحابک ۔[۱]

لہذا تم اپنے یہاں کے لوگوں سے بیعت لے لو ، اور اپنے ساتھیوں کے وفد کے ساتھ میرے پاس چلے آؤ ۔

واقدی کا پورا نام ابوعبداللہ محمد بن عمر بن واقد الاسلمی المدنی ہے ۔ اس نے ذی الحجہ ۲۰۷ھ (۸۲۳ع) میں انتقال کیا ہے ۔[۲]

ابن ندیم نے اس کی تصنیفات میں ''کتاب الجمل'' کا نام لیا ہے ۔[۳] مگر اب اس کتاب کا سراغ نہیں ملتا ۔ ابن ندیم ، جامع نہج البلاغہ کا معاصر ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے آخر تک واقدی کی کتاب الجمل کے نسخے ملتے تھے ۔

(۴) امیرالمومنین کا خط نمبری ۵۴ حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے نام ہے ۔ یہ خط ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے :

اما بعد فقد علمتما ، و ان کتمتما ، أنی لم أرد الناس ، حتی أرادونی ، و لم أبایعهم ، حتی بایعونی ۔[۴]

بعد ازاں تم دونوں واقف ہو ، گو چھپاتے ہو ، کہ میں نے لوگوں کو نہیں چاہا ، جب تک انہوں نے مجھے نہیں چاہا ، اور میں نے ان سے بیعت نہیں لی ، جب تک انہوں نے خود بیعت نہ کی ۔

اس خط کے آغاز میں جامع نے لکھا ہے کہ ابو جعفر الاسکافی نے اپنی ''کتاب المقامات فی مناقب امیرالمومنین'' میں یہ خط نقل کیا ہے ۔

---

۱ ۔ نہج ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۳۹ ۔
۲ ۔ شذرات ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۸ ۔
۳ ۔ کتاب الفہرست ، صفحہ ۱۴۴ ، طبع مصر ۱۳۴۸ھ (۱۹۲۹ع) ۔
۴ ۔ نہج ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۲۲ ۔

ابو جعفر محمد بن عبداللہ الاسکافی المعتزلی ، بغداد کے محلۂ اسکاف کا باشندہ ، معتزلۂ بغداد کا امام اور فرقۂ اسکافیہ کا بانی ہے - ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ قاضی القضاۃ نے اسے معتزلہ کے طبقۂ ہفتم میں شمار کیا ہے - یہ جاحظ کا معاصر ہے ، اور اُس کی ''کتاب العثمانیہ'' کا رد اسی نے لکھا ہے - بغدادی معتزلہ کی رائے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے افضل تھے - یہ بھی اسی رائے کا تھا - بقول سمعانی اس نے ۲۴۰ھ (۸۵۴ع) میں انتقال کیا ہے -[۱]

ابن ندیم اور کشف‌الظنون وغیرہ میں اس کتاب کا حوالہ نہیں ملتا ، جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ اس کتاب نے شہرت نہیں پائی -

(۵) خطوط کے ذیل میں نمبر ۴۷ پر جامع نے ایک معاہدہ نقل کیا ہے جو اہل یمن اور ربیعہ کے درمیان ہوا تھا - اُس کی عبارت امیرالمومنین نے تحریر فرمائی تھی - یہ معاہدہ اپنے مطالب کے لحاظ سے قابل مطالعہ ہے ، اس لیے میں اسے پورا نقل کرتا ہوں :

''هذا ما اجتمع عليه أهل اليمن حاضرها و باديها ، و ربيعة حاضرها و باديها ، أنهم على كتاب الله ، يدعون اليه و يامرون به ، ويجيبون من دعا إليه و أمر به ، لايشترون به ثمناً ، و لايرضون به بدلاً ، وانهم يد واحدة على من خالف ذلك و تركه ، انصار بعضهم لبعض ، دعوتهم واحدة - لا ينقضون عهدهم لمعتبة عاتب ، ولا لغضب غاضب ، ولا لاستذلال قوم قوماً (ولا لمسبة قوم قوما)

''یہ وہ معاہدہ ہے جس پر اہل یمن ، شہری اور دیہاتی ، اور بنی ربیعہ ، شہری اور دیہاتی ، متفق ہیں - یعنی وہ سب اللہ کی کتاب پر چلیں گے ، اُس کی طرف لوگوں کو بلائیں گے اور اُس پر چلنے کا حکم دیں گے اور جو اُس کی طرف بلائے گا اور اُس پر چلنے کا حکم دے گا ، اُس کی مانیں گے - نہ اُسے کسی قیمت پر بیچیں گے اور نہ اس کا بدل پسند کریں گے - اور جو کتاب اللہ کے خلاف ہوگا اور اُسے ترک کرے گا ، اُس کے مقابلے

---

۱ - کتاب الانساب للسمعانی ، ورق ۳۵ الف ، وشرح نہج‌البلاغہ لابن ابی‌الحدید جلد ۲ صفحہ ۳۳۲ ، طبع ایران -

پر متحد ہوں گے ، اور ایک دوسرے کی مدد کریں گے ۔ اُن کی پکار ایک ہوگی ۔ اپنے اس عہد کو کسی کی خفگی یا ناراضگی کی بنا پر نہ توڑیں گے ، اور نہ کسی قوم کو ذلیل کرنے یا سب و شتم کرنے کے لیے اس کی خلاف ورزی کریں گے ۔

على ذلك شاهدهم و غائبهم ، و سفيههم و عالمهم ، و حليمهم و جاهلهم ۔ ثم إن عليهم بذلك عهد الله و ميثاقه ۔ إن عهد الله كان مسئولا ۔ و كتب علی بن ابيطالب ۔"[۱]

اس معاہدے پر اُن کے حاضر اور غائب ، بیوقوف اور عالم ، بردبار اور جاہل سب عامل رہیں گے ۔ پھر اس معاہدے کی پشت پر اللہ کا عہد و میثاق ہے ۔ بے شک اللہ سے جو قول و قرار کیا جائے ، اس کی بازپرس ہوگی ۔ علی ابن ابیطالب نے لکھا" ۔

اس کے شروع میں جامع نے لکھا ہے کہ میں اسے ہشام ابن الکلبی کے خط سے نقل کر رہا ہوں ۔ ابن الکلبی کا پورا نام ابوالمنذر ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ہے ، اور اُس نے ۲۰۴ھ (۸۱۹ع) میں انتقال کیا ہے ۔ اُس نے ۱۵۰ سے زائد کتابیں لکھی تھیں جن میں ۱۴۰ کا ذکر ابن ندیم کے یہاں بھی ملتا ہے ۔[۲] اُس کی کس کتاب سے جامع نے یہ معاہدہ نقل کیا ؟ اس کا پتا چلانا دشوار ہے ۔ بہ ظاہر یہ عہدنامہ اُس کی کسی "کتاب الحلف" سے نقل کیا گیا ہے ، اور جامع کے سامنے اس کا کوئی نسخہ بخط مؤلف موجود ہوگا ۔

(۶) امیرالمومنین کا خط نمبر ۷۸ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام ہے ۔ یہ خط ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے :

---

۱ ۔ نہج ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۴۸ ۔

۲ ۔ کتاب‌الفہرست صفحہ ۱۴۰ ، و لسان المیزان ، جلد ۶ ، صفحہ ۱۹۶ ، و شذرات ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۳ ۔ فہرست میں ۲۰۶ھ سال وفات بتایا ہے ، اور الکامل ، جلد ۵ ، صفحہ ۱۳۳ میں اسے قول بعض قرار دیا ہے ۔

''فان الناس قد تغیر کثیر منهم عن کثیر من حظهم ، فمالوا مع الدنیا ، و نطقوا بالھوی ۔''[1]	بے شک بہت سے لوگ اپنے بہت سے حقیقی حظوں کو چھوڑ چکے ، دنیا کے ساتھ ہو لیے اور ہوا و ہوس کی باتیں کرنے لگے ۔

اس کے شروع میں جامع نے اپنا ماخذ سعید بن یحیٰی الاموی کی ''کتاب المغازی'' کو بتایا ہے ۔ اس کتاب کا نام کشف الظنون میں آیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گیارھویں صدی ہجری تک اس کے نسخے موجود تھے ۔[2]

کتاب کے مؤلف کا صحیح اور پورا نام ابو عثمان سعید بن یحیٰی بن سعید بن ابان بن سعید بن العاص بن الاحیحۃ القرشی الاموی الکوفی البغدادی ہے ، اور اس نے ۲۴۹ھ (۸۶۳ع) میں وفات پائی ہے[3] ۔

---

۱ - نہج ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۵۰ ۔

۲ - کشف لظنون ، جلد۲ ، کالم ۱۳۶۰ و ۱۷۴۷، طبع استنبول ۱۳۶۲ھ (۱۹۴۳ع)

۳ - تاریخ بغداد، جلد ۹ ، صفحہ ۹۰ ، طبع مصر ۱۳۴۹ھ (۱۹۳۱ع) ، و تہذیب التہذیب، جلد۴، صفحہ ۹۷، طبع حیدرآباد ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ع)۔ لیکن کشف، جلد ۲ ،کالم ۱۷۴۷ میں ابو محمد یحیٰی بن سعید بن ابان الاموی الکوفی الحنفی متوفیٰ ۱۹۱ھ کو اور کالم ۱۳۶۰ میں یحیٰی بن سعید بن فروخ التمیمی القطان البصری کو مؤلف بتایا ہے ۔ یہ آخری نام تو کسی طرح بھی درست نہیں معلوم ہوتا ۔ ہاں یہ قرین قیاس ہے کہ سعید کا باپ یحیٰی بن سعید بن ابان کتاب المغازی کا مؤلف ہو ، اس لیے کہ تاریخ بغداد، جلد۱۴، صفحہ ۱۳۲ اور شذرات، جلد۱، صفحہ ۳۴۱ میں اسے ابن اسحاق کی کتاب المغازی کا راوی بتایا گیا ہے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے مغازی و سیر سے دل چسپی تھی ۔ کشف کی دوسری غلطی یہ ہے کہ اس میں یحیٰی القطان کا سال وفات ۱۹۴ھ (۸۰۹ع) لکھا ہے، حالانکہ بقول خطیب (تاریخ بغداد، جلد ۱۴،صفحہ ۱۴۳، وتہذیب التہذیب، جلد۱۱،صفحہ ۲۱۹) انھوں نے ۱۹۸ھ (۸۱۳ع) میں وفات پائی ہے ۔ تیسری غلطی یہ کی ہے کہ یحیٰی بن سعید کی کنیت ابو ایوب کی جگہ ابو محمد بتائی ہے اور سن وفات ۱۹۱ھ لکھا ہے ، حالانکہ انھوں نے تاریخ بغداد ، جلد ۱۴، صفحہ ۱۳۵ و تہذیب التہذیب، جلد ۱۱، صفحہ ۲۱۴ کے مطابق شوال ۱۹۴ھ (۸۱۰ع) میں انتقال کیا ہے ۔

(۷) حکیمانہ اقوال کے ذیل میں ایک مستقل فصل کے اندر جامع نہج البلاغہ نے امیرالمومنین کے ۹ ایسے جملے نقل کر کے جن کے اندر غریب الفاظ آئے ہیں ، اُن کی تشریح کی ہے - ان میں سے چوتھے جملے کے الفاظ کی شرح میں لکھا ہے کہ :

ھذا معنی ما ذکرہ ابوعبید (القاسم بن سلام) -

یہ اُس کا مطلب ہے جو ابو عبید (قاسم بن سلام) نے بیان کیا ہے -

ابو عبید القاسم بن سلام الھروی البغدادی متوفّٰی ۲۲۴ھ (۸۳۸ع) اپنے عہد کا بہت بڑا محدث ، فقیہ اور لغت و شعر کا ماہر ہے - جامع نے اس کی کتاب کا نام نہیں بتایا ، لیکن مجھے تحقیق سے پتا چل گیا کہ یہ سب جملے اُس کی کتاب ''غریب الحدیث'' سے منقول ہیں ، جن کے ساتھ اُس کی تشریحات بھی نقل کر دی گئی ہیں - چنانچہ کتاب خانۂ رام پور میں اس کا جو مخطوطہ تقریباً آٹھویں صدی ہجری کا لکھا ہوا محفوظ ہے ، اُس کے اوراق ۱۹۷ الف تا ۲۰۳ ب میں یہ سب اقوال موجود ہیں -

(۸) امیرالمومنین کا ارشاد ہے کہ :

''أیھاالمومنون ، انه من رأی عدواناً یعمل بہ و منکراً یدعی الیہ ، فانکرہ بقلبہ ، فقد سلم و بری''-[۱]

مومنو ! بے شک جو کوئی کسی سرکشی پر عمل ہوتا دیکھے اور منکر کی طرف بلاوا سنے اور پھر اسے دل سے برا جانے ، تو وہ سالم اور بری رہا -

اس کے شروع میں جامع نے تاریخ طبری کا حوالہ دیا ہے - طبری جس کا پورا نام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری ہے ، تاریخ اسلام کا مشہور مؤلف ہے ، اور اُس نے ۳۱۰ھ (۹۲۳ع) میں وفات پائی ہے - مذکورۂ بالا ارشاد علوی اس کی تاریخ کی جلد ۸ کے صفحہ ۱۲ پر موجود ہے -

(۹) امیرالمومنین کے قول ''أخبر تقله'' (اُس کی حقیقت کو پہچان ، نفرت ہو جائے گی) کے ذیل میں لکھا ہے کہ کچھ اہل علم اسے قول رسول علیہ الصلوۃ والتسلیم بتاتے ہیں ، لیکن میں نے اسے کلام امیرؑ اس بنا پر قرار

---

۱ - نہج ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۳۳ -

دیا ہے کہ ثعلب نے ابن الاعرابی کی زبانی بیان کیا ہے کہ خلیفۂ عباسی مامون کا قول تھا کہ اگر امیرالمومنین نے ''اخبر تقلہ'' نہ کہا ہوتا ، تو میں کہتا : ''أقله تخبر'' (تو اس سے نفرت کر ، حقیقت کو پہچان جائے گا) ۔[1]

ثعلب ، نحو ولغت کا مشہور عالم ہے ، اور اُس نے ۲۹۱ھ (۹۰۴ع) میں انتقال کیا ہے ۔ ابن الاعرابی علوم ادبیہ کا امام مانا جاتا ہے ۔ اُس نے ۲۳۰ھ (۸۴۴ع) میں وفات پائی ہے ۔ مامون عباسی بغداد کا شہرۂ آفاق خلیفہ ہے اور ۲۱۸ھ (۸۳۳ع) میں فوت ہوا ہے ۔

مجھے ثعلب کا یہ قول کسی کتاب میں نہ ملا ۔ لیکن ابو ہلال حسن بن عبداللہ بن سہل العسکری متوفٰی بعد ۳۹۵ھ (۱۰۰۵ع) نے جمہرۃ الامثال میں لکھا ہے کہ یہ کہاوت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی کہی ہوئی ہے ، اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے ۔[2] ابو عبداللہ الحاکم النیسابوری صاحب کتاب المستدرک علی الصحیحین نے بھی اپنی اصول حدیث کی کتاب معرفۃ علوم الحدیث (صفحہ ۱۶۲) میں حضرت ابوالدرداءؓ ہی کے نام سے یہ قول نقل کیا ہے ، مگر ان کی روایت میں ہے : ''اختبر تقلہ'' ۔

ابوعبید احمد بن محمد الہروی متوفٰی ۴۰۱ھ (۱۰۱۰ع) نے اپنی کتاب الغریبین میں لکھا ہے :

''و منہ حدیث ابی الدرداء : وجدت الناس أخبر تقلہ ۔ ای من جربھم، رماھم بالمقت لخبث سرائرھم ، وقلة انصافھم ، و فرط استیثارھم ۔ و لفظہ لفظ الامر و معناہ الخبر ۔[3]

اسی قسم کی ابوالدرداء کی یہ حدیث ہے کہ میں نے لوگوں کو پایا ''اخبر تقلہ''، یعنی جو شخص انسانوں کو آزمائے گا ، وہ اُن کا دشمن ہو جائے گا ، اس لیے کہ اُن کے دلوں میں خباثت اور قلت انصاف اور خود غرضی کی زیادتی ہے ۔ اس حدیث

---

۱ ۔ نہج ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۵۷ ۔
۲ ۔ جمہرۃ الامثال ، صفحہ ۲۶ ، طبع بمبئی ۱۳۰۷ھ (۱۸۸۹ع) ۔
۳ ۔ الغریبین ، ورق ۲۳۶ الف ، مخطوطۂ رام پور ۔

کے لفظ تو حکم کے ہیں ، لیکن
معنی خبر و اطلاع ہیں ۔

(۱۰) اسی طرح امیرالمومنین کے ارشاد ''اَلعین وِکاء السہ'' (آنکھ سرین کا بندھن ہے) کے تحت لکھا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ مذکورہ جملہ قول رسولؐ ہے ، مگر کچھ راویوں نے اسے قول مرتضوی بتایا تھا ۔ مبرد نے اپنی کتاب ''المقتضب'' میں اس کا ذکر کیا ہے ۔[۱]

مبرد کا پورا نام ابوالعباس محمد بن یزید الازدی النحوی ہے ، اور اُس نے ۲۸۵ھ (۸۹۸ع) میں انتقال کیا ہے ۔ اُس کی کتاب المقتضب آج موجود نہیں ، لیکن ابن ندیم اور حاجی خلیفہ نے اس کا ذکر کیا ہے ۔[۲]

یہ جملہ بحیثیت ارشاد نبویؐ ابن قتیبۃ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ (۸۸۹ع) نے کتاب تاویل مختلف الحدیث صفحہ ۶۵ میں لکھا ہے ،اور ابو عبید احمد بن محمد الہروی متوفی ۴۰۱ھ (۱۰۱۰ع) کی کتاب الغریبین میں بھی مذکور ہے ۔ موخرالذکر کے الفاظ یہ ہیں :

''وفی الحدیث ۔ اَلعین وکاء السہ ۔ قال ابو عبید : وھو حلقۃ الدبر''[۳]

اور حدیث میں آیا ہے : ''العین وکاء السہ'' ۔ ابو عبید نے کہا کہ ''سہ'' حلقۂ دبر کو کہتے ہیں ۔

یہ ابو عبید جس کا قول غریبین میں نقل کیا گیا ہے ، ابوعبیدالقاسم بن سلام ہے ۔ اس نے اپنی کتاب ''غریب الحدیث'' میں احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت اس قول کو نقل کیا ہے ۔[۴]

دیگر مآخذ :

جن اہل علم نے تاریخ و ادب و حدیث کی کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا ہے ، وہ اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ نہج البلاغہ کے بہت سے مندرجات دوسری متقدم کتابوں میں موجود ہیں ، گو سید رضی نے اُن کا حوالہ نہیں دیا ہے ، اور

---

۱ ۔ نہج ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۶۳ ۔
۲ ۔ الفہرست ، صفحہ ۸۸ ، و کشف ، جلد ۲ ، کالم ۱۷۹۳ ۔
۳ ۔ الغریبین ورق ۱۳۴ ب ۔
۴ ۔ غریب الحدیث ورق ۱۳۸ ب ، مخطوطۂ رام پور ۔

اگر بغداد چنگیزیوں کے ہاتھوں تباہ وبرباد نہ ہوا ہوتا اور اُس کے عدیم النظیر کتاب خانوں کو ان وحشی جاہلوں نے جلا کر خاک نہ کردیا ہوتا، تو آج اُس کے ایک ایک جملے کا حوالہ ہمارے سامنے ہوتا۔ ذیل میں چند ایسے حوالے پیش کیے جاتے ہیں جو آج بھی ہماری دسترس میں ہیں۔

(۱) اہل سنت کے نقطۂ نگاہ سے نہج کا سب سے زیادہ قابل اعتراض خطبہ ''شقشقیہ'' ہے جس میں امیرالمومنین نے خلافت کی پچھلی تاریخ بیان فرمائی ہے، اور اس امر کی شکایت کی ہے کہ ''مجھے خلافت کا دوسروں کے مقابلے میں زیادہ مستحق جانتے ہوئے بھی اہل حل و عقد نے نظر انداز کیا۔ تاہم میں نے صبر کیا تا آنکہ چوتھی بار سب نے مجھے اس بار کے اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ لیکن کچھ لوگ بیعت کے بعد مخالف ہوگئے اور اہل اسلام میں جنگ چھڑ گئی۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، اگر میرے مددگار موجود نہ ہوتے، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظالم کی روک تھام اور مظلوم کی مدد فرض نہ ہوتی، تو میں اس عہدے سے الگ جا کھڑا ہوتا۔''

اس خطبے کا آغاز یہ ہے:

''اما واللہ، لقد تقمصها فلان، وانہ لیعلم آن محلی منها محل القطب من الرحی۔''[۱]	بخدا خلافت کا کرتا فلاں نے پہن لیا، حالانکہ وہ خوب واقف تھے کہ خلافت میں میرا مقام وہ ہے جو کیلی کا چکی میں ہوتا ہے۔

یہ خطبہ ابو جعفر احمد بن محمد بن خالد البرق الشیعی متوفی ۲۷۴ھ (۸۸۷ع) نے کتاب المحاسن میں، ابراہیم بن محمد الثقفی الکوفی متوفی ۲۸۳ھ (۸۹۶ع) نے کتاب الغارات[۲] میں، ابو علی محمد بن عبدالوہاب الجبائی البصری المعتزلی متوفی ۳۰۳ھ (۹۱۵-۱۶ع)، ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن محمود الکعبی البلخی المعتزلی متوفی ۳۱۹ھ (۹۳۱ع) نے کتاب الانصاف میں، ابو جعفر محمد بن عبدالرحمٰن بن قبۃ

۱ - نہج، جلد ۱، صفحہ ۲۵۔

۲ - شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۱/۳۰، و فہرست کتب خطی کتاب خانۂ عمومی معارف ۱/۱۳۹ اور منہاج نہج البلاغہ صفحہ ۱۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الغارات کا مخطوطہ موجود ہے۔

الرازی المتکلم الشیعی تلمیذ ابی القاسم البلخی مؤلف 'کتاب الانصاف' نے اپنی اپنی کتابوں میں ، ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی الشیعی الشہیر بالشیخ الصدوق متوفی ۳۸۱ھ (۹۹۳ء) نے کتاب علل الشرائع (صفحہ ٦٨) اور معانی الاخبار (ج ۱، صفحہ ۳۲۲) میں ، ابوعبداللہ محمد بن النعمان الشیعی المعروف بالشیخ المفید متوفی ۴۱۳ھ (۱۰۲۲ء) نے کتاب الارشاد (صفحہ ١٦٦) اور کتاب الجمل[1] (صفحہ ٣٦ و ٦٧) میں اور شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی متوفی ۴٦۰ھ (۱۰٦٨ء) نے کتاب الامالی (صفحہ ۲۳۷) میں اپنی اپنی خاص سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔

شیخ صدوق نے اپنی دونوں کتابوں (علل الشرائع اور معانی الاخبار) میں ان دو سندوں سے اس خطبے کو روایت کیا ہے :

(۱) ''حدثنا محمد بن علی ماجیلویہ ، عن عمہ محمد بن القاسم ، عن احمد بن ابی عبداللہ البرقی ، عن ابیہ ، عن ابن ابی عمیر ، عن ابان بن عثمان ، عن ابان بن تغلب ، عن عکرمۃ ، عن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔''

(۲) ''حدثنا محمد بن ابراهیم بن اسحاق الطالقانی ، ثنا عبدالعزیز بن یحییٰ الجلودی ، ثنا ابو عبداللہ احمد بن عمار بن خالد ، ثنی یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی ، ثنی عیسیٰ بن راشد ، عن علی بن خزیمۃ ، عن عکرمۃ ، عن ابن عباس رض۔''

(۲) نہج کا تیسرا خطبہ ہے : (۳۳/۱)

بنا اهتدیتم فی الظلماء ، و تسنمتم العلیاء ۔ آہ	تم نے تاریکیوں میں ہمارے ہی ذریعے سے ہدایت پائی ، اور ہمارے ہی سبب سے سربلند ہوئے ۔

یہ خطبہ شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۴۷) میں نقل کیا ہے ۔

(۳) نہج کا چوتھا خطبہ ہے : (۳۵/۱)

أیهاالناس ، شقوا امواج الفتن بسفن النجاة ۔ آہ	لوگو ! فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیرو ۔

اس کے جملے ''وان أمکث ، یتولوا جزع من الموت بشدی أمه'' کو ابراہیم بن محمد البیہقی نے کتاب المحاسن و المساوی (۱۳۹/۲) میں نقل کیا ہے ۔

---

۱ ۔ کتاب الجمل ، المطبعۃ الحیدریہ ، نجف اشرف ۔

(۴) نہج کا پانچواں کلام ہے : (۳۶/۱)

واللہ ، لا اکون کالضبع : تنام علی طول اللدم ، حتی یصل الیھا طالبھا و یختلھا راصدھا ۔ آہ

بخدا میں بجو جیسا نہیں ہوں جو کھٹکے پر کھٹکا ہوتا ہے مگر پڑا سوتا رہتا ہے ، تا آنکہ اُس کا متلاشی سر پر آ جاتا ہے اور اُس کی گھات لگانے والا اُسے دھوکا دے دیتا ہے ۔

اس کلام کا مذکورۂ بالا جملہ ابو عبید القاسم بن سلام البغدادی نے غریب الحدیث (ورق ۱۹۶ الف) میں یوں نقل کیا ہے :

''واللہ ، لا أکون مثل الضبع ، تسمع اللدم ، حتی تخرج فتصاد ۔''

بخدا میں بجو کی طرح نہیں ہوں جو تھپکی سنتا رہتا ہے ، تا آنکہ نکلتا ہے اور شکار ہو جاتا ہے ۔

طبری نے اپنی تاریخ (۱۷۱/۵) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۳۳) میں بالتفصیل یہ گفتگو لکھی ہے ۔ طبری میں اس کا آغاز اس طرح ہے :

لا اکون کالضبع تسمع اللدم ۔ ان النبی قبض وما اری احداً احق بھذا الامر منی ۔'' الخ

میں بجو کی طرح بننا نہیں چاہتا تھا جو تھپکی سنتا رہتا ہے ۔ بے شک نبی کی وفات ہوئی ہے ، تو میں کسی کو بھی امر خلافت کا اپنے سے زیادہ مستحق نہیں پاتا تھا ۔

(۵) نہج کا نواں خطبہ ہے : (۳۸/۱)

آلا و ان الشیطان قد جمع حزبہ ۔ آہ

لوگو ! خبردار ! شیطان نے اپنا جتھا اکٹھا کر لیا ۔

یہ پورا خطبہ شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۳۶) میں نقل کیا ہے ۔ آیندہ نمبر ۲۱ و ۱۳۳ پر بھی یہی خطبہ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ نقل کیا گیا ہے ۔

(۶) نہج کا ۱۱ واں کلام ہے : (۳۹/۱)

فقال لہ علیہ السلام ــــ ولقد شھدنا فی عسکرنا ھذا أقوام فی اصلاب

ہمارے ساتھ وہ بھی تھے جو ابھی صلب پدر اور رحم مادر میں ہیں ۔

الرجال وأرحام النساء۔ آہ۔

یہ کلام بہ اختلاف الفاظ البرقی نے کتاب المحاسن والآداب (و ق ٥ الف) میں نقل کیا ہے۔

(٧) نہج کا ١٢ واں کلام اہل بصرہ کی مذمت میں یوں شروع ہوا ہے: (١/٣٠)۔

کنتم جند المرأة، وأتباع البہیمة۔ رغا فأجبتم، و عقر فہربتم۔ أخلاقکم دقاق، و عہدکم شقاق، و دینکم نفاق، وماءکم زعاق۔ آہ

تم عورت کا لشکر اور چوپائے کے پیرو تھے۔ وہ بلبلایا تو تم نے قبول کیا، اور اُس کی کونچیں کاٹ دی گئیں تو تم بھاگ کھڑے ہوئے۔ تمھارے اخلاق پست ہیں اور تمھارا قول و قرار ناپائدار ہے۔ اور تمھارا دین دوغلاپن ہے اور تمھارا پانی کھاری ہے۔

یہ کلام ابن قتیبہ نے عیون (١/٢١٦) میں ابو عمرو احمد بن عبدربہ الاندلسی متوفی ٣٢٨ھ (٩٤٠ع) نے العقد (٢/١٦٩ مع بن و ٢٨٢) میں، ابن شیخ الطائفہ نے اپنی امالی (صفحہ ٨٧) میں اور شیخ مفید نے کتاب الجمل (صفحہ ٢٠٣ و ٢١٠) میں نقل کیا ہے۔

(٨) نہج کا ١٣ واں کلام ہے: (١/٣٢)

واللہ لو وجدتہ قد تزوج بہ النساء و ملک بہ الاماء، لرددتہ، فان فی العدل سعة، و من ضاق علیہ العدل، فالجور علیہ أضیق۔

بخدا اگر میں جاگیروں کو ایسا پاتا کہ اُن پر عورتوں کی شادیاں ہوچکی ہیں، اور اُن کے بدلے میں باندیاں خریدی جا چکی ہیں، تب بھی واپس لے لیتا، کیوں کہ عدل میں بڑی وسعت ہے۔ اور جس پر عدل و انصاف تنگ ہو جائے، تو ظلم و جور اُس پر اور بھی تنگ ہو جائے گا۔

عسکری نے کتاب الاوائل (ورق ١٠٢ب) میں یہ خطبہ پورا نقل کیا ہے، اور ابن ابی الحدید (١/٥٠) نے لکھا ہے کہ اس خطبے کو کلبی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(۹) نہج کا ۱۵ واں کلام ہے : (۳۲/۱)

ذمتی بما أقول رهينة و أنا بـه زعيم - ان من صرحت له العبر عما بين يديه من المثلات ، حجزته التقوىٰ عن تقحم الشبهات ـــ ألا و ان بليتكم قد عادت كهيئتها يوم بعث الله نبيكم - آه

جو کچھ میں کہوں گا اُس کی صحت کا ذمہ دار اور حقانیت کا کفیل ہوں - بے شک جس کے لیے صراحت کردے گی عبرت اُن عذابوں کی جو پہلی قوموں پر آئے ، اُسے تقویٰ شبہے کے کاموں پر پڑنے سے روک دے گا - سن رکھو کہ تمھاری آزمائش اُسی طرح ہوگی جیسی اُس وقت ہوئی تھی جب اللہ نے تمھارے نبی کو مبعوث کیا تھا -

اس گفتگو کا کچھ حصہ جاحظ نے کتاب البیان (۱۷۰/۱) میں ، ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (۲۳۶/۲) میں ، ابن عبدربہ نے العقد (۱۶۲/۲) میں اور ابو علی احمد بن محمد بن یعقوب ابن مسکویہ الرازی متوفی ۴۲۱ھ (۱۰۳۰ع) کے جاویدان خرد (ورق ۸۰ الف) میں نقل کیا ہے ، اور کل یا بڑا حصہ محمد بن یعقوب الکلینی متوفی ۳۲۸ھ (۹۴۰ع) نے اصول کافی (۹۷) اور فروع کافی (۳۲/۳ کتاب الروضہ) میں ، شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۳۵ و ۱۴۰) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۱۴۷) میں نقل کیا ہے -

(۱۰) نہج کا ۱۶ واں کلام ہے : (۴۷/۱)

ان أبغض الخلائق إلى الله رجلان : رجل وكله الله إلى نفسه ، فهو جائر عن قصد السبيل ، مشغوف بكلام بدعة و دعاء ضلالة - فهو فتنة لمن افتتن به ضال عن هدى من كان قبله ، مضل لمن اقتدى به فى حياته و بعد وفاته ، حمال خطايا غيره ، رهن بخطيئته - آه

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض دو آدمی ہوتے ہیں : ایک وہ جسے اللہ اُس کے نفس کے حوالے کر دے اور وہ سیدھے راستے سے ہٹ جائے ، اور بدعت کی باتوں اور گمراہی کے بلاوے پر فدا ہو- ایسا شخص فتنہ ہے اُس شخص کے لیے جو اُس کی بات قبول کرے ، اور تارک ہے اپنے پیش رو کے چال چلن کا ، اورگمراہ کرنے والا

ہے اُسے جو اس کی مانے، اُس کی زندگی
میں یا مرنے کے بعد۔ وہ دوسروں
کی خطاؤں کا بوجھ اُٹھانے والا ہے،
اور اپنی خطاؤں میں گرفتار ہے۔

یہ خطبہ ابن قتیبہ نے کتاب غریب الحدیث (ابن ابی الحدید ۵۲/۱) میں، کلینی نے اصول الکافی (صفحہ ۱۳) میں، شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۳۵) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۱۴۷) میں نقل کیا ہے۔

(۱۱) نہج کا ۱۸ واں کلام اشعث بن قیس سے خطاب ہے۔ اس کا آغاز ہے: (۵۱/۱)

ما یدریک ما علی مما لی؟ علیک لعنۃ اللہ ولعنۃ اللاعنین! آہ

تجھے کیسے معلوم ہوا کہ کیا میرے خلاف ہے اور کیا موافق۔ تجھ پر اللہ کی لعنت اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہو۔

یہ گفتگو ابوالفرح الاصفہانی متوفی ۳۵۶ھ (۹۶۷ع) نے کتاب الاغانی (۱۵۹/۱۸) میں نقل کی ہے۔

(۱۲) نہج کا ۲۰ واں خطبہ، جو ۱۶۲ ویں خطبے کا ایک ٹکڑا ہے، حسب ذیل ہے: (۵۳/۱ و ۹۷/۲)

فان الغایۃ أمامکم، و ان ورائکم الساعۃ تحدوکم؛ تخففوا تلحقوا - فانما تنتظر باولکم آخرکم۔

بے شک انجام تمہارے سامنے ہے، اور قیامت تمہارے پیچھے ہے اور تمہیں ہانک رہی ہے۔ سبک بار بنو، جا ملوگے۔ اور وہ تمہارے پیش روؤں کی معیت میں تمہارے پچھلوں کی منتظر ہے۔

یہ پورا خطبہ طبری نے اپنی تاریخ (۱۵۷/۵) میں نقل کیا ہے۔

(۱۳) نہج کا ۲۱ واں خطبہ ہے: (۵۵/۱)

ألا وان الشیطان قد ذمر حزبہ۔ الخ

خبردار! شیطان نے اپنے گروہ کو برانگیختہ کر لیا ہے۔

یہ خطبہ شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۳۶) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی

(صفحہ ۱۰۶) اور کتاب الجمل (صفحہ ۱۲۹) میں نقل کیا ہے۔

(۱۴) نہج کا ۲۲ واں خطبہ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے: (۵۶/۱)

اما بعد فان الامر ینزل من السماء الی الارض کقطرات المطر۔ آہ

بعد ازاں، حکم الٰہی آسمان سے زمین پر بارش کے قطروں کی طرح نازل ہوتا رہتا ہے۔

اس خطبے میں آگے ایک جملہ آیا ہے: ''کان کالفلج الیاسر'' (وہ جیتے ہوئے جواری کی طرح ہوتا ہے)۔ یہ جملہ ابوعبید نے اپنی غریب الحدیث (ورق ۲۰۱ ب) میں امیرالمومنین کے نام سے نقل کرکے اس کے لفظوں کی تشریح کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پورا خطبہ اُس کے سامنے تھا۔ نیز ''فاحذروا من اللہ'' سے ''لمن عمل لہ'' تک نصر بن مزاحم الکوفی متوفی ۲۱۲ھ (۸۲۷ع) نے کتاب الصفین (صفحہ ۷) میں نقل کیا ہے۔

(۱۵) نہج کا ۲۴ واں خطبہ ہے: (۶۰/۱)

أنبئت بسراً قد اطلع الیمن۔ آہ

مجھے اطلاع ملی ہے کہ بسر یمن پہنچ گیا۔

یہ خطبہ قدرے اختلاف کے ساتھ مسعودی متوفی ۳۴۶ھ (۹۵۷ع) نے مروج الذہب (۱۱۲/۲) میں نقل کیا ہے، اور اس کا یہ جملہ ''اللھم انی قد مللتھم۔۔الملح فی الماء'' شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۶۳) میں نقل کیا ہے۔

(۱۶) نہج کا ۲۵ واں خطبہ ہے: (۶۲/۱)

ان اللہ بعث محمداً نذیراً للعالمین و أمیناً علی التنزیل، و أنتم معشر العرب علی شر دین و فی شر دار۔ آہ

بے شک اللہ نے محمدؐ کو اہل عالم کے لیے نذیر بنا کر بھیجا تھا اور انہیں قرآن کا امین بنایا تھا، اس حالت میں کہ تم اے اہل عرب! برے دین پر چل رہے تھے اور برے گھر میں بس رہے تھے۔

یہ خطبہ پورا الثقفی نے کتاب الغارات (ابن ابی الحدید ۲۹۵/۱) میں اور اس کا ابتدائی حصہ ابن قتیبہ نے الامامۃ و السیاسۃ (صفحہ ۱۳۶) میں نقل کیا ہے۔

(۱۷) نہج کا ۲۶ واں خطبہ ان لفظوں سے شروع ہوتا ہے: (۶۳/۱)۔

أما بعد فان الجہاد باب من ابواب

بعد ازاں، بے شک جہاد جنت کا

الجنة ، فتحه الله لخاصة أوليائه ، وهو لباس التقوى و درع الله الحصينة ، و جنته الوثيقة ـ فمن ترکه ، رغبة عنه ، ألبسه الله ثوب الذل و شملة البلاء ـ آه

ایک دروازہ ہے ـ اللہ نے یہ دروازہ اپنے خاص دوستوں کے لیے کھولا ہے ، اور وہ پرہیزگاری کا لباس ہے ، اور اللہ کی مضبوط زرہ اور اُس کی مضبوط ڈھال ہے ـ تو جو جہاد کو اُس سے بے پروا ہو کر چھوڑے گا ، اللہ اسے ذلت کا لباس اور مصیبت کی چادر پہنا دے گا ـ

یہ خطبہ جاحظ نے البیان (۱۷۰/۱) میں ، مبرد نے الکامل (۱۳/۱) میں ، ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (۲۳۶/۲) میں ، ابن عبدربہ نے العقد (۱۶۳/۲) میں ، ابوالفرج الاصفہانی نے کتاب الاغانی (۴۳/۱۵) میں ، شیخ صدوق نے معانی الاخبار (صفحہ ۱۱۳) میں ، شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۶۰ تا ۱۶۴) میں اور ابو منصور الثعالبی متوفیٰ ۴۲۹ھ (۱۰۳۸ع) نے ثمار القلوب (صفحہ ۵۵۸) میں بہ تغیر الفاظ نقل کیا ہے ـ

(۱۸) نہج کا ۲۷ واں خطبہ یوں شروع ہوا ہے : (۶۶/۱)

اما بعد فان الدنیا قد أدبرت و آذنت بوداع ، و ان الآخرة قد أقبلت و أشرفت باطلاع ـ ألا و ان الیوم المضمار وغداً السباق ، و السبقة الجنة و الغایة النار ـ أفلا تائب من خطیئته قبل منیته ؟ ألا عامل لنفسه قبل یوم بؤسه ؟

بعد ازاں ، بیشک دنیا نے پیٹھ پھیر لی ، اور رخصت کی اطلاع دے دی ـ اور بے شک آخرت سامنے آچکی ، اور سر اٹھا کر دیکھنے لگی ـ سنو ، بے شک آج دبلا ہونا ہے اور کل گھوڑ دوڑ ہے ـ اور منزل جنت اور انتہا دوزخ ہے ـ تو کیا کوئی ایسا نہیں جو مرنے سے قبل اپنی خطا سے توبہ کر لے ؟ اور کیا کوئی ایسا نہیں جو اپنے لیے اپنی بدحالی کے دن سے پہلے ہی کام کر رکھے ؟

یہ خطبہ جاحظ نے البیان (۱۷۱/۱) میں ، ابن مسکویہ نے جاویدان خرد (۱۲۰ الف) میں ، ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (۲۳۵/۲) میں ، الثقفی نے کتاب الغارات (بحار ۱۲۶/۱۷) میں ، ابن عبدربہ نے العقد (۱۶۳/۲) میں ، ابو محمد الحسن بن

علی بن شعبة الحرانی متوفلی ۳۳۲ھ (۹۴۳ع) نے تحف العقول (صفحہ ۳۵) میں ، القاضی ابوبکر محمد بن الطیب الباقلانی متوفلی ۴۰۳ھ (۱۰۱۳ع) نے اعجازالقرآن (برحاشیۂ اتقان ، سیوطی ۱۹۴/۱) میں اور شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۳۸) میں نقل کیا ہے -

(۱۹) نہج کا ۲۸ واں خطبہ اپنے ساتھیوں پر عتاب و خطاب پر مشتمل ہے اور ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے : (۶۹/۱)

أيهاالناس المجتمعة ابدانهم ، المختلفة اهواءهم ، كلامكم يوهى الصم الصلاب ـ و فعلكم يطمع فيكم الاعداء ـ تقولون فى المجالس كيت و كيت ـ فاذا جاء القتال، قلتم حيدى حياد ـ

اے لوگو ! جن کے بدن اکٹھے ہیں لیکن خواہشیں جدا جدا ہیں ، تمھاری گفتگو سخت چٹانوں کو پھاڑتی ہے - اور تمھارا کام دشمنوں کو لالچ دلاتا ہے - تم مجلسوں میں کہتے ہو یہ کریں گے اور وہ کریں گے - اور جب جنگ کا وقت آتا ہے ، تو بول اٹھتے ہو : بھاگو بھاگو -

یہ خطبہ جاحظ نے البیان (۱۷۱/۱) میں ، ابن قتیبہ نے کتاب الامامة والسیاسة (صفحہ ۱۳۲) میں ، کمیتی نے اپنی کتاب میں (ابن ابی الحدید ۸۵/۱) ، ابن عبدربہ نے العقد (۱۶۴/۲) میں ، شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۵۸) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۱۱۳) میں نقل کیا ہے -

(۲۰) نہج کا ۳۰ واں کلام حضرت ابن عباس سے ہے جب کہ انھیں جنگ جمل سے پہلے حضرت زبیر سے گفتگو کرنے بھیجا تھا - اُس کا آغاز ہے : (۷۲/۱)

''لاتلقين طلحة ـ فانك ان تلقه ،تجده كالثور عاقصاً قرنه يركب الصعب و يقول هو الذلول ـ

تو طلحہ سے ہرگز مت ملنا ، کیونکہ اس سے ملے گا تو اُسے بیل کی طرح سینگ اٹھائے ہوئے پائے گا - وہ سرکش اونٹ پر چڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ رام ہے -

یہ گفتگو جاحظ نے البیان (۱۱۵/۲) میں، ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (۱۹۵/۱) میں اور ابن عبد ربہ نے العقد (۲۷۶/۲) میں بہ اختلاف الفاظ نقل کی ہے -

(۲۱) نہج کا ۳۱ واں خطبہ : ايهاالناس انا قد اصبحنا فى دهر عنود و زمن كنود يعد فيه المحسن مسيئاً ـ الخ (۷۳/۱) ماخذ کتاب کے تحت گزر چکا ہے -

اسے علامہ جاحظ نے البیان (۱۷۲/۱) میں ، ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (۲۳۷/۲) میں ، ابن عبدربہ نے العقد (۱۷۲/۲) میں اور باقلانی نے اعجازالقرآن (۱۹۷/۱) میں شعیب بن صفوان کے حوالے سے بنام حضرت معاویہ درج کیا ہے : (۷۳/۱)

(۲۲) نہج کا ۳۲ واں خطبہ جو اختلاف روایت کے ساتھ نمبر ۱۰۰ پر بھی مذکور ہے ، حسب ذیل ہے : (۷۷/۱)

ان اللہ بعث محمداً صلی اللہ علیہ والہ و لیس احد من العرب یقرأ کتاباً و لا یدعی نبوۃً فساق الناس حتی بواھم محلتھم و بلغھم منجاتھم ۔

بے شک اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو ایسی حالت میں مبعوث فرمایا کہ کوئی عرب نہ کتاب خواں تھا اور نہ نبوت کا دعوے دار ۔ پس اُنھوں نے لوگوں کی رہنمائی کی تا آنکہ اُنھیں ان کے محل پر بٹھا دیا اور اُنھیں نجات کے گھر میں پہنچا دیا ۔

یہ خطبہ شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۳۳) میں نقل کیا ہے ۔

(۲۳) نہج کا ۳۳ واں خطبہ جو اپنے ساتھیوں کے عتاب و خطاب پر مشتمل ہے ، حسب ذیل ہے : (۷۸/۱)

أف لکم ! لقد سئمت عتابکم أرضیتم بالحیاۃ الدنیا من الاخرۃ عوضاً ، وبالذل من العز خلفاً ؟

تم پر افسوس ہے ! میں تمھیں ڈانٹتے ڈانٹتے تنگ آگیا ۔ کیا تم نے دنیا کی زندگی کو آخرت کا بدل مان لیا ؟ اور کیا تم نے عزت کی جگہ ذلت قبول کر لی ؟

یہ خطبہ ابن قتیبہ نے الامامۃ والسیاسۃ (صفحہ ۱۳۲) میں اور طبری نے اپنی تاریخ (۵۱/۶) میں معمولی اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے ۔

(۲۴) نہج کا ۳۴ واں خطبہ بھی اپنے ساتھیوں کے عتاب و خطاب پر مشتمل ہے اور اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوا ہے : (۸۰/۱)

الحمدللہ و ان اتی الدھر بالخطب الفادح ...اما بعد فان معصیۃ الناصح المشفق العالم المجرب تورث

اللہ ہی حمد کا سزاوار ہے ، اگرچہ زمانہ کیسے ہی گراں بار کام سر پر ڈالے ۔ بعد ازاں ، بے شک تجر

الحیرة وتعقب الندامة ۔ | صاحب علم اور مہربان ناصح کی نافرمانی حیرانی پیدا کر دیتی ہے، اور اُس کا انجام پشیمانی ہوتا ہے ۔

یہ خط ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (ابن ابی الحدید ۱۱۰/۱) میں ابن قتیبہ نے الامہ (صفحہ ۱۳۵) میں اور ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ (۴۳/۶) میں نقل کیا ہے ۔ ابوالفرج الاصفہانی نے اغانی (۵/۹) میں اگرچہ اس خطے کے الفاظ نقل نہیں کیے مگر آخری شعر کا حوالہ دیا ہے ۔

(۲۵) نہج کا ۳۵ واں خطبہ امیرالمومنین نے خوارج کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا تھا ۔ اس کا آغاز یوں ہے : (۸۲/۱)

فانا نذیرکم آن تصبحوا صرعیٰ باثناء ھذا النھر و باھضام ھذا الغائط علی غیر بینة من ربکم و لا سلطان مبین معکم ۔ | تو میں تمھیں اس سے ڈراتا ہوں کہ تم اس دریا کے موڑوں اور اس نشیب کی گہرائیوں میں کہیں پچھڑے نہ پڑے ہو ، دراں‌حالیکہ نہ تمھارے پاس پروردگار عالم کی طرف سے کوئی واضح نشانی پائی جائے ، اور نہ تمھارے ساتھ کوئی دلیل ہو ۔

یہ خطبہ ابتدائی حصے کے علاوہ ابن قتیبہ نے الامامة والسیاسة (صفحہ ۱۴۰) میں اور طبری نے اپنی تاریخ (۴۷/۶) میں اور بقول ابن ابی الحدید (۱۱۴-۱) محمد بن حبیب البغدادی متوفیٰ ۲۴۵ھ (۸۵۹ع) نے اپنی کسی کتاب میں نقل کیا ہے ۔

(۲۶) نہج کا ۳۶ واں کلام ''فقمت بالامر'' سے شروع ہوتا ہے ۔ اس کا آخری جملہ یہ ہے :

فنظرت فی امری ، فاذا طاعتی قد سبقت بیعتی ، واذا المیثاق فی عنقی لغیری ۔ | میں نے اپنے معاملے پر نظر کی تو دیکھا کہ میری اطاعت (حکم رسولؐ) میری بیعت سے آگے نکل چکی ہے ، اور دوسرے کے ساتھ پر امن رہنے) کے لیے قول و قرار میری گردن میں ہے ۔

یہ جملہ ایک طویل خطبے میں ابن عبدربہ نے العقد (۳۷۲/۲) میں اور

البیهقی نے کتاب المحاسن (۳۷/۱) میں نقل کیا ہے -

(۲۷) نہج کا ۳۸ واں خطبہ بھی اپنے رفقا کے عتاب پر مشتمل ہے - اس کا آغاز ہے : (۸٦/۱)

منیت بمن لایطیع اذا امرت و لا یجیب اذا دعوت ، لا إبا لکم ! ما تنتظرون بنصرکم ربکم ؟ اما دین یجمعکم ولا حمیة تحمشکم ؟ أقوم فیکم مستصرخاً و أنادیکم متغوثاً ، فلا تسمعون لی قولاً و لا تطیعون لی امراً -

میں اُن لوگوں میں پھنسا ہوا ہوں جو اطاعت نہیں کرتے جب اُنھیں حکم دیتا ہوں ، اور جواب نہیں دیتے جب پکارتا ہوں - تمھارا باپ مر جائے ! تمھیں اپنے پروردگار کی مدد کرنے میں کس بات کا انتظار ہے ؟ کیا دین تمھیں اکٹھا نہیں کرتا ؟ اور کیا حمیت تمھیں نہیں کھینچتی ؟ میں تمھارے اندر کھڑے ہو کر پکارتا ہوں اور تمھیں مدد کے لیے بلاتا ہوں مگر تم میری بات نہیں سنتے اور نہ میرا حکم مانتے ہو -

اس خطبے کو ابراہیم الثقفی نے کتاب الغارات (ابن ابی الحدید ۱۱۸/۱) میں نقل کیا ہے -

(۲۸) نہج کا ۳۹ واں کلام خارجیوں کے قول ''لا حکم الا للہ'' کا جواب ہے اور اس طرح شروع ہوتا ہے : (۸۷/۱)

''کلمة حق یراد بها الباطل -''

حق بات ہے جس سے مقصود باطل ہے -

یہ قول مسلم نے اپنی جامع صحیح کی کتاب الزکواة میں ، مبرد نے الکامل (۱۳۱/۲) میں اور ابن عبدربہ نے العقد (۲٦۰/۱) میں بہ اختلاف الفاظ نقل کیا ہے -

(۲۹) نہج کا ۴۰ واں خطبہ ہے : (۸۸/۱)

ایهاالناس ان أخوف ما أخاف علیکم اثنان : اتباع الهویٰ ، وطول‌الامل -

لوگو ! مجھے تمھارے بارے میں سب سے زیادہ دو باتوں کا ڈر ہے :

فاما اتباع الهوی فیصد عن الحق و أما طول الامل فینسی الآخرة ۔	خواہشوں کی پیروی اور درازیِ امید ۔ خواہشات کی پیروی حق سے روکتی ہے اور درازیِ امید آخرت کو بھلا ڈالتی ہے ۔

یہ خطبہ ابن مزاحم الکوفی نے کتاب صفین (صفحہ۳) میں ، ابوجعفر البرقی نے کتاب المحاسن (ورق ۸۱ ب) میں ، ابن قتیبہ نے عیون (۳۵۳/۲) میں ، کلینی نے اصول الکافی (۱۵٦) اور فروع کافی (۲۹/۳ کتاب الروضہ) میں ، الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۳۵ و ۳۷) میں ، شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۳۸) میں ، ابو نعیم الاصفہانی متوفیٰ ۴۳۰ھ (۱۰۳۸ع) نے حلیة الاولیا (۷٦/۱) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۳۷ و ۱۴۵) بنام امیرالمومنین ، اور ابوعلی القالی نے کتاب الامالی (۱۸/۱) میں بنام عتبہ بن غزوان اور البکری نے سمط اللالی (۷۷/۱) میں، ابو احمد الحسن بن عبداللہ العسکری متوفیٰ ۳۸۲ھ (۹۹۲ع) کی کتاب الحکم والامثال کے حوالے سے خود رسول اکرم سے نقل کیا ہے ۔

(۳۰) نہج کا ۴۵ واں کلام ہے : (۹۲/۱)

أللهم انی أعوذبک من وعثاء السفر و کابة المنقلب و سوءالمنظر فی الاهل و المال ۔ اللهم انت الصاحب فی السفر و انت الخلیفة فی الاهل و لا یجمعهما غیرک لان المستخلف لایکون مستصحباً ، والمستصحب لایکون مستخلفاً ۔	اے اللہ ! میں سفر کی مشقتوں اور واپسی کے مصائب اور بال بچوں اور مال و اسباب کو برے حال میں دیکھنے سے پناہ مانگتا ہوں ۔ اے اللہ ! تو ہی سفر میں رفیق ہے ، اور تو ہی بال بچوں میں میرا قائم مقام ہے ، اور یہ دونوں کام ایک ساتھ تیرے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا ، کیونکہ قائم مقام ساتھی نہیں ہوتا ، اور ساتھی کو قائم مقام نہیں چھوڑا جا سکتا ۔

یہ دعا ''اللهم'' سے ''فی الاهل'' تک حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی الفاظ پر مشتمل ہے اور احادیث کی معتبر کتابوں میں موجود

ہے ۔ ان کے علاوہ ابو عبید نے غریب الحدیث (ورق ۳۸ ب) میں بھی بذیل احادیث نبوی اسے نقل کیا ہے ۔ اور پورے کلام کو ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ۲۷۱ و ۲۸۸) میں روایت کیا ہے ۔

(۳۱) نہج کا ۴۷ واں خطبہ ہے : (۹۳/۱)

الحمد لله كلما وقب ليل و غسق و الحمد لله كلما لاح نجم و خفق ۔

اللہ کے لیے حمد وثنا ہے جب تک رات آئے اور اندھیرا پھیلے اور اللہ کے لیے تعریف ہے جب تک بھی ستارہ نکلے اور ڈوبے ۔

یہ خطبہ ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ۷۰ و ۷۲) میں اور دیگر رواۃ سیر نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے ۔ (ابن ابی الحدید ۱۵۹/۱)

(۳۲) نہج کا ۴۹ واں خطبہ ہے : (۹۵/۱)

انما بدء وقوع الفتن أهواء تتبع و أحكام تبتدع يخالف فيها كتاب الله و يتولى عليها رجال رجالاً على غير دين الله ۔

فتنوں کے وقوع کا آغاز وہ خواہشات ہوتے ہیں جن کی پیروی کی جائے اور وہ نئے احکام ہوتے ہیں جن میں کتاب الٰہی کی مخالفت کی جائے اور جن کے نفاذ کے لیے لوگ دوسروں سے دین الٰہی کے خلاف گٹھ جوڑ کرتے ہیں ۔

یہ خطبہ ابو جعفر البرقی نے کتاب المحاسن والآداب (ورق ۷۹ ب و ۸۳ الف) میں ، کلینی نے اصول الکافی (صفحہ ۳۱) اور فروع الکافی (۲۹/۳ کتاب الروضہ) میں اور عاصم بن حمید نے اپنی کتاب (بحار ۱۵۹/۱ و ۱۶۶) میں نقل کیا ہے ۔

(۳۳) نہج کا ۵۰ واں خطبہ ہے : (۹۶/۱)

قد استطعموكم القتال ، فاقروا على مذلة و تاخير محلة او رووا السيوف من الدماء و تُرووا من الماء ۔

اُنھوں نے تم سے جنگ کا لقمہ طلب کیا ہے ۔ اب یا تو تم ذلت پر جم کر بیٹھ جاؤ اور پیچھے ہٹ لو اور یا تلواروں کی پیاس خون سے بجھا کر خود اپنی پیاس پانی سے بجھا لو ۔

یہ خطبہ ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (ابن ابی الحدید ۱/۱۸۰) میں نقل کیا ہے -

(۳۴) نہج کا ۵۳ واں خطبہ ہے : (۹۹/۱)

فتداکوا علی تداک الابل الهیم یوم وردها قد ارسلها راعیها ، و خلعت مثانیها ، حتی ظننت انهم قاتلی، او بعضهم قاتل بعض لدی"۔

تو وہ مجھ پر (بیعت کے لیے) ایسے ٹوٹ پڑے جیسے پیاسے اونٹ اپنی پانی کی باری پر اُس وقت ٹوٹ پڑتے ہیں جب اُن کا مالک انہیں چھوڑ دیتا ہے اور ان کی رسیاں کھول دی جاتی ہیں - چنانچہ مجھے یہ خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ یا تو یہ مجھے قتل کر دیں گے ، اور یا میرے سامنے ایک دوسرے کو مار ڈالے گا -

یہ ٹکڑا ایک لمبے خطبے کے اندر ابن عبدربہ نے العقد الفرید (۱۶۳/۲ و ۲۷۷) میں نقل کیا ہے -

(۳۵) نہج کا ۵۴ واں کلام ہے : (۹۹/۱)

أما قولكم أكل ذالك كراهية الموت ؟ فواللہ ، ما أبالی أدخلت الی الموت ، أو خرج الموت الی -

کیا تمھارا یہ قول نہیں ہے کہ ''یہ سب (یعنی جنگ کو) ٹالنا موت سے کراہیت کے باعث سے تو نہیں ہے ؟'' تو خدا کی قسم مجھے اس کی ذرہ بھر بھی پروا نہیں کہ میں موت کی طرف بڑھا یا موت میری طرف نکل کر آئی -

یہ کلام شیخ صدوق نے الامالی (مجلس ۹۰) میں بہ تغیر الفاظ نقل کیا ہے -

(۳۶) نہج کا ۵۵ واں خطبہ ہے : (۱۰۰/۱)

ولقد کنا مع رسول اللہ نقتل اباءنا و

ہم رسول اللہ کے ساتھ اپنے باپوں ،

ابناءنا واخواننا واعمامنا ، ما يزيدنا ذلك الا ايماناً و تسليماً و مضياً على اللقم و صبراً على مضض الالم -

بیٹوں ، بھائیوں اور چچاؤں کو قتل کرتے تھے - اس سے ہمارا ایمان بڑھتا تھا ، اطاعت اور راہ حق کی پیروی میں اضافہ ہوتا تھا اور رنج و الم کی سوزش پر صبر میں زیادتی ہوتی تھی -

یہ خطبہ ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ۲۸۳) میں اور شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۵۵) میں نقل کیا ہے -

۳۷) نہج کا ۵۶ واں خطبہ ہے : (۱۰۱/۱)

أما انہ سیظہر علیکم بعدی رجل — الا و انہ سیامرکم بسبی والبراءة منی -

دیکھو میرے بعد بہت جلد تمہارے پاس ایک شخص آئے گا . . . . دیکھو وہ تم کو حکم دے گا کہ مجھے برا بھلا کہو اور مجھ سے اپنی بیزاری کا اظہار کرو -

یہ کلام کلینی نے اصول الکافی (صفحہ ۲۰۷) میں اور الثقفی نے کتاب الغارات میں (ابن ابی الحدید ۲۰۳/۱) اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۱۳۱ و صفحہ ۲۳۲) میں اور حاکم متوفی ۴۰۵ھ (۱۰۱۴ع) نے مستدرک (۳۵۸/۲) میں اور شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۸۳) میں نقل کیا ہے -

(۳۸) نہج کی ۵۷ ویں گفتگو خوارج سے ہے - اس کا آغاز ہے : (۱۰۲/۱)

أصابکم حاصب ولا بقی منکم آثر- أبعد ایمانی باللہ و جہادی مع رسول اللہ أشہد علی نفسی بالکفر -

تم پر سنگ بار آندھی آئے اور تم میں کوئی بتانے والا بھی نہ بچے ! کیا اللہ پر ایمان لانے اور اس کے رسول کی معیت میں جہاد کرنے کے بعد میں اپنے اوپر کفر کی گواہی دے سکتا ہوں ؟

یہ گفتگو ابن قتیبہ نے الامامۃ و السیاسۃ (صفحہ ۱۴۰) میں اور طبری نے اپنی تاریخ (۴۸/۶) میں نقل کی ہے - مبرد نے الکامل (ج ۲ صفحہ ۱۲۱) میں صرف یہ ٹکڑا نقل کیا ہے : ''أبعد صحبۃ رسول اللہ و التفقہ فی الدین ارجع

کافراً ؟"

(۳۹) نہج کا ۶۱ واں خطبہ اس جملے پر مشتمل ہے : (۱۰۶/۱)

فان اللہ سبحانہ لم یخلقکم عبثاً و لم یترککم سدی ۔	اللہ سبحانہ نے تمھیں بے کار نہیں پیدا کیا ہے ، اور نہ تمھیں تنہا چھوڑا ہے ۔

یہ جملہ ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ۷) کے ایک خطبے میں نقل کیا ہے ۔

(۳۰) نہج کا ۶۳ واں کلام اہل صفین کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے ۔ اس کا آغاز ہے : (۱۱۰/۱)

معاشرالمسلمین ! استشعروا الخشیۃ و تجلببوا السکینۃ وعضوا علی النواجذ ۔	مسلمانو ! خوف الٰہی کو اپنا شعار بناؤ ، اور سکون کو اپنی چادر قرار دو ، اور دانت بھینچ کر بند کرلو۔

یہ کلام ابن مزاحم کوفی نے کتاب الصفین (ابن ابی الحدید (۲۶۳/۱) میں ، ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (۱۱۰/۱ و ۱۳۳) میں اور البیہقی نے کتاب المحاسن (۳۲/۱) میں نقل کیا ہے ۔

(۳۱) نہج کا ۶۴ واں کلام ہے : (۱۱۲/۱)

فھلا احتججتم علیھم بان رسول اللہ وصی بان یحسن الی محسنھم و یتجاوز عن مسیئھم ۔	تم نے ان کے سامنے یہ دلیل کیوں نہ پیش کی کہ رسول اللہ نے ان کے بارے میں وصیت فرمائی ہے کہ ان کے نیکوں کے ساتھ نیکی کی جائے اور ان کے بروں سے درگزر کیا جائے ۔

یہ کلام ابوحیان توحیدی نے کتاب البصائر (۱۱۸) میں بہ تغیر الفاظ اور سید مرتضیٰ نے امالی (۱۹۸/۱) میں بعینہ نقل کیا ہے ۔

(۳۲) نہج کا ۶۷ واں کلام ہے : (۱۱۳/۱)

ملکتنی عینی ، وانا جالس ، فسنح لی رسول اللہ ، فقلت یا رسول اللہ ، ماذا لقیت من امتک من الاود	میری آنکھ لگ گئی ، درآں حالیکہ میں بیٹھا ہوا تھا ۔ اتنے میں رسول اللہ میرے پاس تشریف لائے ۔ میں نے

والسدد !

کہا ''اللہ کے رسول ! اب میں آپ کی امت کی طرف سے بہت کچھ کج روی اور دشمنی بھگت چکا ۔''

یہ پورا کلام ابن عبدربہ نے العقد (۲/۲۹۸) میں اور ابوالفرج الاصفہانی نے مقاتل الطالبین (صفحہ ۱۶) میں نقل کیا ہے ، اور آخری حصہ معمولی اختلاف کے ساتھ ابو علی القالی کی ذیل الامالی والنوادر (صفحہ ۱۹۰) میں مندرج ہے ۔

(۳۳) نہج کا ۹۹ واں خطبہ ہے : (۱/۱۱۶)

اللهم داحی المدحوات و داعم المسموکات و جابل القلوب علی فطرتها شقیها و سعیدها ۔

اے اللہ ! اے زمینوں کے پھیلانے والے اور آسمانوں کے محافظ اور دلوں کے ان کی اصلی حالت پر پیدا کرنے والے ! خواہ وہ بدبخت ہوں یا خوش نصیب ۔

یہ خطبہ ابوعلی القالی نے ذیل الامالی والنوادر (صفحہ ۱۷۵) میں ، طبرانی نے معجم اوسط میں ، ابن ابی شیبہ نے مصنف میں ، اور سعید بن منصور نے سنن میں روایت کیا ہے (افضل الصلوات لیوسف النبہانی ۶۱) ۔

(۳۴) نہج کا ۷۴ واں کلام ہے : (۱/۱۲۳)

ان بنی أمیة لیفوقوننی تراث محمد تفویقاً لانفضنهم نفض اللحام الوذام التربة ۔

بنی امیہ مجھے محمد کی میراث میں سے بہت تھوڑا سا حصہ دینا چاہتے ہیں ، میں انہیں ایسا جھاڑ پھینکوں گا جیسے قصائی گردے کی بوٹی پر سے مٹی جھاڑ پھینکتا ہے ۔

یہ کلام ابو عبید نے غریب الحدیث (۱۹۶ب) میں اور ابوالفرج الاصفہانی نے کتاب الاغانی (۱۱/۲۹) میں نقل کیا ہے ۔

(۳۵) نہج کا ۷۶ واں کلام ایک منجم سے ہے : (۱/۱۲۳)

أتزعم أنک تهدی الی الساعة التی من سار فیها صرف عنه السوء ۔

کیا تیرا یہ گمان ہے کہ تو اس گھڑی کو بتا سکتا ہے جس میں سفر کرنے سے مسافر سے بلا دور رہتی ہے ۔

یہ مکالمہ شیخ صدوق نے معمولی تغیر الفاظ کے ساتھ امالی (مجلس ٦٣) میں نقل کیا ہے۔

(٣٦) نہج کے خطبہ نمبر ٧٧ کا آخری حصہ ہے: (١٢٦/١)

فاتقوا شرارالنساء و کونوا من خیارھن علی حذر۔

تم بری عورتوں سے بچتے رہو اور نیک عورتوں سے احتیاط برتو۔

یہ ٹکڑا شیخ صدوق نے امالی (مجلس ٥٠) میں اور شیخ مفید نے کتاب‌الاختصاص (بحار ١٢٥/١٧) میں نقل کیا ہے۔

(٣٧) نہج کا ٨٧ واں کلام ہے: (١٢٦/١)

ایھاالناس ! الزھادۃ قصرالامل و الشکر عندالنعم و الورع عند المحارم۔

لوگو! زہد امیدوں کی کمی، نعمتوں پر شکر اور ممنوعات سے پرہیز کا نام ہے۔

یہ کلام قدرے تغیر کے ساتھ شیخ صدوق نے معانی‌الاخبار (٩٠) میں نقل کیا ہے۔

(٣٨) نہج کا کلام نمبر ٧٩ ہے: (١٢٧/١)

ما أصف من دار، اولھا عناء و آخرھا فناء فی، حلالھا حساب و فی حرامھا عقاب۔

ایسے گھر کی تعریف کیا کروں جس کا آغاز دکھ اور انجام فنا ہے۔ اس کے حلال کا حساب ہوگا اور حرام پر سزا دی جائے گی۔

یہ پوری گفتگو مبرد نے الکامل (٨٨/١) میں، ابوبکر محمد بن الحسن بن دریدالازدی البصری متوفی ٣٢١ھ (٩٣٣ع) نے کتاب‌المجتنی (صفحہ٣١) میں الحرانی نے تحف‌العقول (صفحہ٤٣) میں، ابوعلی القالی نے کتاب الامالی (١٢٢/٢) میں اور ابن عبدربہ نے العقد (٣٧١/١) میں نقل کی ہے۔

(٣٩) نہج کا کلام نمبر٨٠ ہے: (١٢٨/١ و ١٢٩ و ١٣٥)

الحمدللہ الذی علابحولہ و دنی بطولہ ـ اوصیکم عباد اللہ بتقوی اللہ الذی ضرب‌الامثال۔

اس خدا کی حمد جو اپنی طاقت و قوت کے بل پر غالب ہے اور اپنے فضل کے اعتبار سے قریب ہے ـ اللہ کے بندو ! میں تمہیں اس اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں جس نے

مثالیں دے دے کر سمجھایا ہے۔

اس خطبے کا معتد بہ حصہ ابونعیم نے حلیہ (٧٨/١) میں اور علی بن محمد الواسطی نے عیون الحکم (بحار ١٧/١١٢) میں نقل کیا ہے۔

(٥٠) نہج کا کلام نمبر ٨٠ حسب ذیل ہے: (١٣٥/١)

عجبا لابن النابغة یزعم لاهل الشام أن فی دعابة۔ و أنی امرء تلعابة۔

ہمیں ابن نابغہ پر تعجب آتا ہے۔ شامیوں سے کہتا ہے کہ مجھ میں مزاح ہے اور میں بڑا کھلنڈرا انسان ہوں۔

یہ کلام ابن قتیبہ نے عیون (١٦٣/١) میں، ابن عبدربہ نے العقد (٢٨٧/٢) میں، البیہقی نے کتاب المحاسن (٣٩/١) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ٨٢) میں نقل کیا ہے۔

(٥١) نہج کا خطبہ نمبر ٨٣ ہے: (١٥٣/١)

اما بعد فان الله لم یقصم جباری دهر قط الا بعد تمهیل و رخاء ولم یجبر عظم احد من الامم الا بعد ازل و بلاء۔

بعد ازاں بے شک اللہ تعالیٰ نے جباروں کو ہرگز ہلاک نہیں کیا جب تک انہیں پہلے وسعت، عیش اور فراخی نہیں عطا کر دی؛ اور کسی امت کی ہڈی کو نہیں جوڑا جب تک پہلے ان پر شدت و سختی اور آزمائش و مصیبت نازل نہیں کردی۔

یہ خطبہ کلینی نے فروع الکافی (٣/کتاب الروضہ ٣١) میں اور شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ١٦٨) میں نقل کیا ہے۔

(٥٢) نہج کا خطبہ نمبر ٨٥ ہے: (١٥٥/١)

أرسله علی حین فترة من الرسل و طول هجعة من الامم۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا، جب کہ رسولوں کی آمد رک چکی تھی اور مختلف امتیں بہت دنوں سے پڑی سو رہی تھیں۔

یہ خطبہ کلینی نے اصول الکافی (صفحہ ١٥) میں نقل کیا ہے۔ اور ابن ابی الحدید کی شرح (٣٣٣/١) سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ایک سے زیادہ راویوں

نے روایت کیا ہے۔

(۵۳) نہج کا خطبہ نمبر ۸۷ ہے: (۱۵۹/۱)

الحمد لله الذی لایفره المنع والجمود ولا یکدیه الاعطاء والجود	وہ اللہ سزاوار حمد ہے جس کو روکنا اور بالکل نہ دینا امیر نہیں بناتا، اور بخشش و عطا بے زر نہیں کرتی۔

یہ خطبہ ابن عبدربہ نے العقد (۲۰۰/۲) میں اور شیخ صدوق نے کتاب التوحید (صفحہ ۳۶) میں نقل کیا ہے۔

(۵۴) نہج کا خطبہ نمبر ۸۸ اُن حضرات سے تخاطب ہے جنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امیرالمومنین سے خلافت کا بار اٹھا لینے کی درخواست کی تھی۔ فرمایا ہے: (۱۸۲/۱)

دعونی والتمسوا غیری، فانا مستقبلون أمراً له وجوه وألوان۔	مجھے چھوڑو اور کسی اور کو تلاش کرو۔ ہم ایک ایسے کام سے دو چار ہونے والے ہیں جس کے کئی منہ اور متعدد رنگ ہیں۔

یہ خطبہ طبری کی تاریخ (۱۵۶/۵) اور ابن مسکویہ متوفیٰ ۴۲۱ھ کی تجارب الامم (۵۰۸/۱) میں موجود ہے۔

(۵۵) نہج کا خطبہ نمبر ۸۹ ہے: (۱۸۲/۱)

أما بعد، أیها الناس، فأنا فقأت عین الفتنة ولم یکن لیجرء علیها غیری۔	بعد ازاں لوگو! میں نے فتنے کی آنکھ نکال پھینکی اور اس کی جرأت میرے سوا کسی میں نہ تھی۔

ابن ابی الحدید نے اپنی شرح (۳۶۶/۱) میں لکھا ہے کہ متعدد سیرت نگاروں نے یہ خطبہ نقل کیا ہے، مگر ان کے یہاں ایسے الفاظ بھی ہیں جو سید رضی نے نقل نہیں کیے۔

(۵۶) نہج کے خطبہ نمبر ۹۳ کا ایک ٹکڑا ہے: (۱۹۰/۱)۔

لقد رأیت اصحاب محمد صلی اللہ علیه واله، فما أریٰ احداً منکم یشبههم۔ لقد کانوا یصبحون شعثاً غبراً و قد	میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے صحابیوں کو دیکھا ہے۔ میں تم میں سے کسی کو بھی اُن جیسا نہیں پاتا۔

باتوا سجداً وقياماً ، يراوحون بين جباههم و خدودهم ويقفون على مثل الجمرمن ذكر معادهم ۔ كان بين أعينهم ركب المعزى من طول سجودهم اذا ذكرالله هملت أعينهم حتى تبل جيوبهم ، ومادوا كما يميد الشجر يوم الريح العاصف خوفاً من العقاب و رجاء للثواب ۔

وہ صبح کو دھول میں اٹے ہوتے تھے اور رات کو سجدوں اور قیام کی حالت میں گزارتے تھے۔ وہ کبھی اپنی پیشانیاں زمین پر رکھتے تھے اور کبھی رخسارے ۔ وہ اپنی آخرت یاد کرتے تو انگاروں پر کھڑے معلوم دیتے تھے ۔ ان کی آنکھوں کے درمیان لمبے لمبے سجدے کرنے کی باعث مینڈھے کے گھٹنوں جیسے گھٹے پڑے تھے۔ جب اللہ کا ذکر ہوتا تو ان کی آنکھیں آنسو برساتیں ، یہاں تک کہ گریبان تر ہو جاتے اور عذاب کے خوف اور ثواب کی امید سے ایسے لرزتے اور کپکپاتے جیسے تیز آندھی میں درخت کی حالت ہوتی ہے ۔

یہ ٹکڑا ابن قتیبہ کی عیون الاخبار (٣٠١/٢) میں ، کلینی کی اصول الکافی (صفحہ ٢١٠) میں ، شیخ مفیدکی الارشاد (صفحہ ١٣٨) اور مجالس (بحار ٣٢٠/١٧) میں ، ابونعیم کی حلیۃ الاولیا (٧٦/١) میں ، اور شیخ الطائفہ کی امالی (صفحہ ٦٢) میں موجود ہے ۔

(٥٧) نہج کے کلام نمبر ٩٩ کا چوتھا ٹکڑا ہے : (١٩٨/١)

وذالك زمن ، لاينجو فيه الاكل مومن نؤمـة ۔

یہ وہ زمانہ ہے جس میں صرف وہی مومن نجات پا سکے گا جو بے نام و نشان ہوگا ۔

یہ ٹکڑا معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (٣٥٢/٢) میں اور کلینی نے اصول الکافی (صفحہ ٢٠٨) میں نقل کیا ہے ۔

(٥٨) نہج کا خطبہ نمبر ١٠٢ یوں شروع ہوا ہے : (٢٠٢/١)

الحمدلله الذی شرع الاسلام فسهل

وہ اللہ سزاوار حمد ہے جس نے اسلام

شرائعه، لمن ورده، و أعز أركانه، علی من غالبه، فجعله أمناً لمن علقه وسلماً لمن دخله۔

کو شریعت بنایا اور اُس کے احکام کو آسان کر دیا اُس کے لیے، جو اس میں داخل ہو گیا، اور اُس کے ارکان کو دشوار قرار دے دیا اُس کے لیے جس نے اس پر غالب ہونا چاہا۔ پھر اُسے امن بنایا اُس کے لیے جو اس سے لپٹ گیا اور سلامتی اُس کے لیے جو اس میں داخل ہوگیا۔

یہ خطبہ کم و بیش الفاظ کے ساتھ کلینی نے اصول الکافی (صفحہ ۱۶۷) میں، شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۲۳) میں، الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۳۸) میں، ابو علی القالی نے ذیل الامالی والنوادر (صفحہ ۱۷۳) میں، ابو نعیم الاصفہانی نے حلیہ (۷۴/۱) میں اور قاضی محمد بن سلامۃ القضاعی نے دستور معالم الحکم (صفحہ ۱۲۱) میں نقل کیا ہے۔

(۵۹) نہج کا کلام ۱۰۳ ہے: (۲۰۵/۱)

وقد رأیت جولتکم وانحیازکم عن صفوفکم۔ تحوزکم الجفاة الطغام واعراب أهل الشام، وانتم لها میم العرب و یآ فیخ الشرف وأنف المقدم والسنام الاعظم۔

میں نے تمہیں پیٹھ پھیرتے اور صفوں سے الگ ہوتے دیکھا۔ تمہیں جفا کار بدخو اور شام کے بدو گھیر رہے تھے حالانکہ تم عرب کے شہسوار اور شرافت کی چوٹی اور چہرے کی ناک اور بزرگی میں کوہان ہو۔

یہ گفتگو ابن مزاحم الکوفی کی کتاب الصفین (صفحہ ۱۳۰) اور طبری کی تاریخ (۱۴/۶) میں موجود ہے۔

(۶۰) نہج کا خطبہ نمبر ۱۰۶ ہے: (۲۱۵/۱)

ان أفضل ماتوسل به المتوسلون الی الله سبحانه الایمان به وبرسوله، والجهاد فی سبیله فانه ذروة الاسلام، وکلمة الاخلاص فانها الفطرة و اقام الصلوة فانها الملة و ایتاء

اللہ سے قربت حاصل کرنے والوں کا سب سے بہتر ذریعہ قربت اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا ہے؛ اس کی راہ میں جہاد کرنا ہے کیونکہ جہاد اسلام کا بلند ترین حصہ ہے

الزکوة فانها فریضة واجبة ، وصوم شهر رمضان فانه جنة من العقاب ، و حج البیت و اعتماره فانهما ینفیان الفقر و یرحضان الذنب وصلة الرحم فانها ثمرأة فی المال و منسأة فی الاجل ، وصدقة السر فانها تکفر الخطیئة و صدقة العلانیة فانها تدفع میتة السوء ، و صنائع المعروف فانها تقی مصارع الهوان ۔

اور اخلاص کی بات ہے کیوں کہ یہ فطرت انسانی ہے ، اور نماز کی پابندی ہے کیوں کہ یہ ملت (بناتی) ہے ، اور زکواۃ دینا ہے کیوں کہ وہ ضروری فرض ہے ، اور رمضان کے روزے رکھنا ہے کیوں کہ روزہ عذاب کی ڈھال ہے ، اور بیت اللہ کا حج اور عمرہ کرنا ہے کیوں کہ یہ افلاس کھوتے اور گناہ دھوتے ہیں ، اور اعزا کی مدد ہے کیوں کہ یہ مال بڑھاتی اور موت کو پیچھے ہٹاتی ہے ، اور خفیہ خیرات کرنا ہے کیونکہ یہ خطاؤں کا کفارہ ہے اور علانیہ خیرات ہے کہ یہ بری موت کو دفع کرتی ہے ، اور نیک کام ہیں کیوں کہ یہ ذلت کی شکست سے بچاتے ہیں ۔

یہ خطبہ ابو جعفرالبرقی نے المحاسن (ورق ۱۱۹ الف) میں ، الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۳۴) میں ، شیخ صدوق نے علل الشرائع (صفحہ ۱۱۴) میں ، شیخ مفید نے الامالی (بحار ۱۰۵/۱۷) میں اور شیخ الطائفہ نے الامالی (صفحہ ۱۳۵) میں نقل کیا ہے ۔

(۶۱) نہج کا خطبہ نمبر ۱۰۷ ہے : (۲۱۶/۱)

أما بعد فانی أحذرکم الدنیا ، فانها حلوة خضرة ، حفت بالشهوات وتحببت بالعاجلة و راقت بالقلیل، و تحلت بالآمال ۔

بعد ازاں ! میں تمھیں دنیا سے بچنے کو کہتا ہوں کیونکہ یہ میٹھی اور ہری بھری ہے ۔ یہ خواہشات سے گھری ہوئی ہے ، اور فوری نفع کے ذریعے اظہار محبت کرتی ہے ، اور ذرا سی بات پر اتراتی ہے ، اور

آرزوؤں سے آراستہ ہے۔

یہ پورا خطبہ بنام قطری بن الفجاءۃ جاحظ نے کتاب البیان و التبیین (۱۹۶/۱) میں اور ابن عبدربہ نے العقد (۱۹۵/۲) میں ، اور اس کا ایک حصہ ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (۲۵۰/۲) میں درج کیا ہے۔ اور بنام امیرالمومنین عبیداللہ المرزبانی[1] المعتزلی الشیعی متوفی ۳۸۴ھ (۹۹۴ ع) نے کتاب الموفق (ابن ابی الحدید ۳۹۷/۱) میں ، کلینی نے فروع الکافی (۳/کتاب الروضہ ۱۱۹) میں، ابوالفرج القزوینی الکاتب نے قرب الاسناد (بحار ۳۰۵/۱۷) میں اور الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۴۲) میں نقل کیا ہے۔

(۶۲) نہج کا ۱۱۲ ویں خطبے کا آخری جملہ ہے (۲۲۹/۱)

أما واللہ لیسلطن علیکم غلام ثقیف الذیال المیال ، یاکل خضرتکم ویذیب شحمتکم۔	بخدا تم پر قبیلہ ثقیف کا ایک ایسا فرد مسلط ہونے والا ہے جو دامن گھسیٹ کر اور جھوم جھوم کے چلنے والا ہوگا۔ تمھاری سبزی کھا جائے گا اور چربی پگھلا ڈالے گا۔

مسعودی نے مروج الذھب (۱۱۲/۲) میں بہ‌تغیر الفاظ یہ کلام نقل کیا ہے۔

(۶۳) نہج کے ۱۱۶ ویں کلام کا ایک حصہ ہے : (۲۳۲/۱)

ان شرائع الدین واحدۃ و سبلہ قاصدۃ ۔ الخ	دین کی شریعتیں ایک ہیں اور اس کے راستے سیدھے ہیں۔

یہ جملے ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ۱۱۵) میں ایک خطبے کے ذیل میں نقل کیے ہیں۔

(۶۴) نہج کا کلام نمبر ۱۱۷ اپنے ساتھیوں پر عتاب ہے۔ اس کا آغاز یہ ہے : (۲۳۳/۱)

ھذا جزاء من ترک العقدۃ ، أما واللہ لو أنی حین أمرتکم بہا أمرتکم بہ	یہ اس شخص کا بدلہ ہے جس نے گانٹھ (عہد) کو چھوڑا۔ بخدا میں

---

[1] ۔ مرزبانی کے حالات کے لیے دیکھیے ابن خلکان (۲۳۷/۲) ، انساب السمعانی (ورق ۵۲۱ الف) اور شذرات (۱۱۱/۳) ۔

حملتكم على المكروه الذى يجعل الله فيه خيراً ۔ فان استقمتم هديتكم و ان اعوججتم قوّمتكم ، لكانت الوثقى ولكن بمن ؟ والى من ؟ أريد أن أداوى بكم ، و أنتم دائى كناقش الشوكة بالشوكة ، وهو يعلم أن ضلعها معها ۔

جب تمہیں حکم دے رہا تھا ، اگر اُس غیرخوش آیند بات پر آمادہ کرتا جس میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری بھلائی رکھی تھی ، پھر تم قائم رہتے تو تمہیں راہ راست دکھاتا ، اور ٹیڑھے چلتے تو سیدھا کر دیتا ، تو یہ بات زیادہ مضبوط ہوتی ۔ لیکن کس کے بل پر اور کس کو ؟ میں تمہارے ذریعے علاج کرنا چاہتا ہوں ، حالانکہ تم ہی میرا مرض ہو ، جیسے کانٹے کو کوئی کانٹے ہی سے نکالے ، یہ جانتے ہوئے کہ اس کانٹے کا میلان بھی کانٹے ہی کی طرف ہوگا ۔

یہ کلام ابن عبدربہ نے العقد (۱۶۵/۲) میں نقل کیا ہے اور اسی کلام کا یہ حصہ (۲۳۳/۱) مرہ العیون من البکاء سے غبرۃ الخاشعین تک شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۱۳۵) میں ، ابن الشیخ نے امالی (صفحہ ۱۸) میں اور شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۳۹) اور الامالی (بحار ۱۰۶/۱۷) میں نقل کیا ہے ۔

(۶۵) نہج کا ۱۱۹ واں کلام میدان جنگ میں اپنے سپاہیوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے ۔ اس میں یہ جملہ بھی ہے : (۳/۲)

ان الموت طالب حثيث لا يفوته المقيم ولا يعجزه الهارب ۔

بے شک موت تیز رفتار متلاشی ہے ۔ نہ اپنی جگہ جا رہنے والا اُس سے بچ سکتا ہے اور نہ بھگوڑا اُسے ہرا سکتا ہے ۔

یہ جملہ ابن عبدربہ نے العقد (۲۸۷/۲) میں ، شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۱۰۶ و ۱۳۵) میں اور شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۳۹ و ۱۵۹) میں اور کتاب الجمل (صفحہ ۱۷۵) میں نقل کیا ہے ۔

(٦٦) نہج کا ۱۲۰ واں کلام ہے: (۳/۲)

فقدّموا الدارع وأخّروا الحاسر و عضّوا على الاضراس فانه أنبى للسيوف عن الهام۔

زرہ پوش کو آگے رکھنا اور بے زرہ کو پیچھے کر لینا اور داڑھیں خوب بھینچ لینا، کیوں کہ یہ صورت تلواروں کو کھوپڑیاں کاٹنے سے باز رکھتی ہے۔

یہ گفتگو ابن المزاحم الکوفی کی کتاب الصفین (صفحہ ۱۲۰) میں، طبری کی تاریخ (۹/٦) میں، ابن مسکویہ متوفیٰ ۴۳۱ھ (۱۰۳۰ع) کی تجارب الامم (۵۸۳/۱) میں اور ابوحیان التوحیدی کی کتاب البصائر (۱۸۵ الف) میں اور شیخ مفید کی الارشاد (صفحہ ۱۵۳) میں موجود ہے۔

(٦٧) نہج کا ۱۲۱ واں کلام ہے: (۷/۲)

انا لم نحکم الرجال و انما حکمنا القرآن و هذا القرآن انما هو خط مسطور بین الدفتین، لاینطق بلسان ولا بدله من ترجمان وانما ینطق عنه الرجال۔

بے شک ہم نے آدمیوں کو حکَم نہیں بنایا ہے بلکہ ہم نے حکَم بنایا ہے قرآن کو۔ یہ قرآن ایک تحریر ہے جو دو دفتیوں کے بیچ میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ خود بات نہیں کرتا اور اس کے لیے ترجمان ضرور ہوتا ہے اور اس کی طرف سے آدمی ہی بات کیا کرتے ہیں۔

یہ گفتگو طبری نے تاریخ (۳۷/٦) میں بالتفصیل اور شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۵۷) میں بالاختصار نقل کی ہے۔

(٦٨) نہج کا ۱۲۲ واں کلام ہے: (۱۰/۲)

أتامروني أن أطلب النصر بالجور فيمن وليت عليه۔

کیا تم مجھے یہ حکم دے رہے ہو کہ جن لوگوں پر میں حاکم بنایا گیا ہوں، ان پر ظلم کرکے (خدا) سے مدد چاہوں؟

یہ کلام شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۱۲۱) میں نقل کیا ہے۔

(٦٩) نہج کا ۱۲٦ واں کلام حضرت ابوذرغفاری رضی اللہ عنہ سے تخاطب ہے۔

اس کا آغاز یہ ہے : (١٧/٢)

یا أباذر انک غضبت لله ، فارج من غضبت لہ ۔ ان القوم خافوک علی دنیاھم و خفتھم علی دینک ۔

اے ابوذر ! بے شک تو اللہ کے لیے خفا ہوا ہے ، اُسی سے امید رکھ ۔ بے شک قوم نے تجھے اپنی دنیا کے لیے اور تو نے اسے اپنے دین کے لیے خطرناک جانا ہے ۔

یہ گفتگو ابوبکر احمد بن عبدالعزیز الجوہری متوفیٰ ٣٢٢ھ (٩٣٣ع) نے کتاب السقیفہ (ابن ابی الحدید ٣٥٦/١) میں بالتفصیل اور کلینی نے فروع الکافی (کتاب الروضہ ٩٨/٣) میں بالاختصار نقل کی ہے ۔

(٧٠) نہج کا ١٣٢ واں کلام ہے : (٢٦/٢)

لم تکن بیعتکم ایای فلتۃً ولیس أمری وأمر کم واحداً ۔ انی أریدکم للہ وأنتم تریدوننی لانفسکم ۔

تم نے مجھ سے اچانک بیعت نہیں کی تھی اور میرا اور تمہارا معاملہ ایک نہیں ہے ۔ میں تمہیں اللہ کے لیے چاہتا ہوں اور تم مجھے اپنے لیے چاہتے ہو ۔

شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ١٣٢) میں جو خطبہ نقل کیا ہے ، اُس کا یہ ایک ٹکڑا ہے ۔

(٧١) نہج کا ١٣٣ واں کلام ہے : (٢٦/٢)

واللہ ما أنکروا علی منکراً ۔

بہ خدا انھوں نے کسی ناپسندیدہ بات کو میرے لیے نا مناسب نہیں قرار دیا ۔

یہ خطبہ شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ١٣٦) میں اور کتاب الجمل (صفحہ ١٢٩) میں نقل کیا ہے ۔ اس کا ایک اور حصہ نمبر ٩ اور ٢١ میں گزر چکا ہے ۔ اسی کلام کا دوسرا حصہ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے : (٢٨/٢)

فأقبلتم إلی اقبال العوذ المطافیل علی أولادھا تقولون : البیعۃ البیعۃ ۔ قبضت یدی فبسطتموھا و نازعتکم یدی فجذبتموھا ۔

پھر تم میری طرف ایسے متوجہ ہوئے جیسے نئی بیاہی بچوں والی مائیں اپنے بچوں کی طرف ٹوٹتی ہیں ۔ تم کہتے تھے ”بیعت بیعت ۔“ میں نے

ہاتھ بند کر لیا تو تم نے اسے
پھیلا دیا ، اور میں نے تم سے اپنا
ہاتھ چھڑانا چاہا تو تم نے اُسے
کھینچ لیا ۔

یہ کلام شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۴۲) اور کتاب الجمل (صفحہ ۱۲۸) میں بہ‌تغیر الفاظ نقل کیا ہے اور ابن عبدربہ نے ''اللهم انها قطعانی'' سے ''املا و عملا'' تک ایک لمبے خطبے کے اندر العقد (۱٦۴/۲ و ۲۷۷) میں درج کیا ہے :

(۷۲) نہج کا ۱۳۵ واں کلام ہے : (۳۱/۲)

لم یسرع أحد قبلی الی دعوة حق و صلة رحم و عائدة کرم ۔

مجھ سے پہلے کوئی بھی حق کی پکار ، صلۂ رحم اور کرم و جواں مردی کی طرف تیز نہیں دوڑا ۔

یہ کلام طبری نے اپنی تاریخ (۳۹/۵) میں بتمامہ نقل کیا ہے ۔

(۷۳) نہج کا ۱۴۱ واں خطبہ ہے : (۳۸/۲)[1]

أیهاالناس ، انما أنتم فی هذه الدنیا غرض تنتضل فیه المنایا مع کل جرعة شرق ۔

لوگو ! تم اس دنیا میں نشانہ ہو جس پر موت تیر لگاتی ہے اور ہر گھونٹ کے ساتھ اُچھو ہے ۔

یہ خطبہ ابوعلی‌القالی نے کتاب الامالی (۵۷/۲) میں ، کلینی نے فروع‌الکافی (۱۰/۳) میں ، شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۳۹) اور امالی (بحار ۱۰٦/۷) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۱۳۵) میں بنام امیرالمومنین نقل کیا ہے - لیکن ان سے پہلے الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۷۳) میں قدرے اختلاف کے ساتھ بنام امام محمد باقر اور ابوعلی القالی نے الامالی (صفحہ ۱۰۲) میں بنام خلیفہ اُموی حضرت عمر بن عبدالعزیز درج کیا ہے ۔

(۷۴) نہج کی ۱۴۲ ویں گفتگو ہے : (۳۹/۲)

ان هذا الأمر لم یکن نصره ولا

بے شک اس امر کی کامیابی و ناکامی

---

۱ - نیز نہج (۱۹٦/۳) بھی ملاحظہ ہو جہاں بہ‌ذیل حکم یہ خطبہ تغیرو تبدل اور کمی بیشی کے ساتھ مذکور ہوا ہے ۔

خذ لانہ بکثرۃ ولا قلۃ وھو دین اللہ الذی أظھرہ ،وجندہ الذی أعدہ وأمدہ ۔

کا مدار کثرت و قلت پر نہ تھا ۔ یہ اللہ کا وہ دین ہے جسے اس نے غالب کیا ہے اور وہ لشکر ہے جسے خود اس نے تیار کیا ہے اور مدد دی ہے ۔

اس گفتگو کا ایک ٹکڑا ''فانک إن شخصت'' سے آخر تک طبری کی تاریخ (۲۳۸/۳) اور ابن مسکویہ کی تجارب الامم (۳۱۹/۱) میں نقل ہوا ہے، اور پورا کلام شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۲۱) میں درج کیا ہے ۔

(۷۵) نہج کا ۱۴۳ واں خطبہ ہے : (۳۰/۲)

فبعث محمداً بالحق لیخرج عبادہ من عبادۃ الاوثان إلی عبادتہ ۔

پس اللہ نے محمدؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ وہ اس کے بندوں کو بتوں کی پرستش سے نکال کر اس (اللہ) کی عبادت کی طرف لے آئے ۔

یہ خطبہ کلینی نے فروع الکافی (۱۷۹/۳) میں نقل کیا ہے ۔ نیز اس کا دوسرا حصہ ہے : (۳۲/۲)

أیھاالناس انہ من استنصح اللہ وفق ۔

لوگو! جس نے اللہ سے نصیحت مانگی اسے نصیحت دی گئی ۔

الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۵۳) میں امام حسن کے اقوال میں نقل کیا ہے ۔ یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ نہج کا ۲۳۴ واں خطبہ بھی اسی کا ایک ٹکڑا ہے ۔

(۷۶) نہج کا خطبہ ۱۴۸ ہے : (۵۳/۲)

ألحمد للہ الدال علی وجودہ بخلقہ ۔ الخ

اس اللہ کی حمد و ثنا جو اپنی مخلوق کے ذریعے اپنے وجود کی طرف رہنمائی کرتا ہے ۔

اس خطبے کو کلینی نے اصول الکافی (صفحہ ۳۲) میں معمولی اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے ۔

(۷۷) نہج کا ۱۵۲ ویں خطبے کا حصہ ہے : (۶۷/۲)

عباداللہ ! اللہ اللہ فی أعز الانفس

اللہ کے بندو ! خدا سے ڈرو ، خدا

علیکم ۔ الخ — سے ڈرو ! نفس کے معاملے میں جو تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہے ۔

یہ حصہ علی بن محمد الواسطی نے عیون الحکم (بحار ۱۷/۱۱۳) میں نقل کیا ہے ۔

(۷۸) نہج کا ۱۵۷ واں کلام ہے : (۲/۷۹)

یا أخا بنی أسد ، انک لقلق الوضین ۔ — اے اسدی! تو ڈھیلے تنگ والا ہے ۔

یہ کلام شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۷۰) میں نقل کیا ہے ۔

(۷۹) نہج کا ۱۵۹ واں کلام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے ۔ فرماتے ہیں : (۲/۸۴)

إن الناس ورائی ، و قد استسفرونی بینک و بینهم ، واللہ ماأدری ما أقول لك ۔ ما أعرف شیئا تجهله ولا أدلك علی شئی لا تعرفه ۔

لوگ میرے پیچھے ہیں اور انہوں نے مجھے تمہارے اور اپنے درمیان سفیر بنایا ہے ، اور بخدا میں نہیں جانتا کہ تم سے کیا کہوں ۔ میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جو تمہیں معلوم نہ ہو ، اور نہ کسی ایسی بات کی طرف رہنمائی کرسکتا ہوں جسے تم پہچانتے نہ ہو ۔

یہ گفتگو احمد بن یحیٰی البلاذری متوفی ۲۷۹ھ (۸۹۲ع) نے انساب الاشراف (۵/۶۰) میں ، طبری نے اپنی تاریخ (۵/۹۶) میں ، ابن عبدربہ نے العقد (۲/۲۷۳) میں ، ابن مسکویہ نے تجارب الامم (۱/۳۷۸) میں اور شیخ مفید نے کتاب الجمل (صفحہ ۸۳) میں نقل کی ہے ۔

(۸۰) نہج کا ۱۶۱ واں خطبہ ہے : (۲/۹۵)

لیتاس صغیرکم بکبیرکم ۔ — تمہارے چھوٹوں کو اپنے بڑوں کی پیروی کرنا چاہیے ۔

کلینی نے کافی (۳/۳۱) میں یہ خطبہ نقل کیا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ ۸۴ کا جزو ہے ۔

(۸۱) نہج کی ۱۶۳ ویں گفتگو ان حضرات سے ہے جنھوں نے امیرالمومنین کو یہ مشورہ دیا تھا کہ حضرت عثمان کے قاتلوں سے باز پرس فرمائیں ۔ اس کا آغاز

ہے : (۹۸/۲)

یا اخوتاه ! انی لست أجهل مما تعلمون و لکن کیف لی بقوة ، والقوم المجلبون علی حد شوکتهم -

بھائیو ! میں تمھاری معلومات سے بے خبر نہیں ہوں لیکن مجھ میں قوت کیسے آ سکتی ہے جب کہ باغی اپنی قوت کی انتہا پر ہیں -

یہ گفتگو تاریخ طبری (۵ ۱۵۸) اور ابن مسکویہ کی تجارب الامم (۵۱۰/۱) میں منقول ہے -

(۸۲) نہج کا ۱۶۴ واں خطبہ ہے : (۹۹/۲)

ان الله بعث رسولاً هادیاً بکتاب ناطق و امر قائم - لایهلک عنه الا هالك - وان المبتدعات المشبهات هن المهلکات الا ما حفظ الله منها -

بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک راہنما پیغمبر ، بولنے والی کتاب اور برپا امر کے ساتھ بھیجا - اس سے اب وہی ہلاک ہوگا جو ہلاک ہونے ہی والا ہے ، اور بے شک ایسی باتیں جو دین کی باتوں سے ملتی جلتی ہوتی ہیں ، وہی ہلاک کرنے والی ہوتی ہیں ، مگر ہاں جن سے اللہ بچائے -

یہ خطبہ شروع سے ”حتی یازر الامر الی غیرکم“ تک طبری نے (۱۶۳/۵) میں نقل کیا ہے -

(۸۳) نہج کا ۱۶۶ واں خطبہ ہے : (۱۰۱/۲)

اللهم رب السقف المرفوع و الجوّ المکفوف الذی جعلته مغیضاً للایل والنهار و مجریً للشمس والقمر -

اے اللہ ! اے اونچی چھت اور تھامی ہوئی فضا کے پروردگار ! جسے تو نے رات اور دن کے لیے منبع اور سورج اور چاند کی گذرگاہ بنایا ہے -

یہ خطبہ حسین بن سعید الاہوازی موالی امام زین العابدین نے اپنی کتاب الدعاء والذکر (مہج الدعوات ابن طاوس ۹۹ الف) میں ، ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ۱۱۹) میں اور طبری نے اپنی تاریخ (۶ / ۸) میں نقل کیا ہے -

(۸۴) نہج کا ۱۶۷ واں خطبہ ہے : (۱۰۲/۲)

ألحمدلله الذی لاتواری عنه سماء سماءً و لا أرض أرضاً ۔	سزاوار حمد ہے وہ اللہ جس سے کوئی آسمان دوسرے آسمان اور کوئی زمین دوسری زمین کو نہیں چھپا سکتی ۔

اس خطبے کو ابراہیم الثقفی نے کتاب الغارات (ابن ابی الحدید ۱/۲۹۵) میں ، اور اس کے تیسرے پیراگراف کو قریب المعنی الفاظ کے ساتھ شیخ مفید نے کتاب الجمل (صفحہ ۴۵ و ۴۷) میں نقل کیا ہے ۔

(۸۵) نہج کے ۱۶۸ ویں خطبے کا آخری حصہ ہے : (۲/۱۰۶)

ألا ان هذه الدنیا التی أصبحتم تتمنونها وترغبون فیها لیست بدار کم ۔	خبردار! یہ دنیا جس کے تم آرزومند ہو ، اور جس کی تمھیں رغبت و خواہش ہے ، تمھارا گھر نہیں ہے ۔

یہ حصہ لاتبقون علیها تک الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۴۲) میں نقل کیا ہے ۔

(۸۶) نہج کا ۱۶۹ واں کلام ہے : (۲/۱۰۷)

قد کنت و ما أهدد بالحرب ولا ازهب بالضرب ۔	نہ مجھے جنگ سے مرعوب کیا جا سکتا تھا ، اور نہ ضرب شمشیر سے خوف زدہ ۔

اس کلام کو شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۱۰۶) میں قدرے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے ۔

(۸۷) نہج کے ۱۷۱ ویں خطبے کا آخری ٹکڑا ہے : (۲/۱۱۶)

ألا وان الظلم ثلاثة ۔ الخ	خبردار ! ظلم تین قسم کا ہوتا ہے ۔

یہ حصہ شیخ صدوق نے امالی (مجلس ۴۴) میں بنام امیرالمومنین نقل کیا ہے ۔ لیکن الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۷۱) میں امام محمد باقر کے نام سے درج کیا ہے ۔

(۸۸) نہج کا ۱۷۴ واں کلام جواب ہے ذعلب یمانی کے اس سوال کا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے ؟ فرماتے ہیں : (۲/ ۱۲)

لاتدرکه العیون بمشاهدة العیان ولکن تدرکه القلوب بحقائق الایمان ۔	اُسے آنکھیں آشکارا نہیں دیکھ سکتیں لیکن اُسے دل ایمان کی حقیقتوں کی

وساطت سے پا سکتے ہیں۔

کلینی نے اصول الکافی (صفحہ ۳۲) میں ، شیخ صدوق نے کتاب الامالی (مجلس ۵۵) اور کتاب التوحید (صفحہ ۹۷ و ۳۲۰ و ۳۲۳) میں اور شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۳۱) میں نقل کی ہے۔

(۸۹) نہج کا ۱۷۵ واں خطبہ یہ ہے : (۱۲۱/۲)

أحمد الله علی ما قضیٰ من أمر و قدر من فعل ، وعلی ابتلائی بکم ، أیتها الفرقة التی اذا أمرت لم تطع ، واذا دعوت لم تجب۔

میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں اُس امر پر جس کا اس نے فیصلہ کیا اور اُس کام پر جس کو اُس نے مقدر فرمایا اور تمھارے ذریعے اپنی آزمائش پر "اے میرا حکم نہ ماننے والو اور میری پکار کا جواب نہ دینے والو" !

یہ خطبہ الثقفی نے کتاب الغارات میں نقل کیا ہے (ابن ابی الحدید ۲۹۳/۱)۔

(۹۰) نہج کے خطبہ نمبری ۱۷۷ کا ایک حصہ ہے : (۱۲۷/۲)

الذی کلم موسی تکلیماً أراہ من آیاته عظیماً ، بلا جوارح و لا ادوات ، ولا نطق ولا لهوات ، بل ان کنت صادقاً ایها المتکلف یوصف ربک ، فصف جبرائیل و میکائیل و جنود الملائکة فی حجرات القدس مرجحنین۔

اُس نے موسیٰ سے کلام کیا اور اسے اپنی بڑی نشانیاں دکھائیں بغیر ظاہری اعضا اور آلات کی مدد کے ، اور بغیر نطق اور کووں کے سہارے کے۔ بلکہ اے بہ تکلف اپنے رب کی توصیف کرنے والے ! تو اگر سچا ہے تو جبرئیل ، میکائیل اور فرشتوں کے لشکروں کی صفت کرکے دیکھ جو پاکیزگی کے حجروں میں لرز رہے ہیں۔

اس حصے کو ابونعیم اصفہانی نے حلیة الاولیا (۷۳/۱) میں معمولی اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(۹۱) نہج کا خطبہ نمبر ۱۸۱ ہے : (۱۳۲/۲)

ماوحّدہ من کیّفه ولا حقیقته ، أصاب

جس نے اُس کی کیفیت بیان کردی

مسن مثّله ۔ | اُس نے اسے ایک نہ مانا ، اور جس نے اُس کی مثال قرار دے دی ، وہ اُس کی حقیقت تک نہ پہنچا ۔

اس خطبے کے بعض حصے صدوق نے کتاب التوحید (صفحہ نمبر ۲۴) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۱۴) میں بنام امام رضا علیہ السلام نقل کیے ہیں ، اور کچھ ٹکڑے شیخ صدوق نے کتاب التوحید (صفحہ ۳۲۰ و صفحہ ۳۲۴) میں اور شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۳۱) میں امیرالمومنین کی ذعلب سے گفتگو میں نقل کیے ہیں ، اور ایک جملہ سید مرتضیٰ نے امالی (۱۰۳/۱) میں نقل کیا ہے ۔

(۹۲) نہج کے کلام نمبری ۱۸۴ (۱۵۳/۲) کا ایک ٹکڑا یہ ہے :

سلونی قبل أن تفقدونی ۔ الخ | مجھ سے دریافت کر لو قبل اس کے کہ مجھے کھو دو ۔ الخ

اس ٹکڑے کو ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی (۱۵۹/۱۳) میں نقل کیا ہے :

(۹۳) نہج کا خطبہ نمبر ۱۸۸ حسب ذیل ہے : (۱۸۵/۲)

أما بعد ، فان اللہ سبحانہ وتعالی خلق الخلق حین خلقهم غنیاً عن طاعتهم ۔ | بعد ازاں ، بے شک اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو وہ ان کی اطاعت سے بے نیاز تھا ۔

یہ خطبہ کلینی نے اصول کافی (۲۰۸) میں اور شیخ صدوق نے امالی (مجلس ۸۴) میں نقل کیا ہے ۔

(۹۴) نہج کے کلام ۱۹۲ کا ٹکڑا ہے : (۱۹۷/۲)

واقد قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و ان راسہ لعلی صدری ۔ الخ | بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا ، تو آپ کا سر میرے سینے پر تھا ۔

یہ ٹکڑا شیخ مفید نے امالی (بحار ۱۰۵/۱۷) میں نقل کیا ہے ۔

(۹۵) نہج کا کلام نمبر ۱۹۵ ہے : (۲۰۶/۲)

واللہ ما معاویة بأدهی منی ، ولکنہ یغدر و یفجر، ولولا کراهیة الغدر ، | بخدا معاویہ مجھ سے زیادہ ہوشیار نہیں لیکن وہ دھوکا دیتا ہے اور

لکنت من أدھی الناس ۔

بڑا خطا کار ہے ، اور اگر دھوکا دینے کو میں برا نہ جانتا تو ساری دنیا سے زیادہ چالاک ثابت ہوتا ۔

یہ کلام کلینی نے اصول الکافی (صفحہ ۲۳۲) اور فروع کافی (۱۰/۳ کتاب الروضہ) میں نقل کیا ہے :

(۹۶) امیرالمومنین کا کلام نمبر ۱۹۷ ہے : (۲۰۷/۲)

ألسلام علیک یا رسول اللہ عنی وعن ابنتک النازلة فی جوارک ۔

یا رسول اللہ ! میری اور اپنی اس بیٹی کی طرف سے آپ پر سلام ہو ، جو آپ کے پڑوس میں آ گئی ہے ۔

یہ کلام شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ٦٧) میں نقل کیا ہے ۔

(۹۷) نہج کا کلام نمبر ۱۹۸ یہ ہے : (۲۰۹/۲)

أیھا الناس ، انما الدنیا دار مجاز والآخرة دار قرار ۔ فخذو من ممرکم لمقرکم ۔

لوگو ! دنیا گذرگاہ ہے اور آخرت قیام گاہ ۔ پس اپنی گذرگاہ سے اپنی قیام گاہ کے لیے کچھ لے جاؤ ۔

یہ خطبہ ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (۲۵۳/۲) میں ، مبرد نے کامل میں (ابن ابی الحدید ۲/۳) ، ابن عبدربہ نے العقد (۲۰۰/۲) میں ، ابوعلی القالی نے کتاب الامالی (۲۵۸/۱) میں ، بیہقی نے کتاب المحاسن والمساوی (۳۱/۲) میں اور البکری نے سمط اللآلی (۵٦۹/۱) میں ایک اعرابی کے نام سے ، اور ابن نباتہ مصری نے سرح العیون (ورق ۳۳ الف) میں سحبان بن زفرالوائلی متوفٰی ۵۳ھ (٦٧۳ع) کے نام سے اور شیخ صدوق نے الامالی (مجلس ۲۳ و ۳۹) میں بنام امیرالمومنین درج کیا ہے ۔

(۹۸) نہج کا کلام ۲۰۱ ان لفظوں سے شروع ہوتا ہے : (۲۱۱/۲)

انی أکرہ لکم أن تکونو سبّابین ۔

میں اسے پسند نہیں کرتا کہ تم گالیاں دینے والے بنو ۔

یہ کلام ابن المزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (بحار ۴۷۵/۸) میں نقل کیا ہے ۔

(۹۹) نہج کا کلام نمبر ۲۰۳ ہے :

أیھا الناس ، انہ لم یزل أمری معکم

لوگو ! میرا معاملہ تمھارے ساتھ

علی ما أحب حتی نهکتکم الحرب ۔ — میری پسند کے مطابق رہا ، تا آنکہ جنگ نے تمھیں کمزور کر دیا ۔

یہ کلام ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ۲۶۱) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۰۰) نہج کا ۲۰۵ واں کلام ہے : (۲۰۳/۲)

ان فی أیدی الناس حقاً و باطلاً وصدقاً وکذباً و ناسخاً و منسوخاً و عاماً وخاصاً و محکماً ومتشابهاً و حفظاً و وهماً ، ولقد کذب علی رسول الله علی عهده ، حتی قام خطیباً فقال ''من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار ۔''

بے شک لوگوں کے ہاتھوں میں حق اور باطل ، سچ اور جھوٹ ، ناسخ اور منسوخ ، عام اور خاص ، محکم اور متشابہ اور یاد اور وہم سب کچھ ہے ۔ اور یقیناً رسول اللہ پر خود ان کے زمانے میں جھوٹ بولا گیا ، تا آنکہ آپ نے کھڑے ہو کر تقریر فرمائی اور کہا ''جو کوئی مجھ پر جان بوجھ کے جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا آگ کو بنا لے ۔''

یہ کلام ابو صادق سلیم بن قیس الہلالی العامری الکوفی (صاحب امیرالمومنین و حسن و حسین و زین العابدین علیہم السلام) نے اپنی کتاب میں (منہج المقال ۱۶۱ - الف و ب) ، الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۴۵) میں اور کلینی نے اصول الکافی (صفحہ ۱۵) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۰۱) امیرالمومنین کا ۲۱۱ واں خطبہ ہے : (۲۲۳/۲)

أما بعد فقد جعل الله لی علیکم حقاً بولایة أمرکم ، ولکم علی من الحق مثل الذی لی علیکم ۔

بعد ازاں ، بے شک اللہ تعالی نے تمھارے معاملے کی سربراہی کی وجہ سے میرا حق تم پر قرار دیا ہے ، اور تمھارا حق بھی مجھ پر ویسا ہی ہے جیسا کہ میرا حق تم پر ۔

یہ خطبہ کلینی نے فروع الکافی (۱۶۳/۳ کتاب الروضہ) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۰۲) نہج کا ۲۱۲ واں کلام ہے (۲۲۷/۲) جو کلام نمبر ۱۶۷ (۱۰۳/۱)

میں بھی آچکا ہے :

اللهم انی أستعدیک علی قریش ومن أعانهم ، فإنهم قد قطعوا رحمی و اکفؤوا انائی ، وأجمعوا علی منازعتی حقا کنت أولی به من غیری ۔	اے اللہ ! میں قریش اور ان کے مددگاروں کے خلاف تجھ سے انتقام کا طالب ہوں ۔ انہوں نے مجھ سے رشتہ توڑ لیا ، اور میرے برتن کو الٹ دیا ، اور بالاتفاق مجھ سے اس حق پر جھگڑے جس کا میں دوسروں سے زیادہ مستحق تھا ۔

یہ کلام الثقفی کی کتاب الغارات (ابن ابی الحدید ۱/۲۹۵) کے ایک لمبے خطبے کا جزو ہے ۔ اس سے ملتے جلتے الفاظ شیخ مفید نے کتاب الجمل (صفحہ ۳۵ و ۷۶) میں نقل کیے ہیں ۔

(۱۰۳) نہج کا ۲۱۴ واں کلام ہے : (۲/۲۲۹)

لقد أصبح أبو محمد بهذا المکان غریباً اما واللہ لقد کنت اکره أن تکون قریش قتلی تحت بطون الکواکب ۔	ابو محمد اس جگہ مسافر کی طرح پڑے ہیں ۔ بخدا میں اسے برا جانتا تھا کہ قریش ستاروں کے نیچے مرے پڑے ہوں ۔

یہ کلام مبرد نے الکامل (۱/۱۲۶) میں ، ابن عبدربہ نے العقد (۲/۲۷۹) میں اور البیہقی نے المحاسن (۲/۵۳) میں بہ اختلاف الفاظ نقل کیا ہے ۔

(۱۰۴) نہج کا ۲۱۶ واں کلام ہے : (۲/۲۳۰)

یاله مراماً ما أبعده ۔ الخ	وہ شخص مقصد سے کتنا دور ہے ۔ الخ

یہ کلام علی بن محمد الواسطی نے عیون الحکم (بحار ۱۷/۱۱۳) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۰۵) نہج کا ۲۱۹ واں کلام ہے : (۲/۲۳۳)

واللہ لئن أبیت علی حسک السعدان مسهداً ، وأجر فی الاغلال مصفداً أحب الی من أن ألقی اللہ و رسوله ظالماً لبعض العباد ۔ الخ	بخدا ! سعدان کے کانٹوں پر ساری رات جاگ کر گزارنا ، اور گلے میں لوہے کا طوق ڈال کر کھینچا جانا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے اس حال میں

ملوں کہ میں نے بندوں پر ظلم کیا ہو۔

یہ کلام شیخ صدوق نے امالی (مجلس ۹۰) میں نقل کیا ہے۔

(۱۰٦) نہج کا ۲۲۱ واں خطبہ ہے: (۲۳٦/۲)

واعلموا عباداللہ أنكم وما أنتم فيه من هذه الدنيا على سبيل من قد مضى قبلكم۔

بندگان خدا، یاد رکھو! تم اور دنیا کی جن رنگ رلیوں میں تم پھنسے ہوئے ہو وہ سب اُسی راہ پر گامزن ہے جس پر تمھارے پیش رو جا چکے ہیں۔

یہ خطبہ علی بن محمد الواسطی نے عیون الحکم (بحار ۱۱۴/۱۷) میں نقل کیا ہے۔

(۱۰۷) نہج کا ۲۲۳ واں کلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف پر مشتمل ہے۔ فرماتے ہیں: (۲۳۹/۲)

لله بلاد فلان! فقد قوم الاود و داوى العمد، و خلف الفتنة، وأقام السنة، ذهب نقي الثوب قليل العيب۔ أصاب خيرها و سبق شرها۔ أدى الى الله طاعته و اتقاه بحقه۔ رحل و تركهم في طرق متشعبة، لايهتدي فيها الضال، ولا يستيقن المهتدي۔

اللہ فلاں کا بھلا کرے! اس نے کجی کو سیدھا کیا اور مرض کا علاج کیا اور فتنے سے الگ رہا، اور سنت رسول کو برپا کیا۔ پاک کپڑے لے کر اور کم عیب بن کر گیا۔ حکومت کی بھلائی تک پہنچا اور اُس کے شر سے آگے نکل گیا۔ اللہ کی اطاعت و تابعداری کی، اور اس سے کماحقہ ڈرتا رہا۔ اس نے دنیا سے کوچ کیا اس حال میں کہ لوگ جدا جدا راستوں پر چل پڑے تھے، جن میں گمراہ کو راہ نہیں ملتی، اور ہدایت یافتہ کو یقین نہیں آتا۔

طبری (۲۸/۵) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رائے امیرالمومنین نے بنت ابوحثمہ

کے بیان کی تصویب میں ظاہر کی تھی ، اور فرمایا تھا کہ یہ لفظ اُس نے خود نہیں کہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی زبان پر جاری فرما دیے ہیں ۔

(۱۰۸) نہج کا ۲۲۴ واں کلام ہے : (۲/۲۳۹)

و بسطتم یدی فکففتها و مددتموها فقبضتها ـ ثم تداککتم علی تداک الا بل الهیم علی حیاضها یوم ورودها ـ

تم نے میرا ہاتھ کھولا تو میں نے اُسے روکا ، اور تم نے اُسے کھینچا تو میں نے اُسے سمیٹ لیا ۔ پھر تم مجھ پر ایسے ٹوٹ پڑے جیسے پیاسے اُونٹ حوضوں پر اپنی باری کے دن ٹوٹتے ہیں ۔

اس سے ملتے جلتے جملے ، ابن عبدربہ نے العقد (۲/۱۶۵) میں جو خط نقل کیا ہے ، اُس کے اندر موجود ہیں ۔ اور خود یہ کلام ابراہیم الثقفی نے کتاب الغارات (ابن ابی الحدید ۱/۲۹۵) میں اور شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۴۲) میں اور کتاب الجمل (صفحہ ۱۲۸) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۰۹) نہج کا ۲۲۶ واں خطبہ ہے : (۲/۲۵۳)

فصدع بما امر به بلغ رسالات ربه ، فلم الله به الصدع و رتق به الفتق ـ

پس رسول اکرم نے اُن باتوں کو جن پر مامور تھے برملا پیش کیا ، اور اپنے رب کے پیام پہنچائے ۔ پھر اللہ نے اُن کے ذریعے سے شگاف کو بھر دیا اور پھٹے کو سی دیا ۔

یہ خطبہ علاوہ واقدی کی کتاب الجمل کے (جس کا حوالہ خود رضی نے دیا ہے) ابن عبدربہ کی العقد (۲/۱۶۴ ، ۲۷۷) میں اور شیخ مفید کی الارشاد (صفحہ ۱۴۲) اور کتاب الجمل (صفحہ ۱۲۸) میں موجود ہے ۔

(۱۱۰) نہج کا ۲۳۳ واں خطبہ ہے : (۲/۲۵۸)

جفاة طغام ، عبید أقزام ، جمعوا من کل أوب و تلقطوا من کل شوب ـ

کھرے اوباش ہیں ، کمینے غلام ہیں ۔ ہر کونے کھدرے سے اکٹھے کر لیے گئے ہیں ، اور ہر دوغلے قبیلے سے انھیں پا لیا گیا ہے ۔

یہ ٹکڑا ایک طویل خطبے میں سے انتخاب کیا گیا ہے جو ابراہم الثقفی

کی کتاب الغارات (ابن ابی الحدید ۲۹۶/۱) میں موجود ہے۔

(۱۱۱) نہج کا ۲۳۴ واں خطبہ ہے (۲۵۹/۲) جو دراصل خطبہ ۱۴۳ کا خاتمہ ہے: (۴۴/۲)

هم عیش العلم و موت الجهل۔ — یہ لوگ علم کی زندگی اور جہالت کی موت ہیں۔

یہ خطبہ الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۵۳) میں اور کلینی نے کافی (۱۸۰/۳ کتاب الروضہ) میں نقل کیا ہے۔

ماخذ خطوط:

ان خطبوں کے ساتھ ساتھ حسب ذیل خطوط بھی تاریخ و ادب کی کتابوں میں منقول ہوئے ہیں:

(۱) نہج کا سب سے پہلا خط اہل کوفہ کے نام ہے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے برتاؤ کا ذکر فرمایا ہے (۲/۳)۔ اس کا آغاز ہے:

أما بعد فانی اخبرکم عن أمر عثمان حتی یکون سمعه کعیانه۔ — بعد ازاں میں تمھیں عثمان کے قصے کی خبر سناتا ہوں، تا آنکہ اس کا سننا ایسا ہو جیسا اس کا دیکھنا۔

ان الناس طعنوا علیه فکنت رجلاً من المهاجرین اکثر استعتابه و اقل عتابه۔ — لوگوں نے اُن پر الزام لگائے۔ میں مہاجرین میں سے وہ شخص تھا کہ اُن کو خوش زیادہ رکھتا تھا، اور اُن پر خفا کم ہوتا تھا۔

یہ خط ابن قتیبہ نے الامامہ (صفحہ ۶۸) میں، ابن الشیخ نے امالی (صفحہ ۸۷) میں اور شیخ مفید نے کتاب الجمل (صفحہ ۱۱۶ و ۱۳۴) میں نقل کیا ہے۔

(۲) نہج کا تیسرا خط قاضی شریح کے نام ہے: (۵/۳)

یا شریح! أما انه، سیاتیک من لا ینظر فی کتابک ولا یسالک عن بینتک۔ — اے شریح! تیرے پاس جلد ہی وہ آپہنچے گا جو نہ تیری دستاویز ہی دیکھے گا اور نہ تیرے گواہوں کو پوچھے گا۔

یہ خط شیخ صدوق نے امالی (مجلس ۵۱) میں نقل کیا ہے۔

(۳) نہج کا ۵ واں خط اشعث بن قیس عامل آذربائجان کے نام ہے۔ اس کا آغاز ہے: (۳/۷)

وان عملک لیس لک بطعمة ولکنہ فی عنقک أمانة وانت مسترعی لمن فوقک۔

تیرا کام تیرا کھاجا نہیں ہے، بلکہ وہ تیری گردن میں امانت ہے اور تو اپنے سے بلند رتبہ کی نظر کے نیچے ہے۔

یہ خط ابن مزاحم نے کتاب الصفین (صفحہ ۱۳) میں، ابن قتیبہ نے الامامہ (صفحہ ۹۲) میں اور ابن عبدربہ نے العقد (۲/۲۸۳) میں نقل کیا ہے۔

(۴) نہج کا چھٹا خط حضرت معاویہ کے نام ہے۔ فرماتے ہیں: (۳/۸)

انہ، بایعنی القوم الذین بایعوا أبابکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد أن یختار و لا للغائب أن یرد۔

بے شک میری بیعت اُنہیں لوگوں نے کی ہے جنھوں نے ابوبکر و عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی اور اُسی بات پر کی ہے جس پر اُن کی کی تھی۔ پس حاضر کو پسند کرنے اور غائب کو رد کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

یہ خط ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ۱۸) میں، ابن قتیبہ نے الامامہ (صفحہ ۹۳) میں، ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری متوفی ۲۹۰ھ (۹۰۳ع) نے الاخبار الطوال (صفحہ ۱۶۶) میں اور ابن عبدربہ نے العقد (۲/۲۸۳) میں نقل کیا ہے۔

(۵) نہج کا ۷ واں خط بھی انہیں کے نام ہے اور اس طرح شروع ہوا ہے:

أما بعد فقد أتتنی منک موعظة موصلة و رسالة محبرة۔

بعد ازاں، مجھے تیری جانب سے بناوٹی نصیحت اور آراستہ خط ملا۔

یہ خط ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ۳۳ و ۳۴) میں، ابن قتیبہ نے الامامہ (صفحہ ۱۰۱) میں، مبرد نے الکامل (۱/۱۹۳) میں اور ابن عبدربہ نے العقد (۲/۲۸۳) میں نقل کیا ہے۔

(۶) نہج کا ۸ واں خط جو جریرالبجلی کے نام ہے، یوں شروع ہوا ہے: (۳/۹)

أما بعد فاذا أتاك كتابي هذا فاحمل معاوية على الفصل ـ

بعد ازاں جب میرا یہ خط تجھے ملے تو معاویہ کو قطعی فیصلے پر آمادہ کرنا ـ

یہ خط ابن مزاحم نے کتاب الصفین (صفحہ ۳۲) میں اور ابن عبدربہ نے العقد (۲/۲۸۴) میں نقل کیا ہے ـ

(۷) نہج کا ۹ واں خط یہ ہے : (۳/۱۰)

فأراد قومنا قتل نبينا واجتياح أصلنا ، وهموا بنا الهموم و فعلوا بنا الافاعيل ـ

پس ہماری قوم نے چاہا کہ ہمارے نبی کو مار ڈالے اور ہماری جڑ اُکھاڑ پھینکے ، اور اُنھوں نے ہم پر رنج و غم کے پہاڑ توڑنا چاہے ، اور ہمارے ساتھ بہت سے نازیبا کام کیے ـ

یہ پورا خط ابن مزاحم نے کتاب الصفین (صفحہ ۴۸) اور اس کا تیسرا پیراگراف ابن عبدربہ نے العقد (۲/۲۸۶) میں نقل کیا ہے ـ

(۸) نہج کا ۱۰ واں خط یوں شروع ہوا ہے : (۳/۱۲)

وكيف أنت صانع اذا تكشفت عنك جلابيب ما أنت فيه من دنيا قد تبهجت بزينتها وخدعت بلذتها ـ

تو اُس وقت کیا کرے گا جب تیرے سامنے سے دنیا کے پردے اُٹھ جائیں گے ـ وہ دنیا جو اپنے سنگار کے باعث خوبصورت نظر آتی ہے اور اپنی لذت سے دھوکا دیتی ہے ـ

اس خط کے ابتدائی دو پیرے "وانہ یوشک" سے "ولا شرف باس" تک ابن مزاحم نے کتاب الصفین (صفحہ ۵۹) میں نقل کیے ہیں ـ

(۹) نہج کا ۱۱ واں خط ہے : (۳/۱۴)

فاذا نزلتم بعدو او نزل بكم فليكن معسكركم فى قبل الاشراف و سفاح الجبال ـ

جب تم دشمن کے مقابل پڑاؤ ڈالو یا وہ تمھارے سامنے آ کر اُترے ، تو تمھاری لشکرگاہ بلندیوں کے آگے اور پہاڑوں کی تلیہٹی میں ہونا چاہیے ـ

یہ خط ابن مزاحم نے کتاب الصفین (صفحہ ٦٦) میں اور الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۴۴) میں نقل کیا ہے۔

(۱۰) نہج کی ۱۲ ویں وصیت ہے: (۱۵/۳)

اتق اللہ الذی لابد لک من لقائہ۔ — اُس خدا سے ڈرتے رہو جس سے ملنا لابدی ہے۔

یہ وصیت ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ۷۸) میں نقل کی ہے۔

(۱۱) نہج کا تیرھواں خط یہ ہے: (۱۵/۳)

وقد أمرت علیکما و علی من فی حیزکما مالک بن الحارث الاشتر۔ فاسمعا لہ و أطیعا و اجعلاہ درعا و مجناً۔ — میں نے تم پر اور تمھاری کمان کے آدمیوں پر مالک بن حارث اشتر کو حاکم بنایا ہے۔ اب تم اُس کی سنو اور مانو اور اُسے زرہ اور ڈھال بنالو۔

یہ خط ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ۸۱) میں اور طبری نے اپنی تاریخ (۲۳۸/۵) میں نقل کیا ہے۔

(۱۲) نہج کی ۱۴ ویں وصیت یہ ہے: (۱٦/۳)

لا تقاتلوھم حتی یبدکم۔ — اُن سے جنگ نہ کرنا جب تک وہ پہل نہ کریں۔

یہ وصیت ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ۱۰٦) میں معمولی اختلاف کے ساتھ نقل کی ہے۔

(۱۳) نہج کا ۱٦ واں خط ہے: (۱۷/۳)

لا تشتدن علیکم فرۃ بعد ما کرۃ۔ الخ — تم پر وہ فرار گراں نہیں گزرے گا جس کے بعد تمھاری طرف سے حملہ ہو۔

اس خط کا آخری حصہ، جو "فوالذی فلق الحبہ" سے شروع ہوتا ہے، ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (ابن ابی الحدید ۱۸۹/۱) میں نقل کیا ہے۔

(۱۴) نہج کا ۱۷ واں خط یہ ہے: (۱۸/۳)

فأما طلبک إلی الشام، فانی لم آکن لاعطیک الیوم ما منعتک أمس۔ — رہا تیرا مجھ سے شام کا ملک مانگنا، تو میں تجھے آج بھی وہ

نہیں دوں گا جو کل روک چکا ہوں ۔

یہ خط ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ۹۷ و ۲۵۲) میں ، ابن قتیبہ نے الامامہ (صفحہ ۱۱۵) میں ، دینوری نے الاخبار الطوال (صفحہ ۱۹۹) میں ، مسعودی متوفیٰ ۳۴۶ھ (۹۵۷ع) نے مروج الذہب (۳۸/۲) میں اور البیہقی نے کتاب المحاسن والمساوی (۳۸/۱) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۵) نہج کا ۱۸ واں خط ہے : (۳/ ۲)

اعلم ان البصرة مهبط ابليس و مغرس الفتن ۔ فحادث أهلها بالاحسان اليهم و احلل عقدة الخوف عن قلوبهم ۔

یہ جان لو کہ بصرہ شیطان کا گھر اور فتنوں کی کھیتی ہے ۔ اُس کے باشندوں سے احسان کا برتاؤ کرنا اور اُن کے دلوں سے خوف کی گانٹھ کھول ڈالنا ۔

اس خط کا ایک حصہ ابن مزاحم نے کتاب الصفین (صفحہ ۵۷) میں نقل کیا ہے اور آخری جملہ ابن المعتز عباسی متوفیٰ ۲۹۶ھ (۹۰۸ع) نے کتاب البدیع (صفحہ ۴) میں اور ابو ہلال عسکری نے کتاب الصناعتین (صفحہ ۲۱۳) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۶) نہج کا ۲۲ واں خط ہے : (۲۳/۳)

أما بعد فان المرء قد يسره درك مالم يكن ليفوته ، ويسوؤه فوت مالم يكن ليدركه ۔

بعد ازاں ، آدمی کو کبھی اُس شے کا پانا خوش کرتا ہے جسے وہ کبھی کھو نہ سکتا تھا ، اور اُس شے کا کھو دینا غم گین بنا دیتا ہے جسے وہ پا نہ سکتا تھا ۔

یہ خط ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ۵۸) میں ، الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۳۶) میں ، القالی نے الامالی (۹۶/۲) میں ، ابن عبدربہ نے العقد (۳۵۵/۱) میں ، کلینی نے کافی (۱۱۳/۳) میں ، ابوحیان التوحیدی نے کتاب البصائر (۳۵۳) میں اور باقلانی نے اعجاز القرآن (۱۹۵/۱) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۷) نہج کا ۲۷ واں خط ہے : (۳۱/۳)

فاخفض لهم جناحك وألن لهم جانبك ۔ پس اُن کے لیے اپنا بازو جھکا دے ،

اور اپنا پہلو نرم کر دے ۔

یہ خط ابراہیم الثقفی نے کتاب الغارات (ابن ابی الحدید ۲۸۹/۱) میں ، شیخ مفید نے کتاب المجالس اور کتاب الامالی (بحار ۱۰۱/۱۷) میں ، شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۱۶) میں اور الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۳۱) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۸) نہج کا ۳۰ واں خط ہے : (۳۱/۳)

فاتق اللہ فیما لدیک وانظر فی حقہ علیک و ارجع الی معرفۃ ما لاتعذر بجہالتہ ۔	اللہ سے ان چیزوں کے بارے میں ڈرتے رہنا جو تیرے پاس ہیں اور اپنے آپ پر اس کے حق کو نظر میں رکھنا اور اس چیز کے جاننے کی طرف دھیان دینا جس کے نہ جاننے پر معذور نہ قرار دیا جائے ۔

ابن ابی الحدید (۲۶۰/۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ ارباب سیر نے اسے زیادہ مکمل شکل میں نقل کیا ہے ۔ چنانچہ وہ اس کا آغاز یوں بتاتا ہے :

اما بعد فقد بلغنی کتابک تذکر مشاغبتی ۔ الخ	بعد ازاں : مجھے تیرا خط ملا جس میں تو نے میری شرپسندی کا ذکر کیا ہے ۔

(۱۹) نہج کا ۳۱ واں خط ہے :

من الوالد الفان المقر للزمان المدبر العمر ۔	اس باپ کی طرف سے جو مرنے والا ہے ، زمانے کے بس میں ہے اور کہن سال ہے ۔

یہ طویل خط ابو احمد حسن بن عبداللہ بن سعید عسکری نے کتاب الزواجر و المواعظ میں (بحار ۵۷/۱۷) میں ، کلینی نے کتاب الرسائل میں (بحار ۵۷/۱۷) ، ابن عبدربہ نے العقد (۳۶۲/۱) میں اور الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۱۴) میں نقل کیا ہے ۔

(۲۰) نہج کا ۳۲ واں خط ہے : (۶۴/۳)

وأرديت جيلاً من الناس كثيراً ، خدعتهم بغيك وألقيتهم في موج بحرك ۔	تو نے بہت لوگوں کو ہلاک کر دیا ۔ انہیں اپنی گمراہی سے دھوکا

دیا اور اپنے سمندر کی موج میں
ڈال دیا ۔

یہ خط ابوالحسن علی بن محمد المدائنی متوفی ۲۲۴ھ (۸۳۹ع) نے اپنی تاریخ میں مع اس کے جواب کے نقل کیا ہے ۔ (ابن ابی الحدید ۲۸/۲) اور اس کا آغاز یوں بتایا ہے :

أما بعد فان الدنیا دار تجارة و ربحها أو خسرها فی الآخرة ۔

بعد ازاں ، دنیا تجارت گاہ ہے اور اس کا نفع یا نقصان آخرت میں ملے گا ۔

(۲۱) نہج کا ۳۴ واں خط ہے : (۶۶/۳)

أما بعد فقد بلغتنی موجدتک من تسریح الاشتر الی عمک و إنی لم افعل ذلك استبطأً لك فی الجهد ۔

بعد ازاں ، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اس سے رنجیدہ ہو کہ تمہارے کام پر اشتر کو بھیج دیا گیا ہے ۔ میں نے یہ کام اس بنا پر نہیں کیا ہے کہ تمھیں کوشش کے اندر سست پایا تھا ۔

یہ خط ابراہیم الثقفی نے کتاب الغارات (ابن ابی الحدید ۲۹۲/۲) میں اور طبری نے اپنی تاریخ (۵۵/۶) میں نقل کیا ہے ۔

(۲۲) نہج کا ۳۵ واں خط ہے : (۶۷/۳)

أما بعد فان مصر قد افتتحت و محمد بن أبی‌بکر ، رحمة الله قد استشهد ۔

بعد ازاں ، مصر (دشمن کے ہاتھوں) فتح ہوگیا اور محمد بن ابی بکر ، اللہ اس پر رحم کرے ، شہید کر ڈالا گیا ۔

یہ خط بھی ابراہیم الثقفی نے کتاب الغارات (ابن ابی الحدید ۲۹۵/۱) میں اور طبری نے اپنی تاریخ (۶۳/۶) میں نقل کیا ہے ۔

(۲۳) نہج کا ۳۶ واں خط ہے : (۶۷/۳)

فسرحت الیه جیشاً کثیفاً من المسلمین فلما بلغه ذلك شمرها رباً ۔

میں نے اس کی طرف مسلمانوں کا ایک بڑا لشکر بھیجا ۔ جب اس کو اسے اطلاع ملی ، تو وہ بھاگ

کھڑا ہوا ۔

اس خط کو ابن قتیبہ نے الامامہ (صفحہ ۵۷) میں اور ابوالفرج اصفہانی نے الاغانی (۱۵/۴۴) میں بالتمام اور ابن عبدربہ نے العقد (۲۳۵/۱ و ۳۵۷) میں آخر کے دونوں شعر اس خط کے حوالے سے نقل کیے ہیں ۔

(۲۴) نہج کا ۳۸ واں خط اہل مصر کے نام یوں شروع ہوا ہے : (۷۰/۳)

من عبداللہ علی أمیرالمومنین الی القوم الذین غضبوا اللہ حین عصی فی ارضہ و ذھب بحقہ ۔	اللہ کے بندے علی امیرالمومنین کی طرف سے اُن لوگوں کے نام جو اللہ کی خاطر اُس وقت خفا ہوئے جب اللہ کی نافرمانی اُس کی زمین پر کی گئی اور اُس کا حق غصب کیا گیا ۔

یہ خط طبری نے اپنی تاریخ (۵۵/۶) میں اور نجاشی نے کتاب الرجال (صفحہ ۱۴۴) میں نقل کیا ہے ۔

(۲۵) نہج کا ۳۹ واں خط ہے : (۷۱/۳)

فانک قد جعلت دینک تبعاً لدنیا امرء ظاہر غیہ مھتوک سترہ ۔	بے شک تو نے اپنے دین کو ایسے آدمی کی دنیا کا تابع بنا دیا ہے جس کی گمراہی ظاہر ہے اور پردہ چاک ہو چکا ہے ۔

یہ خط ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (ابن ابی الحدید ۲۸۵/۲) میں مع اضافہ نقل کیا ہے ۔

(۲۶) نہج کا ۴۰ واں خط ہے : (۷۲/۳)

اما بعد ، فقد بلغنی عنک امر ان کنت فعلتہ ، فقد أسخطت ربک وعصیت امامک و أخزیت أمانتک ۔	بعد ازاں ، مجھے تیری طرف سے ایسی بات کی اطلاع ملی ہے کہ اگر تو نے وہ بات کی ہے تو اپنے رب کو ناراض کر لیا ، اور اپنے حاکم کی نافرمانی کی اور اپنی امانت کو رسوا کیا ۔

یہ خط ابن عبدربہ نے العقد (۲۹۵/۲) میں نقل کیا ہے ۔

(۲۷) نہج کا ۴۱ واں خط ہے : (۷۲/۳)

أما بعد ، فانی کنت آشرکتک فی أمانتی و جعلتک شعاری و بطانتی ۔

بعد ازاں ، میں نے تجھے اپنی امانت میں شریک کیا تھا اور تجھے اپنا ظاہری اور اندرونی لباس قرار دے لیا تھا ۔

اس خط کو ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (۱/۵۷) میں ، ابن عبدربہ نے العقد (۲/۲۹۶) میں اور ابو ہلال العسکری نے کتاب الاوائل (ورق ۵۱ ب) میں نقل کیا ہے ۔

(۲۸) نہج کا ۴۶ واں خط کسی گورنر کے نام ہے : (۸۳/۳)

أما بعد فانک ممن أستظهر بہ علی اقامة الدین و أقمع بہ نخوة الاثیم ۔

بعد ازاں ، تو اُن میں سے ہے جن سے میں امن کی اقامت میں امداد لیا کرتا ہوں ، اور جن کے ذریعے گناہ گار کی نخوت کا قلع قمع کرتا ہوں ۔

طبری نے اپنی تاریخ (۶/۵۴) میں اس خط کو نقل کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اس کا مکتوب الیہ اشتر ہے ۔

(۲۹) نہج کا ۴۷ واں خط حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو وصیت ہے ۔ اس کا آغاز ہے : (۸۵/۳)

أوصیکما بتقوی اللہ وأن لا تبغیا الدنیا وان بغتکما و لا تاسفا علی شئ منها زوی عنکما و قولا للحق واعملا للاجر و کونا للظالم خصماً وللمظلوم عوناً ۔

میں تم دونوں کو تاکید کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے کی اور یہ کہ دنیا طلب نہ کرنا خواہ وہ تمہاری طالب ہی کیوں نہ ہو ۔ اور جو دنیوی شے تم سے کھو جائے اُس پر غم نہ کھانا ، اور حق بات کہنا ، اور اجر کے لیے عمل کرنا ، اور ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار رہنا ۔

یہ وصیت مبرد نے الکامل (۲/۱۵۲) میں ، ابو القاسم الزجاجی متوفی ۳۳۷ھ (۹۴۸ع) نے کتاب الامالی (صفحہ ۱۱۵) میں ، طبری نے اپنی تاریخ (۶/۸۵)

میں ، الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ٣٦) میں اور ابوالفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین (صفحہ ١٥) میں نقل کی ہے -

(٣٠) نہج کا ٤٨ واں خط یوں شروع ہوتا ہے : (٨٧/٣)

و ان البغی و الزور یذیعان بالمرء فی دینہ و دنیاہ ۔

بے شک بغاوت اور جھوٹ انسان کو اُس کے دین اور دنیا دونوں میں رسوا کر دیتے ہیں -

یہ خط ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ٢٦٧) میں اور الثقفی نے کتاب الغارات (ابن ابی الحدید ١٠٤/١) میں نقل کیا ہے -

(٣١) نہج کا ٤٩ واں خط ہے : (٨٨/٣)

أما بعد فان الدنیا مشغلة عن غیرها ، ولم یصب صاحبها منها شیئاً الا فتحت له حرصاً علیها ۔

بعد ازاں ، دنیا دوسری چیزوں سے بے پروا بنا دیتی ہے ، اور دنیادار جب اُس کا کچھ حصہ پاتا ہے ، تو وہ اُس پر حرص کا دروازہ کھول دیتی ہے -

یہ خط ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ٦٠ و ٢٦٩) میں اور دینوری نے الاخبار الطوال (صفحہ ١٧٤) میں نقل کیا ہے -

(٣٢) نہج کا ٥٠ واں خط ہے : (٨٨/٣)

أما بعد فان حقاً علی الوالی أن لایغیره علی رعیته فضل ناله ۔

بعد ازاں ، والی کا فرض ہے کہ اگر اُسے کوئی بڑائی ملے تو وہ اپنی رعایا کے ساتھ برتاؤ نہ بدلے -

یہ خط ابن مزاحم نے کتاب الصفین (صفحہ ٥٨) میں نقل کیا ہے -

(٣٣) نہج کا ٥١ واں خط ہے : (٩٠/٣)

أما بعد فان من لم یحذر ما هو صائر الیه لم یقدم لنفسه ما یحرزها ـ الخ

بعد ازاں ، جو شخص اپنے انجام سے نہیں ڈرتا وہ خطروں سے اپنے بچاؤ کا سامان بھی نہیں کرتا ۔

یہ خط ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ٥٨) میں نقل کیا ہے -

(٣٤) نہج کا ٥٣ واں خط یہ ہے : (٩٢/٣)

هذا ما أمر به عبدالله علی أمیرالمومنین ،

یہ وہ وصیت ہے جس کا حکم اللہ

مالك ابن الاشتر فی عهده الیه حین ولاه مصر ۔

کے بندے علی امیرالمومنین نے مالک بن الاشتر کو مصر کا گورنر بناتے وقت دیا ہے ۔

یہ خط الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۲۸) میں نقل کیا ہے ۔

(۳۵) نہج کا ۵۴ واں خط ہے : (۱۲۲/۳)

أما بعد فقد علمتما و إن كتمتما أنی لم أرد الناس حتی أرادونی ۔

بعد ازاں تم دونوں جانتے ہو، اگرچہ اسے چھپاتے ہو کہ میں نے لوگوں کا اس وقت تک قصد نہ کیا جب تک وہ میری طرف نہ بڑھے ۔

یہ خط ابن قتیبہ نے الامامہ (صفحہ ۲۷) میں اور اعثم کوفی نے کتاب الفتوح (مناقب ابن شہر آشوب ۹۰/۳) میں نقل کیا ہے ۔

(۳۶) نہج کا ۶۰ واں خط ہے : (۱۲۸/۳)

أما بعد فانی قد سیرت جنوداً هی مارّة بکم ان شاء الله ۔

اما بعد ، میں نے ایک لشکر روانہ کیا ہے جو تمھارے پاس سے خدا نے چاہا تو گزرے گا ۔

یہ خط بہتغیر الفاظ ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ۶۸) میں نقل کیا ہے ۔

(۳۷) نہج کا ۶۲ واں خط اہل مصر کے نام ہے جو یوں شروع ہوا ہے ۔ (۱۳۰/۳) :

أما بعد فان الله سبحانه بعث محمداً نذیراً للعالمین ۔

بعد ازاں ، بے شک اللہ سبحانہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے جہان کے لیے نذیر بنا کر بھیجا تھا ۔

یہ خط ایک طویل خطبے کی شکل میں ابراہیم الثقفی نے کتاب الغارات (ابن ابی الحدید ۲۹۵/۱) میں نقل کیا ہے ۔

(۳۸) نہج کا ۶۸ واں خط حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے نام ہے جو اپنے خلیفہ ہونے کے قبل تحریر فرمایا تھا ۔ یہ خط یوں شروع ہوا ہے : (۳۰)

أما بعد ، فان مثل الدنیا مثل الحیة لین مسها قاتل سمها ۔

بعد ازاں ، دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے سانپ کہ اس کا چھونا نرم ہے اور زہر قاتل ۔

یہ خط کلینی نے اصول الکافی (صفحہ ١٨٧) میں اور شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ١٣٧) میں اور ابن مسکویہ نے جاویدان خرد (ورق ٩٦ ب) میں نقل کیا ہے۔

مآخذ حکم :

امیرالمومنین حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے بہت سے حکیمانہ اقوال بھی نہج البلاغہ کے تیسرے باب میں نقل کیے گئے ہیں۔ اُن میں سے شاید دو چار قول ہی ایسے ہوں جن پر کسی طرح کا شبہ کیا جا سکے۔ پھر تاریخ و حدیث و ادب کے پہاڑوں میں سے ان لعل و جواہر کا کھوج نکالنا بھی نہ آسان ہے اور نہ تھوڑے وقت میں یہ کام انجام دیا جا سکتا ہے، اس لیے ذیل میں صرف اُن چند اقوال کے متقدم حوالے پیش کرتا ہوں جن پر دورانِ کار میں مطلع ہو گیا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے :

(١) اذا قدرت علی عدوک فاجعل العفو عنہ شکراً للقدرۃ علیہ۔ (١٥٣/٣)

جب تو اپنے دشمن پر قدرت حاصل کر لے، تو اُسے معاف کرنے کو اُس پر قدرت ملنے کا شکریہ قرار دے۔

یہ قول ابن درید نے المجتنیٰ (صفحہ ٣٢) میں نقل کیا ہے۔

(٢) أعجزالناس من عجز عن اکتساب الاخوان وأعجز منہ من ضیع من ظفر بہ منھم۔ (١٥٣/٣)

سب سے زیادہ عاجز آدمی وہ ہے جو دوست حاصل کرنے میں عاجز رہے، اور اُس سے بھی زیادہ عاجز وہ ہے جو دوست پا کر اُسے ضائع کر دے۔

یہ قول ابن قتیبہ نے عیون (١/٣) میں اور القالی نے ذیل الامالی (صفحہ ١١٢) میں نقل کیا ہے۔

(٣) ماکل مفتون یعاتب۔ (١٥٤/٣)

ہر فتنہ زدہ پر عتاب نہیں کیا جا سکتا۔

یہ قول شیخ مفید نے کتاب الجمل (صفحہ ٣٠) میں نقل کیا ہے۔

(٤) امیرالمومنین نے قول نبوی : "غیروا الشیب، ولا تشبھوا بالیھود" [بڑھاپے کو (خضاب کے ذریعے) بدل ڈالو، اور یہودیوں جیسے مت بنو] کے بارے

میں فرمایا ہے :

انما قال انک والدین قل ۔ فاما آلان و قد اتسع نطاقہ ، وضرب بجرانہ ، فامرء و ما اختار ۔

آپ نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب دین میں کم لوگ تھے ۔ اب کہ وہ وسعت پکڑ چکا ہے ، اور اپنی گردن آرام کے لیے ٹیک چکا ہے ، مرد کو اختیار ہے ۔

یہ قول ابن المعتز نے کتاب البدیع (صفحہ ۴) میں اور ابو ہلال عسکری نے الصناعتین (۱۰۷ الف) میں نقل کیا ہے ۔

(۵) قرنت الهیبة بالخیبة و الحیاء بالحرمان ۔ (۵۵/۳)

ڈر ناکامی سے ملا ہوا ہے اور شرم محرومی سے ۔

یہ قول ابن قتیبہ نے عیون (۱۲۳/۲) میں ، القالی نے امالی (۱۹۷/۱ و ۹۵/۲) میں ، الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۴۷) میں اور ابن الشیخ نے امالی (صفحہ ۱۴) میں نقل کیا ہے ۔

(٦) لنا حق ، فان أعطیناہ و الا رکبنا أعجاز الابل و ان طال السری ۔ (۱۵۵/۳)

یہ ہمارا حق ہے ، اگر ہمیں دے دیا گیا تو فبہا ، ورنہ ہم اونٹ کے سرینوں پر سوار ہو جائیں گے ، خواہ سفر طویل ہی کیوں نہ ہو ۔

یہ قول ایک طویل خطبے کے اندر طبری نے اپنی تاریخ (۳۹/۵) میں اور صرف اس ٹکڑے کو ابو عبید الهروی نے قدرے تغیر کے ساتھ کتاب الغریبین (ورق ۱۷٦ الف) میں درج کیا ہے ۔

(۷) و سئل عن الایمان فقال ، الایمان علی أربع دعائم الصبر والیقین و العدل و الجهاد (۱۵۷/۳) ۔

ایمان کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا ”ایمان کے چار ستون ہیں : صبر ، یقین ، عدل اور جہاد“ ۔

یہ ارشاد الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۳۸) میں ، کلینی نے اصول الکافی (صفحہ ۱٦۷) میں ، القالی نے کتاب النوادر (صفحہ ۱۷۳) میں ، ابونعیم الاصفہانی نے حلیہ الاولیا (۷۴/۱) میں ، شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۲۳) میں اور قاضی محمد بن سلامة القضاعی نے دستور معالم الحکم (صفحہ ۱۲۱) میں نقل کیا ہے ۔

(۸) الکفر علی اربع دعائم ، علی التعمق و التنازع و الزیغ و الشقاق ۔ الخ (۱۵۸/۳)

کفر کے چار ستون ہیں : کرید ، جھگڑا ، ٹیڑھ اور اختلاف ۔

الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۳۸) میں اسے نقل کیا ہے :

(۹) یا بنی احفظ عنی أربعاً و أربعاً ۔ لا یضرک ما عملت معہن ۔ (۱۶۰/۳)

میرے بچے ! مجھ سے چار اور چار باتیں یاد کرلے ! ان کے ساتھ ساتھ جو کچھ بھی تو کرے گا ، وہ تجھے ضرر نہیں دے گا ۔

یہ قول ابن درید نے المجتنٰی (صفحہ ۳۰) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۰) لسان العاقل وراء قلبہ ، و قلب الاحمق وراء لسانہ ۔

عقل مند کی زبان اس کی عقل کی تابع اور احمق کی عقل اُس کی زبان کی تابع ہوتی ہے ۔

یہ قول ابن عبدربہ نے العقد (۲۰۹/۱) میں ، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے نقل کیا ہے ۔

(۱۱) یرحم اللہ خباب بن الارت ۔ الخ

اللہ خباب بن ارت پر رحم فرمائے ۔ آہ ۔

یہ قول طبری نے اپنی تاریخ (ج ۶ صفحہ ۳۴) میں اور ابن عبدربہ نے العقد (۷/۲) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۲) لو ضربت خیشوم المومن بسیفی هذا علی ان یبغضنی ما أبغضنی ۔ آہ

اگر میں اپنی یہ تلوار مومن کی ناک کی جڑ پر بھی ماروں تاکہ وہ مجھ سے بغض رکھنے لگے ، تب بھی وہ مجھ سے بغض نہیں رکھے گا ۔

یہ قول شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۱۱۹) میں اور ابن ابی الحدید نے عبدالکریم بن ہلال کی سند سے اپنی شرح (۱۹۹/۱) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۳) لاغنی کالعقل ولا فقر کالجہل ۔ (۱۶۳/۳)

عقل جیسی دولت نہیں اور جہالت جیسی ناداری نہیں ۔

یہ قول الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۲۰) میں کچھ اور ایسے ہی کلمات کے ساتھ نقل کیا ہے ۔

(۱۴) القناعة مـال لاينفد . (۳/۱۶۴ ، ۲۳۹ ، ۲۶۶) . قناعت نہ ختم ہونے والی دولت ہے ۔

یہ قول الطبرانی نے الاوسط میں (تمییزالطیب من الخبیث ، للشیبانی ۱۴۳) ، الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۱۹ و ۲۱) میں اور ابن عبدربہ نے العقد (۱/۳۳۲ و ۳۹۰) میں بہ طور قول اکثم بن صیفی و ابن عباس نقل کیا ہے ۔

(۱۵) یا دنیا یا دنیا ، الیک عنی ! أبی تعرضت ؟ ام الی تشوقت ؟ لاحان حینک ! غری غیری (۳/۱۶۶) — اے دنیا اے دنیا ! مجھ سے الگ رہنا کیا تو میرے درپے ہے ؟ کیا تو میری مشتاق ہے ؟ تجھے یہ وقت ہاتھ نہ آئے ! کسی اور کو دھوکا دینا ۔

یہ قول مسعودی نے مروج الذہب (۲/۳۷) میں ، شیخ صدوق نے امالی (مجلس ۹۱) میں ، القالی نے امالی (۲/۱۴۹) میں ، ابو نعیم نے حلیہ (۱/۸۵) میں اور البیہقی نے کتاب المحاسن (۱/۳۳) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۶) ویحک ، لعلک ظننت قضاءً لازماً ۔ ۳/۱۶۷) — تم پر رحم ہو ! تم نے شاید یہ گمان کیا کہ قضا و قدر لازمی ہے ۔

یہ قول سید مرتضیٰ نے امالی (۱/۱۰۵) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۷) خذ الحکمة أنیٰ کانت ۔ آہ (۲/۱۶۷) — دانائی کو لے لو جہاں سے بھی ملے ۔

یہ قول ابن درید نے المجتنیٰ (صفحہ ۶۲) میں اور ابن الشیخ نے الامالی (صفحہ ۱۴) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۸) الحکمة ضالة المومن فخذ الحکمة و لو من اهل النفاق - (۳/۱۶۸) — دانائی مومن کی گم شدہ چیز ہے ۔ پس دانائی کو لے لو، خواہ منافقین ہی سے کیوں نہ ملے ۔

یہ قول ابن قتیبہ نے عیون (۲/۱۲۳) میں ، القالی نے الامالی (۲/۹۵) میں ، شیخ مفید نے امالی (بحار ۱/۱۲۶) میں اور الحرانی نے تحف (صفحہ ۴۷) میں نقل کیا ہے ۔ نیز ابن عبدالبر نے مختصر جامع بیان‌العلم (صفحہ ۵۱) میں معمولی اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے ۔

(۱۹) قیمة کل امرئ ما یحسنه ۔ ہر آدمی کی قیمت اُس کا نیک کام ہے ۔

یہ قول جاحظ نے البیان (۱/۳٦ و ۱۷۹) میں ، ابن قتیبہ نے عیون (۲/۱۲۰) میں ، مبرد نے کامل (۱/۴۰) میں ، ابن عبدربہ نے العقد (۱/۱۹۹ و ۲/۳۳۲) میں ، الحرانی نے تحف العقول (صفحہ۴۷) میں ، شیخ صدوق نے الامالی (مجلس ٦۸) میں ، شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۷۲) میں ، ابوحیان التوحیدی نے کتاب البصائر (ورق ۳۷ الف) میں ، ابو منصور ثعالبی نے الایجاز والاعجاز (صفحہ ۸) میں ، البیہقی نے کتاب المحاسن (۲/۴۷) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۳۱۵) میں نقل کیا ہے ۔ نیز ابن عبدالبر نے مختصر جامع بیان العلم (صفحہ ۵۰) میں اسے نقل کرکے لکھا ہے کہ اہل علم کہتے ہیں کہ آپ سے پہلے کسی نے یہ پُر حکمت بات نہیں کہی ۔ نہ اس سے زائد طلب علم پر اُبھارنے والی بات سننے میں آئی ہے ۔ خلیل بن احمد فراهیدی اور دوسرے شعرا نے اس مضمون کو نظم بھی کیا ہے ۔

(۲۰) أوصیکم بخمس لو ضربتم الیها آباط الابل لکانت لذلك أهلا ، لایرجون أحد منکم الا ربه ، ولا یخافن الاذنبه ۔ الخ (۳/۱٦۸)

میں تمہیں پانچ باتوں کی تاکید کرتا ہوں ، اگر تم ان کے لیے اونٹ بھی دوڑاؤ تو بجا ہوگا : سوائے اپنے رب کے کسی سے امید نہ رکھنا اور بجز اپنے گناہ کے اور کسی سے خوف مت کھانا ۔

یہ ارشاد مثنی ابن الولید الحناط نے اپنی کتاب (بحار ۱۷/۴۱۵) میں ، جاحظ نے البیان (۱/۱۷۸) میں ، ابن قتیبہ نے عیون (۲/۱۱۹) میں ، البرقی نے کتاب المحاسن و الآداب (ورق ۴ ب) میں ، ابن مسکویہ نے جاویدان خرد (ورق ۹۸ب) میں ، ابن عبدربہ نے العقد (۱/۳۰۸) میں ، الماوردی متوفی ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ع) نے ادب الدنیا والدین (صفحہ ٦۷) میں ، ابوالفرج القزوینی نے قرب الاسناد (بحار ۱۷/۱۰۵) میں ، الحرانی نے تحف العقول (صفحہ۵۱) میں ، ثعالبی نے الایجاز (صفحہ ۸) میں اور ابو نعیم نے حلیة الاولیا (۱/۷۵) میں نقل کیا ہے ۔

(۲۱) أنادون ماتقول وفوق ما فی میں تیرے کہے ہوئے سے نیچا ، اور

نفسک - (۳/۱۶۸)

جو تیرے دل میں ہے ، اُس سے اونچا ہوں -

یہ قول جاحظ نے البیان (۱/۱۷۹ و ۲۲۰) میں ، ابن قتیبہ نے عیون (۱/۲۷۶) میں ، سید مرتضیٰ نے امالی (۱/۱۹۸) میں اور ثعالبی نے الایجاز (صفحہ ۸) میں نقل کیا ہے -

(۲۲) بقیة السیف أبقی عدداً و اکثر ولداً - (۱/۱۶۹)

تلوار سے بچے کھچوں کی تعداد زیادہ پائدار اور اولاد کثیر ہوتی ہے -

یہ قول جاحظ نے البیان (۲/۳۵) میں ، ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (۱/۱۳۰) میں ، ابن عبدربہ نے العقد (۲/۲۲۷) میں اور ابو منصور ثعالبی نے الایجاز و الاعجاز (صفحہ ۸) میں نقل کیا ہے -

(۲۳) رأی الشیخ أحب الی من جلد الغلام - (۱/۱۶۹)

بوڑھے کی رائے مجھے جوان کی مضبوطی سے زیادہ محبوب ہے -

یہ قول جاحظ نے البیان (صفحہ ۱/۱۵۷) میں ، ابن عبدربہ نے العقد (۲/۲۲۶) میں اور ابوحیان التوحیدی نے بہتغیر الفاظ کتاب البصائر (ورق ۱۶۳ الف) میں نقل کیا ہے -

(۲۴) عجبت لمن یقنط و معه الاستغفار -

میں اُس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو ناامید ہے حالانکہ استغفار اُس کے ساتھ ہے -

یہ قول بہتغیر الفاظ ابن قتیبہ نے عیون (۲/۳۷۲) میں ، مبرد نے کامل (۱/۱۷۷) میں اور ابن عبدربہ نے العقد (۱/۳۷۵ و ۳۹۵) میں نقل کیا ہے -

(۲۵) من اصلح ما بینه و بین الله اصلح الله ما بینه و بین الناس - (۳/۱۷۰)

یہ قول شیخ صدوق نے امالی (مجلس صفحہ ۹) میں نقل کیا ہے -

(۲۶) الفقیه کل الفقیه من لم یقنط الناس من رحمة الله ، ولم یؤیسهم من روح الله ولم یؤمنهم من مکرالله - (۳/۱۷۰)

پورا سمجھ والا وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے نا امید نہ کرے اور اس کی مہربانی سے مایوس نہ بنائے ، اور اُس کی پکڑ سے نڈر نہ

کر دے ۔

یہ قول کلینی نے اصول الکافی (صفحہ ۲۰۹) میں ، الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۳۷) میں ، ابن مسکویہ نے جاویدان خرد (ورق ۹۷ - الف) میں ، شیخ صدوق نے معانی الاخبار (صفحہ ۳۸) میں ، ابن لال نے مکارم الاخلاق (کنز ۲۱۱/۵) میں ، ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا (۷۷/۱) میں بحیثیت قول مرتضوی ، اور کتاب الجعفریات (بحار ۳۰۷/۱۷) میں بطور حدیث نبوی نقل کیا ہے ۔

(۲۷) لایقل عمل مع التقوی و کیف یقل ما یتقبل (۱۷۲/۳) — پرہیزگاری کے ساتھ ہو تو عمل کم نہیں ہوتا اور جو چیز قبول ہو جائے وہ کم کہاں رہی ۔

یہ قول الحرانی نے تحف العقول (بحار ۱۵۳/۱۷) میں ، کلینی نے اصول الکافی (۱۷۳) میں ، ابونعیم نے حلیۃ الاولیا (۷۵/۱) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۳۸) میں اور جمال الدین خوارزمی نے مفید العلوم (صفحہ ۲۹۵) میں نقل کیا ہے ۔

(۲۸) یاتی علی الناس زمان لایقرب فیہ الا الماحل ، و لا یظرف فیہ الا الفاجر (۱۷۳/۳) — لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جس میں سوائے چغل خور کے کسی کو تقرب حاصل نہ ہوگا ، اور بجز جھوٹے کے کوئی ظریف نہ مانا جائے گا ۔

یہ قول مبرد نے الکامل (۱۷۷/۱) میں نقل کیا ہے ۔

(۲۹) رئی علیہ ازار خلق مرقوع ، فقیل لہ فی ذلك فقال : یخشع لہ القلب وتذل بہ النفس ویقتدی بہ المومنون ۔ (۱۷۳/۳) — آپ کو پرانی پیوند دار تہبند باندھے دیکھا گیا ۔ جب اس بارے میں کسی نے آپ سے سوال کیا تو فرمایا اس سے دل میں خشوع پیدا ہوتا ہے ، اور نفس ذلیل ہوتا ہے ، اور اہل ایمان اس کی پیروی کرتے ہیں ۔

یہ قول ابونعیم نے حلیہ (۸۲/۱) میں اختلاف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے ۔

(۳۰) طوبی للزاهدین فی الدنیا — پاکیزگی ہے دنیا سے منہ موڑنے

الراغبین فی الآخرۃ ۔ (۱۷۳/۳) والوں اور آخرت سے رغبت رکھنے والوں کے لیے ۔

یہ ارشاد ابونعیم نے حلیہ (۷۹/۱) میں اور شیخ صدوق نے اکمال الدین (بحار ۱۰۵/۱۷) میں نقل کیا ہے ۔

(۳۱) ان اللہ افترض علیکم الفرائض فلا تضیعوھا ۔ الخ ۔ بے شک اللہ نے تم پر کچھ فرائض مقرر کیے ہیں ، تم انہیں ضائع مت کرنا ۔

یہ قول شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۳۲۵) میں نقل کیا ہے ۔

(۳۲) لقد علق بنیاط ھذا الانسان بضعة ، ھی أعجب ما فیه وذلک القلب ۔ الخ (۱۷۵/۳) اس انسان کے اعصاب میں ایک گوشت کا لوتھڑا لٹکایا گیا ہے جس میں ایک تعجب انگیز چیز ہے اور وہ دل ہے ۔

یہ قول الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۲۰) میں اور شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۷۳) میں نقل کیا ہے ۔

(۳۳) نحن النمرقة الوسطیٰ ، بھا یلحق التالی و الیھا یرجع الغالی ۔ (۱۷۶/۳) ہم درمیانی تکیہ ہیں ۔ اس سے آ ملتا ہے پیچھے آنے والا ، اور اسی کی طرف لوٹتا ہے آگے بڑھ جانے والا ۔

یہ قول ابوعبید نے غریب الحدیث (ورق ۲۰۳ ۔ الف) میں ، المفضل الکوفی نے کتاب الفاخر (صفحہ ۱۷۶) میں ، ابن قتیبہ نے عیون (۳۲۶/۱) میں ، ابن عبدربہ نے العقد (۲۵۰/۱ و ۳۴۳) میں اور ابن شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۴۳) میں بہ تغیر الفاظ نقل کیا ہے ۔

ان کے علاوہ کلینی نے اصول کافی (صفحہ ۱۷۳) میں اور ابوسعید الابی متوفی ۴۲۲ھ (۱۰۳۱ع) نے نثرالدرر (بحار ۱۶۷/۱۷) میں امام محمد باقر کی زبان سے یوں نقل کیا ہے : ''اتقوا اللہ ، شیعة آل محمد و کونوا النمرقة الوسطی یرجع الیکم الغالی و یلحق بکم التالی ۔''

(۳۴) من أحبنا أھل البیت فلیستعد للفقر جلبابا ۔ (۱۷۶/۳) جو ہم اہل بیت سے محبت کرے ، اسے چاہیے کہ فقر کو اپنی چادر بنا لے ۔

یہ قول ابو عبید نے غریب الحدیث (ورق ۲۰۱ - الف) میں اور ابن قتیبہ نے غریب الحدیث (امالی سید مرتضی ۱۳/۱) میں نقل کیا ہے -

(۳۵) لا مال أعود من العقل - الخ عقل سے زیادہ مفید کوئی مال نہیں -
(۱۷۷/۳)

یہ قول الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۲۰) میں اور کلینی نے فروع کافی (کتاب الروضہ ۱۰/۳) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۹۱) میں نقل کیا ہے -

(۳۶) کم من مستدرج بالاحسان الیہ - بہت سے لوگ انعام الٰہی کے باعث
الخ (۱۷۸/۳ و ۱۶۰) تباہ ہو رہے ہیں -

یہ قول الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۴۷) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۲۸۳) میں نقل کیا ہے -

(۳۷) ''مثل الدنیا کمثل الحیة لین دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے جو
مسھا -'' (۱۷۸/۳) چھونے میں نرم ہوتا ہے -

یہ قول ابن درید نے المجتنٰی (صفحہ ۳۲) میں اور ابوحیان التوحیدی نے کتاب البصائر (ورق ۱۰۰ الف) میں نقل کیا ہے -

(۳۸) کان الموت علی غیرنا کتب - گویا موت ہمارے سوا دوسروں پر
الخ (۱۷۹/۳) مقرر کی گئی ہے -

یہ قول علی بن ابراہیم القمی نے اپنی تفسیر (بحار ۱۰۴/۱۷) میں نقل کیا ہے اور ابونعیم نے حلیة الاولیا (۲۰۳/۴) میں اسے قول نبوی بتایا ہے -

(۳۹) طوبیٰ لمن ذل فی نفسہ و طاب مبارک ہے وہ جس کا نفس خاکسار
کسبہ - (۱۷۹/۳) ہے اور معیشت پاک ہے -

یہ قول علی بن ابراہیم القمی نے اپنی تفسیر (بحار ۱۰۴/۱۷) میں اور کلینی نے اصول کافی (صفحہ ۱۸۷) میں نقل کیا ہے - اور ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ (۱۲۴۰ع) نے محاضرة الابرار (صفحہ ۱۰۸) میں اپنی خاص سند سے بحیثیت قول نبوی درج کیا ہے ، جس سے سید رضی کے اس قول کی تائید ہو جاتی ہے کہ بعض اصحاب اسے قول رسول بتاتے ہیں -

(۴۰) لانسبن الاسلام نسبةً لم ینسبھا میں اسلام کا ایسا نسب بتاؤں گا جو
أحد قبلی - الاسلام ھو التسلیم - مجھ سے پہلے کسی نے نہ بتایا ہوگا -

و التسلیم هو الیقین ، و الیقین هو التصدیق ، و التصدیق هو الاقرار ، والاقرار هو الاداء والاداء هوالعمل- (۱۸۰/-)

اسلام نام ہے تسلیم کا اور تسلیم یقین کو کہتے ہیں ، اور یقین بعینہ تصدیق ہے ، اور تصدیق ہی اقرار ہے ، اور اقرار کہتے ہیں ادا کرنے کو ، اور ادا کرنا عمل پیرا ہونے کا نام ہے -

یہ قول البرقی نے کتاب المحاسن (ورق ۸۵ ب) میں ، شیخ صدوق نے معانی الاخبار (صفحہ ۵۰) اور امالی (مجلس ۵۶) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۳۳۳) میں نقل کیا ہے -

(۳۱) یا أهل الدیارالموحشة والمحال المقفرة والقبورالمظلمة، یا اهل التربة، یا أهل الغربة ، یا أهل الوحشة ، أنتم لنا فرط سابق و نحن لکم تبع لاحق - (۱۸۱/۳)

اے وحشت ناک گھروں اور سنسان جگہوں اور اندھیری قبروں کے رہنے والو ! اے مٹی کے باشندو! اے مسافرو ! اے وحشت والو! تم ہمارے لیے آگے پہنچ جانے والے ہو اور ہم تمہارے لیے پیچھے آنے والے ہیں -

یہ کلام جاحظ نے البیان (۹۴/۲) میں ، ابن مزاحم الکوفی نے کتاب الصفین (صفحہ ۲۸۹) میں ، طبری نے اپنی تاریخ (۳۴/۶) میں ، ابن عبدربہ نے العقد (۶/۲) میں ، البیہقی نے کتاب المحاسن (۳۲/۲) میں ، شیخ مفید نے الامالی (بحار ۱۲۵/۱۷) میں ، شیخ صدوق نے کتاب الامالی (مجلس ۲۳) میں ، شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۳۵) میں اور ابوحیان التوحیدی نے کتاب البصائر (۱۳۸) میں بہ اختلاف الفاظ نقل کیا ہے -

(۳۲) أیها الذام للدنیا ، المغتر بغرورها ، المخدوع بأباطیلها ، أتفتر بالدنیا ، ثم تذمها - (۱۸۱/۳)

اے دنیا کی مذمت کرنے والے ، مگر اُس سے دھوکا کھائے ہوئے ، اور اس کی جھوٹی باتوں میں آئے ہوئے! کیا تو دنیا سے دھوکا بھی کھاتا جاتا ہے اور اُس کی مذمت بھی کرتا جاتا ہے ؟

یہ قول جاحظ نے البیان (۲۱۹/۱) میں ، ابن قتیبہ نے عیون (۳۲۹/۲) میں ،

الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۳۰) میں ، البیہقی نے کتاب المحاسن (۲/۳۳) میں ، شیخ مفید نے امالی (بحار ۱۲۵/۱۷) اور الارشاد (صفحہ ۱۷۱) میں ، الحسین بن سعید نے اپنی کتاب النوادر میں (بحار ۳۰۲/۱۷) میں ، ابن الشیخ نے اپنی امالی (صفحہ ۲۶) میں اور ابوحیان التوحیدی نے کتاب البصائر (ورق ۶۹ - ب) میں نقل کیا ہے -

(۴۳) الدنیا دار ممرلا دار مقر (۱۸۳/۳) دنیا گذرگاہ ہے ، قیام گاہ نہیں -

یہ ارشاد ابن درید نے المجتنیٰ (صفحہ ۳۲) میں نقل کیا ہے -

(۴۴) الصلوۃ قربان کل تقی - آہ نماز ہر پرہیزگار کی قربانی ہے -
(۱۸۴/۳)

(۴۵) استنزلوا الرزق بالصدقۃ - صدقہ دے کر رزق اترنے کی تمنا
(۱۸۵/۳) کرو -

(۴۶) تنزل المعونۃ علی قدرالمؤونۃ - مدد (الٰہی) مشقت کے بقدر نازل
(۱۸۵/۳) ہوتی ہے -

(۴۷) ما أعال من اقتصد - (۱۸۵/۳) - وہ شخص مفلس نہیں ہوتا جو درمیانی چال چلتا ہے -

یہ اقوال ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیا (۱۹۴/۳) میں بنام امام جعفر صادق نقل کیے ہیں -

(۴۸) قلۃ العیال أحد الیسارین - اولاد کی کمی ایک قسم کی دولت
(۱۸۵/۳) - ہے -

یہ قول شیخ صدوق نے امالی (مجلس ۶۸) میں اور الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۵۰ و ۵۲) میں بنام امیرالمومنین اور ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیا (۱۹۴/۳) میں بنام امام جعفر صادق نقل کیا ہے -

(۴۹) ینزل الصبر علی قدر المصیبۃ - مصیبت کے بقدر صبر کا نزول ہوتا ہے -

یہ قول ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیا (۱۹۴/۳) میں بنام امام جعفرصادق نقل کیا ہے -

(۵۰) سوسوا ایمانکم بالصدقۃ - آہ صدقے کے ذریعے اپنے ایمان کی
(۱۸۶/۳) حفاظت کرو -

یہ قول بھی ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیا (۱۹۳/۳) میں بنام امام جعفر صادق نقل کیا ہے۔

(۵۱) یا کمیل ، ان ہذہ القلوب أوعیة فخیرها أوعاها ۔ الخ (۱۸۶/۳ و ۱۸۷)
اے کمیل ! بے شک یہ دل برتن ہیں ۔ پس ان میں سے اچھا وہ ہے جو (اچھی باتوں کو) زیادہ محفوظ رکھتا ہے۔

یہ پوری وصیت ابونعیم نے حلیۃ الاولیا (۷۹/۱) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۱۳) میں اور اس کے مختلف اجزا ابن عبدربہ نے العقد (۲۰۰/۱) میں ، شیخ مفید نے الارشاد (۱۳۳) میں اور البیہقی نے کتاب المحاسن (۷۵/۲) میں نقل کیے ہیں ۔ ابن عبدالربہ نے مختصر جامع بیان العلم (۱۶۹) میں لکھا ہے کہ یہ قول مرتضوی اہل عام میں اتنا مشہور ہے کہ اس کی سند بیان کرنا بیکار ہوگا ۔ نیز ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ (۱۳۷۳ع) نے کتاب البدایہ و النہایۃ (ج ۹ ، صفحہ ۴۷) میں لکھا ہے کہ ''رواہ جماعة من الحفاظ الثقات'' (اسے ثقہ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے)۔

(۵۲) المرء مخبوء تحت لسانہ ۔ (۱۸۹/۳)
انسان اپنی زبان کے نیچے پوشیدہ ہوتا ہے۔

شیخ صدوق نے امالی (مجلس ۶۸) میں ، شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۷۳) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۳۱۵) میں نقل کیا ہے۔

(۵۳) ہلک امرؤ لم یعرف قدرہ ۔ (۱۸۹/۳)
جس نے اپنی قدر نہ جانی ، وہ تباہ ہو گیا۔

یہ قول شیخ صدوق نے امالی (مجلس ۶۸) میں بنام امیرالمومنین اور ابن مسکویہ نے جاویدان خرد (۹۲ ب) میں بہ حیثیت قول نبوی نقل کیا ہے۔

(۵۴) لا تکن ممن یرجوا الاخرة بغیر العمل۔ (۱۸۹/۳)
آخرت (کی بھلائی) کی امید بغیر عمل کے مت رکھو۔

یہ قول ابن درید نے المجتنیٰ (صفحہ ۳۰) میں اور الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۳۹) میں نقل کیا ہے۔

(۵۵) من وضع نفسہ مواضع التہمة فلا یلومن من أساء بہ الظن ۔ (۱۹۲/۳)
جس نے اپنے آپ کو تہمت کی جگہ رکھ دیا ، وہ سوء ظن کرنے والے

کو ملامت نہ کرے ۔

یہ قول شیخ صدوق نے امالی (مجلس ۵۰) میں ، الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۵۲) میں ، کلینی نے فروع کافی (۳/۳۷ کتاب الروضہ) ، اور شیخ مفید نے کتاب الاختصاص (بحار ۱۲۵/۱۷) میں بنام امیرالمومنین اور البیہقی نے المحاسن (۵۷/۲) میں بہ حیثیت قول نبوی نقل کیا ہے ۔

(۵۰) من کتم سرہ کانت الخیرۃ بیدہ ۔ (۱۹۲/۳) جس نے اپنا بھید چھپایا وہ اپنے ہاتھ میں اختیار رکھتا ہے ۔

یہ قول واقدی نے فتوح الشام (صفحہ اول کتاب المستقصی فی الامثال ، قلمی ، محفوظ در کتاب خانۂ رام پور) میں اور جاحظ نے کتاب العیون (۶۰/۵) میں حضرت عمر سے ۔ کلینی نے فروع کافی (۳/۳۷) میں ، شیخ مفید نے کتاب الاختصاص میں ، الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۵۲) میں حضرت علی سے اور البیہقی نے المحاسن (۵۷/۲) میں رسول پاک سے نقل کیا ہے ۔

(۵۷) الفقرالموت الاکبر ۔ (۱۹۲/۳) ناداری سب سے بڑی موت ہے ۔

یہ ارشاد الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۵۰) میں نقل کیا ہے ۔

(۵۸) لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق ۔ (۱۹۳/۳) کسی مخلوق کی اطاعت خالق کی نافرمانی کرکے نہیں ہوگی ۔

یہ قول امام احمد بن حنبل متوفیٰ ۲۴۱ھ (۸۵۵ع) نے اپنی سند میں اور الحاکم نے اپنی مستدرک میں نقل کیا ہے (الجامع الصغیر السیوطی ۳۵۲/۲) ۔

(۵۹) الناس أعداء ماجهلوا ۔ (۱۹۳/۳) لوگ اُس چیز کے دشمن ہوتے ہیں جسے نہیں جانتے ۔

یہ قول ثعالبی نے الایجاز والاعجاز (صفحہ ۸) میں ، شیخ مفید نے الامالی (بحار ۱۰۷/۱۷) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۳۱۵) میں بہ تغیر الفاظ نقل کیا ہے ۔

(۶۰) من استقبل وجوہ الآراء عرف مواقع الخطا ۔ (۱۹۳/۳) جو شخص اچھی رایوں کا استقبال کرے گا وہی غلطیوں کے مقامات کو پہچان سکے گا ۔

یہ قول ابن درید نے المجتنیٰ (۳۵) میں اور کلینی نے فروع الکافی (۱۱/۳

کتاب الروضہ) میں ایک طویل خطبے کے ضمن میں نقل کیا ہے۔

(٦١) یابن آدم ماکسبت فوق قوتک فأنت فیہ خازن لغیرک۔ (٣/١٩٦)

اے آدم کے بیٹے ! جو تو نے اپنے قوت (روزی) سے زیادہ کمایا ہے اُس میں تو دوسرے کا خزینہ دار ہے۔

یہ قول ابن قتیبہ کی عیون (٢/٣٧١) میں موجود ہے۔

(٦٢) ان القلب اذا اکرہ عمی۔ (٣/١٩٧)

بے شک جب دل کو مجبور کیا جائے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے۔

یہ قول مبرد نے کامل (٢/٢) میں نقل کیا ہے۔

(٦٣) لم یذھب من مالك ما وعظک۔ (٣/١٩٧)

تیرے مال کا وہ حصہ ضائع نہیں گیا جس سے تجھے نصیحت حاصل ہوگئی۔

یہ قول بھی مبرد کی کامل (١/١٢٠) میں موجود ہے۔

(٦٤) ان ھذہ القلوب تمل کما تمل الابدان فابتغوا لھا طرائف الحکمۃ (٣/١٩٧)

بدن کی طرح دل بھی ملول ہوتے ہیں لہذا ان کے لیے دانائی کی نادر باتیں ڈھونڈھتے رہا کرو۔

یہ قول کلینی نے اصول الکافی (١٢) میں اور ابن عبدربہ نے العقد(٣/٣٢٠) میں معمولی فرق کے ساتھ نقل کیا ہے۔ مبرد نے الکامل (صفحہ ٦٦٨ طبع جدید) میں اسے ابن مسعود کا قول بتایا ہے۔

(٦٥) أیھا الناس ، اتقواللہ الذی ان قلتم سمع و ان أضمرتم علم۔ الخ (٣/١٩٩)

لوگو ! اللہ سے ڈرو جو سنتا ہے جب تم کہتے ہو ، اور جانتا ہے جب تم چھپاتے ہو۔

یہ کلام بھی مبرد نے الکامل (١/٢٢٣) میں نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ کسی خطبے کا ٹکڑا ہے۔

(٦٦) اول عوض الحلیم من حلمہ أن الناس انصارہ علی الجاہل (٣/١٩٩)

بردبار کی بردباری کا پہلا بدلہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ جاہل کے مقابلے میں اس کے مددگار بن جاتے ہیں۔

یہ قول ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (١/٢٨٥) میں اور ابن عبدربہ نے العقد (١/٢١٨) میں نقل کیا ہے۔

(٦٧) اتقوالله تقية من شمر تجريداً - (٣/٢٠٠)
الله سے اُس شخص کی طرح ڈرو جو تنہا سفر کے لیے پائنچے چڑھاتا ہے۔

یہ قول ابن درید نے المجتنٰی (صفحہ ٣٤) اور الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ٣٦) میں نقل کیا ہے۔

(٦٨) الجود حارس الاعراض و العلم فدام السفیه - الخ (٣/٢٠٠)
سخاوت آبروؤں کی محافظ ہے اور علم بیوقوف کے منہ کا بندھن ہے۔

یہ کلام ابن درید نے المجتنٰی (٣٥ و ٣٦) میں نقل کیا ہے۔

(٦٩) قد خاطر من استغنی برایہ و اشرف الغنی ترک المنی والمودة قرابة مستفادة - (٣/٢٠١)
جس نے صرف اپنی رائے پر بھروسا کیا، وہ خطرے میں پڑ گیا۔ شریف ترین توانگری ترک آرزو ہے اور دوستی قابل استفادہ رشتہ داری ہے۔

یہ اقوال کلینی نے فروع الکافی (٣/ کتاب الروضہ ١١) میں نقل کیے ہیں۔

(٧٠) عجب المرء بنفسہ أحد حساد عقلہ - (٣/٢٠١)
انسان کا برخود غلط ہونا اس کی عقل کا حاسد (دشمن) ہے۔

یہ قول ابن درید نے المجتنٰی (٣٦) میں نقل کیا ہے۔

(٧١) من لان عودہ، کثفت أغصانہ - (٣/٢٠١)
جس شخص کی لکڑی تروتازہ ہوگی، اس کی شاخیں گھنی ہوں گی۔

(٧٢) الخلاف یهدم الرأی - (٣/٢٠٢)
اختلاف رائے کو ڈھا دیتا ہے۔

یہ دونوں قول بھی ابن درید نے المجتنٰی (٣٦) میں نقل کیے ہیں۔

(٧٣) من نال استطال - (٣/٢٠٢)
جس نے دیا، وہ اونچا ہوا۔

(٧٤) فی تقلب الاحوال علم جواہر الرجال (٣/٢٠٢)
لوگوں کے جوہر حالات کے بدلنے میں معلوم ہوتے ہیں۔

یہ دونوں قول ابن درید نے المجتنٰی (٣٦) میں اور کلینی نے فروع کافی (٣/١١ کتاب الروضہ) میں نقل کیے ہیں۔

(٧٥) حسد الصدیق من سقم المودة -
دوست کا حسد دوستی کے نقصان کے باعث ہوتا ہے۔

(٧٦) اکثر مصارع العقول تحت بروق المطامع -
بیشتر لالچ کی بجلیوں کے نیچے عقلیں کھیت رہتی ہیں۔

(۷۷) ليس من العدل القضاء علىٰ الثقة بالظن ۔	گمان پر بھروسا کرکے فیصلہ کر دینا انصاف نہیں ہے ۔
(۷۸) بئس الزاد الى المعاد العدوان على العباد ۔	لوگوں پر ظلم و زیادتی آخرت کی بری زاد راہ ہے ۔
(۷۹) من اشرف افعال الکریم غفلته عما يعلم ۔	جواں مرد کا شریف کام یہ ہے کہ جو کچھ معلوم ہے اس سے غفلت برتے ۔
(۸۰) من کساه الحياء ثوبه ، لم ير الناس عيبه ۔	جسے حیا اپنا کپڑا پہنا دے گی، لوگ اس کے عیب نہ دیکھ سکیں گے ۔

یہ سب اقوال جو نہج کی جلد سوم کے صفحہ ۲۰۲ میں درج ہیں ، ابن درید نے المجتنیٰ (۳٦) میں نقل کیے ہیں اور آخری قول کلینی نے فروع کافی (۱۱/۳ کتاب الروضہ) میں روایت کیا ہے ۔

(۸۱) بکثرة الصمت تکون الهيبة ۔ الخ (۲۰۲/۳)	زیادہ چپ رہنے سے ہیبت قائم رہتی ہے ۔
(۸۲) العجب لغفلة الحساد عن سلامة الاجساد (۲۰۳/۳)	تعجب ہے کہ حاسد صحت بدن کی طرف سے غافل رہتے ہیں ۔
(۸۳) الطامع فی وثاق الذل ۔ (۲۰۳/۳)	لالچی ذلت کی قید میں رہتا ہے ۔

یہ دونوں قول بھی ابن درید نے المجتنیٰ (۳۷) میں نقل کیے ہیں ۔

(۸۴) الایمان معرفة بالقلب ، و اقرار باللسان ، و عمل بالارکان ۔ (۲۰۳/۳)	ایمان دل سے پہچاننا ، زبان سے اقرار کرنا اور ہاتھ پاؤں سے عمل کرنا ہے ۔

اس قول کو شیخ صدوق نے امالی (مجلس ۵۴) میں اور شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۲۸٦) میں بہ حیثیت قول نبوی نقل کیا ہے ۔

(۸۵) قال فی قوله تعالی ۔ ان الله یامر بالعدل والاحسان ، العدل الانصاف والاحسان التفضل (۲۰۴/۳)	اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے ، تو عدل انصاف ہے اور احسان مہربانی کرنا ہے ۔

یہ قول ابن قتیبہ کی عیون الاخبار (۱۹/۳) میں نقل ہوا ہے ۔

(۸٦) لا تدعون الی مبارزة و ان دعيت — کسی کو مقابلہ کے لیے کبھی مت

اليها فاجب - (٣/٢٠٣)

بلانا اور اگر تجھے مقابلہ کے لیے بلایا جائے تو اُسے قبول کرنا -

یہ قول ابن قتیبہ کی عیون الاخبار (١/١٢٨) میں بہ اختلاف الفاظ موجود ہے -

(٨٧) هذا الخطيب الشحشح - (٣/٢١١)

یہ ماہر تقریر کرنے والا ہے -

یہ قول ابوعبید نے غریب الحدیث (ورق ١٩٧ - الف) میں اور طبری نے اپنی تاریخ (٥/١٩٣) میں نقل کیا ہے -

(٨٨) ان الايمان يبدو لمظة فى القلب، كلما زادالايمان، ازدادت اللمظة - (٣/٢١٣)

ایمان پہلے دل میں ایک سفید نقطہ ہوتا ہے، پھر جتنا ایمان بڑھتا ہے، یہ سفیدی بھی بڑھتی ہے -

یہ قول بھی ابو عبید نے غریب الحدیث (ورق ٣٠٠ - ب) میں نقل کیا ہے -

(٨٩) یابن آدم لا تحمل هم يومك الذى لم يأتك على يومك الذى قد أتاك - (٣/٢١٧)

اے آدمی! اُس دن کے غم کو جو ابھی نہیں آیا، اُس دن کی بنیاد پر مت لاد جو آ چکا ہے -

یہ قول ابن قتیبہ نے عیون (٢/٣٧١) میں اور مبرد نے کامل (١/٩٢) میں نقل کیا ہے -

(٩٠) أحبب حبيبك هوناً ما عسىٰ أن يكون بغيضك يوماً ما - الخ (٣/٢١٧)

اپنے دوست سے بہ حد مناسب محبت کرو، ممکن ہے کسی دن وہ دشمن ہو جائے -

یہ قول حدیث نبوی کی حیثیت سے ترمذی متوفی ٢٧٩ھ (٨٩٢ع) نے کتاب الجامع میں، الطبرانی متوفی ٣٦٠ھ (٩٧١ع) نے المعجم الصغیر میں اور الدارقطنی متوفی ٣٨٥ھ (٩٩٥ع) نے الافراد میں درج کیا ہے - اور بہ حیثیت قول مرتضوی بخاری متوفی ٢٥٦ھ (٨٧٠ع) نے الادب المفرد (صفحہ ١٩١) میں، البلاذری نے انساب الاشراف (٥/٩٥) میں، القالی نے امالی (٢/٢٠٦) اور کتاب النوادر (صفحہ ١٧٣) میں، ابو الطیب محمد بن احمد الوشاء النحوی متوفی ٣٢٥ھ (٩٣٧ع) نے کتاب الموشی (صفحہ ٢٠) میں، الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ٤٧) میں، العسکری نے جمہرة الامثال (صفحہ ٩٣) میں اور ابن شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ٧٩) میں نقل کیا ہے -

(۹۱) کان لی فی ما مضیٰ أخ فی اللہ - الخ (۲۲۳/۳)
زمانۂ گزشتہ میں میرا ایک اللہ واسطے کا بھائی تھا -

یہ ارشاد الحرانی نے تحف العقول (بحار ۱۷/۱۴۵) میں بنام امیر لمومنین اور کلینی نے اصول الکافی (صفحہ ۲۱۰) میں بالاختصار بنام امام حسن علیہ السلام نقل کیا ہے -

(۹۲) یا أشعث ! ان تحزن علی ابنک فقد استحقت منک ذلک الرحم - (۲۲۴/۳)
اے اشعث! اگر تو اپنے بیٹے پر غم کھائے تو بےشک تجھ سے رشتہ کا یہی تقاضا ہے -

یہ تعزیتی کلمات ابن قتیبہ نے عیون (۶۱/۳) میں اور الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۴۶) میں اور ابن عبدربہ نے العقد (۳۳/۲) میں بہ اختلاف الفاظ نقل کیے ہیں -

(۹۳) لاتصحب المائق فانہ یزین لک فعلہ ویود أن تکون مثلہ - (۲۲۵/۳)
نادان سے دوستی مت کر کیونکہ وہ اپنا کام تجھے آراستہ کرکے دکھائے گا اور یہ چاہے گا کہ تو بھی ویسا ہی ہو جائے -

یہ قول ابن قتیبہ نے عیون (۷۹/۳) میں ، الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۴۸) میں اور شیخ صدوق نے مصادقۃ الاخوان (صفحہ ۵۲) میں نقل کیا ہے -

(۹۴) امیر المومنین سے سوال کیا گیا کہ مشرق و مغرب کے درمیان کا فاصلہ کتنا ہے - اس کا آپ نے جواب دیا :

"مسیرۃ یوم للشمس -" (۲۲۵/۳)
سورج کا ایک دن کا راستہ -

یہ ارشاد ابن عبدربہ نے العقد (۲۱۵/۱) میں ، ابوحیان توحیدی نے کتاب البصائر (۶۸ ، الف) میں اور سید مرتضیٰ نے امالی (۱۹۸/۱) میں نقل کیا ہے -

(۹۵) و فی القرآن نبأ ما قبلکم ، خبر ما بعد کم و حکم ما بینکم - (۲۲۸/۳)
قرآن میں تم سے پہلوں کی خبر ، پچھلوں کی اطلاع اور تمہارے مابین واقعات کے احکام ہیں -

یہ قول ابن عبدربہ نے العقد (۲۰۸/۱) میں نقل کیا ہے -

(٩٦) أنا يعسوب المؤمنين والمال يعسوب الفجار - (٢٢٩/٣)
میں مومنوں کا سردار ہوں اور مال فاسقوں کا سردار ہے -

یہ قول ابوالقاسم الزجاجی نے کتاب الامالی (صفحہ ١٩) میں ، شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ٣٣١) میں اور ابن شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ٦) میں اور شیخ صدوق نے اکمال الدین (بحار ١٧/٣٠٧) میں نقل کیا ہے -

(٩٧) ارجع فان مشی مثلک مع مثلی فتنة للوالی و مذلة للمومن - (٢٣٠/٣)
واپس ہو جا ، کیونکہ تجھ جیسے کا مجھ جیسے شخص کے ساتھ چلنا حاکم کے لیے فتنہ اور مومن کے لیے ذلت ہے -

یہ قول طبری نے تاریخ (٦/٣٥) میں نقل کیا ہے -

(٩٨) ان حزننا علیہ علی قدر سرورهم بہ ألا انهم نقصوا بغیضاً و نقصنا حبیباً - (٢٣٠/٣)
ہم محمد بن ابی بکر پر اتنا ہی رنجیدہ ہیں جتنے وہ (دشمن) خوش ہیں - کیونکہ انہوں نے دشمن اور ہم نے دوست کھویا ہے -

یہ قول ابراہیم الثقفی نے کتاب الغارات (ابن ابی الحدید ١/٢٩٣) میں نقل کیا ہے -

(٩٩) المومن بشرہ فی وجهہ و حزنہ فی قلبہ - (٢٣٢/٣)
ایمان والے کی خوشی اُس کے چہرے میں اور رنج اُس کے دل کے اندر ہوا کرتا ہے -

یہ ارشاد کلینی نے اصول الکافی (صفحہ ٢٠٨) میں اور شیخ صدوق نے امالی (بحار ١٧/٢٨٨ و ٢٨٩) میں بہ اختلاف الفاظ نقل کیا ہے -

(١٠٠) الداعی بلا عمل کالرامی بلا وتر - (٢٣٢/٣)
بے عمل دعا کرنے والا ایسا ہے جیسا بے تانت کی کمان سے تیر چلانے والا -

یہ قول ابو نعیم نے حلیة الاولیا (٣/١٩٣) میں بنام امام جعفر صادق نقل کیا ہے -

(١٠١) أشد الذنوب ما استهان بہ صاحبہ - (٢٣٥/٣)
سخت ترین گناہ وہ ہے جسے گناہ گار معمولی جانے -

یہ قول ابن المعتز نے کتاب البدیع (صفحہ ۳۷) میں اور ابو ہلال عسکری نے الصناعتین (صفحہ ۲۴۰) میں معمولی اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(۱۰۲) من نظر فی عیب نفسه اشتغل عن عیب غیره۔ الخ (۲۳۵/۳) — جو اپنی ذات کے عیب دیکھے گا وہ دوسروں کے عیب نظر انداز کرے گا۔

یہ کلام کلینی نے فروع کافی (۱۰/۳) میں اور الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۱۹ و ۲۰) میں نقل کیا ہے۔

(۱۰۳) امیر المومنین کے سامنے کسی شخص نے دوسرے شخص کو بیٹے کے پیدا ہونے کی مبارک باد دی۔

لیھنئک الفارس۔ (۲۳۶/۳) — شہسوار مبارک ہو!

اس کو سن کر ارشاد فرمایا ''لا تقل ذلک۔'' الخ۔

یہ قول الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۵۵) میں بہ حیثیت قول امام حسن نقل کیا ہے۔

(۱۰۴) لا تظنن بکلمة خرجت من أحد سوءً و أنت تجدلها فی الخیر محتملاً۔ (۲۳۸/۳) — کسی شخص کی اُس بات پر سوء ظن مت کر جس میں کوئی اچھا احتمال نکل سکتا ہو۔

شیخ صدوق نے امالی (مجلس ۵۰) میں، شیخ مفید نے کتاب الاختصاص (بحار ۱۲۵/۱۷) میں اور کلینی نے اصول الکافی (صفحہ ۳۳۶) میں امیرالمومنین سے اور البیہقی نے کتاب المحاسن (۵۷/۲) میں نبی علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔

(۱۰۵) یاأیھا الناس متاع الدنیا حطام موبیٔ۔ الخ (۲۳۹/۳) — لوگو! دنیا کا مال ہلاکت آفریں ہے۔

یہ قول الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۵۲) میں نقل کیا ہے۔

(۱۰۶) لا شرف أعلی من الاسلام۔ الخ (۲۴۲/۳) — اسلام سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں۔

یہ وصیت الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۲۰) میں، کلینی نے فروع کافی (۱۰/۳ کتاب الروضہ) میں اور شیخ صدوق نے امالی (مجلس ۵۲) میں نقل کی ہے۔

(۱۰۷) یا جابر قوام الدین والدنیا اربعة ۔ الخ (۳/۳۳۲) — اے جابر ! دین اور دنیا دونوں کا قوام چار قسم کے لوگ ہیں ۔

یہ قول ابن مسکویہ نے جاویدان خرد (ورق ۹۵ ب) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۰۸) الرزق رزقان : رزق تطلبه و رزق یطلبک الخ ۔ (۳/۳۳۵) — رزق دو قسم کے ہوتے ہیں : ایک وہ ہے جسے تو ڈھونڈھتا ہے ، اور دوسرا وہ ہے جو تجھے تلاش کرتا ہے ۔

یہ کلام ابن عبدربہ نے العقد (۱/۳۹۰) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۰۹) و کل نعیم دون الجنة فهو محقور ۔ (۳/۳۳۷) — ہر نعمت بغیر جنت کے حقیر ہے ۔

یہ قول کلینی نے فروع الکافی (۳/۱۰ کتاب الروضہ) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۱۰) للمومن ثلث ساعات ۔ الخ (۳/۳۳۷) ۔ — مومن کے لیے تین گھڑیاں ہوتی ہیں ۔

یہ ارشاد شیخ الطائفہ نے امالی (صفحہ ۹۱) میں اور الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۳۷) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۱۱) المنیة ولا الدنیة ۔ الخ (۳/۳۸۳) — موت قبول ، ذلت نا منظور ۔

یہ ارشاد الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ۲۰ و ۳۸) میں ، کلینی نے فروع الکافی (۳/۱۰ کتاب الروضہ) میں اور شیخ مفید نے الارشاد (صفحہ ۱۷۲) میں بہ اختلاف الفاظ نقل کیا ہے ۔

(۱۱۲) سئل عن معنی قولهم ''لاحول ولا قوة الا باللہ'' ۔ قال انا لا نملک مع اللہ شیئاً ۔ (۳/۲۵۰) — آپ سے لاحول ''ولا قوة الا باللہ'' کے معنی پوچھے گئے تو فرمایا ہم اللہ کے ساتھ کسی شے کی ملکیت میں شریک نہیں ہیں ۔

یہ قول ابن درید نے المجتنیٰ (صفحہ ۳۰) میں نقل کیا ہے ۔

(۱۱۳) و قال لقائل ، قال بحضرته ''استغفراللہ'' ثکلتک أمک أتدری ما الاستغفار ؟ الخ (۳/۲۵۲) ۔ — کسی نے حضرت کے روبرو ''استغفر اللہ'' کہا ۔ اس پر آپ نے فرمایا : بدنصیب ! تو یہ بھی جانتا ہے کہ استغفار کیا چیز ہے ؟

یہ قول الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ٣٦) میں نقل کیا ہے ۔

(١١٤) من اصلح سریرته ، أصلح الله علانیته ۔ (٢٥٤/٣)

جس نے اپنا باطن سنوار لیا ، اللہ اُس کا ظاہر سنوار دے گا ۔

یہ قول شیخ صدوق نے امالی (مجلس ٩) میں نقل کیا ہے ۔

(١١٥) ان أولیاء الله هم الذین نظروا إلی باطن الدنیا اذا نظر الناس إلی ظاهرها ۔ الخ (٢٥٦/٣) ۔

بے شک اللہ کے دوست وہ ہیں جو دنیا کے باطن کو دیکھتے ہیں جب کہ اور لوگ اُس کے ظاہر ہی کو دیکھتے ہیں ۔

یہ قول ابو نعیم نے حلیہ (١٠/١) میں عیسیٰ علیہ السلام کے قول کے طور پر اور شیخ مفید نے مجالس (بحار ٣١٩/١٧) میں بہ حیثیت ارشاد علوی نقل کیا ہے ۔

(١١٦) مالك وما مالك ؟ لوکان جبلاً لکان فنداً ۔ الخ (٢٥٨/٣)

مالک ، کون مالک ؟ اگر وہ پہاڑ ہوتا تو بڑا پہاڑ ہوتا ۔

یہ قول ابو عمر الکندی متوفی ٣٥٠ھ (٩٦١ع) نے کتاب الولاۃ (صفحہ ٢٤) میں نقل کیا ہے ۔

(١١٧) الایمان أن تؤثر الصدق حیث یضرک علی الکذب حیث ینفعک ۔ الخ (٢٦١/٣)

ایمان یہ ہے کہ سچ کو ، جب کہ وہ ضرر دے رہا ہو ، جھوٹ پر ترجیح دے ، جب کہ اس سے فائدہ پہنچ سکتا ہو ۔

یہ قول الحرانی نے تحف العقول (صفحہ ٥١) میں اور البرقی نے کتاب المحاسن (٨٧ ۔ الف) میں امام جعفر صادق کا قول کہہ کر نقل کیا ہے ۔

(١١٨) یهلك فی رجلان : محب غال و مبغض قال ۔ (٢٦٤/٣)

میرے معاملے میں دو قسم کے انسان ہلاک ہو گئے : غلو کے ساتھ محبت کرنے والے اور کینہ رکھنے والا دشمن ۔

یہ قول شیخ صدوق نے امالی (مجلس ٨٩) اور البیهقی نے المحاسن (٢٩/١) میں نقل کیا ہے ۔

(١١٩) شرالاخوان من تکلف له ۔ (٢٦٦/٣) ۔

سب سے برا بھائی وہ ہے جس کے لیے تکلف کرنا پڑے ۔

یہ قول ابوحیان التوحیدی نے کتاب فی الصداقۃ و الصدیق (صفحہ ۱۸٦) اور کتاب البصائر (ورق ۳۷ الف) میں نقل کیا ہے۔

جامعین خُطب وغیرہ :

نہج البلاغہ کی جمع و ترتیب سے پہلے جن اصحاب نے امیرالمومنین کے خطبوں اور خطوں وغیرہ کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا تھا، اُن میں سے اکثر کے حوالے اوپر گزر چکے ہیں۔ ذیل میں اُن مصنفوں کے نام پیش کرتا ہوں جن کا ذکر اس لیے نہ کرسکا کہ ان کی کتابیں ضائع ہو چکی ہیں، یا ان کی خاص خطبوں وغیرہ پر لکھی ہوئی کتابوں کا اوپر مذکور نہیں ہوا، یا ان کی بعض ایسی تالیفات کا نام نہیں لیا گیا تھا جن میں خطبے اور خطوط وغیرہ کا اندراج ہوا ہوگا۔

آگے بڑھنے سے قبل یہ بھی عرض کردوں کہ مسعودی کے بیان کے مطابق امیرالمومنین کے خطبوں کی تعداد ۴۸۰ سے کچھ اوپر ہے۔ یہ خطبے علی البدیہہ دیے گئے تھے اور اس کے زمانے میں قولاً و عملاً متداول تھے[1]۔

(۱) زید بن وہب الجہنی الکوفی متوفٰی ۹٦ھ (۷۱۳ع)۔ انھوں نے "کتاب خطب امیرالمومنین علی المنابر فی الجمع والاعیاد وغیرھا" نام کی تالیف چھوڑی تھی۔ یہ کتاب پانچویں صدی ہجری تک محفوظ تھی اور شیخ الطائفہ ابو جعفر الطوسی متوفٰی ۴٦۰ھ (۱۰٦۸ع) نے اسے روایت کیا تھا[2]۔

(۲) ابو یعقوب اسمعیل بن مہران بن محمد بن ابی نصر السکونی الکوفی متوفٰی بعد ۱۴۸ھ (۷۱۵ع)۔ انھوں نے کتاب "خطب امیرالمومنین" مرتب کی تھی اور یہ کتاب بھی پانچویں صدی ہجری تک موجود تھی، اس لیے کہ ابوالعباس احمد النجاشی متوفٰی ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ع) نے اسے روایت کیا تھا[3]۔

---

۱ ۔ مروج الذہب ۲/۳٦ ۔

۲ ۔ فہرست الطوسی ۱۴۸، و منہج المقال ورق ۱۴۲ الف ۔

۳ ۔ طوسی ٦۱ و نجاشی ۱۹ و لسان المیزان ۱/۴۳۹ و ابن ندیم ۳۱۳ و منہج ورق ۱۴ الف ۔

(۳) ابومخنف لوط بن یحییٰ الازدی الغامدی متوفیٰ قبل ۱۷۰ھ (۷۸٦ع) مورخ مشہور ۔ ابن ندیم نے اس کی ۳۲ کتابوں کے نام لکھے ہیں جن میں سے حسب ذیل کے اندر آپ کے خطبوں کا درج ہونا یقینی ہے[1] ۔

کتاب الجمل ، کتاب صفین ، کتاب اہل النہروان و الخوارج ، کتاب الغارات ، کتاب مقتل علیؑ ، کتاب مقتل محمدؑ بن ابی بکر والاشتر و محمد بن ابی حذیفہ ، کتاب الشوریٰ و مقتل عثمانؓ ۔

(۴) ابو محمد (یا ابو بشر) مسعدہ بن صدقۃ العبدی الکوفی شاگرد امام موسیٰ الکاظم متوفیٰ ۱۸۳ھ (۷۹۹ع) ۔ انہوں نے ''کتاب خطب امیرالمومنین'' مرتب کی تھی ۔ اسے بھی نجاشی نے روایت کیا ہے[2] ۔

(۵) ابو اسحاق ابراہیم بن الحکم بن ظہیر الفزاری الکوفی ۔ یہ قاضی شریک متوفیٰ ۱۷۷ھ (۷۹۳ع) کا بھی شاگرد ہے ۔ اس نے ''کتاب الملاحم'' کے علاوہ خاص طور پر ''کتاب خطب علیؑ'' بھی تالیف کی تھی اور اُسے بھی نجاشی نے پڑھا تھا[3] ۔

(٦) ابواسحاق ابراہیم بن سلیمان النہمی الکوفی الخزاز ۔ یہ ابراہیم الفزاری کا شاگرد اور ''کتاب الخطب'' ، ''کتاب الدعا'' ، ''کتاب خلق السمٰوات'' اور ''کتاب مقتل امیرالمومنین'' کا مصنف ہے[4] ۔

(۷) ابو منذر ہشام بن محمد بن السائب الکلبی متوفیٰ ۲۰٦ھ (۸۲۱ع) ۔ ابن ندیم نے اس کی کتابوں کی جو لمبی فہرست دی ہے ، اُس میں ''کتاب مقتل عثمان'' ، ''کتاب الجمل'' ، ''کتاب الصفین'' ، ''کتاب النہروان'' ، ''کتاب الغارات'' ، ''کتاب مقتل امیرالمومنین'' کے علاوہ خود ''کتاب خطب علیؑ'' بھی ہے جو نجاشی کے مطالعے میں بھی آ چکی ہے[5] ۔

(۸) ابو عبداللہ محمد بن عمر الواقدی المدنی قاضیِ بغداد متوفیٰ ۲۰۷ھ (۸۲۳ع) ۔

---

۱ ۔ فہرست ابن ندیم ۱۳٦، و منہج ورق ۲۷۷ ب ۔
۲ ۔ نجاشی ۲۹۵ ، و منہج ۳۴۳ ب ، ولسان ۲۲/٦ ۔
۳ ۔ طوسی ۱۱ ، و نجاشی ۱۱ ، و منہج ورق ۷ ب ، و کشف الحجب ۲۰٦ ۔
۴ ۔ طوسی ۱۳ ، و منہج ورق ۸ ب ، ولسان ۳٦/۱ ۔
۵ ۔ ابن ندیم ۱۴۰ ، و نجاشی ۳۰۵ ، و منہج ورق ۳۷۳ ب ۔

ابن ندیم نے اس کی جن کتابوں کا ذکر کیا ہے ، ان میں سے ''کتاب الجمل'' کا حوالہ خود سید رضی دے چکے ہیں ۔ باقی میں سے ''کتاب صفین'' اور ''کتاب السنة والجاعة و ذم الهوىٰ و ترک الخوارج الفتن'' بھی قابل لحاظ ہیں[1] ۔

(۹) ابوالمفضل نصر بن مزاحم المنقری الکوفی العطار متوفیٰ ۲۱۲ھ (۸۲۷ع) کی ''کتاب صفین'' کے حوالے اوپر گزر چکے ہیں ، لیکن نجاشی نے اس کی کتاب الجمل ، کتاب النہروان اور کتاب الغارات بھی پڑھی تھیں ۔ یہ سب بھی خطب و خطوط امیرالمومنین پر مشتمل ہیں[2] ۔

(۱۰) ابوالخیر صالح بن ابی‌حماد الرازی متوفیٰ بعد ۲۱۴ھ (۸۲۹ع) ۔ اس کی کتاب ''خطب امیرالمومنین'' بھی نجاشی نے روایت کی ہے[3] ۔

(۱۱) ابوالحسن علی بن محمد المدائنی متوفیٰ ۲۲۴ھ (۸۳۹ع) ۔ ابن ندیم نے اس کی مصنفات بھی گنائی ہیں اور ان میں علاوہ ''تاریخ الخلفاء'' اور ''کتاب الاحداث والفتن'' کے ''کتاب خطب علی و کتبہ الی عمالہ'' بھی درج کی ہے[4] ۔

(۱۲) ابوالقاسم عبدالعظیم بن عبداللہ بن علی الحسنی الرازی متوفیٰ ۲۵۰ھ (۸۶۴ع تقریباً) ۔ انھوں نے بھی ''کتاب خطب علی'' مرتب کی تھی[5] ۔

(۱۳) ابواسحاق ابراہیم بن محمد الثقفی متوفیٰ ۲۸۳ھ (۸۹۶ع) کی ''کتاب الغارات'' کا ذکر آ چکا ہے لیکن مسئلۂ زیر بحث پر اس کی حسب ذیل کتابیں خاص اہمیت رکھتی ہیں :
''کتاب رسائل علی'' ، ''کتاب کلام علی فی الشوریٰ'' اور ''کتاب الخطب المعربات'' ۔
ان کے علاوہ کتاب السقیفہ ، کتاب مقتل عثمان رض ، کتاب بیعة امیرالمومنین ،

---

۱ ۔ ابن ندیم ۱۴۴ ۔
۲۔ نجاشی ۳۰۱ ، و منہج ورق ۳۶۲ الف ۔
۳ ۔ نجاشی ۱۳۰ ، و منہج ورق ۱۷۱ ب ۔
۴ ۔ ابن ندیم ۱۴۹ ، و معجم الادبا لیاقوت ۱۲۴/۱۴ ۔
۵ ۔ منہج ورق ۱۸۹ ب ، و فہرست کتاب خانۂ عمومی معارف ۱۳۹ ۔

کتاب الجمل ، کتاب صفین ، کتاب الحکمین ، کتاب النہروان اور کتاب مقتل امیرالمومنین میں بھی آپ کے خطبات اور مکاتیب کی خاص تعداد منقول ہونا چاہیے[1] ۔ طوسی نے یہ سب کتابیں اپنی مخصوص سند سے روایت کی تھیں ۔

(۱۴) ابو جعفر محمد بن جریر بن رستم الطبری (معاصر ابن جریر الطبری مورخ مشہور) اس نے کتاب المسترشد فی الامامۃ'' اور ''کتاب الرواۃ عن اہل البیت'' میں آپ کے خطبے وغیرہ نقل کیے ہیں[2] ۔

(۱۵) ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی متوفیٰ ۳۲۸ھ (۹۳۹ع) نے ''کتاب الکافی'' کے علاوہ جس کے حوالے اوپر گزر چکے ہیں ، ''کتاب رسائل الائمہ'' بھی خاص زیر بحث موضوع پر لکھی تھی[3] ۔

(۱۶) ابو احمد عبدالعزیز بن یحییٰ بن احمد بن عیسیٰ الجلودی الازدی البصری متوفیٰ ۳۳۲ھ (۹۴۳ع) نے حسب ذیل کتابیں تصنیف کی تھیں :
کتاب الجمل ، کتاب الصفین ، کتاب الحکمین ، کتاب الغارات ، کتاب الخوارج ، کتاب حروب علی ، کتاب خطب علی ، کتاب شعر علی ، کتاب رسائل علی ، کتاب مواعظ علی ، کتاب ذکر کلام علی فی الملاحم ، کتاب قول علی فی الشوریٰ ، کتاب ما کان بین علی و عثمان من الکلام ، کتاب قضاء علی ، کتاب الدعاء عن علی ، کتاب الادب عن علی علیہ السلام[4] ۔

(۱۷) ابوالحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی متوفیٰ ۳۴۶ھ (۹۵۷ع) ۔ اس نے ''کتاب اخبار الزمان ، کتاب الاوسط اور مروج الذہب'' کے علاوہ ''حدائق الاذہان فی اخبار آل محمد'' اور مزاہر الاخبار و طرائف و الاثار''

---

۱ ۔ طوسی ۱۶ ، معجم الیاقوت ۲۳۳/۱ ، و منہج ورق ۱۲ ب ، و منہاج ۳۱ ۔
۲ ۔ منہج ورق ۲۹۶ الف ، لسان ۱۰۳/۵ ، و فہرست کتاب خانۂ عمومی ۱۳۸ ۔
۳ ۔ منہج ورق ۳۳۹ الف ، و فہرست کتاب خانۂ عمومی ۱۳۸ ۔
۴ ۔ رجال نجاشی ۱۶۷ ، و ابن ندیم ۱۶۷ ، و نقد الایضاح ۱۸۳ ، و منہج ورق ۱۸۸ ب ۔

میں امیرالمومنین کے خطبے وغیرہ خاصی تعداد میں نقل کیے تھے مگر سوء اتفاق سے یہ کتابیں اب دستیاب نہیں ہوتیں[1] ۔

(۱۸) ابو طالب عبیداللہ بن ابی زید احمد بن یعقوب بن نصرالابناری متوفٰی ۳۵۶ھ (۹۶۷ع) نے جو ۱۳۰ کتابوں کا مؤلف ہے ، ایک کتاب بنام ''کتاب ادعیۃ الائمہ'' لکھی تھی جس میں امیرالمومنین سے مروی دعائیں مندرج تھیں[2] ۔

(۱۹) ابو عبداللہ احمد بن ابراہیم بن ابی رافع الکوفی البغدادی ، استاد شیخ مفید نے ''کتاب الکشف فیما یتعلق بالسقیفہ'' اور ''کتاب الضیاء (یا الصفاء) فی تاریخ الائمہ'' میں آپ کا کلام درج کیا ہے[3] ۔ نجاشی اور طوسی نے یہ سب کتابیں روایت کی تھیں ۔

(۲۰) ابوالعباس یعقوب بن احمد الصیمری نے جو متقدم الذکر کا بیٹا معلوم ہوتا ہے ، ''کتاب فی کلام علی و خطبہ'' لکھی تھی[4] ۔

(۲۱) ابو سعید منصور بن الحسین الابی الوزیر متوفٰی ۴۲۲ھ (۱۰۳۱ع) نے ''نزہۃ الادب فی المحاضرات'' اور اس کے اختصار ''نثرالدرر'' میں آپ کا کلام نقل کیا ہے ۔ موخرالذکر کا ایک مخطوطہ نجف اشرف کے کتاب خانے میں محفوظ ہے[5] ۔

آخر میں اتنا عرض کر دینا مناسب ہے کہ میرا یہ مقالہ جامع و مانع حیثیت نہیں رکھتا ۔ جیسے جیسے میرا مطالعہ وسیع ہوتا جا رہا ہے ، مزید حوالے ملتے جا رہے ہیں ۔ امید ہے کہ کسی اگلی صحبت میں نئے نتائج مطالعہ بھی پیش کروں گا ۔

---

۱ ۔ مروج الذہب ۲/۳۹ ۔
۲۔ طوسی ۱۸۶، و نجاشی ۱۶۱ ، و منہج ۱۹۲ الف ۔
۳ ۔ طوسی ۱۹ ، و نجاشی ۶۱ ، و منہج ۱۶ ، الف ۔
۴ ۔ ابن ابی الحدید ۲/۲۲۰ ۔
۵ ۔ کشف الظنون (حرف ن) ، و فہرست کتاب خانۂ عمومی ۱۳۸ و ۱۳۹ ۔

جہاں تک نہج البلاغہ کے "استناد" کا تعلق ہے ، یہ ایک مستقل مضمون ہے ۔ اس کے بعد وہ حصہ لکھا جائے گا جس کا تعلق نہج البلاغہ کے مضامین سے ہے ، اور یہ جانچنے کی کوشش کی جائے گی کہ کیا یہ باتیں امیرالمومنین کی کہی ہوئی یا لکھی ہوئی مانی جا سکتی ہیں ؟

والحمدلله اولاً و آخراً والصلوة و السلام علی خیر خلقه محمد و آله و اصحابه اجمعین ۔

امام ابن حزم ظاہری اور اُن کی "کتاب الانساب"

اگرچہ اولادِ آدم کی قبائلی تقسیم اور اُس پر فخر ، تاریخ کا پرانا واقعہ ہے ، اسی لیے دیگر فطری جذبات کی طرح یہ جذبہ بھی ہر جگہ کم و بیش پایا جاتا ہے ، لیکن ما قبل اسلام کے عرب اس خصوص میں حد اعتدال سے گزر گئے تھے - اُن کے یہاں گھوڑوں کے نسب نامے بھی محفوظ رکھے جاتے ، اور جس طرح ایک شخص اپنے آباء و اجداد کی نسبی برتری کے ترانے گا کر اپنی انفرادیت پسند طبیعت کو محظوظ کرتا ، اُسی طرح اُس کے واسطے یہ امر بھی باعث فخر ہوتا تھا کہ اُس کے مرکب کا پدری و مادری سلسلہ عرب کے بہترین نسل کے گھوڑوں پر ختم ہوتا ہے -

وحیِ آسمانی نے اس قبائلی تقسیم کا مقصد وحید "وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا - إن اکرمکم عنداللہ اتقاکم" (ہم نے تمھیں گروہ در گروہ اور قبیلہ در قبیلہ اس لیے بنایا ہے کہ باہم شناخت کرسکو - باقی اللہ کے ہاں تو بڑا عزت دار وہ ہے جو بڑا متقی ہو) کے مطابق افراد اور اُن کے رشتے ناتے کی پہچان قرار دیا ، جس کا تمدنی زندگی میں اہم فائدہ صلۂ رحم اور ازدواج اور ورثے کے احکام کی صحیح بجا آوری ہے[1] -

معرفتِ انساب کے اسلامی نصب‌العین کے تعین کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرصۂ دراز تک مسلمان اس امن خوار نہنگِ عصبیت سے محفوظ رہے ، اور مختلف

---

۱ - ابن حزم نے اپنی کتاب "جمہرۃ النسب" کے دیباچے میں علم انساب کی غرض و غایت ، صلۂ رحم ، معرفت اکفاء ، اجتناب از نکاح محارم اور تقسیم ورثہ کی صحت قرار دیا ہے - نیز اس آخری غرض سے متعلق ایک اپنا طے کیا ہوا واقعہ ذکر کرکے لکھا ہے کہ اگر میں میت اور اس کے موجودہ وارث کے رشتے کو نہ جانتا ہوتا ، تو ورثہ کسی غیر مستحق کو پہنچ جاتا -

اقوام کے ساتھ اہل اسلام کے باہمی اختلاط سے ایک ایسی ترقی یافتہ قوم عالم وجود میں آ گئی جو موجودہ تمام تر علمی نہضت کی ہیولی معمار ہے۔ چنانچہ وہ علمی تاریخ قطعاً نامکمل تسلیم کی جانی چاہیے جس میں ان مختلط النسل مسلمانوں کی سعی علمی کا صاف اور صریح الفاظ میں مذکور نہ ہو۔

اس خالص شرعی نقطۂ نگاہ کے پیش نظر علمائے اسلام نے اپنے عہد عروج میں انساب عرب پر جو کتابیں لکھیں، اُن میں کی ایک اسپین کے سب سے زیادہ مشہور اور سب سے بڑے عالم، امام ابو محمد ابن حزم ظاہری کی کتاب "جمہرۃ النسب" ہے، جو اپنے اختصار، جامعیت اور قابلیت استناد کے باعث ہماری تمام تر توجہ کی مستحق ہے۔ اس جلیل القدر کتاب کا ایک قلمی نسخہ، روہیلکھنڈ کی واحد اسلامی ریاست رام پور کے عظیم الشان کتاب خانے میں محفوظ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس صحبت میں امام مذکور اور اُن کی اس تصنیف کے متعلق اپنے ناچیز خیالات قارئین کے سامنے پیش کروں۔ وماتوفیقی الا باللہ۔

نام و نسب :

امام ابن حزم کا نام "علی"، کنیت "ابومحمد" اور سلسلۂ نسب "علی بن احمد بن سعید بن حزم بن غالب بن صالح بن خلف بن معدان بن سفیان بن یزید الفارسی ہے"[1]۔

المراکشی نے خود ابن حزم کی کسی کتاب کے آخری صفحے سے یہ نسب نامہ نقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے :

۱۔ **طبقات** الامم، صفحہ ۷۵، طبع بیروت۔ المعجب للمراکشی صفحہ ۳۲۔ ارشاد الاریب للحموی، جلد ۱۲۔ صفحہ ۲۳۵، طبع مصر۔ ابن خلکان، جلد ۱ صفحہ ۳۸۳، طبع مصر کتاب الصلۃ لابن بشکوال صفحہ ۴۰۸، طبع مجریط (تا غالب الفارسی)۔ بغیۃ الملتمس للضبی صفحہ ۴۰۳۔ تاریخ الحکماء للقفطی، صفحہ ۲۳۲، طبع لائپسک (لیکن یہ ابن صاعد کی بلفظہ نقل ہے)۔ مرآۃ الجنان للیافعی، جلد ۳ صفحہ ۷۹۔ نفح الطیب للمقری، جلد ۱ صفحہ ۵۱۱۔ شذرات، جلد ۳، صفحہ ۲۹۹۔ فہرست ابی بکر الاشبیلی، صفحہ ۴۱۰۔ دول الاسلام للذہبی، جلد ۱ صفحہ ۲۰۷۔ الاعلام للزرکلی، جلد ۵، صفحہ ۵۹۔

"قری' علی نسبه بخطه علی ظهر کتاب من تصانیفه ۔"

قاضی صاعد اندلسی نے نسب کے بیان میں تو اس کی تصریح نہیں کی لیکن تاریخ ولادت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"وکتب الی بخط یده انه ولد بعد صلوة الصبح" ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے بیان کی بنیاد بھی خود ابن حزم کی تحریر ہے ۔

ابن حزم کے شاگرد ابوعبداللہ الحمیدی صاحب "کتاب الجمع بین الصحیحین" اور دیگر تذکرہ نگاروں نے بھی بالاتفاق یہ نسب تسلیم کیا ہے ۔ لیکن ابن حیان کہتا ہے کہ ابن حزم کے والد ، احمد بن سعید بن حزم نے اپنی وزارت کے زمانے میں خلفائے بنی امیہ کو خوش کرنے کے لیے ایک ایرانی نژاد اموی غلام سے اپنا نسبی سلسلہ ملا لیا تھا ، ورنہ وہ اندلس کے شہر نبلہ (Niebla) کے ایک نومسلم کی اولاد تھے[۱] ۔

'انسائکلوپیڈیا آف اسلام' کے مقالہ نگار نے اس رائے کو تسلیم کرتے ہوئے ابن حزم کو فارسی النسل ہونے کے بجائے اسپینی ظاہر کیا ہے[۲] ۔ ڈاکٹر نکلسن تاریخ آداب عرب (صفحہ ۴۲۶) میں اُس کے ہم نوا ہیں مگر اُن کے نزدیک اس تبدیلیِ نسب کی ذمہ داری خود ابن حزم پر عائد ہوتی ہے ، جس کی وجہ اُن کا تعصب مذہبی تھا ۔ میری ناقص رائے میں ڈاکٹر صاحب نے از راہ غلط فہمی ، ابن حزم کے ساتھ متصفانہ سلوک نہیں برتا ، ورنہ وہ اس امامِ جلیل المرتبت کی شان میں "جعل" وغیرہ الفاظ استعمال نہ کرتے ۔

خاندان :

ابن حزم کے خاندان کے متعلق ہمیں صرف اس قدر معلوم ہو سکا ہے کہ اُن کے مورث اعلیٰ "یزید" ایران کے باشندے اور حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کے آزادکردہ غلام تھے اور انھی نے خاندان میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا ۔ زاں بعد ، خلف بن معدان ، یزید الفارسی کے پرپوتے کو ہم اسپین میں دیکھتے ہیں اور ہمیں بتایا جاتا ہے کہ اس خاندان میں سب سے پہلے انھی نے

---

۱ ۔ ارشاد الاریب ، جلد ۱۲ صفحہ ۲۵۰ ۔

۲ ۔ انسائکلوپیڈیا آف اسلام ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۸۴ ۔

اندلس کو وطن قرار دیا[1] -

اُن کے بعد سعید بن حزم کے متعلق ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنوب مغربی اسپین کے شہر اونبہ (Aunaba) ، یا اولبہ (جسے آج کل ہوایلوا (Huelva) کہتے ہیں) میں پیدا ہوئے ، اور اُن کی جائے قیام منت لیشم (یا منت لیجم) نامی گانو تھا ، جو اونبہ سے نصف فرسخ دور خلیج بحراعظم (The Odiel) پر واقع تھا ، اور اس خاندان کی جاگیر شمار کیا جاتا تھا [2]۔

اس خاندانِ سیف و قلم کی پہلی تاریخی ہستی ابن حزم کے والد ابو عمرو احمد بن سعید بن حزم ہیں - یہ زاویہ نامی گانو میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو نما پائی[3]۔ حمیدی لکھتا ہے کہ انہیں بلاغت میں ید طولیٰ حاصل تھا - ابن رشیق الکاتب نے اُن کا حسب ذیل مقولہ نقل کیا ہے :

''انی لاعجب من یلحن فی مخاطبة او یجئی بلفظة قلقلة فی مکاتبة ، لانہ لاینبغی له اذا شک فی شیئ‌الا ان یترکہ و یطلب غیرہ ، فالکلام اوسع من ھذا[4]۔''

اس استادانہ مشورے پر غور کرنے سے حمیدی کے قول کی صداقت پر کافی روشنی پڑتی ہے -

معلوم ہوتا ہے کہ ابو عمرو کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے - خود ابن حزم کی زبانی مذکور ہے کہ والد مرحوم نے اپنے وصیت نامے میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا :

اذا شئت ان تحیی غنیا ، فلاتکن
علی حالة الا رضیت بدونھا

---

۱ - ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۸۳ -

۲ - طبقات الامم ، ۷۵ - ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۸۶ - ارشاد ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۲۳۰ -

۳ - نفح الطیب ، جلد ۱ ، صفحہ ۵۱۵ - الزاویہ کی جائے وقوع کے متعلق موجودہ نقشے میں کچھ پتا نہ چل سکا - چونکہ صاعد نے منت لیشم کو اقلیم الزاویہ میں شمار کیا ہے ، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ جنوب مغربی اسپین کا صدر مقام تھا -

۴ - بقیہ ، ۱۷۰ -

(اگر تم غنی اور بے نیاز ہو کر زندگی گزارنا چاہتے ہو تو چاہیے کہ جس حال میں بھی ہو اُس سے پست تر حالت کے لیے اپنے نفس کو رضامند رکھو)[1]

اس علمی مرتبے کے ساتھ ابوعمرو کو اسپین کے مشہور حکم ران خاندان بنی عامر کے دو بادشاہوں، المنصور ابوعامر محمد بن عبداللہ بن ابی عامر (۳۷۱ھ/۹۸۱ع تا ۳۹۲ھ/۱۰۰۲ع) اور اُس کے جانشین المظفر (۳۹۲ھ/۱۰۰۲ھ تا ۳۹۹ھ/۱۰۰۸ع) کی وزارت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ چنانچہ ان کے تمام سوانح نگار انھیں ''احد العظماء من وزراء المنصور'' لکھتے ہیں[2]۔

اُن کی وزارت کے زمانے کا ایک دل چسپ واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن کسی ضعیفہ کی درخواست المنصور کے حضور میں پیش کی گئی۔ اُس کا بیٹا جیل‌خانے میں بند تھا اور یہ اُس درخواست کے ذریعے بیٹے کی رہائی کی مستدعی تھی۔ ابو عمرو، بادشاہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ درخواست کے پڑھتے ہی بادشاہ کی تیوری چڑھ گئی، اور وہ یہ کہتا ہوا سیدھا ہوا کہ خدا کی قسم خوب یاد دلایا، اور یہ کہہ کر اپنے قلم سے درخواست پر ''یصلب'' (سولی پر لٹکا دیا جائے) لکھا اور کاغذ ابوعمر وزیر کی طرف پھینک دیا۔ انھوں نے حکم پڑھا اور پولیس کے افسر اعلیٰ کو روبکار لکھنا شروع کیا۔ بادشاہ نے دریافت کیا ''کیا لکھ رہے ہو؟'' انھوں نے عرض کیا کہ ''فلاں شخص کی رہائی کا حکم''۔ بادشاہ نے برہم ہو کر کہا ''یہ تم سے کس نے کہا؟'' انھوں نے فوراً درخواست پیش کی۔ بادشاہ نے دیکھا کہ اُس کے قلم سے ''یصلب'' کی جگہ یطلق (رہا کر دیا جائے) لکھا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر اُس نے کہا ''مجھے سہو ہوا۔ بخدا یہ سولی پر لٹکایا جائے گا''۔ اور اپنا سابق حکم کاٹ کر ''یصلب'' لکھا۔ وزیر نے کاغذ پڑھ کر اپنی پچھلی تحریر کی تکمیل شروع کی۔ بادشاہ نے پوچھا ''اب کیا لکھ رہے ہو؟'' انھوں نے عرض کیا کہ ''حکم رہائی''۔ بادشاہ نے اور زیادہ برہم ہو کر کہا ''کس کے حکم سے؟'' انھوں نے حکم پیش کیا،

---

۱ - بغیہ ۱۷۰ وغیرہا۔

۲ - طبقات ۷۶ - المعجب ۳۲ - ارشاد ۱۲، ۲۳۷ -

تو بادشاہ بہت متحیر ہوا اور تیسری بار اپنے قلم سے ''یصاب'' لکھ کر اُن کی طرف کاغذ ڈالا ۔ اُنھوں نے اُسے دیکھ کر پھر اُسی حکم کے آگے لکھنا شروع کیا ۔ بادشاہ نے اُن کی روش قلم سے تاڑ کر دریافت کیا کہ ''اب کیا لکھ رہے ہو؟'' اُنھوں نے عرض کیا کہ ''حکم رہائی اور یہ حضور کی تحریر ہے'' ۔

یہ ماجرا دیکھ کر منصور نے کہا ''اچھا ، تو اسے میرے خلاف مزاج رہا کیا جائے ۔ کیوں کہ جسے خدا رہا کرنا چاہے ، اُسے میں بند نہیں کرسکتا''[۱] ۔

بنی عامر کی سیاسی حیثیت زوال پزیر ہونے لگی تو اس کا اثر ابو عمرو پر بھی پڑا ۔ چنانچہ اموی خلیفہ 'المؤید' کی ذوالحجہ ۴۰۰ھ (۱۰۰۹ع) میں دوبارہ تخت نشینی کے بعد عامریین کی قوت ٹوٹ گئی اور اُن کے ساتھ ابو عمرو کی وزارت کا بھی خاتمہ ہوگیا ۔

اس واقعے کے دو سال بعد ذوالقعدہ ۴۰۲ھ (۱۰۱۱ع) میں ابو عمرو کا قرطبہ میں انتقال ہوگیا[۲] ۔

ابن حزم کی ولادت :

اس عجمی خاندان کا گوہر شب چراغ ابو محمد بن حزم الظاہری ، مشرقی قرطبہ کے محلۂ ''ربض منیۃ المغیرہ'' میں بدھ کے دن ، نماز فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے قبل ماہ رمضان المبارک کی آخری تاریخ کو ۳۸۴ھ (مطابق ۷ نومبر ۹۹۴ع) میں پیدا ہوا[۳] ۔

---

۱ - بغیہ ، ۱۷۰ - ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۸۵ - نقلاً عن جذوۃ المقتبس للحمیدی ۔

۲ - بغیہ ، ۱۷۰ - الصلۃ ، ۲۶ - شذرات تحت ۴۰۲ھ ۔

۳ - طبقات الامم ، ۷۷ (لیکن بدھ کے دن اور ۷ نومبر کا مذکور کتاب خانۂ رامپور کے قلمی نسخے اور مطبوعۂ بیروت کی اصل میں ہوا ہے) - القفطی ، ۲۳۳ - ابن بشکوال ، ۴۱۰ - الضبی ، ۴۰۳ - ارشاد جلد ۱۲ ، صفحہ ۲۳۷ - المراکشی ۲۳ - ابن خلکان جلد ۱ ، صفحہ ۳۸۵ (کلھم عن صاعد) - و المقری ، جلد ۱ ، صفحہ ۵۱۲ ۔

مذکورۂ بالا تاریخ ولادت ، صاحبِ طبقات الامم نے خود ابن حزم کے ایک خط سے نقل کی تھی ، جسے مابعد کے تمام مؤرخین بالفاظہ نقل کرتے چلے آئے ہیں ۔ یاقوت نے بھی ارشاد الاریب میں طبقات کی تقریباً کل عبارت نقل کی ہے ، لیکن اُس میں سنہ ولادت ۳۸۳ھ دیا گیا ہے ۔ ابتدا میں میرا گمان یہ تھا کہ سنین کا اختلاف مسٹر مارگولیتھ مصححِ ارشاد الاریب کے نسخے کی غلطی ہے ، مگر حال میں مصر سے اُس کا جو دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے ، اس میں بھی یہی سنہ درج ہے ، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس غلطی کا منشا اصل قلمی نسخے کی غلطی ہے ۔

معجم المطبوعات (جلد ۱، کالم ۸۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوعبداللہ الحمیدی کی کتاب جذوۃ المقتبس کے خطی نسخے میں اُن کی تاریخ ولادت ۳۹۷ھ درج ہے ۔ لیکن الضبی نے بغیۃ الملتمس (صفحہ ۴۰۳) میں الحمیدی کا اقتباس دیتے ہوئے ۳۸۴ھ دیا ہے ، اس لیے معجم کے مصنف کو جو نسخہ جذوے کا دستیاب ہوا تھا ، وہ غلط ہے ۔

تعلیم و تربیت :

ابن حزم کی تعلیم و تربیت اُس عہد کے رؤسا کے بچوں کی طرح ہوئی تھی اور یہ مختلف علوم و فنون کے اساتذہ کے زیر نگرانی سن بلوغ تک پہنچ کر علم اللسان ، ادب ، شعر اور تاریخ سے بہرہ یاب ہو گئے تھے[1] ۔

ایک بار ابوالولید لباجی نے دوران مناظرہ میں اُن کی رئیسانہ طلب علم کا طعنہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ ”جناب ! تحصیل علم میں ہمت میں نے دکھائی ہے کہ رات کے وقت تیرے میرے چراغوں کے سامنے پڑھتا پھرتا تھا ۔ آپ نے کیا کمال کیا ، اگر سونے کی قندیل کے رو برو بیٹھ کر لکھنا پڑھنا سیکھ لیا ۔“

اس کے جواب میں ابن حزم نے فرمایا کہ ”یہ امر تو میرے حق میں مفید اور آپ کے لیے مضر ہے اس لیے کہ جب آپ کی حالت اس درجہ ستم تھی ، تو گویا آپ علم کے ذریعے میری سی ثروت حاصل کرنا چاہتے تھے ، اور میں طلب علم میں سعی و کوشش اس مقصد کے تحت کر رہا تھا کہ دین و دنیا

---

۱ ۔ انسائکلوپیڈیا آف اسلام ، جلد ۲ صفحہ ۳۸۴ بہ حوالۂ طوق الحمامہ لابن حزم ۔

میں علمی سرخ روئی اور سر بلندی حاصل ہو[1] -

سنہ ۳۹۹ھ (۱۰۰۸ع) میں ابن حزم نے ابو عمرو احمد بن محمد بن جسور سے حدیث پڑھنی شروع کی تھی - ۴۰۰ھ (۱۰۰۹ع) میں استاد کا انتقال ہو گیا - نیز اسی سال آپ کے والد عہدۂ وزارت سے معزول کر دیے گئے -

اُن کے سماع حدیث کی تاریخ میں بھی قدرے اختلاف ہے - الحمیدی نے سنہ ۴۰۰ھ (۱۰۰۹ع) سے قبل اور المقری نے بہ حوالۂ علامہ ذہبی سنہ ۳۹۹ھ (۱۰۰۸ع) میں آغاز بتایا ہے - لیکن اگر غور کیا جائے تو حمیدی کی تخمینی تاریخ ذہبی کی قطعی تاریخ سے متخالف نہیں ہے - غالباً حمیدی کو تردد رہا کہ سنہ ۴۰۰ھ سے کتنا عرصہ قبل تعلیم حدیث کا آغاز ہوا ، اور اس کے ساتھ یہ یقین تھا کہ ۳۹۸ھ یا ۴۰۰ھ میں یہ امر وقوع پذیر نہیں ہوا اس لیے انھوں نے صحیح تر تخمینی رائے پر اکتفا کر لیا -

ابتلاے مصائب :

ابن حزم ابھی سولہ سال کے تھے کہ اُن کے والد ۴۰۰ھ (۱۰۰۹ع) میں معزول ہوئے اور دو سال تک زمانے کی بے رخی کا مقابلہ کرکے ۴۰۲ھ (۱۰۱۱ع) میں انتقال کر گئے - اس عہد میں قرطبہ فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن گیا تھا اور مختلف امراء کی سیاسی تفوق حاصل کرنے کی پیہم کوشش نے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا تھا - ابن حزم پر اس صورت حال کا یہ اثر پڑا کہ اُن کا عالی شان محل جو قرطبہ کے ایک محلے بلاط مغیث میں واقع تھا ، بربروں کے ہاتھوں جل کر خاک سیاہ ہوگیا ، اور یہ ۴۰۴ھ (۱۰۱۳ع) میں قرطبہ سے المریہ (Almeria) چلے گئے -

المریہ میں ابن حزم نے سکون و اطمینان کا سانس لے کر مسلسل تین سال آسودگی و آرام کے گزارے - لیکن سوء قسمت کہ سنہ ۴۰۷ھ (۱۰۱۶ع) میں خیران صقلی اور علی بن حمود نے سازش کرکے اموی خلیفہ سلیمان کو تخت خلافت سے اُتار دیا - ابن حزم کا خاندان اموی خلافت کا مدت تک نمک خوار رہ چکا تھا - خیران کو شبہہ ہوا کہ ابن حزم المریہ میں خفیہ طور پر امویین کی حمایت کا کام انجام دیتے ہیں - اس شبہے کا نتیجہ یہ نکلا کہ

---

۱ - نفح الطیب ، جلد ۱ ، صفحہ ۵۱۱ -

اس یوسف علم کو اپنے ایک دوست محمد بن اسحاق کے ساتھ جیل کی چاردیواری میں محصور ہونا پڑا ۔ وہاں سے چند ماہ کے بعد اس شرط پر رہا کیے گئے کہ المریہ سے کہیں باہر چلے جائیں گے ۔ یہ دونوں یہاں سے نکل کر حصن القصر پہنچے ۔ حاکم حصن نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا ، لیکن ابھی چند ماہ قیام کو ہوے تھے کہ اُنہیں طلاع ملی کہ بلنسیہ (valencia) میں عبدالرحمن چہارم المرتضٰی لقب کے ساتھ تخت خلافت پر متمکن ہوا ہے ۔ اس خاندان کی نمک خواری کی نسبت سے انہیں تکلیفوں پر تکلیفیں اُٹھانی پڑی تھیں ۔ اب اس خوش خبری سے حالات کے سازگار ہونے کی امیدیں تازہ ہو گئیں ، اور یہ اپنے دوست کے ہمراہ سمندر کے راستے سے بلنسیہ تشریف لے گئے ۔ المرتضیٰ نے اُن کی بڑی قدر و منزلت کی اور اپنا وزیر مقرر فرمایا ۔ مگر ابن حزم کی قسمت کا چکر ابھی ختم نہیں ہوا تھا ۔ اُنہیں ایک بار اور جیل کی مصیبت برداشت کرنی تھی ، اس لیے اُنہیں اپنے آقا کے ساتھ غرناطہ کے سامنے جنگ میں حصہ لینا پڑا ۔ اثناے جنگ میں ابن حزم گرفتار کر لیے گئے اور کچھ عرصہ جیل میں رہ کر رہا ہوے ۔

شوال ۴۰۹ھ (۱۰۱۸ع) میں ۵ سال ۹ ماہ باہر رہ کر ابن حزم قرطبہ واپس آئے تو یہاں اُس وقت القاسم بن حمود حکومت کر رہا تھا ۔ رمضان ۴۱۴ھ (۱۰۲۳ع) میں عبدالرحمن خامس نے المستظہر باللہ لقب کے ساتھ تخت خلافت پر قبضہ کیا ، تو ابن حزم دوبارہ وزیر منتخب ہوے ۔ مگر یہ عرصہ بھی سات ہفتے سے زیادہ طول نہ پا سکا اور ذی القعدہ ۴۱۴ھ (۱۰۲۳ع) میں المستظہر کے قتل کے ساتھ اُن کی وزارت بھی ختم ہوگئی ۔ ابن حزم تیسری بار جیل بھیجے گئے ۔ اس کے بعد ۴۱۸ھ (۱۰۲۷ع) میں بلنسیہ کے شہر شاطبہ (Jativa) میں اُن کا قیام نظر آتا ہے ۔

ارشاد الاریب (ج ۱۲ صفحہ ۲۳۷) میں صاحب طبقات الامم کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابن حزم نے ہشام المعتد باللہ ۴۱۸-۲۳ھ (۱۰۲۷-۳۰ع) کی خدمت وزارت بھی انجام دی ہے ۔ لیکن طبقات کے مطبوعۂ بیروت اور قلمی نسخۂ رامپور میں صرف المستظہر باللہ کی وزارت انجام دینے کا ذکر ہے ۔ علاوہ ازیں قفطی نے تاریخ الحکماء (صفحہ ۲۳۲) میں اور المراکشی نے المعجب (صفحہ ۳۲) میں طبقات الامم کی (صرف چند الفاظ کی کمی کے ساتھ) پوری

عبارت نقل کی ہے - لیکن ان میں بھی المستظہر ہی کا نام ہے - البتہ نسخۂ مطبوعہ کے آخر میں (صفحہ - ۱۱) اختلاف نسخ کے ماتحت نسخۂ ج سے ہشام المعتد باللہ کا اضافہ ملتا ہے ، اس لیے بعید نہیں کہ صاعد نے اس اطلاع کو بعد میں درج کیا ہو -

بہرحال ۴۲۲ھ کے بعد ابن حزم نے اپنے اوقات صرف علمی مشاغل کے لیے وقف کرکے دنیوی معاملات سے یک لخت دست کشی اختیار کر لی تھی -

علمی زندگی کا آغاز اور ترقی :

اگرچہ ابن حزم نے ابتدائی عمر میں عبدالرحمن بن یزید الازدی (جنھوں نے طوائف الملوکی کے زمانے میں اسپین سے ہجرت کر لی تھی) اور محمد بن الحسن المذحجی (متوفی بعد ۴۰۰ھ، ۱۰۰۹ء ، ابن خلکان) جیسے اساتذہ کے سامنے زانوے شاگردی تہ کرکے اپنی علمی استعداد کو اس درجے تک پہنچا لیا تھا کہ اسپین کے انتہائی ہنگامہ زا عہد میں ایک سے زیادہ مرتبہ وزارت کے لیے اُن کا انتخاب عمل میں آیا ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس علم و فضل پر اُن کی شہرت و عظمت کا دار و مدار ہے ، اُس کی تحصیل ابھی باقی تھی -

اس تحصیل کی طرف اُن کی توجہ کا باعث اُن کے شاگرد ابو محمد عبداللہ بن محمد بن العربی الاندلسی نے حسب ذیل واقعے کو قرار دیا ہے ، جو اُن سے خود ابن حزم نے بیان کیا تھا -

ابن حزم کی عمر ۲۶ سال ہو چکی تھی لیکن مذہبی معلومات کا یہ حال تھا کہ انھیں نماز کے ضروری مسائل سے بھی کما حقہ آگاہی نہ تھی - ایک دن اُن کے پدری اعزا میں سے کسی کا انتقال ہوا اور انھیں تجہیز و تدفین میں شرکت کے لیے جانا پڑا - حاضرین مسجد میں جمع تھے اور ابھی عصر کی نماز نہیں ہوئی تھی - یہ مسجد میں داخل ہوئے اور تحیۃ المسجد ادا کیے بغیر ایک طرف بیٹھ گئے - ان کے استاد (ٹیوٹر) ساتھ تھے - انھوں نے اشارے سے کہا کہ نفل پڑھو - یہ اُن کا مطلب نہ سمجھے اور بیٹھے رہے - اس پر ایک شخص نے جو پاس ہی بیٹھا تھا ، کہا کہ صاحبزادے! اتنی عمر ہو گئی مگر ابھی تک آپ اتنا بھی نہیں جانتے کہ نفل تحیۃ المسجد ہر مسلمان کو ادا کرنا چاہیے - ابن حزم نے کھڑے ہو کر نفل ادا کیے اور اب سمجھے کہ اُستاد نے اشارے سے کیا ہدایت کی تھی - جب تدفین کے بعد

اعزائے میت کے ساتھ پھر مسجد میں آنا ہوا، تو ابن حزم دوبارہ تحیۃ المسجد پڑھنے کھڑے ہو گئے ۔ لوگوں نے کہا "بیٹھ جائیے بیٹھ جائیے ، اب نفل کا وقت نہیں ہے ۔" ابن حزم کہتے ہیں کہ میں ایسی حالت میں گھر واپس آیا کہ اپنی ہستی خود اپنی نظر میں ذلیل معلوم ہو رہی تھی ۔ میں نے اُستاذ سے کہا کہ مجھے ابو عبداللہ بن دحون کے پاس لے چلیے ۔ وہاں جا کر میں نے سارا ماجرا سنایا اور رائے لی کہ اس کمی کو دور کرنے کے لیے کس علم کو پہلے حاصل کرنا چاہیے ۔ اُنھوں نے مؤطا امام مالک پڑھنے کا مشورہ دیا ۔ دوسرے دن سے فقہ کی تعلیم شروع ہو گئی اور مسلسل تین سال ابن حزم اُن سے اور دیگر اساتذہ سے استفادہ کرتے رہے ۔[۱]

اگر اس بیان کا یہ حصہ صحیح ہے کہ ابن حزم نے ۲۶ سال کی عمر میں اپنی مذہبی کم علمی کو محسوس کرکے علوم منقولہ کی تحصیل شروع کی تو اس کا آغاز سنہ ۴۱۰ھ (۱۰۱۹ع) میں ہونا چاہیے ۔ اور چونکہ یہ شوال سنہ ۴۰۹ھ (۱۰۱۸ع) سے رمضان سنہ ۴۱۴ھ (۱۰۲۳ع) تک قرطبہ میں مقیم رہے ہیں ، اس لیے اس واقعے کی صحت میں کوئی تاریخی دشواری پیش نہیں آتی ۔

ابن حزم کی خالص علمی زندگی المعتد باللہ اموی ۲۲ - ۴۱۸ھ (۳۰ - ۱۰۲۷ع) کی وزارت سے دست کشی کے بعد شروع ہوتی ہے ۔ صاحب طبقات الامم اور دیگر سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ :

"ثم نبذ هذه الطريقة و اقبل على قراءة العلوم وتقييد الآثار والسنن . . . . و اوغل بعد هذا فى الاستكثار من علوم الشريعة حتى نال منها مالم ينله احد قط بالاندلس قبله[۲] ۔"

(اس کے بعد اُنھوں نے یہ راستہ چھوڑ دیا اور مختلف علوم کی تحصیل اور سنن و آثار کو قید تحریر میں لانا شروع کردیا . . . اور اس کے بعد شرعی علوم کی زیادہ سے زیادہ تحصیل کے درپے ہوئے اور اتنا کچھ پایا جو اُن سے پہلے اسپین میں کسی اور کو نہیں ملا تھا) ۔

---

۱ - ارشاد الاریب ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۲۴۱ ۔
۲ - طبقات الامم ۷۶ ۔

ابن حزم کا علمی مرتبہ :

ابن حزم کی علمی عظمت و جلالت ، اُن کی نظر و فکر کی تخلیقی اپج اور اُن کی رائے کی بے باکی اور آزادی کا معاصرین و متاخرین دونوں نے اعتراف کیا ہے ۔ قاضی صاعد الجیانی صاحب طبقات کی ایک رائے ابھی گزر چکی ہے ۔ اُن کی دوسری رائے ابن بشکوال نے نقل کی ہے ، جو غالباً اُن کی کسی اور تاریخی کتاب کا اقباس ہے :

''کان ابو محمد ابن حزم اجمع اهل الاندلس قاطبۃً لعلوم الاسلام و اوسعھم معرفۃ مع توسعه فی علم اللسان و وفور حظه فی البلاغۃ و الشعر و المعرفۃ بالسیر و الاخبار ۔''[۱]

(ابو محمد ابن حزم تمام اہل اندلس سے زیادہ علوم شرعیۂ اسلامیہ کے جامع اور عالم تھے اور علم اللسن ، بلاغت ، فن شعر ، سیرت اور تاریخ میں اُن کی معلومات وسیع اور ان میں اُن کا حصہ وافر تھا) ۔

ابن حزم کے شاگرد ابو عبداللہ الحمیدی اُن کے متعلق لکھتے ہیں کہ :

''کان عالماً حافظا بعلوم الحدیث و فقھه ، مستنبطا للاحکام من الکتاب والسنۃ ، متفننا فی علوم جمۃ ، عاملا بعلمه ، زاهداً فی الدنیا بعد الریاسۃ التی کانت له ولابیه قبله فی الوزارۃ وتدبیر الملک ، متواضعا ذافضائل جمۃ و توالیف کثیرۃ فی کل ما تحقق به من العلوم ۔ و جمع من الکتب فی علم الحدیث والمصنفات والمسندات کثیراً و سمع سماعاً جما . . . . و ما رأینا مثله فی ما اجتمع له مع الذکاء وسرعۃ الحفظ و کرم النفس والتدین ۔ وکان له فی الاداب والشعر نفس واسع و باع طویل ۔ ومارأیت من یقول الشعر علی البدیھۃ اسرع منه ۔ وشعره کثیر ، وقد جمعناه علی حروف المعجم ۔''[۲]

(ابن حزم علوم حدیث اور بالخصوص فقہ حدیث کے عالم اور حافظ ، کتاب و سنت سے احکام استنباط کرنے والے ، تمام علوم سے آگاہ ، عامل بالعلم ، وزارت اور تدبیر مملکت کے ذریعے اُنھوں نے اور اُن کے والد نے جو ریاست حاصل کی تھی ، اس سے کنارہ کشی اختیار کرنے والے ، متواضع ، تمام فضائل کے جامع اور کل تحقیقی علوم میں کثیر تالیفات کے مالک تھے ۔ اُنھوں

---

۱ ۔ الصلۃ ، ۳۰۸ و ۳۰۹ ۔

۲ ۔ ایضاً ۳۰۹ ، و بغیۃ ۳۰۳ ، و ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۸۳ ۔

نے علم حدیث سے متعلق بہ کثرت کتابیں مہیا کیں اور اسی طرح بہت زیادہ سماع حدیث بھی کیا ۔ . . . . اُن کی ذات میں جس قدر ذکاوت ، سرعت حافظہ ، کریم النفسی اور دیانت داری پائی جاتی تھی ، ہم نے اُس کی کوئی مثال نہیں دیکھی ۔ اُنھیں ادب و شعر میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا ۔ میں نے فی البدیہہ کہنے والوں میں ان سے تیزگو کوئی نہیں پایا ۔ اُن کے اشعار کی تعداد کافی ہے جنھیں میں نے حروف تہجی پر مرتب کر دیا ہے) ۔

ابن حزم کے بارے میں اُن کے دوسرے شاگرد ابن العربی کا تفصیلی خیال یاقوت نے ''ارشاد الاریب'' میں نقل کیا ہے ۔[۱]

امام غزالی کا یہ قول ابن حزم کی علمی حیثیت کے اظہار کے سلسلے میں بہت وزنی ہے کہ :

''وجدت فی اسماء اللہ تعالیٰ کتابا لابی محمد ابن حزم یدل علی عظم حفظہ و سیلان ذھنہ ۔''[۲]

(اسمائے حسنیٰ پر ابو محمد ابن حزم کی ایک کتاب مجھے ملی جو اُن کے حافظے کی عظمت اور ذہن کی روانی پر دلالت کرتی ہے) ۔

ابن حیان اندلسی ہمارے مصنف کے اُن کرم فرماؤں میں سے ہیں جنھیں اُن کی ظاہریت اور اُن کی تنقیدیں ایک نظر نہیں بھاتیں ۔ چنانچہ غم و غصہ نے اُنھیں یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ تبدیل نسب کا الزام ابن حزم اور اُن کے والد پر سب سے پہلے انھی نے قائم کیا ہے ۔ لیکن یاقوت نے اُن کا جو بیان ابن حزم کے بارے میں نقل کیا ہے ، اُس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے :

''کان ابو محمد حامل فنون من حدیث و فقہ و جدل و نسب و ما یتعلق باذیال الادب مع المشارکۃ فی کثیر من انواع التعالیم القدیمۃ من المنطق والفلسفہ ولہ فی بعض تلک الفنون کتب کثیرۃ ۔''[۳]

(ابن حزم حدیث ، فقہ ، جدل ، علم انساب ، ادبی علوم اور منطق و فلسفہ وغیرہ کے حامل تھے اور ان فنون میں بعض کے اندر اُنھوں نے کتابیں

---

۱ ۔ الارشاد ، جلد ۱۲ صفحہ ۲۴۰ ۔
۲ ۔ نفح الطیب ، جلد ۱ صفحہ ۵۱۲ ۔
۳ ۔ الارشاد ، جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۷ ۔

بھی تالیف کی ہیں ۔)

وزیر ابو نصر فتح بن خاقان نے مطمح الانفس (صفحہ ۵۵) میں اُن کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے :

''فقیہ مستنبط ، و نبیہ بقیاسہ مرتبط ، ماتکلم تقلیدا ، ولاتعدی اختراعا وتولیدا ، ماتمنت بہ الاندلس ان تکون کالعراق ، ولاحنت الانفس معہ الی تلک الآفاق . . . . تفرد بالقیاس ، واقتبس نار المعارف ای اقتباس . . . و خلع الوزارۃ وقدکستہ ملاھا ، والبستہ حلاھا ، وتجرد للعلم و طلبہ ، و جد فی اقتناء نخبہ ۔''

(صاحب استنباط فقیہ ، اپنے قیاس سے دست و گریبان عاقل ، جس نے کبھی کسی کی تقلید میں گفتگو نہیں کی اور نہ اختراع و تولید سے آگے قدم رکھا ۔ جس کے ہوتے اندلس کی یہ تمنا نہ ہوئی کہ عراق جیسی بنے ، اور نہ باشندگان اندلس کو اُن ممالک کا شوق پیدا ہوا ۔ قیاس میں فرد تھے اور علوم و معارف کی چنگاریاں کیا خوب چنی ہیں ۔ اس ذات نے وزارت کو ، جس نے اُسے کپڑے اور زیور سے آراستہ کیا تھا ، ترک کیا ، اور علم کی تلاش اور چیدہ معلومات کی تحصیل کے درپے ہو گیا) ۔

المراکشی اپنی کتاب المعجب (صفحہ ۳۲ ، ۳۵) میں ابن حزم کا ضمناً ذکر کر کے از راہ معذرت کہتا ہے :

''و انما اوردت ھذہ النبذۃ من اخبار ھذا الرجل ، وان کانت قاطعۃ للنسق ، مزیحۃ عن بعض الغرض ، لانہ اشہر علماء الاندلس الیوم ، و اکثرھم ذکراً فی مجالس الرؤساء ، وعلی السنۃ العلماء (و ذلک لمخالفتہ مذھب مالک بالمغرب واستبدادہ بعلم الظاھر) ولم یشتھر بہ قبلہ عندنا احد ممن علمت و قد کثر اھل مذھبہ واتباعہ عندنا بالاندلس الیوم ۔''

(اُن کے چیدہ حالات جو میں نے بیان کیے ، اگرچہ اس سے سلسلۂ کلام قطع ہو گیا ، اور ہم غرض اصلی سے دور بھی ہو گئے ، لیکن یہ امر وجہ سے کرنا پڑا کہ یہ ذات آج کل تمام علمائے اندلس سے زیادہ شہرت کی مالک ہے ۔ اور رؤساء کی مجلسوں میں اور علماء کی زبانوں پر اُن کا ذکر سب سے زیادہ رہتا ہے ، جس کی وجہ ممالک مغرب میں اُن کی مالکی مذہب کی مخالفت

اور ظاہری مسلک کی مستبدانہ حمایت ہے ، جہاں تک میرے علم کی رسائی ہے ، ان سے پہلے ہمارے یہاں ان سے زیادہ مشہور کوئی شخص نہیں گزرا ۔ آج کل اندلس میں ان کے ہم مذہب اور متبعین کی کثرت ہے) ۔

آٹھویں صدی ہجری کے شہرہ آفاق محدث ، علامہ ذہبی، ظاہری مسلک کے پیرو نہ ہونے کے باوجود ہمارے مصنف کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں :

''وکان الیہ المنتھی فی الذکاء و حدۃ الذھن و سعۃ العلم بالکتاب والسنۃ والمذاھب والملل والنحل والعربیۃ والادب والمنطق والشعر مع الصدق والدیانۃ والحشمۃ والسؤدد والریاسۃ والثروۃ و کثرۃ الکتب ۔''

(ذکاوت ، تیزی ذہن ، اور قرآن ،حدیث ، مختلف مذاہب و فرق اور عربی ادب منطق اور شعر کی معرفت میں یہ ذات انتہا کو پہنچ گئی تھی ۔ اس پر سچائی ، دیانت ، حشمت ، سرداری ، ریاست و ثروت اور کثرت کتب مستزاد ہے ۔)

ان بیانات سے ہمارے مصنف کے علمی رتبے کی حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے ۔

ابن حزم کا مسلک اور اس کی مخالفت :

لیکن ان خوبیوں اور فضیلتوں کے باوجود ان کی زندگی میں اور موت کے بعد بھی اندلس کے علماء نے ان کی سخت مخالفت کی ، جس کی واحد وجہ ان کی آزادیٔ فکر اور بے لاگ تنقید تھی ۔

جس زمانے میں ابن حزم نے راہ علم میں مجتہدانہ قدم رکھا ، تقریباً پوری مغربی اسلامی دنیا امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی متبع تھی ۔ ابن حزم نے ابتدا میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید اختیار کی اور بعد ازاں مطالعے کی کثرت اور ذہنی اُپج نے اُنہیں اس شاہراہ سے ہٹا کر داؤد بن علی بن خلف اصفہانی ، امام ارباب ظواہر کے آستانے پر لا کھڑا کیا ۔ اُنھوں نے اندلس میں اس مسلک کی زبردست حمایت کی ۔ جب اُن کی تقریر و تحریر نے عوام اور اہل علم دونوں کو ظاہریت کی طرف مائل کرنا شروع کیا تو ارباب تقلید و قیاس نے مخالفت کی اور مناظرہ و مباحثہ کا بازارگرم ہوگیا ۔ ابن حزم کی زبان زیادہ تیز چلنے لگی ۔ اور مناظرے یا تحریری رد و قدح سے کاربرآری دشوار نظر آئی تو اُن کے مخالفوں نے حکام وقت کو مخالفت پر اُبھارا ؛ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابن حزم کو کسی شہر میں چین سے بیٹھنا

نصیب نہ ہوا ۔ جہاں جاتے ، آخر کار وہاں سے شہر بدر ہونے کا حکم مل جاتا ۔ علماء و حکام کی اس ذاتی مخالفت پر ابن حزم کی علمی تنقید اور گرفت میں برابر زیادتی ہوتی چلی گئی ، اور یہ رات دن اپنے مسلک کی حمایت میں مصروف رہنے لگے ۔ آخر کار ابن عباد نے اشبیلیہ میں سربازار اُن کی کتابوں کو جلا کر دل کی آگ بجھانے کی کوشش کی ۔ اس واقعے کی اطلاع پاکر ابن حزم نے لکھا[1] :

وان تحرقوا القرطاس ، لاتحرقوا الذی تضمنہ القرطاس ، بل ہو فی صدری

(اگر تم نے کاغذ جلا دیا تو کیا ہوا ۔ تم اُسے تو نہیں جلا سکتے جو کاغذ میں درج تھا کیونکہ وہ میرے سینے کے اندر اب بھی موجود ہے) ۔

یسیر معی حیث استقلت رکائبی و ینزل ان انزل ، و یدفن فی قبری

(میں کہیں جاتا ہوں تو وہ میرے ساتھ چلتا ہے اور میں اُترتا ہوں تو وہ بھی اُتر پڑتا ہے ۔ اور میرے ساتھ مدفون بھی ہوگا ۔)

دعونی من احراق رق و کاغذ وقولوا بعلم ، کی یری الناس من یدری

(کاغذ پتر جلا کر مجھے ستانا چھوڑو اور علمی بات کہو کہ لوگوں کو معلوم تو ہو کہ ہم میں سے کون واقف کار ہے) ۔

و الا فعودوا فی المکاتب بدءۃ فکم دون ما تبغون للہ من ستر

(اور یہ نہیں کرسکتے تو نئے سرے سے مکتبوں میں جا بیٹھو کیونکہ اللہ کے پاس تمہاری جہالت چھپانے کے لیے تمہاری تدبیر کے علاوہ بھی پردہ پوشی کا سامان ہے) ۔

معلوم ہوتا ہے کہ ابن حزم کی مخالفت میں اُن کے اعزا نے بھی حصہ لیا تھا ۔ چنانچہ اپنے چچا زاد بھائی اور حقیقی بہنوئی ابوالمغیرۃ ابن حزم نے کو ایک بار خط لکھا تھا ، جس کا حسب ذیل جواب ہمارے مصنف نے بھیجا تھا[2] :

"سمعت واطعت قولہ تعالیٰ و اعرض عن الجاهلین واسلمت وانقدت لقول نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام : صل من قطعک واعف عمن ظلمک ۔ و رضیت

---

۱ ۔ الارشاد ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۲۵۲ ۔ و نفح الطیب ، جلد ۱ ، صفحہ ۵۱۵ ۔
۲ ۔ نفح الطیب ، جلد ۱ ، صفحہ ۵۱۳ ۔

بقول الحکماء : کفاک انتصاراً من تعرض لاذاک اعراضک عنہ واقول :
(میں نے خداوند تعالی کا یہ ارشاد سن کر اُس کی پابندی کی کہ جاہلوں سے بچ - اور رسول علیہ السلام کے اس قول کو تسلیم کیا اور اُسے سرآنکھوں پر جگہ دی کہ جو تجھ سے قطع تعلق کرے ، تو اُس سے مل جل ، اور اسے معاف کر دے جو تجھ پر ظلم کرے - اور حکماء کے اس قول کو میں نے پسند کیا کہ تکلیف پہنچانے والے کے مقابلے میں اُس سے ایک طرف ہوجانا اور منہ نہ لگانا ہی کافی ہے - اور میں کہتا ہوں) :

تتبع سوای امراً یبتغی سبابک ، ان ھواک السباب
(میرے علاوہ کسی ایسے شخص کے درپے ہو جو تجھے گالیاں دینا پسند کرے کیونکہ تیرا دل گالی گلوچ ہی کو چاہتا ہے) -

فانی ابیت طلاب السفاہ و صنت محلی عما یعاب
(میں نادانوں سے حق طلبی کا منکر ہوں اور میں نے اپنے آپ کو عیب دار بنانے والی باتوں سے بچا لیا ہے) -

وقل ما بدا لك من بعد ذا و اکثر ، فان سکوتی خطاب
(اس کے بعد جو تیری سمجھ میں آئے کر اور خوب کر ، کیوں کہ میرا جواب خاموشی ہوگا) -

واقول :
(اور میں کہتا ہوں) :

کفانی بذکر الناس لی و ماثری و ما لك فیھم یا ابن عمی ذاکر
(مجھے یہ بات کافی ہے کہ لوگوں میں میری خوبیوں کا چرچا ہے ، اور تجھے اُن میں سے ، میرے بھائی ! کوئی یاد تک نہیں کرتا) -

عدوی واشیاعی کثیر، کذاک من غدا وھو نفاع المساعی وضائر
(میرے دوست اور دشمن دونوں زیادہ ہیں (تو تعجب کی کیا بات ہے) ؟ ہر وہ شخص جس کی کوششوں سے زیادہ نفع یا نقصان پہنچے ایسا ہی ہوتا ہے) -

وانی ، و ان آذیتنی و عققتنی ، لمحتمل ما جاء نی منک صابر
(گو تو نے مجھے ستایا اور مجھ سے تعلق منقطع کر لیا ، مگر میں تیری ہر بات کو اٹھاؤں گا اور اُس پر صبر کروں گا) -

اس جواب سے صاف مترشح ہے کہ ابوالمغیرہ نے ابن حزم کو سب و

شتم اور ترک تعلقات کی دھمکی دے کر حمایت مسلک سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی ، جسے انھوں نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ منظور کر لیا ، اور مخلص رہنماؤں کی طرح اپنے نصب العین سے شمہ برابر نہ ہٹے ؛ اپنا علمی جہاد آخر وقت تک مردانہ وار جاری رکھا ؛ اور اس راہ میں ہر قسم کی قربانی کے لیے بہ خوشی آمادہ رہے -

مخالفت کی وجہ :

جہاں تک ابن حزم کے مسلک کا شرعی پہلو ہے ، انھیں گمراہ نہیں کہا جا سکتا ، کیونکہ اُن کے علاوہ بھی محدثین کی جماعت میں ایسے حضرات کی کمی نہیں تھی جو تعلیل و قیاس کے منکر اور ظاہر الفاظ قرآن و حدیث کی پیروی کے حامی ہیں ، اور اس امر سے اُن کے مخالفین بھی آگاہ ہوں گے ؛ اس لیے ابتدا میں شافعی اور بعد ازاں ظاہری مسلک کے اختیار اور ان کی حمایت کے سلسلے میں ابن حزم کی مخالفت کا آغاز کسی علمی خدمت کے لیے اختیار کیا جانا بعید معلوم ہوتا ہے - قیاس چاہتا ہے کہ جب اہل علم اور اُن کے متبعین نے یہ دیکھا ہوگا کہ ایک رئیس زادے نے ادعائے علم کے تحت ملکی اور آبائی مسلک (فقہ مالکی) ترک کر کے شافعی یا ظاہری نقطۂ نگاہ کی طرف لوگوں کو دعوت دینی شروع کردی ، اور اس سلسلے میں وہ منطقیانہ اسلوب تحریر کے مطابق کتابیں بھی لکھ رہا ہے ، تو انھیں یہ امر ناگوار گزرا ہوگا ، اور اُنھوں نے اُسے نیچا دکھانے کے لیے اپنے رویے کی حمایت کی ہوگی - پھر چونکہ ابن حزم کا خاندان اُمویین کا خدمت گزار رہ چکا تھا ، اور اس زمانے میں دوسرے خاندان حکومت پر قابض تھے ، اس لیے ان علماء نے بادشاہان وقت اور اُن کے ہواخواہوں کے سامنے اس پروپیگنڈے کو کسی سیاسی تفوق حاصل کرنے کی تدبیر پر محمول کر کے ابن حزم کی مخالفت پر اُبھارا ہوگا ، تاکہ انھیں عوام میں ہردل عزیزی حاصل نہ ہونے پائے - اس مخالفت کے ذاتی پہلوؤں سے متاثر ہو کر ابن حزم کی زبان میں ترشی اور قلم میں تلخی پیدا ہوئی ہوگی - اور جیسا کہ ابوالعباس ابن العریف (متوفی ٥٣٦ھ مطابق ١١٤١ع) کا یہ قول اس پر شاہد ہے کہ :

"کان لسان ابن حزم و سیف الحجاج بن یوسف شقیقتین -"[1]

---

١ - ابن خلکان ، جلد ١ ، صفحہ ٣٨٥ -

(ابن حزم کی زبان اور حجاج بن یوسف کی تلوار دونوں سگی بہنیں تھیں)۔

ابن حزم نے اپنے مخالفین کی تردید میں اُن ائمہ پر بھی نکتہ چینی کرنے میں باک نہیں کیا ہوگا ، جن کے اقوال اور آراء سے مخالفین کے یہاں استناد پایا جاتا تھا ۔ اس لیے ائمہ کی حمایت کی خاطر قاضی ابوالولید باجی جیسے علماء نے بھی اُن کے مقابلے پر کمر باندھی ہوگی ۔

چنانچہ ابن حیان کے بیان سے اس امر پر کچھ روشنی پڑتی ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ علمی دنیا میں ابن حزم کی پالیسی مستبدانہ تھی ۔ مگر حکم قرآنی ''لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ'' پر اُنھوں نے سختی سے عمل کیا ، اور اپنی تنقیدوں میں اس کا مطلق لحاظ نہیں رکھا کہ اس سے کون سی ہستیاں مجروح ہو جائیں گی ۔ جس کے باعث اُن کی طرف سے دلوں میں بغض و کینہ پیدا ہوگیا ، اور اُنھیں طرح طرح کے مصائب برداشت کرنے پڑے ۔ مگر حق یہ ہے کہ حسد کی دوا کہیں دستیاب نہیں ہوتی ۔[2]

خود ابن حزم کے بعض اشعار سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام مخالفت کی روح اُن کے معاصرین کا حسد تھا ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

انا العلق الذی لا عیب فیہ سوی بلدی و انی غیر طاری

(میں وہ بہترین شخص ہوں کہ میرے اندر سوائے اس کے کچھ عیب نہیں کہ میں اسی ملک کا باشندہ ہوں ، کہیں دور سے نہیں آیا) ۔

تقر لی العراق و من یلیھا واھل الارض ، الا اھل داری

(عراق اور اُس کے ہمسایہ ملک اور تمام زمین کے باشندے میری قابلیت کا اقرار کرتے ہیں ، سوائے میرے ہم وطنوں کے کہ وہ منکر ہیں) ۔

طووا حسداً علی ادب و فھم و علم مایشق لہ غباری

(یہ میرے علم ، میری سمجھ اور میرے ادب پر حسد کرتے رہے ، مگر میری گرد کو بھی نہ پہنچ سکے) ۔

فمھما طار فی الآفاق ذکری فاسطع الدخان بغیر نار

(آفاق میں جہاں کہیں بھی میرا چرچا ہو رہا ہے ، تو کیا تم یہ نہیں جانتے کہ بغیر آگ کے کبھی دھواں اٹھا ہے ؟)

---

۲ - الارشاد ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۲۴۷ و بعد ۔

دوسرے موقع پر اُن لوگوں سے خطاب کر کے ، جو از راہ حسد ابن حزم کی تکلیفوں پر خوش ہوتے تھے ، کہا ہے :

لا تشمتن ، حاسدی ، ان نکبۃ عرضت   فالدھر لیس علی حال بمترک

(مجھ سے حسد کرنے والے ! اگر کوئی دکھ مجھے پہنچ جائے ، تو اُس پر خوش نہ ہو ، کیونکہ زمانہ ایک حالت میں کسی کو نہیں رہنے دیتا) ۔

ذوالفضل ، کالتبر طورا تحت میقعۃ   و تارۃ قد یری تاجاً علی ملک[1]

(صاحب فضیلت اُس سونے چاندی کے پتر کی طرح ہے جو کبھی ہتھوڑے کے نیچے ہوتا ہے اور کبھی بادشاہ کے تاج پر نظر آتا ہے) ۔

ان اشعار کے علاوہ بعض ایسے اشعار بھی ہیں جن میں بہ ظاہر زمانے کی بے رخی اور ایذا رسانی کی شکایت معلوم ہوتی ہے ، لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ ایسے مواقع پر زمانے سے اہل زمانہ ہی مراد ہوا کرتے ہیں ۔

ابن حزم کی شاعری :

جب کسی ذات میں متعدد خوبیاں جمع ہو جاتی ہیں تو بالعموم یہ ہوتا ہے کہ اُن میں سے وہ صفت ، جو کسی اتفاق حادثے کی بنا پر منظر عام پر آتی ہے ، بقیہ صفات پر پردہ ڈال دیتی ہے ۔ آنے والی نسلیں اُس ہستی کو اُسی مشہور صفت کے ساتھ پہچاننے لگتی ہیں اور بہ مشکل ہی ایسا ہوتا ہے کہ بعض اُن فضائل کا بھی مجلسوں میں ذکر آ جاتا ہو جو زیر بحث شخص میں اُس کے معاصرین کے مقابلے میں کچھ کم نہ تھیں ۔ ہندوستان میں اس کی مثال علامہ شبلی مرحوم کی ذات ہے ؛ موصوف تاریخ و سیر کے زبردست عالم ہونے کے مقابلے میں کچھ کم درجے کے شاعر نہ تھے ، اور نہ یہ ملکہ اُن کی ذات میں معاصرین سے کمزور تھا ، لیکن علی گڑھ کے قیام نے اُنھیں اسلامی تاریخ کی جدید ترتیب و تہذیب کی راہ پر ڈال دیا ۔ اس لیے اگرچہ مولانا آخر وقت تک شعر کہتے رہے اور آپ کے شہرۂ آفاق جانشین علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ نے اُن کے اردو فارسی اشعار کے مجموعے شائع بھی کر دیے ، اور ادارۂ معارف اسلامیہ کے گزشتہ اجلاس میں فاضل اجل مولانا احمد میاں صاحب اختر جونا گڑھی ، مولانا کی شاعری پر تبصرہ بھی فرما چکے ہیں ، تاہم جب علامہ

---

۱ ۔ المعجب ۳۳ ۔ الارشاد ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۲۳۵ ۔ نفح ، جلد ۱ ، صفحہ ۵۱۵ ۔

شبلی کا نام کسی مجلس میں آتا ہے تو حاضرین کا ذہن پہلے اُن کی تاریخی یا سیرتی کارناموں کی طرف منتقل ہوتا ہے ۔

یہی حال علامہ ابن حزم کا بھی ہے ؛ اُن کے تمام تذکرہ نگاروں نے بالاتفاق لکھا ہے کہ شعر گوئی میں اُنھیں بہترین دستگاہ تھی ، اور فی البدیہہ کہنے میں تو جس سرعت اور تیزی کا تجربہ اُن کے متعلق ہوا ہے ، اُس کی مثال نہیں ملتی[1] ۔ علاوہ ازیں وزیر ابو نصر ابن خاقان نے اپنی تذکرۂ شعراء ''مطمح الانفس'' (صفحہ ۵۵) میں اُن کا ذکر بھی کیا ہے ۔ نیز اُن کے شاگرد رشید حمیدی نے اُن کا دیوان بھی حروف تہجی پر مرتب کردیا تھا جس کا تمام تذکروں میں انتخاب موجود ہے ۔ لیکن جب کبھی ہم اُن کا نام سنتے ہیں ، تو اُن کی کتاب الفصل یا المحلی یا جمہرۃ النسب ہمارے سامنے آ جاتی ہے ، اور ہم اُنھیں محدث ، متکلم اور مورخ ہی کی حیثیت سے جاننے پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں ۔

آج کی صحبت میں بھی یہ بہ حیثیت ''عالم انساب'' تشریف فرما ہوے ہیں ، لیکن دل چاہتا ہے کہ اُن کے بہترین اشعار کا کچھ انتخاب بہ سلسلۂ سوانح ضرور دیا جائے ، تاکہ اردو میں اُن کا تذکرہ اُن کی فضیلت شعری کے نمونوں سے خالی نہ رہے ، اور دوسری طرف تذکرہ جیسے خشک مضمون میں قدرے رنگینی پیدا ہو جائے ۔

ابن حزم کی مہارت شعر کا تذکرہ سب سے پہلے قاضی صاعد اندلسی نے کیا ہے ۔[2] وہ کہتا ہے :

'' ولابی محمد . . . . قسم صالح من قرض الشعر وصناعة الخطابة ۔''

ان کے بعد الحمیدی نے (غالباً جذوة المقتبس میں) اس پر روشنی ڈالی ہے ۔ ابن بشکوال وغیرہ نے اُس کا یہ قول نقل کیا ہے :

''وكان له فی الاداب و الشعر نفس واسع و باع طويل ، وما رايت من يقول الشعر على البديهة اسرع منه ، وشعره كثير ، وقد جمعناه على حروف

---

۱ ۔ الصلہ لابن بشکوال ۹۰۳ وغیرہ ، نقلا عن الحمیدی ۔

۲ ۔ طبقات ۷۶ ۔

المعجم[1] ۔''

(ابن حزم کو ادب و شعر میں بڑی مہارت حاصل تھی ۔ میں نے اُن سے جلد فی‌البدیہہ شعرگو کوئی نہیں دیکھا ۔ آن کے اشعار تعداد میں بہت ہیں جنھیں ہم نے حروف تہجی پر مرتب کر دیا ہے)۔

ابو نصر ابن خاقان وزیر کی رائے بھی حمیدی سے ملتی جلتی ہے ۔ چاہے مطمح (صفحہ ٥٦) میں وہ اُن کی شاعری پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتا ہے :

''وله فی الادب سبق لا ینکر ۔ و بدیهة لا یعلم انه روی فیها ولا فکر ۔ وقد اثبت من شعره ما یعلم انه اوحد وما مثله فیه احد ۔''

(اُنھیں ادبیت میں ناقابل انکر سبقت حاصل ہے ، اور بدیہہ گوئی کی یہ کیفیت ہے کہ پتا نہیں چلتا کہ انھوں نے اس میں کچھ بھی غور و فکر سے کام لیا ہے ۔ میں اُن کے وہ اشعار لکھتا ہوں جن سے ظاہر ہوگا کہ یہ یکتا تھے اور اس فن میں اُن کی مثال نہیں ملتی) ۔

شیخ ابوبکر بن خیرالاشبیلی نے اپنی فہرست مرویات (صفحہ ۳۰۱) میں اُن کے ۱۳۹ بیت کے ایک قصیدے کا ذکر کیا ہے ، جو کسی عیسائی کے قصیدے کے جواب میں لکھا تھا اور جس کا مطلع یہ ہے :

من المحتمی لله رب العوالم   و دین رسول الله من آل هاشم

اب آپ آیندہ آنے والے اشعار سے خود اندازہ کریں کہ شاعر کی حیثیت سے اُن کا پایہ کیا ہے ۔

طوق الحمامہ میں ابن حزم نے لکھا ہے کہ ایک روز میں اور ابو عمر ابن عبدالبر اشبیلیہ کے سکة الحطابین سے گزر رہے تھے کہ ایک نہایت حسین چہرے کا نوجوان نظر پڑا ۔ میں نے کہا : ''دیکھیے تو کس قدر خوبصورت جوان ہے ۔'' ابن عبدالبر نے کہا : ''ہم نے چہرہ ہی تو دیکھا ہے ۔ ممکن ہے بدن کا جو حصہ کپڑوں سے ڈھکا ہوا ہے ، ایسا نہ ہو ۔'' اس پر میں نے فوراً یہ شعر موزوں کیے :

و ذی عذل فیمن سبانی حسنه   یطیل ملامی فی الهوی ویقول

(اُس شخص کے متعلق مجھے سمجھانے بجھانے والے نے ، جس کے حسن نے

---

۱ ۔ ابن بشکوال ۳۰۹ ۔ و الضبی ۴۰۳ ، وغیرہما ۔

مجھے قید کر لیا ہے ، طویل ملامت کرکے کہا) ۔

امن حسن وجہ ، لاح ، لم تر غیرہ ولم تدر ، کیف الجسم ، انت قتیل ؟

(کیا تو صرف ظاہری خد و خال پر جن کے سوا تو نے کچھ نہیں دیکھا اور نہ یہ جانا کہ جسم کیسا ہے ، مرمٹا) ۔

فقلت لہ : اسرفت فی اللوم، فاتئد فعندی رد لو اشاء طویل

(میں نے کہا : تونے ملامت کی حد کر دی ۔ اب ذرا ٹھہر جا کیونکہ اگر میں چاہوں تو اس کی خاصی تردید کر سکتا ہوں) ۔

الم تر انی ظاہری وانّنی علی ما بدا ، حتی یقوم دلیل[1]

(کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ میں ظاہری ہوں اور اُس شے پر رہتا ہوں جو ظاہر ہو، تا آنکہ اُس کے خلاف کوئی دلیل قائم ہو جائے) ۔

ابن حزم کے حسب ذیل اشعار اُن کے معاصر ادیب ابو عامر ابن شہید نے سنے :

خلوت بہا ، والراح ثالثۃ لنا وجنح ظلام اللیل قد مد واعتلج

(میں اُس کی خلوت میں باریاب ہوا ، اس حالت میں کہ مئے ناب تیسری تھی ، اور رات کی تاریکی کا پردہ دراز ہو چکا تھا) ۔

فتاۃ عدمت العیش الا بقربہا فھل فی ابتغاء العیش، ویحک ، من حرج

وہ ایسی شاہد ہے کہ بجز اُس کے قرب کے مجھے عیش نصیب نہیں ہوتا ۔ تو کیا ، کم بخت ! عیش طلبی میں کوئی حرج ہے ؟

کانی وھی والکاس والخمر والدجی حیا وثری والدر والتبر والسبج

(میری، اُس کی، پیالے کی، شراب کی اور تاریکی کی مثال بارش، نمناک مٹی، موتی ، سونے کی پتر اور سیاہ ریشم کی تھی ۔)

اور سن کر بولا کہ ایک شعر میں شاعر نے پانچ تشبیہیں جمع کر دیں ۔ اب ناممکن ہے کہ اس پر بھی کچھ اضافہ کیا جا سکے ، اس لیے کہ بحر تنگ ہو چکی ہے ۔ مجھے کسی دوسرے شاعر کا ایسا ہی ایک شعر یاد ہے ۔ کہتا ہے :

فامطرت لولؤاً من نرجس ، فسقت ورداً ، و عضت علی العناب بالبرد

---

١ ۔ نفح ، جلد ١ ، صفحہ ٥١٦ ۔ اور تمام وہ تذکرے جن کا اس مضمون میں حوالہ دیا گیا ہے ، لیکن قصہ صرف نفح میں مذکور ہے ۔

(معشوقہ نے نرگس سے موتی برسا کر ، گلاب کو سیراب کیا اور عناب کو برف کے ٹکڑوں سے کاٹا) ۔ لیکن اس میں صرف چند تشبیہیں یکجا کر دی گئی ہیں ۔ ابن حزم کی طرح یہ نہیں ہو سکا کہ ترتیب کے ساتھ پانچ اشیاء کا ذکر کرکے اسی ترتیب سے پانچ تشبیہیں جمع کرتا[1] ۔

اسی ابن شہید سے ملاقات کے لیے ایک روز ابن حزم تشریف لے گئے ۔ اُس دن آسمان پر ابر چھایا ہوا تھا اور تیز ہوا چل رہی تھی ۔ ابن شہید نے از راہ تعجب کہا :

''جناب والا ! آپ جیسی ہستی اس وقت میری ملاقات کو تشریف لائے !'' ابن حزم نے فی‌البدیہہ جواب دیا :

و لو کانت الدنیا دوینک لجة　　　وفی الجوصعق دائم وحریق

(اگر تیرے اس طرف دنیا سمندر ہو جاتی ، اور آسمان و زمین کے درمیان بجلی اور آگ کے شعلے ہوتے) ۔

لسهل ودی فیک نحوک مسلکاً　　　ولم یتعذر لی الیک طریق[2]

(تو میرے دل میں جو تیری محبت ہے وہ میری راہ کو تیری طرف جانے کے لیے آسان کر دیتی ، اور تیری سمت جانے والا راستہ مجھے کٹھن نہ لگتا) ۔

ابن حزم نے تصور اور مشاہدے کے فرق کو بڑی خوبی کے ساتھ ان اشعار میں ظاہر کیا ہے :

لئن اصبحت مرتحلا بشخصی　　　فقلبی عند کم ، ابداً مقیم

(اگرچہ میرا جسم سفر میں ہو، میرا دل ہمیشہ تمھارے پاس رہتا ہے) ۔

ولکن للعیان لطیف معنی　　　لذا سأل المعاینة الکلیم[3]

(تاہم دیدار میں ایک لطیف پہلو نکلتا ہے ، اسی لیے حضرت موسیٰ نے دیدار کا سوال کیا تھا)۔

ابن حزم نے قرطبہ کے قاضی عبدالرحمن بن بشیر کو خطاب کرکے ایک فخریہ قصیدہ لکھا ہے ۔ اس کے حسب ذیل اشعار میں کس عمدگی اور لطافت

---

۱ ۔ نفح ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۰۶ ۔

۲ ۔ ایضاً ، جلد ۱ ، صفحہ ۵۱۵ ۔

۳ ۔ ابن بشکوال وغیرہ ۔

کے ساتھ اپنی بلند پایگی اور حساد کی تنگ نظری کا اظہار کرتے ہیں :

انا الشمس فی جوّ العلوم منیرة و لکن عیبی ان مطلعی الغرب

(میں آسمان علوم کا روشن سورج ہوں ، لیکن میرے اندر عیب یہ ہے کہ سرزمین مغرب میں میرا طلوع ہوا ہے) ۔

ولو اننی من جانب الشرق طالع لجد علی ما ضاع من ذکری النهب

(اگر میں مشرق کی طرف سے اُبھرا ہوتا تو جس قدر میرا ذکر اکارت گیا ہے اُس کی لوٹ کی کوشش کی جاتی) ۔

ولی نحو اکناف العراق صبابة ولا غرو ان یستوحش الکلف الصب

(مجھے عراق کے شہروں کا اشتیاق ہے ، اور عاشق کو شوق وحشی بنا دے تو یہ تعجب کا مقام نہیں) ۔

فان ینزل الرحمن رحلی بینهم فحینئذ یبدو التاسف والکرب

(اگرخدا نے میرا کجاوہ اُن لوگوں میں ہی اُتار دیا تو پھر رنج و افسوس اور تکلیف و بے چینی منہ دکھائے گی) ۔

فکم قائل اغفلته وهو حاضر فاطلب عنه ما تجئی به الکتب

(اور اُس وقت بہت سی ایسی ہستیوں سے، جو میرے سامنے تھیں مگر میں انھیں چھوڑے ہوئے تھا ، اُن باتوں کا طالب بنوں گا جو خط کے ذریعے آتی ہیں) ۔

هنالک یدری ان للبعد غصة وان کساد العلم آفته القرب

(یہیں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دوری میں تکلیف ہے ، اور یہ کہ علم کی کساد بازاری قرب سے پیدا ہوتی ہے) ۔

فوا عجبا ! من غاب عنهم تشوقوا له ، ودنو المرء من دارهم ذنب

(کس قدر تعجب کی بات ہے کہ جو اُن میں سے غائب ہو جائے اُس کے مشتاق ہوتے ہیں اور انسان کا اُن کے گھروں کے پاس ہونا گناہ ہے) ۔

وان مکانا ضاق عنی لضیق علی انه فیح مذاهبه سهب

(بیشک جو جگہ مجھ پر تنگ ہے وہ تنگ ہے ، چاہے اُس کے راستے کشادہ ہوں اور وہ لانبی اور ہموار ہو) ۔

و ان رجالا ضیعونی لضیع وان زماناً لم انل خصبه جدب

(اور یقیناً جن لوگوں نے مجھے اکارت کیا ہے ، خود بھی برباد ہونے والے

ہیں ۔ اور یقیناً جس عہد کی سرسبزی میں نے نہیں پائی وہ خشک ہے) ۔

ولکن لی فی یوسف خیر أسوۃ　　　ولیس علی من بالنبی ائتسیٰ ذنب

(مگر میرے لیے یوسف کے اندر اچھا نمونہ موجود ہے اور اس پر کوئی الزام نہیں جو نبی کو اسوہ بنائے) ۔

یقول مقال الحق والصدق اننی　　　حفیظ علیم ، ما علی صادق عتب[1]

(وہ حق اور سچ بات کہتا ہے کہ ''تحقیق میں حفیظ اور دانا ہوں ۔'' سچے پر کوئی عتاب نہیں) ۔

محبوب سے چند لمحوں کی ملاقات کی عاشق کی نظر میں جو حیثیت ہے ، اس کو ان اشعار میں نظم کیا ہے :

اقمنا ساعۃ ، ثم ارتحلنا　　　وما یغنی المشوق وقوف ساعہ

(ہم گھڑی بھر ٹھہر کر چل پڑے اور عاشق کو گھڑی بھر ٹھہرنا کام نہیں دیتا) ۔

کأن الشمل لم یک ذا اجتماع　　　اذا ماشتت البین اجتماعہ[2]

(یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا کبھی اکٹھے ہی نہ ہوئے تھے ، جب فراق نے ہمارے اجتماع کو پارہ پارہ کیا ہے) ۔

المراکشی ان کے اشعار کا انتخاب دے کر آخر میں کہتا ہے کہ مجھے ان کے جس قدر اشعار یاد ہیں ، ان میں سے بہترین یہ دو شعر ہیں جو انہوں نے چغلی کھانے والے کے حق میں کہے تھے :

انم من المرآۃ فی کل ما دری　　　واقطع بین الناس من قضب الھند

(وہ شیشے سے زیادہ چغل‌خور ہے ہر اس بات کا جو اسے معلوم ہو اور لوگوں میں ہندی تلوار سے زیادہ کاٹ کرتا ہے) ۔

کأن المنایا و الزمان تعلما　　　تحیلہ فی القطع بین ذوی الود[3]

(گویا موت اور زمانے نے اسی سے دوستوں میں جدائی ڈالنے کی ترکیب سیکھی ہے) ۔

---

۱ ۔ نفح ، ابن بشکوال ، الضبی ، ابن الخاقان ، المراکشی ، یاقوت وغیرہم ۔

۲ ۔ ابن خلکان ، نقلاً عن الحمیدی ۔

۳ ۔ المراکشی فی المعجب صفحہ ۳۳ ۔

ان دو شعروں میں ابن حزم نے اپنی زندگی کا نصب العین بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں :[۱]

مناى من الدنيا علوم ابثها　　وانشرها فى كل باد و حاضر

(دنیا بھر کی چیزوں میں سے میری آرزو علوم ہیں ، جنھیں چاہتا ہوں کہ ہر شہری اور دیہاتی میں پھیلاؤں) ۔

دعاء الى القرآن والسنن التى　　تناسى رجال ذکرها فى المحاضر

(اور قرآن اور ان سنتوں کی طرف لوگوں کو بلانے کی آرزو جن کا ذکر بھی لوگ مجلسوں میں نہیں کرتے) ۔

ابن حزم کی وفات :

زندگی کے آخری ایام میں ابن حزم اپنے ذاتی گانو منت لیشم میں مقیم ہو گئے تھے ۔ یہیں اتوار کے دن شام کے وقت سلخ شعبان ۴۵۶ھ (۱۰۶۴ع) کو بہتر (۷۲) سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔[۲]

ابن حزم کی اس تاریخ وفات پر تمام مورخین کا اتفاق ہے ۔ البتہ الضبی[۳] نے حمیدی سے نقل کیا ہے کہ ابن حزم نے ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ع) کے بعد وفات پائی ۔ چونکہ حمیدی ۴۵۰ھ کے بعد کا کوئی سال معین نہیں کرتا ، اس لیے ہم اسے مذکورۂ بالا اجماع کے مخالف نہیں کہہ سکتے ۔ باقی صاحبِ معجم المطبوعات کا یہ بیان کہ حمیدی کی جذوۃ المقتبس کے قلمی نسخے میں ۴۴۴ھ سال وفات لکھا ہے ، یا تو خود اُن کی قراءت کی غلطی ہے اور یا اس نسخے کے کاتب کو سہو ہوا ہے ۔

ہاں تذکروں کا اس میں اختلاف ہے کہ شعبان کی کس تاریخ کو ابن حزم فوت ہوئے ۔ صاعد الجیانی نے ''طبقات الامم'' میں سلخ شعبان لکھا ہے اور القفطی اور المراکشی نے اسی کو اختیار کیا ہے ۔ لیکن ابن حزم کے فرزند ابو رافع کے قلم سے لکھا دیکھا گیا کہ شعبان کے دو دن باقی تھے کہ ابن حزم نے

---

۱ ۔ کتاب الصلہ لابن بشکوال ، ۴۱۰ ۔
۲ طبقات الامم ، ابن بشکوال ، المراکشی وغیرھم ۔
۳ ۔ بغیۃ الملتمس ۴۰۳ ۔

انتقال کیا ہے ۔ اس کو ابن عماد الحنبلی ، المقری اور ابن خلکان نے اختیار کیا ہے ۔

تاریخ انتقال کا مذکورۂ بالا اختلاف چنداں اہم نہیں ، لیکن مصنف کے دوسرے شاگرد ابن العربی کی بیان کی ہوئی تاریخ وفات قابل لحاظ ہے ۔ یاقوت لکھتا ہے :

''قال الشیخ الامام ابو محمد عبداللہ بن محمد بن العربی الاندلسی : توفی الشیخ الامام ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم بقربة ، وھی من غرب الاندلس علی خلیج البحرالاعظم ، فی شھر جمادی الاولی من سنہ سبع و خمسین واربعمائة'' ۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن حزم جمادی الاول سنہ ۴۵۷ھ (۱۰۶۵ع) میں فوت ہوئے ۔ چونکہ ابن العربی سنہ ۴۵۶ھ تک ابن حزم کے ساتھ تھے، اس لیے یقین کے ساتھ ان کی تردید نہیں کی جا سکتی ۔ بلکہ ابن الابار نے ابو سلیمان ابن حزم کی سماع حدیث کی تاریخ ربیع الآخر ۴۵۷ھ کے ساتھ ابومروان اور ابن حزم دو شیوخ کے نام لکھے ہیں ۔ اگر ان دونوں میں سے صرف ابو مروان سے اس تاریخ کا تعلق نہیں ہے تو اس سے ابن العربی کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے ۔

ابن حزم کی اولاد :

ابن حزم کے تین بیٹوں کا ذکر مختلف کتابوں میں ملتا ہے :

۱ ۔ ان میں سے مشہور تر اور بہ اعتبار علم و فضل و وجاہت نمایاں تر ابو رافع الفضل بن علی بن حزم ہیں ۔ انھوں نے اپنے والد اور امام ابو عمر ابن عبدالبر صاحب الاستیعاب وغیرہ سے روایت حدیث کی ، اور اپنے قلم سے علم کا بڑا ذخیرہ جمع کیا ۔ یہ ذکاوت ، ذہنی بیداری اور ادب میں ممتاز درجہ رکھتے تھے ۔

خاندان بنو عباد کے بادشاہ المعتمد ابن عباد نے جو اشبیلیہ وغیرہ کا حکم ران تھا ، انھیں اپنا وزیر مقرر کیا ۔ بادشاہ کے مزاج میں انھیں خاصہ رسوخ حاصل ہو گیا تھا ۔ ابن خلکان نے ان کی نیک نہادی اور بادشاہ کی مزاج دانی کے متعلق لکھا ہے کہ ایک بار معتمد نے اپنے چچا ابوطالب عبدالجبار بن محمد بن اسمعیل بن عباد کی طرف سے مشتبہ ہو کر چاہا کہ انھیں

---

۱ ۔ ارشاد الاریب ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۲۳۱ ۔

قتل کر دے ۔ مشورے کے لیے تمام وزرا طلب ہوئے ۔ معتمد نے سب سے مخاطب ہو کر دریافت کیا : ''تم میں سے کسی شخص کو ایسے بادشاہ یا خلیفہ کا کوئی واقعہ یاد ہے جس نے اپنے چچا کو شبہے کے ماتحت پکڑ کر قتل کردیا ہو ؟'' ابو رافع نے آگے بڑھ کر عرض کی : ''خدا بادشاہ کی تائید کرے ۔ ہمیں یہ یاد ہے کہ بنی عباس کے خلیفہ مامون نے ایسے حالات میں اپنے چچا ابراہیم بن مہدی کو معاف کر دیا تھا ۔'' معتمد نے اس جواب سے مسرور ہو کر ، اُن کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا ، اور چچا کو بلا کر اُن سے عمدگی سے پیش آیا ۔[۱]

ابو رافع اپنے آقا معتمد کے ہمراہ زلاقہ (Sacralias) کے واقعے میں جمعہ نصف رجب سنہ ۴۷۹ھ (۱۰۸۶ع) کو شہید کر دیے گئے ۔[۲]

۲ ۔ ابن حزم کے دوسرے بیٹے ابو اسامہ یعقوب ہیں ۔ اُنھوں نے اپنے والد ، ابن عبدالبر صاحب الاستیعاب اور ابوالعباس العبدری سے تحصیل حدیث کی ۔ یہ بڑے دانش مند اور مضبوط کردار کے عالم تھے ۔

سنہ ۴۳۰ھ (۱۰۳۸ع) میں پیدا ہوئے اور جمادی الاولیٰ ۵۰۳ھ (۱۱۰۹ع) میں وفات پائی ۔[۳]

۳ ۔ ابو حزم کے تیسرے بیٹے ابو سلیمان مصعب ہیں ۔ انھوں نے اپنے والد اور ابومروان سے ربیع الآخر ۴۵۷ھ (۱۰۶۵ع) میں سماع حدیث کیا اور ابوالحسن بن سیدہ لغوی سے زبیدی کی کتاب مختصرالعین روایت کی ۔ نیز اپنے بھتیجے ابوالعباس فتح بن ابی الفضل رافع اور ابوالحسن بن الخضر سے بھی تحصیل حدیث کی ۔ یہ طلب علم میں اپنے سلف کے قدم بہ قدم تھے ۔[۴]

تصنیف و تالیف اور تدریس :

ابن حزم کی عمر کا بڑا حصہ ابتلا اور مصائب میں گزرا ۔ شروع میں اسپین کی ملکی سیاست میں حصہ لینے کے سبب سے انھیں قید و بند اور جلا وطنی

---

۱ ۔ ابن خلکان ، جلد ۱ صفحہ ۳۸۶ ۔
۲ ۔ ایضاً ، و کتاب الصلہ لابن بشکوال ، صفحہ ۳۵۶ ۔
۳ ۔ ابن بشکوال ، ۶۲۸ ۔
۴ ۔ التکملہ لابن الابار ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۸۵ ۔

کی زندگی درپیش آئی ۔ بعد ازاں اُن کی سیاست علمی نے دربدر پھرایا ۔ لیکن ان نا موافق حالات میں بھی قلم اُن کے ہاتھ سے کبھی نہ چھوٹا اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ برابر جاری رہا ۔ چنانچہ ''طوق الحمامہ'' اور ''رسالہ فی فضل الاندلس'' اُن کی سیاسی پریشانیوں کے عہد کی تصنیفات ہیں ۔[۱]

خالص علمی دور میں تصنیف و تالیف کے ساتھ تدریس کا کام بھی جاری تھا ۔ اور اگرچہ اُن کے مخالفین عوام کو طرح طرح کی غلط فہمیوں کے ذریعے آن تک جانے سے برابر روکتے رہے ، مگر چھوٹے درجے کے طلبا پر اس کا اثر بہت کم ہوا ، اور ابن حزم کو طالبین علم کی خاصی جماعت گھیرے رہی ، جن میں الحافظ ابو عبداللہ محمد بن فتوح الحمیدی ، صاحبِ کتاب الجمع بین الصحیحین (متوفی ۴۸۸ھ/۱۰۹۵ع) اور امام ابومحمد عبداللہ بن محمد بن العربی الاندلسی (متوفی ۴۹۳ھ/۱۰۹۹ع) کا نام علمی و سیاسی دنیا میں آج تک مشہور و معروف ہے ۔ ابن العربی نے اپنے استاد کی سات سال خدمت کرکے اُن کی تمام تصنیفات کی اجازت حاصل کی تھی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابن حزم کے پاس اُن کی زندگی کے آخری ایام تک رہے ، اس لیے کہ خود اُن کے بیان کے مطابق ابن حزم کی کتاب 'الایصال' انھوں نے مصنف سے سنہ ۴۵٦ھ (۱۰٦۳ع) میں پڑھی ہے ، جو ابن حزم کے انتقال کا سال ہے ۔[۲]

قاضی صاعد الجیانی ، صاحب طبقات الامم (صفحہ ۷٦) نے اُن کے فاضل بیٹے ابو رافع الفضل بن حزم کی زبانی بیان کیا ہے کہ ابن حزم کی مصنفہ کتابوں کی تعداد ۴۰۰ تھی ، جو تقریباً اسی ہزار اوراق پر مشتمل تھیں ۔ ان میں حدیث ، فقہ ، اصول ، جدل ، ملل و نحل ، تاریخ ، انساب ، ادب اور ردود وغیرہ تمام علوم کی کتابیں شامل ہیں ۔ مگر ان کا اکثر حصہ فقہ اور اصول فقہ سے متعلق تھا ۔

قاضی صاعد کے خیال میں ان سے پہلے مسلمانوں میں بہ استثنائے ابن جریر طبری اتنا بڑا مصنف کوئی نہیں گزرا ۔

ان تصنیفات کا خاصا حصہ اُس عہد میں لکھا گیا تھا جب کہ ابن حزم

---

۱ ۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۸۴ ۔

۲ ۔ ارشاد الاریب ، جلد ۱۲ ، صفحہ ۲۴۲ ۔

مشرق اسپین میں مبغوض و مطرود ہو کر شہر بہ شہر پھر رہے تھے ۔[1]
اسی باعث سے ان میں کی اکثر کتابیں اشاعت سے محروم رہیں ۔ ابن حیان
کہتا ہے :[2]

''کمل من مصنفاته فی فنون من العلم وقر بعیر لم تعد اکثرها عتبة بادیته لتزهید الفقهاء طلاب العلم فیها ۔ حتی لاحرق بعضها باشبیلیة ، ومزقت علانیة ۔ لایزید مولفها فی ذلك الابصیرة فی نشرها و جدالاً للمعاندة فیها الی ان مضی لسبیله ۔''

(چنانچہ اُن کی تصنیفات کا اونٹ کے بوجھ برابر انبار ہوگیا ، مگر اُن کا زیادہ حصہ اُن کے بادیہ (بیابان) کی دہلیز سے باہر نہیں نکلا ۔ کیونکہ فقہا ، طلاب علم کو ان سے کنارہ کش رہنے کی تاکید کر رہے تھے ۔ یہاں تک کہ ان میں سے کچھ کتابیں اشبیلیہ میں علانیہ جلائی گئیں اور کچھ کے پرزے پرزے کیے گئے ۔ لیکن مولف کو اس طرز عمل سے اپنی کتابوں کی اشاعت میں زیادہ بصیرت ہوتی گئی اور معاندین سے اُن کا جدال و مقابلہ اور بڑھ گیا ، یہاں تک کہ اُن کا انتقال ہوگیا) ۔

چونکہ اُن کی تصنیفات عرصے تک ناپسند کی گئیں ، اس لیے ہر تذکرہ نگار نے صرف اُن کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا ہے جو مشہور ہو گئی تھیں ۔ ان میں سے جو کتابیں آج دنیا کے مشہور کتاب خانوں میں پائی جاتی ہیں ، اُن کی مکمل فہرست جرمنی کے مشہور مستشرق ڈاکٹر بروکلمان نے اپنی تاریخ آداب عربیہ (جلد ۱ ، صفحہ ۴۰۰) اور اُس کے ضمیمے (جلد ۱ ، صفحہ ۶۹۲) میں پیش کی ہے ۔ صاحب معجم المطبوعات (جلد ۱ ، کالم ۸۶) نے اُن تمام کتابوں کا ذکر کیا ہے جو طبع ہوچکی ہیں ۔[3]

اگرچہ ان کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ اُن کی علمی مرتبت و عظمت ظاہر کرنے والی کتاب ''الفصل فی الملل و الاہوا والنحل'' ہے ، جو ۵ جلدوں کے اندر ۱۳۱۷ھ میں مصر سے شائع ہو چکی ہے ،

---

۱ ارشاد الاریب ، جلد ۱۲، صفحہ ۲۴۳ ۔
۲ ۔ ایضاً ، صفحہ ۲۴۹ ۔
۳ ۔ نیز ملاحظہ ہو : الاعلام للزرکلی جلد ، ۵ ، صفحہ ۵۹ ۔

لیکن تاریخی نقطۂ نگاہ سے اُن کی کتاب ''جمہرۃ النسب'' بھی کچھ کم قابل قدر نہیں ہے ۔

جمہرہ کی تاریخ تصنیف :

جمہرہ کے دیباچے یا خاتمے میں مصنف نے تاریخ تالیف کی صراحت نہیں کی ۔ ڈاکٹر بروکلمان نے ضمیمۂ تاریخ آداب عربیہ (جلد ۱ ، صفحہ ۴۹۵ ، سطر ۷) میں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کے اتباع میں لکھا ہے کہ یہ کتاب ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ع) کے قریب تکمیل کو پہنچی ۔ آغاز تالیف کے بارے میں وہ بھی کچھ نہیں لکھتے ۔ لیکن کتاب کی اندرونی شہادتوں کو تاریخ وار مرتب کرنے سے ایک حد تک آغاز و انجام کے سنین کا تعین ہو جاتا ہے ۔

۱ ۔ مصنف نے (ورق ۳۵ الف و ب) خالد بن عقبہ بن ابی معیط کی اولاد میں ایک شخص عبیداللہ بن عبیداللہ بن الولید بن محمد بن یوسف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

''کان متفقھا بقرطبۃ ، ثم خرج الی دانیۃ والجزائر ، فبویع بھا بالخلافۃ ۔ ثم خلعہ مجاھد و فر الی ارض کتامۃ ، وھو بھا الی الآن ۔ (ورق ۳۵ ۔ الف و ب) ۔

(عبیداللہ بن عبیداللہ قرطبہ کا ایک فقہی عالم تھا ۔ یہاں سے یہ دانیہ اور الجزائر گیا ۔ اور وہاں خلیفہ بنا دیا گیا ۔ بعد ازاں مجاہد نے اُسے تخت خلافت سے اُتار دیا ، تو یہ ارض کتامہ بھاگ گیا ۔ جہاں اب تک موجود ہے) ۔

ابن خلدون نے اپنی تاریخ کی دوسری جلد (صفحہ ۳۲۸) میں اس شخص کا ذکرعبداللہ بن عبداللہ بن عبیداللہ بن الولید نام سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ مشرق اندلس کے حکمران مجاہد نے چوتھی صدی کے بعد اس کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ بعد ازاں چوتھی جلد میں (صفحہ ۱۶۴) مجاہد کے حال کے تحت لکھا ہے کہ المرتضٰی کے قتل کے بعد مجاہد طرطوشہ جا کر اُس پر قابض ہو گیا ۔ پھر اُسے چھوڑ کر دانیہ (Denia) گیا ، اور وہاں استقلال کے بعد میورقہ (Majorca) ، منورقہ (Minorca) ، یا بسہ (Avica) وغیرہ جزائر شرق الاندلس پر قبضہ کرکے سنہ ۴۱۳ھ (۱۰۲۳ع) میں خود مختار ہوگیا اور المعیطی کو خلیفہ بنا لیا ۔ معیطی نے خود استبداد برتنا شروع کیا اور مجاہد کی اطاعت سے رعایا کو روکا تو مجاہد نے اُسے معزول کرکے اپنے بھتیجے عبداللہ کو

میورقہ کا حاکم بنایا ، جہاں وہ ۱۵ سال حکومت کرکے ۴۲۸ھ (۱۰۳۶ع) میں فوت ہوگیا ۔

اس بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ المعیطی نے چند دن کے لیے حکومت کی اور سنہ ۴۱۳ھ ہی میں اس کا نصب و عزل دونوں ہوگئے- اور چونکہ اس واقعے کے ذکر میں عبیداللہ کے فرار کو حالیہ واقعہ نہیں قرار دیا گیا ہے ، اس لیے جمہرہ کی ترتیب ۴۱۳ھ کے بعد عمل میں آنی چاہیے -

۲ - پھر ورق ۳۶ ب پر ھبّار بن الاسود کی اولاد کے تذکرے میں ابن حزم کا حسب ذیل قول ملتا ہے :

''فمن ولد ھبّار بن الاسود الشاعر ، عمر بن عبدالعزیز بن المنذر بن الزبیر ابن عبدالرحمن بن ھبار بن الاسود صاحب السند ۔ ولیھا فی ابتداء الفتنۃ اثر قتل المتوکل ، و تداول اولادہ ملکہا الی ان لقطع امرھم فی زماننا ھذا ، ایام محمود بن سبکتکین صاحب ماوراء لنھر من خراسان ، و کانت قاعدتھم المنصورۃ ۔''

(ھبار بن الاسود شاعر کی اولاد میں عمر بن عبدالعزیز بن المنذر والی سندھ ہے ، جو فتنے کے آغاز میں متوکل کے قتل کے بعد سندھ کا حاکم ہوا تھا ۔ اُس کی اولاد میں حکومت برابر منتقل ہوتی رہی ، یہاں تک کہ ہمارے اس زمانے میں محمود بن سبکتگین بادشاہ ماوراء النہر کے عہد میں اُس کا خاتمہ (انقطاع) ہو گیا) ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہرہ کا یہ حصہ محمود کے ہاتھوں قرامطۂ ملتان کے استیصال کے بعد لکھا گیا ہے ۔ ابن الاثیر (الکامل ، جلد ۹ ، صفحہ ۱۲۸ ، ۱۲۹) اور تاریخ معصومی (مخطوطہ ، ورق ۱۲۷ ب) وغیرہ کے بیان کے مطابق یہ واقعہ رمضان ۴۱۶ھ (۱۰۲۵ع) اور صفر سنہ ۴۱۷ھ (۱۰۲۶ع) کے درمیان کا ہے ، لہذا سنہ ۴۱۷ھ میں کتاب زیر ترتیب ہونا چاہیے ۔

۳ - خود دیباچۂ کتاب میں ایک واقعے سے متعلق ۴۲۲ھ کا مذکور ہوا ہے ۔ صورت یہ درپیش آئی تھی کہ قرطبہ میں ''مسلمہ بن عبدالرحمن بن معاویہ المعروف بکلیب'' کی اولاد میں سے آخری ہستی ''محمد بن عبداللہ بن عبداللہ بن عبداللہ بن مروان بن عبداللہ بن مسلمہ'' کا ۴۲۲ھ (۱۰۳۰ع) میں انتقال ہوا ۔ چونکہ مسلمہ کی اولاد میں اب کوئی شخص رہا نہ تھا ، اس لیے

ا ن حزم نے اُن کا ترکہ مسامہ بن عبدالرحمن کے دوسرے بیٹے سعیدالخیر بن عبدالرحمن بن عبدالملک بن عبدالرحمن بن سعید کو دلایا۔

اس بیان سے یہ یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ کتاب زیر بحث ۴۲۲ھ (۱۰۳۰ع) میں تمام نہیں ہوئی تھی۔

۴۔ بعد ازاں ورق ۹ (الف) اور ۱۸ (ب) پر ابو محمد الحسن بن عیسی، اور الشریف مرتضی، رئیس الامامیہ کی سنہ ۴۳۷ھ (۱۰۳۵ع) میں وفات کا مذکور ہے۔

۵۔ ورق ۹ (ب) پر عباسی خلیفہ، ابوجعفر القائم باللہ کے ذکر میں لکھا ہے:

''وھوالخلیفۃ الان . . . . و بلغنی ان لامیر المؤمنین ابی جعفر القائم ابناً ذکراً ولم یبلغنی اسمہ۔ ثم بلغنی انہ مات فی حیوتہ و اسمہ محمد الملقب ذخرۃ الدین وخاف ابناً ذکراً۔'' ورق ۹ (ب)

(یہ آج کل خلیفہ ہیں . . . . مجھے یہ خبر ملی ہے کہ القائم کی ایک نرینہ اولاد ہے لیکن اس کا نام نہ معلوم ہو سکا۔ پھر مجھے اطلاع ملی کہ وہ اُن کی زندگی میں ایک لڑکا چھوڑ کر فوت ہوگیا)۔

ابن خلدون (جلد ۳، صفحہ ۴۴۷) کے بیان کے مطابق القائم سنہ ۴۲۲ھ (۱۰۳۰ع) میں تخت خلافت پر متمکن ہوا لہذا یہ حصہ اسی سنہ میں مرتب ہوا۔ بعد ازاں القائم کے بیٹے ذخرۃالدین کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ۴۴۵ھ (۱۰۵۳ع) کے بعد لکھا گیا ہوگا۔ اس لیے کہ فتنۂ مباسیری کے نتیجے کے طور پر ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ع) میں القائم بغداد سے نکلا تھا اور اُس وقت اس کے پوتے کی عمر۴ سال تھی۔ اور یہ اپنے باپ کے انتقال سے ۶ ماہ بعد پیدا ہوا تھا (ا ن خلدون، جلد ۳ صفحہ ۴۷۲)، جس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ ذخرۃالدین ۴۴۵ھ (۱۰۵۳ع) کے آخر یا ۴۴۶ھ (۱۰۵۴ع) کے شروع میں فوت ہوا تھا، اور کتاب اب تک زیر تالیف تھی۔

۶۔ اس کے بعد القاسم بن محمد بن القاسم والی الجزیرہ (جزائر شرق الاندلس) کے ذکر میں لکھا ہے کہ یہ سنہ ۴۴۶ھ (۱۰۵۴ع) میں الجزیرہ سے بھاگا ہے (ورق ۱۵ الف)۔ اس کے بعد رجب سنہ ۴۴۸ھ (۱۰۵۶ع) میں اس کے قطعی اضمحلال کا ذکر کیا ہے (ورق مذکور)۔

اس کے علاوہ ورق ۳۳ الف، ۳۵ الف، ۳۱ الف، ۳۳ ب، ۶ الف، ۱۳۵ الف پر بھی مصنف نے ''الیوم'' یا ''فی هذا الزمان'' وغیرہ الفاظ لکھے ہیں ۔ لیکن میں ان واقعات کی صحیح تاریخیں متعین کرنے کی توفیق نہ پا سکا ۔

بہرحال اس تمام تفصیل کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سنہ ۴۱۷ھ (۱۰۲۶ع) اور سنہ ۴۴۸ھ (۱۰۵۶ع) کے طویل عرصے میں مصنف اس عظیم الشان کتاب کی ترتیب و تالیف میں برابر مصروف رہا ۔ اور چونکہ سنہ ۴۱۷ھ سے پہلے اور ۴۴۸ھ کے بعد کی کسی تاریخ کا کتاب میں ذکر نہیں ہے، لہذا ہم انہیں آغاز و انجام کار کی تقریبی تاریخیں کہہ سکتے ہیں ۔

لیکن خود کتاب کے متن میں ایک واقعہ ایسا نظر آتا ہے جو مصنف کے سنہ انتقال ۴۵۶ھ (۱۰۶۳ع) کے گیارہ سال بعد ظہور میں آیا تھا اور وہ القائم بامراللہ کے پوتے المقتدی باللہ کی تخت نشینی ہے ۔ ابن حزم القائم کے ذیل میں لکھتے ہیں :

''و عبداللہ ابو جعفر القائم بامراللہ امیرالمؤمنین ۔ وھوالخلیفة الآن ۔ ولا اعرف للقادر ولداً غیرھا ۔ ویلغی ان لامیرالمومنین ابی جعفر القائم ابناً ذکرا ، لم یبلغنی اسمه ۔ ثم بلغنی انه مات فی حیوته و اسمه محمد الملقب ذخیرة الدین و خلف ابناً ذکراً ، ھو امیرالمومنین الیوم ۔ بویع له بعد جده القائم و اسمه عبداللہ یکنی ابا لقاسم ویلقب المقتدی بامرہ ۔ انقضی الکلام فی ولد ابی جعفر المنصور'' (ورق ۹ ب) ۔

ابن خلدون (جلد ۳ صفحہ ۴۷۲) نے القائم بامراللہ کی وفات کا سنہ ۴۶۷ھ (۱۰۷۴ع) لکھا ہے ۔ اور چونکہ القائم کی وفات کا اس سے قبل ہونا اور ابن حزم کے انتقال کا ۴۵۶ھ سے بعد واقع ہونا کسی کتاب میں مذکور نہیں، اس لیے لازماً یہ واقعہ مصنف کے انتقال کے بعد کسی شخص نے اضافہ کیا ہے ۔ اس کی مثالیں دوسری بہت سی تاریخی کتابوں کی طرح اس کتاب میں بھی پائی جاسکتی ہیں ۔

جمهرة النسب کے مآخذ :

ابن حزم سے پہلے بہت سے علما نے انساب عرب پر چھوٹی بڑی کتابیں لکھی تھیں ۔ انہوں نے اپنی تالیف میں ان کتابوں سے اقتباس و استفادے کی

پوری کوشش کی ہے - لیکن اغلب یہ ہے کہ ان ماخذوں کی تصریح صرف ان مقامات پر کی گئی ہے جہاں مصنف کو خود اختلاف منظور تھا ، یا وہ کسی اختلافی مسئلے میں ایک مخصوص رائے کے اظہار کو مطالعہ کرنے والے کے لیے مفید خیال کرتے تھے ، اور یا کوئی اطلاع صرف ایک ہی حوالے سے دستیاب ہوتی تھی ، بنابریں اس کی صحت کی ذمہ داری اپنے اوپر لینا مناسب نہیں جانتے تھے -

ذیل میں پہلے اُن کتابوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کے نام متن کے اندر صراحت کے ساتھ مذکور ہوئے ہیں -

۱ - قرطبہ میں ایک طبیب خاندان رہتا تھا جو بنی الحسین کے نام سے مشہور تھا - اُس کے ایک فرد محمد بن الحسین بن محمد بن اسد بن محمد بن ابراہیم بن زیاد بن کعب بن مالک کے تذکرے میں لکھا ہے :

''و لست اقف من نسبہ علی اکثر من ذلک ، الا ان شیخنا عبداللہ بن محمد ابن یوسف الازدی ذکر نسبہ فی کتابہ اخبار الفقہاء فذکرناہ کما ذکرہ الی اسد بن محمد بن ابراہم - ثم قال ''ابن سلیمان بن مالک'' ولم یذکر زیاداً و لا کعباً -'' (ورق ۹۶ الف)

عبداللہ الازدی المتوفی ۴۰۳ھ (۱۰۱۳ع) کی کتاب اخبار الفقہاء ، کشف الظنون وغیرہ میں مذکور نہیں ہے -

۲ - حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ بن براد کا جو کوفے کے مشہور محدث تھے ، نسب لکھ کر کہتے ہیں :

''ذکر نسبہ محمد بن یحیی الذہلی فی صدر کتابہ فی حدیث الزہری'' (ورق ۱۱۹ الف)

کشف میں اس کتاب کا بھی ذکر نہیں ہے -

۳ - امرأ القیس بن الحمام بن مالک بن عبیدۃ بن ہبل کے تذکرے میں ، جو ابن الحمام کے نام سے مشہور ہے اور امراء القیس صاحب معلقہ سے مقدم فی الزمان خیال کیا جاتا ہے ، لکھتے ہیں :

''وقد انشد لہ الحاتمی فی حلیۃ المحاضرۃ '' - (ورق ۱۳۴ ب)

کشف الظنون میں اس کتاب کے متعلق لکھا ہے :

''حلیۃ المحاضرۃ فی صناعۃ الشعر ، لابی علی محمد بن الحسن بن المظفر

الحاتمی المتوفی سنۃ ثمان و ثمانین و ثلثمائۃ وھو فی مجلدین۔
یشتمل علی آداب کثیرۃ۔'' (کشف، جلد ۲ صفحہ ۳۴۷، طبع یورپ)

۴۔ ابو صفوان عبداللہ بن سعید بن عبدالملک بن مروان کے ذکر میں، جو خاندان بنی مروان کے مشہور محدث اور بخاری و مسلم کے رواۃ میں داخل ہیں، لکھا ہے:

''و ذکر مسلم فی کتابہ الصحیح انہ کان بینھا عند عبدالملک بن عبدالعزیز
ابن جریج بمکۃ عشر سنین'' (ورق ۳۱ ب)۔

یہ کتاب صحاح ستہ میں کی ایک ہے، اور امام ابو الحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوری متوفی سنہ ۲۶۱ھ (۸۷۵ع) کی تصنیف ہے۔

۵۔ حضرت داؤد علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کے ذکر میں لکھتے ہیں:

''و قد بینا البرھان علی کذب ھذا الظن وعلی ان نسب داؤد علیہ السلام لا یتصل الی اسحق علیہ السلام فی کتاب الفصل۔ فاغنی عن اعادتہ۔''
(ورق ۳ ب)۔

یہ کتاب مصنف کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے، اور مصر سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کا ایک قدیم‌الخط قلمی نسخہ کتاب خانۂ ریاست رام پور میں محفوظ ہے۔

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ جمہرے میں بعض شعراء کے دواوین اور علماے انساب کے اقوال کا بھی حوالہ ملتا ہے۔

۱۔ شعرا میں سے امراء القیس بن حجر الکندی صاحب 'معلقہ' کا صفحہ ۱۳۴ ب پر ذکر کرتے ہوے لکھا ہے کہ اس نام کا ایک عربی شاعر اور ہے جو بقول بعض بنی بکر بن وائل اور بہ قول اکثر بنی کلب بن وبرہ میں سے تھا۔ امراء القیس کندی کے مصرع:

نبکی الدیار کما بکی ابن حمام

میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اگر اعراب بنی کلب سے پوچھا جائے کہ ابن حمام کیوں رویا تھا تو وہ لوگ امراء القیس کندی کے معلقے کے ابتدائی پانچ شعر جواب میں پڑھ دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان اشعار کے علاوہ باقی شعر کندی امراء القیس کے ہیں۔

کتاب الاوائل لابی ھلال العسکری (ورق ۲۲۵ ب) اور کتاب الوسائل للسیوطی (ورق ۵۶ ب) میں بھی ''بقول بعض'' کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا ہے - لیکن عسکری نے اس کے نام کے متعلق ایک روایت ''ابن حذام'' بھی لکھی ہے - سیوطی کے یہاں یہی نام ''ابن حزام'' ملتا ہے -

۲ - ورق ۸۰ الف و ب پر زھیر بن ابی سلمی المزنی کے قصیدۂ معلقہ کا حوالہ دیا گیا ہے جس میں حصین بہ ضمضم کی طرف اشارہ ہے -

۳ - تیسری گرامی ذات جس کے شعر کا حوالہ جمھرے میں نظر آتا ہے ، حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ہے - بنو شیبان بن ذھل بن ثعلبہ کے ماتحت لکھا ہے :

''فمنھم الحضین بن المنذر . . . . بن شیبان بن ذھل بن ثعلبۃ ، صاحب رایۃ ربیعۃ کلھا لعلی رضی اللہ عنہ یوم صفین وفیہ یقول علی رضی اللہ عنہ :

لمن رایۃ سوداء یخفق ظلھا اذا قیل قدمھا، حضین تقدما
(ورق ۹۶ ب)

امیر المؤمنین کے مطبوعہ دیوان (طبع نامی پریس لکھنؤ ۱۸۹۲ع) میں یہ شعر تیرہ بیتوں کے ایک قطعے کا پہلا شعر ہے ، مگر نسخے میں اس کے الفاظ یہ ہیں :

لنا الرایۃ السوداء یخفق ظلھا اذا قیل قدمھا ، حضین تقدما

مؤرخ طبری نے الذیل المذیل (صفحہ ۲۵۲۳ طبع لیڈن) میں اور مبرد نے الکامل (صفحہ ۳۳۶) میں یہ شعر لکھا ہے - طبری نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر حضرت نے یہ شعر ارشاد فرمایا تھا -

۴ - اعشی ہمدان کے ایک شعر کا حوالہ بھی کتاب میں ملتا ہے - القندش بن حیان بن وھب الخندعی کے ذیل میں لکھتے ہیں :

''فقتلہ ابن الاشعث لانہ ضرب شرطیا لہ ، فقال فی ذلک اعشی ھمدان :

أ من ضربۃ بالعود لم یدم کلمھا ضربت بمصقول علاوۃ قندش
(ورق ۱۱۷ ب)

دیوان اعشی میمون کے ضمیمے میں مصحح کتاب ، مسٹر روڈولف گیر

نے اعشی ھمدان کے اشعار بھی نقل کیے ہیں ۔ اس کے صفحہ ۳۳۲ پر ایک نو شعر کا قطعہ درج ہے ۔ مذکورۂ بالا شعر اس قطعے کا چوتھا شعر ہے لیکن اس کے لفظ یہ ہیں :

اَ فی خدشۃ بالعود لم یدم کلمھا ۔ ضربت بمصقول علاوۃ قسندش

۵ ۔ ابو تمام حبیب بن اوس الطائی صاحب حماسہ کا دو جگہ حوالہ دیا گیا ہے ۔ اولاً خالد بن یزید بن مزید بن زائدۃ بن عبداللہ بن مطر بن شریک بن عمرو الصلت کے تذکرے میں لکھتے ہیں :

''الذی یرثیہ حبیب بقولہ : ا اللہ انی ذاھل بعد خالد''
(ورق ۹۹ الف)

دیوان ابوتمام (طبع بیروت صفحہ ۳۲۴) میں یہ شعر ۴۹ ابیات کے ایک مرثیے کا مطلع ہے ۔ لیکن اس کے آخری الفاظ بجائے ''ذاھل بعد خالد'' کے ''خالد بعد خالد'' ہیں ۔

ثانیاً بنو سکسک کے ذیل میں جوی بن مانع بن زرعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی اولاد میں نوح بن عمرو ہے جس کی مدح میں ابوتمام نے یہ قصیدہ کہا تھا :

''یوم الفراق ! لقد خلقتَ طویلا'' (ورق ۱۲۸ الف)

دیوان ابوتمام (صفحہ ۲۱۵) میں یہ قصیدہ بھی موجود ہے ۔ اس کے کل ابیات کی تعداد مطبوعہ نسخے کے مطابق ۳۶ ہے ۔

۶ ۔ القطامی کے ایک قصیدے کا پہلا مصرع بھی نقل کیا ہے ، جو عبدالواحد بن الحرث بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ کی مدح میں ہے ۔ مصرع یہ ہے :

''انا محیوک فاسلم ، ایھا الطلل'' (ورق ۳۳ الف)

جمھرۃ اشعار العرب لابی زید القرشی (صفحہ ۱۵۱ ، طبع مصر ، ۱۳۰۸ع) میں یہ قصیدہ مندرج ہے ۔

۷ ۔ ورق ۱۶ ب پر متنبی کے ایک قصیدے کا حوالہ دیا گیا ہے جو کوفے کے ایک مقتدر سید زادے محمد بن عبیداللہ بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن علی بن عبیداللہ بن الحسین بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب کی مدح میں اُس نے لکھا تھا ۔ اس قصیدے کا پہلا مصرع ہے : ''اھلاً بدار سباک اغیدھا ۔''

دیوان متنبی (صفحہ ۹۷ طبع کلکتہ) میں یہ پورا قصیدہ شائع ہو چکا ہے۔

علمائے انساب میں سے محمد بن داؤد بن جراح الکلبی ابن الکلبی ابن اسحق صاحب السیرۃ، مسلم اور بخاری وغیرہ کے حوالے ہیں ۔ تنگی وقت کے باعث تفصیل مناسب نہیں معلوم ہوتی ۔ البتہ صرف بخاری کے متعلق یہ عرض کر دینا چاہیے کہ جمہرے میں اُن کی تاریخ الصغیر کا حوالہ دیا گیا ہے، اور وہ عبارت تاریخ صغیر کے مطبوعہ نسخے میں صفحہ ۲۱۹ پر ملتی ہے۔

جمہرہ کی تاریخی تحقیقات :

ابن حزم کی زیر بحث کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ انتہائی اختصار کے باوجود مصنف نے تحقیق و تفتیش کا سر رشتہ کہیں ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔ اگر کسی مسئلے میں قابل ذکر اختلاف ہے تو وہ مختصراً اس کا ذکر کرتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ مطالعہ کرنے والے کو اپنی ذاتی رائے سے آگاہ کر دیں ۔ لیکن خود اگر کسی حتمی نتیجے تک نہیں پہنچے ہیں تو صرف اپنا شک اور اُس شک کا محل بیان کر دیتے ہیں، اور انتہائی بے باکی سے اپنے قصور اطلاع کا اعتراف بھی کر لیتے ہیں ۔

۱ ۔ اسحق بن ابراہیم علی نبینا و علیہما الصلوۃ والسلام کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ ـــــ یہ خیال غلط ہے کہ جالوت کا نسب اسحق علیہ السلام تک پہنچتا ہے اور داؤد علیہ السلام کا نسب اُن تک نہیں پہنچتا ۔ ہم اس خیال کی تغلیط اپنی کتاب الفصل میں مفصل طور پر کر چکے ہیں، اس لیے یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی (ورق ۳ ب)۔

۲ ۔ عرب عاربہ اور اولاد ابراہیم علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں کہ ـــــ اہل عرب اور علمائے انساب جن قبیلوں کو ''عارب عاربہ'' کہتے ہیں، جیسے جرہم، طسم، جدیس، عاد، ثمود، امیم، ارم وغیرہ، یہ سب فنا ہو چکے اور سطح زمین پر کوئی ایسی ہستی موجود نہیں جو صحت کے ساتھ اُن کی نسل میں ہونا ثابت کر دے ۔ ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی قوم ناقابل اثبات دعوے پیش کرے ۔ یہی حال ابراہیم علیہ السلام کی اولاد، مدین بن ابراہیم اور اُن کے دوسرے بھائیوں کا ہے ۔ (ورق مذکور)۔

۳ ۔ المعتز کے ذکر میں لکھا ہے کہ ـــــ اُن کے دو بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں؛ ایک بیٹے ابوالعباس عبداللہ حصور (نامرد) تھے ۔ اُنھوں

نے کبھی کسی عورت کا منہ نہیں دیکھا ، اور نہ اسی باعث اُن کے اولاد ہوئی - آن کے بھائی حمزہ ، معتز کے دوسرے بیٹے ، کے متعلق میں نے یہ نہیں سنا کہ اُن کے کوئی اولاد نرینہ باقی رہی - تاہم آج تک معتز کی اولاد موجود ہے - چنانچہ ابو محمد سلیمان بن علی بن عبدالسمیع بن عمر بن الحسن بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبیداللہ بن العباس بن محمد نے مجھے لکھا ہے کہ ہمارے یہاں مصر میں ایک صاحب محمد بن محمد بن محمد بن المعتز ہیں - مگر میرے نزدیک یہ اُن کا وہم ہے - میری رائے میں وہ احمد بن حمزہ بن المعتز ہوں گے (ورق ۸ ب) -

۴ - بنی عبدالدار کے ذیل میں عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ عبداللہ کے ماتحت ، ابراہیم بن عبیداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن عثمان بن ابی طلحہ کا ذکر کیا ہے ، اور بتایا ہے کہ ہارون الرشید نے اُنھیں یمن کا گورنر مقرر کیا تھا - بعد ازاں مامون عباسی کے عہد میں مکے کے اندر علویوں کے فتنے کی نذر ہوگئے - یہ متکلم تھے اور نظام اور ہشام بن الحکم کے رفیق تھے - اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ان کا نسب اسی طرح ملا ہے لیکن غلط ہے - بلا شک اس میں کئی نام رہ گئے ہیں (ورق ۳۹ ب) -

۵ - بعض علمائے انساب نے ابوالعباس سفاح کی بیوی اُم سلمہ کو اسحاق بن ابراہیم بن یعقوب بن سلمہ کی بیٹی کہا ہے - ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ درست نہیں - صحیح امر یہ ہے کہ اُم سلمہ خود یعقوب بن سلمہ کی بیٹی تھی اور اُس کی ماں کا نام ہند بنت عبداللہ بن حبار ہے (ورق ۴۷ الف) -

۶ - قبیلۂ بنی سعد کے ایک فرد الجراح بن عبداللہ کے سلسلے میں ابو نواس شاعر کا ذکر کیا ہے - فرماتے ہیں کہ ابونواس الحسن بن ہانی بن عبدالاول بن الصباح کا دادا صباح ، جراح بن عبداللہ کے موالی میں سے تھا - میں نے یہ نسب ، الحکم المستنصر خلیفۂ اندلس کی تحریر سے نقل کیا ہے - مگر محمد بن داؤد بن جراح نے بیان کیا ہے کہ ابونواس کا بھتیجا اسماعیل بن ابراہیم بن ہانی یہ کہتا تھا کہ ـــــ ''کانو یقولون انھم حکمیون صلبیۃ'' (ورق ۱۲۱ ب) -

۷ - بنی حرث بن کعب کے ایک شخص ''عبدیغوث بن الحرث بن معاویہ'' کی اولاد میں ایک فرد ''عتبہ بن ربیعہ بن عبد یغوث'' ہے - اس کے نسب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بعض علمائے انساب نے یہی لکھا ہے ، لیکن میرے

نزدیک یہ بلا شک و شبہہ محال ہے ۔ لازماً ''ربیعہ'' اور 'عبد یغوث'' کے درمیان تین سے زیادہ نام ساقط ہو گئے ہیں (ورق ۱۲۳ الف) ۔

۸ ۔ ایک مدنی محدث ، ابو مروان عبدالملک بن محمد بن عبدالعزیز بن احمد بن عبدالرحمن بن عبدالملک بن ابراہیم بن صبر کا نسب اسی طرح الحکم المستنصر کی یادداشت سے نقل کرکے فرماتے ہیں : آخری نام میں نے اسی طور پر لکھا دیکھا ہے مگر اسے میں سمجھا نہیں ہوں ، اور نہ میرے مطالعے یا روایت میں اس سے زیادہ نسب نظر آیا ہے ۔ یہ ۳۵۰ ہجری کی حدود میں انتقال کرگئے (ورق ۲۶ ب) ۔

۹ ۔ عبدالملک بن مروان کے پڑپوتے ابوصفوان مشہور محدث کے بارے میں امام مسلم بن حجاج نیشاپوری نے اپنی جامع صحیح میں لکھا ہے کہ جس زمانے میں یہ ابن جریج کے ہاں مکےمیں تھے ، اُس وقت اُن کی عمر دس سال کی تھی ۔ ابن حزم اس بیان کی تصویب و توثیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ـــــ اس میں مطلق شک نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ اُن کے باپ ''یوم ابی قطرس'' میں اُنھیں صغیر سن چھوڑ کر قتل ہوئے تھے ، تو اُن کی ماں اُم جمیل بنت عمرو بن عبداللہ بن صفوان بن امیہ الجمحیہ انھیں لے کر مکے چلی گئی تھیں (ورق ۳۱ ب) ۔

۱۰ ۔ قبیلۂ خزرج کی ایک شاخ بنو غنم کے ماتحت ابن حزم نے ایمن بن عبید بن عمرو کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ ـــــ ابن الکلبی کے خیال میں یہ اسامہ بن زید ، مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی ہیں اور اُن کی ماں ، اُم ایمن رسول اللہ کی دایہ ہیں ۔ لیکن ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ بنو غنم والے ایمن بن عبید ، اُم ایمن کے بیٹے نہیں ہیں ۔ چونکہ ام ایمن کے بیٹے بھی ایمن بن عبید ہیں اور یہ انصاری بھی ایمن بن عبید ہیں ، اس لیے ان دونوں کے اپنے ناموں ، نیز ان کے باپ کے ناموں کے اشتراک سے یہ دھوکا ہوتا ہے ۔ ورنہ اُم ایمن کے شوہر حبشہ کے باشندے تھے ۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ ـــــ ابن اسحاق کا قول صحیح ہے ۔ اس کے ماسوا بالکل غلط ، اس لیے کہ ایمن بن ام ایمن حنین کی جنگ میں شہید ہوئے ہیں ، اور یہ اسامہ بن زید سے عمر میں بڑے تھے ۔ اور یہ محال ہے کہ اُم ایمن مدینے آ کر نکاح کریں ،

اور اُن کے جو لڑکا پیدا ہو ، وہ یوم حنین میں لڑ کر شہید ہو جائے (ورق ۱۰۷ الف) ۔

لیکن ابن درید نے کتاب الاشتقاق (صفحہ ۲۷۲) میں ابن الکلبی کے قول کے مطابق اسامہ کے ماں جائے ایمن کو انصار میں ذکر کیا ہے ، اور لکھا ہے کہ :

''ھو اخو اسامۃ بن زید لامہ ۔ و ھوالذی یقال لہ ایمن بن ام ایمن کان من فرسان النبی صلعم'' ۔

۱۱ ۔ کلبی نے ابو زید انصاری مشہور نحوی کا سلسلہ نسب ''ابو زید عمرو بن عزرہ بن عمرو بن اخطب بن محمود بن رفاعہ بن بشیر'' لکھا ہے ۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے ۔ صحیح یہ ہے کہ وہ سعید بن اوس بن ثابت بن حرام بن محمود بن رفاعہ بن بشیر ہے ، اور محمود بن رفاعہ سے اُس کے نسب کا اتصال ہوا ہے ۔ اُس کا انتقال بصرے میں سنہ ۲۱۵ ہجری (۸۳۰ع) میں ہوا اور اُس کے اجداد میں رفاعہ کو صحبت رسول کا شرف حاصل تھا (ورق ۱۱۲ الف) ۔

تاریخی و ادبی لطائف :

جمہرے میں کہیں کہیں تاریخی یا ادبی نکات و لطائف بھی مذکور ہیں ؛ ان سے مصنف کی وسعت معلومات کے ساتھ پاکیزگیِ ذوق ، لطافتِ انتخاب اور شگفتگیِ فکر کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے ۔ اگر وہ جستہ جستہ ان موتیوں سے اپنے انساب کی آرائش نہ کرتے تو کتاب کا اختصار اور نفس مضمون کی خشکی مطالعہ کرنے والے کے دماغ کو تھکا دینے کے لیے کافی تھی ۔ یہاں ہم مثالاً چند واقعات کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں :

۱ ۔ بنو مجاشع کے ماتحت مصنف نے ''عیاض بن حمار بن عقال بن محمد بن سفیان'' کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے[1] :

''کان صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الجاھلیۃ وحرمیہ ۔ والحرمی ھو الذی کان لہ صدیق من قریش یطوف بالکعبۃ فی ثیابہ ، و من لم یکن لہ منھم صدیق ، طاف عریاناً ۔ و لعیاض صحبۃ و روایۃ'' (ورق ۲ ـ الف) ۔

۱ ۔ ابن درید (کتاب الاشتقاق صفحہ ۱۴۷) نے ان کا نسب اس طرح لکھا ہے : ''عیاض بن حمار بن ابی حمار بن ناجیہ بن عقال'' ۔

اس بیان سے ہمیں ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ قبل نبوت کے ایک دوست کا نام معلوم ہوتا ہے ۔ دوسرے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ایام جاہلیت میں خانۂ کعبہ کا طواف لباس پہن کر صرف قریش کا حق تھا ، جو اس متبرک گھر کے مجاور اور خادم تھے ۔ دیگر قبائل عرب برہنگی کی حالت میں اس فریضے کو ادا کرتے تھے ۔ البتہ اگر کوئی شخص قریشی خاندان کے کسی فرد سے رشتۂ دوستی پیدا کر لیتا تو اُسے بھی یہ حق مل جاتا تھا ، اور ایسے شخص کو حرمی (حرم والا) کہتے تھے ۔

۲ ۔ بنی عبد نہم کے ایک فرد ''کریز[1] بن علقمہ بن ہلال بن حریبہ بن عبد نہم بن حلیل'' کے بارے میں لکھا ہے :

''الذی قفا اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی انتہی الی الغار ، فرأی علیہ نسج العنکبوت و عش الحمام ببیضتھا ۔ فقال : ''ھھنا انقطع الاثر ، فاما غاص فی الارض او ارتفع الی السماء'' ، فانصرفوا ۔ وھوالذی وضع معالم الحرم فی زمن معاویۃ رض ۔ والقیافۃ الی الیوم باقیۃ فی ولدہ بالحجاز و یعرفون بذلک ۔''
(ورق ۳۷ ب) ۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کا کھوج نکالتا ہوا ، یہی شخص غار تک گیا تھا ۔ وہاں مکڑی کا جالا اور کبوتر کا گھونسلا دیکھ کر کہنے لگا : ''یہاں نشان ختم ہوگیا ۔ اب یا تو وہ زمین میں سما گئے ہیں اور یا آسمان پر چلے گئے'' یہ سن کر وہ لوگ پلٹ آئے ۔ اسی شخص نے حضرت معاویہ ، رضی اللہ عنہ ، کے عہد خلافت میں حرم کے علامات نصب کیے ہیں ۔ اس کی اولاد میں آج تک حجاز کے اندر علم قیافہ موجود ہے اور وہ اسی کی بدولت مشہور ہیں ۔)

۳ ۔ انصار کے قبیلۂ خزرج کی ایک شاخ بنی عدی بن النجار کے ذیل میں

---

۱ ۔ ابن درید (کتاب الاشتقاق صفحہ ۲۷۷) اور ابن خلدون (جلد۲صفحہ ۳۱۵) نے اس شخص کا نام کرز لکھا ہے ، اور ابن خلدون میں حریبہ کے بجائے حربیہ اور ''نہم'' کی جگہ ''فہم'' ہے ۔

''ابوقیس بن السکن بن قیس بن زعور بن حرام بن الجندب'' کا ذکر کیا ہے[۱]۔ فرماتے ہیں :

''بدری ، قتل یوم الجسر ، ھوالذی جمع القرآن کله علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم'' (و ق ۱۰۶ الف) ۔

اس واقعے کے تذکرے سے تاریخ جمع قرآن پر مفید روشنی پڑتی ہے ، اور معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانے میں مسلمانوں کا یہ خیال کہ جمع قرآن کا عظیم الشان کام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں سر انجام ہوا ، تاریخی شہادت پر مبنی نہیں ۔ بلکہ اس میں ''شیعہ سنی'' اختلاف کو زیادہ دخل تھا ، جس نے ترتیب سور قرآن کو جمع قرآن کی شکل میں عوام کے سامنے پیش کردیا ، اور رفتہ رفتہ اہل علم بھی یہی عقیدہ رکھنے لگے ۔ ورنہ یہ کس طرح ممکن تھا کہ ''ان علینا جمعه و قرآنه'' جیسے وعدہ ربانی کا ایفا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کئی سال بعد ظہور میں آتا ۔

۴ ۔ بنو سہم کے دو سرداروں ، نبیہ اور منبّہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

''قتلا یوم بدر کافرین و قتل یومئذ العاصی بن منبّه وله کان ذوالفقار ، سیف رسول الله صلی الله علیه وسلم (ورق ۵۲ ب) ۔

اس سے بعض مسلمانوں کے اس خیال کی تاریخی تردید ہو جاتی ہے کہ ذوالفقار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے آسمان سے بھیجی تھی ۔ چنانچہ طبری ، ابن سعد اور سہیلی نے بھی یہی لکھا ہے ۔ مگر انہوں نے تلوار کا مالک العاصی کے والد منبہ ابن الحجاج سہمی کو بتایا ہے[۲] ۔

۵ ۔ بنو عبد مناۃ کے ایک شخص جنامہ کے تذکرے میں کہتے ہیں کہ اس کے دو بیٹے تھے : صعب بن جنامہ اور محلّم بن جنامہ ۔ اول الذکر صاحب روایت صحابی ہیں ، اور دوسرا عامر بن اضبط الاشجعی کا قاتل ہے ، جس پر

---

۲ ۔ ابن درید (کتاب الاشتقاق ، صفحہ ۲۰۰) نے ان کا نام ''قیس بن السکن'' لکھا ہے ۔

۱ ۔ ابن سعد ، جلد ۲ صفحہ ۱۱ ۔ تاریخ الطبری ۱۳۵۹ ۔ الروض الانف جلد ۲ صفحہ ۹۳ ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں بددعا کی تھی ۔ چنانچہ یہ مرا تو زمین نے اسے باہر پھینک دیا ۔ اس کے بعد لکھتے ہیں :

''وفیہ نزلت : ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السّلام لست مؤمناً''
(ورق ۵۷ ب) ۔

۶ ۔ طانجہ بن الیاس بن مضر کے پوتے ''حمیس بن اُد بن طانجہ'' کی اولاد کے بارے میں بیان کیا ہے کہ ابرھہ کی فوج کے ساتھ کعبے پر حملہ آور ہوے تھے مگر سب قتل کر دیے گئے ۔ صرف ساٹھ آدمی بچے ۔ اس وقت سے آج تک ان کی تعداد ساٹھ سے کبھی متجاوز نہیں ہوئی (ورق ۶۲ الف) ۔

۷ ۔ محمد بن یوسف بن یعقوب بن المامون ، شوافع کے ایک فقیہ اور محدث تھے ۔ اُن کے تذکرے میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی فقہی آراء کو اُنھوں نے ابواب فقہیہ پر مرتب کیا تھا اور اُس کی بیس کتابیں قرار دی تھیں (ورق ۷ ب) ۔

۸ ۔ ہارون الرشید عباسی کے صاحبزادے القاسم المؤتمن کا ایک انتہائی ستم ظریفانہ قصہ لکھا ہے ؛ شاہراہ عام پر اُن کے دو حمام تھے جن میں شہری آکر نہایا کرتے تھے ۔ ایک دن اُنھوں نے دو شیر ان کے اندر چھوڑوا دیے ۔ تمام مرد اور عورتیں خوف کے مارے حمام سے ننگے بھاگ کھڑے ہوے ۔ مؤتمن سامنے بالاخانے پر بیٹھے ہوے اس نظارے سے کیف اندوز ہو رہے تھے اور ہنسی سے لوٹے جاتے تھے (ورق ۷ ب) ۔

۹ ۔ ولید بن عبدالملک کے متعلق لکھا ہے کہ یہ مطلاق (بہت طلاق دے دینے والا) تھا ۔ اس نے مدینۂ منورہ کی ایک عفیفہ فاطمہ بنت عبداللہ بن مطیع سے نکاح کیا اور اُن کے پاس شب باش ہو کر صبح کو جانے کا ارادہ کیا تو فاطمہ نے دامن پکڑ کر کہا : ''امیرالمؤمنین ! ہم نے آمد و رفت دونوں کا کرایہ طے کر لیا ہے ۔ اب آپ کی کیا رائے ہے ؟'' ولید یہ سن کر ہنس پڑا اور اُسے فاطمہ کی یہ ادا ایسی بھائی کہ اُنھیں طلاق نہیں دی (ورق ۵۰ ب) ۔

۱۰ ۔ اندلس کے اموی خلیفہ الحکم المستنصر کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ بڑا علم دوست تھا ۔ اُس نے اسپین کو علمی کتابوں سے پاٹ دیا تھا ۔ خود اُس کے ناظم کتاب خانہ تلید نے مجھ سے بیان کیا کہ قصر بنی مروان

کے کتاب خانے کی ان فہرستوں کی تعداد ، جس میں کتابوں کے نام درج تھے ، ۴۴ تھی ، اور ہر فہرست کے اوراق کا شمار ۵۰ تھا ، اور ہر صفحے میں صرف کتابوں کے نام درج کیے گئے تھے ۔ (ورق ۳۰ ب)

۱۱ - ابن حزم نے نسبی غلط فہمی کی ایک دردناک داستان بھی لکھی ہے ۔ کہتے ہیں کہ بنوخزیمہ کی ایک شاخ بنی حرب بن خزیمہ شام کے ایک گانو میں آباد تھی ۔ بنی عباس کا لشکر وہاں فاتحانہ داخل ہوا تو کسی نے کہا کہ یہ بنی حرب کا گانو ہے ۔ اہل لشکر نے انھیں حرب بن امیہ کی اولاد گمان کرتے ہوئے تہ تیغ کردیا ۔ (ورق ۵۵ ب)

۱۲ - امیر خراسان ، نصر بن سیار کے پوتے ''لیث'' کے بارے میں لکھا ہے کہ اُس نے بقول بعض ، خلیل فراہیدی کی ''کتاب العین'' کی تکمیل کی ہے - ورق (۵۸ ب) ۔

ابن ندیم نے بھی اپنی فہرست (صفحہ ۶۴) میں اس کا ذکر کیا ہے ۔

۱۳ - ابن حزم نے ایک شاعرہ حمیدہ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بہت پُرگو اور خوش کلام تھی ۔ اس نے اپنے پہلے شوہر ''روح بن زنباع'' اور دوسرے شوہر ''فیض بن ابی عقیل ثقفی'' کی ہجو میں بہت کچھ کہا ہے ۔ چنانچہ روح کے حق میں لکھتی ہے : (ورق ۱۰۹ ب)

بکی الخز من روح و انکر جلده وعجّت عجیجاً من جذام المطارف
وقال العباء : نحن کنا ثیابهم و اکسیة کردیة و قطائف

(روح سے ریشم رو دیا اور اُسے اس کی کھال ناپسند ہوئی - اور ریشمیں چادریں اس کے جذام سے چیخ اُٹھیں ۔ اور عبا نے کہا کہ (افسوس !) ہم اور کردی اور مخملی کپڑے ان لوگوں کا لباس ہوئے) ۔

دوسرے شوہر فیض کے بارے میں کہتی ہے : (ورق مذکور)

سمیت فیضاً، وما شیٔ تفیض به الا بسلحک بین الباب والدار
فتلک دعوة روح الخیر اعرفها سقی الاله ثراه الالطف البار

(تیرا نام فیض رکھا گیا ہے حالانکہ تیرے پاس دروازے اور گھر کے درمیان بہانے کے لیے سوائے پتلے پاخانے کے اور کچھ بھی نہیں ۔ میں خوب جانتی ہوں کہ بھلے مانس روح نے ، خدا اُس کی مٹی کو سیراب کرے ، میرے لیے یہی دعا کی ہے)

۱۴ - آخر میں دل چاہتا ہے کہ آپ حضرات کی توجہ اسلام کے ان دو خاندانوں کے معاشرتی تعلقات کی طرف منعطف کروں ، جن کے اختلاف پر آج تک اسلام کے دو سب سے پرانے فرقوں کے اختلاف کی بنیاد قائم ہے - ان سے میری مراد اولاد امیرالمومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور بنی امیہ ہیں - ہمارے علما میں آج بھی یہ مسئلہ نظری ہے کہ شیعہ سنی کے ازدواجی تعلقات مذہبی نقطۂ نگاہ سے کیا حیثیت رکھتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ خالص مذہبی جماعت ، سنی ہوں یا شیعہ ، اسے کم از کم بہ نظر استحسان نہیں دیکھتی- لیکن جمہرۃ النسب کے ابواب ''اولاد ابی طالب'' اور ''اولاد امیہ'' کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں ان خاندانوں کا اختلاف تمام تر سیاسی تھا ؛ مذہبی اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد ، رضی اللہ عنہم ، بنی امیہ کو بھی دائرۂ اسلام سے باہر نہیں خیال کرتے تھے ، تابدیگراں چہ رسد - چنانچہ ان دونوں خاندانوں کے ازدواجِ باہمی کی سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں - ان میں سے صرف ایک کا تذکرہ کافی ہوگا -

ابن حزم یزید بن معاویہ کے پوتے عبداللہ بن خالد کے تذکرے میں لکھتے ہیں :

''فولد خالد . . . . . عبداللہ بن خالد - ومن ولدہ علی والعباس ابنا عبداللہ بن خالد - امہا نفیسۃ بنت عبیداللہ بن العباس بن علی بن ابی طالب ، رضی اللہ عنہم - قام علی ھذا ایام المامون بدمشق - وسمی بالخلافۃ ، فاسر -'' ورق (۳۴ ب)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس علمدار کی پوتی اور حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب کی پرپوتی ، حضرت نفیسہ بنت عبیداللہ کی شادی یزید کے پوتے عبداللہ بن خالد سے ہوئی تھی ، جن سے علی بن عبداللہ اور عباس بن عبداللہ پیدا ہوئے - اور چونکہ خالد بن یزید ، اپنے بھائی معاویہ بن یزید کی خلافت سے دست برداری کے بعد ، مروان کے تغلب کے باعث حکومت سے محروم اور کسی حد تک معتوب و مبغوض بھی تھے ، اس لیے اس شادی کو کسی دباؤ کے ماتحت وقوع پذیر بھی نہیں کہا جاسکتا جو میرے نزدیک کسی حالت میں بھی ان حضرات کی طرف قابل انتساب نہیں -

بہرحال کیا ہمارے موجودہ اختلاف مذہبی کے دور کرنے کے لیے کم از کم اسی ایک واقعے میں درس عبرت پنہاں نہیں ہے ؟ اور کیا اب بھی ہم ایک دوسرے کو دائرۂ اسلام میں دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے ۔

قواعد کلیہ :

جمہرۃ النسب میں عربی ناموں کے صحیح تلفظ سے متعلق چند کلی قاعدے بھی ملتے ہیں ۔ مثلاً :

۱ ۔ ملک :

اس کے بارے میں مصنف کہتا ہے کہ :

''ولیس فی العرب ملک باسکان اللام غیر ملک بن کنانۃ فقط ۔ وسائرھم مالک بکسر اللام وقبلھا الف ۔ ولا اعرف فی من تاخر من اسمہ ملک ایضا الا ملک والد بکر بن مالک ، صاحب فرغانۃ من کبارالدھاقین ۔ (ورق ۴ الف)

(عربوں میں ملک بسکون لام فقط ملک بن کنانہ ہے ۔ باقی سب مالک بکسر لام و اضافۂ الف ہیں ۔ متاخرین میں اس نام کا جہاں تک مجھے معلوم ہے ، بکر بن وائل کا باپ ہے جو فرغانہ کا حاکم اور بہت بڑا دہقان تھا) ۔

۲ ۔ سدوس بن اصمع :

اس نام کے تلفظ کے بارے میں مصنف نے لکھا ہے :

''وکل سَدوس فی العرب بفتح السین الا ھذا وحدہ ۔ فھو سُدوس بضم السین الاولیٰ ۔ (ورق ۱۲۰ ب)

(عربوں میں سَدوس نام سین کے زبر سے ہے ۔ البتہ صرف ایک ہی شخص ہے جس کا نام سُدوس سین کے پیش سے ہے ۔

اسی کے متعلق دوبارہ لکھا ہے کہ :

''ولد شیبان بن ذھل بن ثعلبۃ سدوس بفتح السین ۔ وکذلک ھی فی جمیع العرب ، حاشا فی طی وحدھا ۔ فانھم سدوس بضم السین'' ۔ (ورق ۹۶ ب)

(شیبان بن ذہل بن ثعلبہ کی اولاد میں سَدوس سین کے زبر سے تھے ۔ اسی اعراب کے ساتھ یہ نام اور اہل عرب میں بھی ہے ۔ بجز قبیلۂ بنی طے کے کہ ان کے ہاں سُدوس پہلی سین کے پیش سے ہے ۔

۳ ۔ قیہم بن الجابر :

اس نام کے سلسلے میں مصنف کا ارشاد ہے کہ :

''کل فہم فی العرب فھو بالفاء المنقوطۃ بواحدۃ من فوق او اسفل حاشا ھذا۔ فھو بالقاف - (ورق ۱۱۷ ب)

(عربوں میں فہم ہمیشہ ایک نقطے والی فا سے ہوتا ہے سوائے اس شخص کے نام کے جو قاف سے ہے) -

ضرب الامثال :

جمہرہ میں متعدد ایسی کہاوتیں بھی بیان کی گئی ہیں جن کا تعلق مشہور ہستیوں سے ہے - اثنائے مطالعہ میں حسب ذیل کہاوتیں میری نظر سے گزری ہیں :

۱ - البراض بن قیس بن رافع کے تذکرے میں لکھا ہے :

''و ھوالذی یضرب بہ المثل فیقال ''فتکۃ البراض'' اذ قتل عروۃ الرجال ابن عتبۃ بن جعفر بن کلاب - ففیہ کانت وقعۃ الفجار'' - (ورق ۵۹ الف)

عسکری[۱] اور میدانی[۲] نے ''افتک من البراض'' کو مثل بتایا ہے ، لیکن میدانی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ''فتک البراض'' بھی بطور مثل استعمال کیا جاتا ہے - چنانچہ اس نے کسی اسلامی شاعر کے دو شعر نقل کیے ہیں ، جن کا آخری مصرع ہے :

فتکۃ مثل فتکۃ البراض

۲ - ضمہ بن أد کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس کے دو بیٹے تھے ، سعد اور سعید - موخرالذکر کو الحارث بن کعب نے قتل کر دیا - ضمہ نے بیٹے کے انتقام میں حارث کو مار ڈالا اور اس سلسلے میں یہ تین جملے اس نے بولے ، جو کہاوت ہوگئے :

أسعد ام سعید ؟ الحدیث ذوشجون - سبق السیف العذل - (ورق ۶۳ الف)

زید بن رفاعۃ الکاتب[۳] ، عسکری اور میدانی نے بھی ان مثلوں کا ذکر کیا ہے - لیکن میدانی نے ''سبق السیف العذل'' کے بارے میں کسی کا یہ قول

---

۱ - جمہرۃ الامثال : صفحہ ۱۵۵ ، طبع بمبئی -
۲ - مجمع الامثال : جلد ۲ ، صفحہ ۲۹ ، طبع مصر -
۳ - کتاب الامثال : ۲۳ ، ۳۰ ، ۶۷ ، طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد -

بھی نقل کیا ہے کہ یہ خزیم بن نوفل الہمدانی کا مقولہ ہے -

۳ - بنی عوف کے ایک فرد عقیل بن عُلّفۃ بن الحرث بن معاویہ بن ضباب کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے کئی بیٹیاں تھیں - عبدالملک بن مروان نے ایک بیٹی کا پیام اپنے بیٹے کے لیے دیا - عقیل نے جواب میں کہا ''ان کان ، ولا بدّ ، فجنبنی ھجناء ک -'' (اگر ایسا ہوا ، اور ضرور ہوگا ، تو مجھے اپنے باندی بچوں سے بچا دینا) - بعد ازاں عثمان بن حیان ، امیر مدینہ ، نے دوسری لڑکی کا پیام دیا ، تو اُس نے کہا ''أ بکرۃ من ابلی ؟ أیھا الامیر !'' (کیا میرے اونٹوں میں سے کوئی نوجوان اونٹنی ؟ جناب !) عثمان نے اُسے شہر بدر کر دیا - (ورق ۸۰ الف) اسی عقیل نے کہا ہے :

ان بنی ضرّجونی بالدم . شنشنۃ اعرفھا من اخزم

عسکری کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ اصل مثل ''شنشنۃ من اخزم'' ہے جو حاتم طائی کے دادا یا پردادا کی زبان سے نکل کر زبان زد عام ہوئی - عقیل کے بیٹے عملّس نے جب اُسے تیر سے زخمی کیا تو اُس نے اس پر دو یا تین مصرع بہم پہنچائے - اس کے بعد پورا مصرع مثل بن گیا - لیکن ابن درید[1] ، میدانی[2] اور صاحب قاموس[3] نے اس کے برخلاف ان سب مصرعوں کو حاتم کے دادا کی طرف منسوب کیا ہے ، اور صراحت کردی ہے کہ عقیل نے صرف تمثیل کے طور پر یہ شعر پڑھے تھے -

اولیات :

جمہرہ میں موقع بہ موقع حسب ذیل اولیات کا بھی ذکر کیا ہے :

۱ - ابوالاسود ظالم بن عمرو الدّؤلی کے متعلق لکھتے ہیں :

تابعی ، بصری ، اول من وضع فی النحو (ورق ۵۸ ب)

عسکری[4] ، صاحب اغانی ، القالی ، ابن عساکر اور ابوطاہر ، صاحب اخبار النحویین نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے - لیکن ابو القاسم الزجاجی اور صاحب اغانی نے اپنی دوسری روایت کے مطابق امیرالمومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ کو واضع نحو قرار دیا ہے - السیرافی نے 'طبقات النحاۃ'

---

۱ - جمہرۃ اللغۃ : جلد ۲ ، صفحہ ۲۱۷ ، والاشتقاق ۲۳۳ -

۲ - مجمع الامثال : جلد ۱ ، صفحہ ۳۱۸ -

۳ - القاموس : جلد ۴ ، صفحہ ۱۰۴ ، طبع مصر ۱۳۰۲ھ -

۴ - کتاب الاوائل : ۱۹۴ ب -

میں ابن عاصم کو اور ابن لہیعہ نے عبدالرحمٰن بن ہرمز کو یہ شرف عطا کیا ہے[1] لیکن اکثر تذکرہ نگاروں کا ابن حزم کے قول پر اتفاق ہے۔

۲ - عبدالرحمٰن بن عُتوارۃ بن عامر بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ پہلا شخص ہے جس کا نام جاہلیت میں عبدالرحمٰن رکھا گیا تھا۔ (ورق ۵۸ الف)

ابن درید نے بھی کتاب الاشتقاق (صفحہ ۳۷) میں ابن الکلبی سے یہی روایت نقل کی ہے۔

۳ - بنی مَلک بن کنانہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ جاہلیت میں مہینوں کے لوند (نسی) کا حساب کرنے والے اسی قبیلے کے ہوتے تھے۔ جس شخص کے سپرد یہ خدمت ہوا کرتی تھی اُسے ''قلمس'' کہا جاتا تھا۔ چنانچہ پہلا قلمس سریر بن ثعلبہ بن الحارث بن ملک بن کنانہ تھا۔ (ورق ۵۹ ب)

عسکری نے کتاب الاوائل (ورق ۲۱ ب) میں حذیفہ بن عبد بن ہیثم کو پہلا قلمس قرار دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ خدمت اُسی کے خاندان میں منتقل ہوتی رہی تا آنکہ اسلام کا پیام آگیا اور آخری قلمس ابو ثمامہ پر اس جاہلی رسم کا خاتمہ ہو گیا۔

۴ - بنی ہذیل بن مُدرکہ عرب کا صاحب ذوق قبیلہ تھا۔ اس میں ستّر سے زائد مشہور شاعر پیدا ہوئے ہیں۔ ابن حزم لکھتے ہیں کہ ان میں کا پہلا شاعر ابو قلابہ الحارث بن صعصعہ بن طابخہ بن لحیان ہے۔ (ورق ۶۲ الف)

۵ - بنی اُسیّد کے ماتحت ''الحارث بن ابی ہالہ'' کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مسلمانوں میں پہلے شخص ہیں جو رکن یمانی کے نیچے خدا کی راہ میں شہید کیے گئے تھے۔ (ورق ۶۶ الف)

عسکری نے کتاب الاوائل (ورق ۶۰ ب) میں اس رائے کے ساتھ بقول بعض سمیہ ام عمار کو پہلا اسلامی مقتول بتایا ہے۔

۶ - بنی لخم کے ایک فرد زیاد بن عبدالرحمٰن بن زیاد الملقب بہ شبطون کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جو اندلس میں امام مالک کی کتاب 'الموطا' لے کر گئے تھے۔ (ورق ۱۲۵ ب)

---

۱ - کتاب الوسائل الی معرفۃ الاوائل : للسیوطی، ورق ۵۳ الف و ب۔

۷ - بنی سعد بن کعب بن عمرو بن لحی کے سلسلے میں عمرو بن الحمق کا تذکرہ فرماتے ہیں :

''له صحبة - كان ممن اجلب على عثمان رضی الله عنه - وكان من شيعة على رضی الله عنه - قتل ايام معاوية رحمه الله - و راسه اول راس مسلم حمل فی الاسلام من بلد الی بلد -'' (ورق ۳۷ الف)

(یہ صحابی تھے - یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کرنے والوں میں تھے ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف دار تھے - حضرت معاویہ کے زمانے میں انھیں قتل کردیا گیا - خدا کی ان پر رحمت ہو - ان کا سر کسی مسلمان کا پہلا سر تھا جو ایک شہر سے دوسرے شہر کو لے جایا گیا) -

عسکری[1] نے اس واقعے کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ پہلا سر جو ایک شہر سے دوسرے شہر کو بھیجا گیا ، محمد بن ابی بکر کا تھا - ابن درید[2] کی رائے میں عمرو بن الحمق کا سر پہلا سر ہے جو لٹکایا گیا تھا -

۸ - بنی ہوازن بن اسلم کے ایک فرد زرعہ بن عامر کا ، جو صحابی بھی تھے ، ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہ پہلے مسلمان تھے جو جنگ اُحد میں شہید ہوئے - (ورق ۵۷ الف)

ابن درید[3] نے بھی انھیں اُحد کا پہلا شہید قرار دیا ہے -

۹ - بنی نصر بن معاویہ کے ایک بزرگ ''ربیعہ بن مازن بن النابغہ'' کو لکھا ہے کہ یہ پہلے عرب ہیں جنھوں نے قادسیہ کی لڑائی میں ایک ایرانی کو قتل کیا تھا - (ورق ۸۵ الف) -

۱۰ - بنی بکر بن وائل کے ماتحت ''عامر بن جشم بن حبیب بن کعب'' کا ذکر کیا ہے جو ذوالمجاسد کہلاتا تھا - اور لکھا ہے کہ یہ پہلا شخص

---

۱ - کتاب الاوائل : ۱۵۳ ب -
۲ - کتاب الاشتقاق : ۲۷۹ -
۳ - ایضاً : ۲۸۲ -

ہے جس نے مرد کے دو حصے اور عورت کا ایک حصہ مقرر کیا ۔ (ورق ۹۴ ب)

ابن درید 'کتاب الاشتقاق' (ص ۲۰۶) میں اس اولیہ کو چھوڑ گیا ۔ لیکن سیوطی نے کتاب الوسائل (۲۶ ب) میں تذکرہ کیا ہے ۔

۱۱ - رافع بن زید بن عامر بن العجلان بن عامر بن زریق الانصاری کے متعلق لکھا ہے کہ یہ پہلے انصاری ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا ۔ (ورق ۱۰۷ ب)

ابن درید[1] کی بھی یہی رائے ہے ۔ لیکن اس نے ان کا نام رافع بن مالک بن العجلان لکھا ہے ۔ عسکری کی رائے میں پہلے انصاری مسلمان معاذ بن عفراء ہیں ۔ وہ کہتا ہے کہ آٹھ شخص ایک ساتھ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ۔ ان میں سے معاذ بن عفراء نے فوراً اسلام قبول کر لیا ۔ رافع نے غور کرنے کی مہلت مانگی اور بعد میں قرعہ ڈال کر مسلمان ہوئے[2] ۔

۱۲ - البراء بن معرور الخزرجی کے متعلق لکھا ہے کہ یہ لیلة العقبہ کی بیعت کرنے والوں میں سے تھے اور پہلے شخص ہیں جن کا منہ دفن کے وقت کعبے کی طرف کیا گیا ہے ۔ (ورق ۱۰۸ الف)

ابن درید[3] نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ایک تہائی مال کی وصیت کی تھی ۔ اور یہی پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے سب سے پہلے کعبے کی طرف نماز میں منہ پھیرا اور کعبے کی طرف منہ کرکے دفن کیے گئے ۔

عسکری[4] نے بیان کیا ہے کہ یہ پہلے مسلم ہیں جنھوں نے کعبے کی طرف رخ کیا ۔ بعد ازاں بحکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے لگے ۔ لیکن انتقال سے پہلے لوگوں سے کہہ کر کعبے کی طرف منہ پھروا لیا ۔ نیز سب سے پہلے انھیں نے لیلۃ العقبہ میں بیعت کے لیے رسول اللہ صلعم کے ہاتھ پر ہاتھ مارا ۔

---

۱ - کتاب الاشتقاق : ۲۷۲ ۔

۲ - کتاب الاوائل : ۶۹ الف ۔

۳ - کتاب الاشتقاق : ۲۷۳ ۔

۴ - کتاب الاوائل : ۱۱۱ ب و ۱۱۸ الف و ب ۔

۱۲ - انصار ہی کے ایک بزرگ ''بشیر بن سعد'' کے بارے میں لکھا ہے کہ انصار میں سب سے پہلے انہیں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی تھی -
(ورق ۱۰۹ ب)

ابن دُرید نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے[1] -

۱۳ - النعمان بن بشیر بن سعد کے متعلق لکھا ہے کہ یہ سب سے پہلے انصاری ہیں جو رسول اللہ صلعم کے مدینے تشریف لانے کے بعد پیدا ہوئے -
(ورق ایضاً)

عسکری نے بھی انہیں ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلا انصاری مولود قرار دیا ہے - اُس کے نزدیک یہ ہجرت کے ۲۳ ویں مہینے میں پیدا ہوئے تھے[2] -

۱۴ - بنی کعب بن ربیعہ کے ایک فرد ''عروۃ بن جدیر'' کے متعلق لکھا ہے کہ لوگ کہتے ہیں صفین میں سب سے پہلے ''لاحکم الا اللہ'' کا نعرہ اسی نے بلند کیا تھا - (ورق ۷۰ الف)

ابن خلدون نے اس کا نام عروہ بن جریر بتایا ہے[3] -

عسکری نے یہ قول لکھ کر ایک ضعیف روایت یہ بھی بیان کی ہے کہ اس بات کا پہلا قائل یزید بن عاصم المحاربی تھا[4] -

۱۵- بنی ہمیدعان کے ایک شخص ''عبداللہ بن وھب ذوالثفنات'' کے متعلق لکھا ہے کہ یہ پہلا شخص ہے جس نے جنگ نہروان میں خارجیوں کی قیادت کی اور اُنھوں نے اسے خلیفہ نام زد کیا - یہ اچھے تابعیوں میں شمار ہوتا تھا - اور یہ اُسی دن قتل ہو گیا - خدا ایسی رسوائی سے بچائے - (ورق ۱۱۵ ب)

عسکری نے بھی اس واقعے کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے[5] -

---

۱ - کتاب الاشتقاق : ۲۷۱ -
۲ - کتاب الاوائل : ۱۱۶ الف -
۳ - تاریخ ابن خلدون : جلد ۲ ، صفحہ ۳۱۷ -
۴ - کتاب الاوائل : ۱۹۲ ب -
۵ - ایضاً : ۱۹۲ ب -

۱۶ - بنی جسر کے ایک شخص عمرو بن زرارہ کے بارے میں لکھا ہے کہ کوفے میں سب سے پہلے اسی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو چھوڑا۔ (ورق ۱۲۳ الف)۔

عسکری[1] نے بھی یہ واقعہ لکھ کر اس کے یہ دو شعر نقل کیے ہیں :

اقسمت باللہ ، رب البیت ، مجتہدا   ارجو الثواب بہ سراً و اعلانا

(میں خدائے کعبہ کی پوری تندہی کے ساتھ قسم کھا کر کہتا ہوں اور اس پر ظاہر و باطن میں خدا سے ثواب کا امید وار بھی ہوں)۔

لاخلعن ابا وھب و صاحبہ   کہف الضلالۃ ، عثمان بن عفانا

(کہ میں ابو وھب اور اُس کے ساتھی ، گمراہی کے غار ، عثمان بن عفان کو اُن کے عہدے سے ہٹاؤں گا)۔

خدا نفس کی خواہشات سے ہر مسلمان کو بچائے۔

نسخۂ رام پور کی کیفیت :

یہ نسخہ $8 \times 11\frac{1}{2}$ (کتاب) اور $6\frac{3}{4} \times 8\frac{3}{4}$ (کتابت) ناپ کے ۱۴۷ ورقوں پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے میں ۲۷ سطریں ہیں۔ خط یمنی نسخ اور روشنائی سیاہ اور کاغذ عربی ہے۔ عنوانات کتاب شنگرفی ہیں۔ آخر میں سنہ ۹۹۹ھ سال کتابت تحریر ہے۔ کاتب نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ اگرچہ کتاب میں کرم خوردگی اور آبرسیدگی کے قدرے آثار ہیں ، لیکن بحیثیت مجموعی نسخہ اچھی حالت میں ہے۔ ایک نقص ضرور ہے اور وہ یہ کہ باوجودیکہ کاتب عرب ہے ، کتابت کی غلطیاں بہت نظر آتی ہیں ، جس سے کاتب کی کم علمی اور بے توجہی دونوں کا اظہار ہوتا ہے۔ عہد نواب حامد علی خاں بہادر میں مولوی محمد طیب مکی پرنسپل مدرسۂ عالیہ رام پور نے اکثرجگہ حواشی پر اور کم تر متن میں تصحیح اغلاط کی ہے ، لیکن اس پر بھی غلطیاں موجود ہیں۔ کہیں کہیں نسخے میں بیاض بھی ہے ، جس سے منقول عنہ کے نقصان پر روشنی پڑتی ہے۔

نسخہ دو جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے ؛ پہلی جلد ورق ۱ الف سے شروع ہو کر ورق ۷۵ ب پر ختم ، اور دوسری ورق ۷۶ الف سے شروع ہو کر

---

۱ - کتاب الاوائل : ۱۰۱ ب۔

ورق ۱۳۷ ب پر ختم ہوتی ہے -

ورق ۱ (الف) جلد اول کا ٹائیٹل پیج ہے جس پر کتاب اور مصنف کا نام اس طرح لکھا گیا ہے :

(سطر۱) کتاب جمهرة النسب ـ تالیف الامام العلامۃ الحافظ

(سطر۲) ابی محمد علی بن احمد بن حزم الاندلسی الظاهری

(سطر۳) رحمه الله تعالیٰ ، آمین ، آمین ، وصلی الله علی سیدنا محمد و آلہ وسلم

اس کے بعد سرورق پر حسب ذیل پانچ تحریریں درج ہیں ، جن میں سے پانچویں پر ، جو وقف کی تحریر ہے ، کسی غاصب نے کاغذ چسپاں کر دیا ہے - تاہم ورق کو سورج کے مقابل کرکے اس کی عبارت کا اکثر حصہ میں نے پڑھ لیا ہے -

۱ - من کتب الفقیرالی الله محمد بن الحسین وفقه الله و لطف به آمین ـ آمین - بمحروس مدینة تعسا فی تاریخ الفتح ـ

۲ ـ ارجعنا هذه النسخة الی ورثة السید عبدالله بن الحسن الشرفی، رحمہاللہ تعالیٰ ، علی نظر مولانا امیرالمومنین المتوکل علی الله ، حفظه الله تعالیٰ ، سلخ جمادی الاولی سنة ۱۰۷۳ - و کتب الفقیرالی الله محمد بن الحسین وفقه الله ـ''

یہ محمد بن الحسین غالباً محمد بن الحسین المرهبی الشرفی الجیلی ہے ـ قاضی شوکانی ، البدر الطالع(جلد۲، صفحہ ۱۶۳) میں فرماتے ہیں: ''الشاعرالبلیغ ، والکاتب المجید ـ کان کاتباً للسید الامیر علی بن المتوکل ، وله فیه غرر المدائح . . . کان قل ان یسلم لاحد فضلاً ـ ولما مات مخدومه المتقدم تعکست احواله ، و کثرت شکایته ـ ثم توجه الی الحج سنة ۱۱۱۳ ثلاث عشرة و مائة والف ـ فمات فی الطریق ببعض لواحی تهامة ـ وشعره مشهور عند اهل الیمن'' ـ

(بلیغ شاعر اور عمدہ منشی تھا ـ امیر علی بن المتوکل (والی یمن) کا میر منشی تھا اور اس کی مدح میں اس نے اچھے اچھے قصیدے کہے ہیں - یہ دوسرے کی فضیلت کو شاذ و نادر مانتا تھا ـ جب اس کا آقا فوت ہوگیا ، تو اس کی حالت بھی دگرگوں ہو گئی اور اس کی شکایت بڑھنے لگی - یہ ۱۱۱۳ھ میں حج کو گیا اور تہامہ کے اطراف میں مر گیا ـ اہل یمن میں اس کے شعر مشہور ہیں) -

۳ - باسمہ تعالی - انتقل ھذالکتاب الجلیل الی نوبۃ العبد الفقیرالی کرم اللہ تعالی ، الغنی بہ عمن سواہ ، محمد بن سعید بن صلاح بن صالح التنوف ، وفقہ اللہ لصالح الاعمال ، وبلغہ من خیری الدنیا والآخرۃ منتھی المقاصد و بلوغ الآمال ، بمحمد وآلہ خیر آل ، صلی اللہ علیہ وآلہ فی اللیل و النھار والعشی والابکار ، سلخ شھر المحرم الحرام عام سنۃ احدی و ثمانین و الف سنۃ ۱۰۸۱ ھجریۃ نبویۃ ، علی صاحبھا افضل الصلوۃ والتسلیم و آلہ و صحبہ اجمعین ، اھل الفضل العظیم -

غالباً یہ محمد بن سعید ، سعید بن صلاح الھبل کا بیٹا ہے - سعید یمن کا بہت بڑا فاضل اور صاحب زہد و ورع فرد تھا - امام المتوکل علی اللہ اسمعیل وغیرہ جیسے اکابر نے اُس کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا ہے - مدت تک صعدہ میں رہ کر آخر میں اہنوم چلا گیا تھا اور وہیں شوال ۱۰۳۷ھ میں فوت ہوا - (البدر الطالع ، جلد ۲ ، ذیل صفحہ ۹۶)

خود محمد بن سعید کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملتی -

۴ ثم انتقل الی نوبۃ الفقیر الی اللہ عمران ؟ بن محمد بن شرف الدین -

اس شخص کے متعلق بھی کچھ پتا نہ چل سکا -

۵ - وقف ھذاالکتاب وقفاً لمرضات اللہ ولرسولہ وابتغاء لوجھہ و . . . العم المرحوم شیخ احمد بن المرحوم محمد صادق ، غفراللہ لہ و لفرعہ و اصولہ وقفاً صحیحاً ثابتاً شرعیاً لا یباع ولا یوھب ولایورث ولا ینتقل الا لحاجۃ بنظارالمکرم محمد نور بن محمد رحمان علی - آمین - فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ -

یہ خط ہندی قلم کا نوشتہ معلوم ہوتا ہے - لیکن کسی تذکرے میں شیخ احمد بن محمد صادق ، اور محمد نور بن محمد رحمٰن علی کا ذکر نظر سے نہیں گذرا -

جلد اول کے خاتمے کی عبارت ہے :

''کمل السفرالاول من کتاب الجماھر فی النسب بحمداللہ تعالی و حسن عونہ ، وصلی اللہ علی سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ و سلم تسلیماً کثیراً طیباً مبارکا فیہ علی کل حال - والحمدللہ رب العلمین - تم ذلک'' -

جزو ثانی کے ٹائیٹل پیج (ورق ۶۷ الف) پر کتاب اور مصنف کا نام

دوبارہ لکھا گیا ہے۔ اس مرتبہ کتابت کی شکل مخروطی ہے۔ مگر ہر سطر نیچے کی طرف چھوٹی ہوتی گئی ہے۔ ان سطور کی تعداد آٹھ ہے۔ عبارت یہ ہے :

''الجزء الثانی من جمهرة النسب تالیف الامام العالم الحافظ ابی محمد علی بن احمد بن حزم الظاہری الاندلسی رحمه الله تعالی ۔ آمین ۔ آمین ۔ آمین ۔ والحمدلله رب العالمین ۔ آمین ۔ آمین ۔ آمین ۔ و صلی الله علی سیدنا محمد و آله وصحبه وسلماً تسلیماً کثیرا'' ۔

جلد ثانی کے خاتمے (ورق ۱۳۷ ب) کی عبارت حسب ذیل ہے :

''وکان الفراغ من نساخته عشیة الاربعاء المنور السابع عشر من شهرجمادی الآخرة الذی هو من شهور سنة اربع و ثمانین و تسع مائة من الهجرة النبویه'' علی صاحبها افضل الصلوة والتسلیم ۔ والحمدلله رب العالمین'' ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخے کی کتابت کی تکمیل ۱۷ جمادی الآخر ۹۹۴ھ — ۱۵۸٦ع کو ہوئی۔

نسخۂ رام پور کے حواشی :

اس نسخے کے حاشیوں پر مطالعہ کنندوں نے متعدد نوٹ لکھے ہیں۔ اگرچہ ان میں اکثر مقامات وہ ہیں جہاں نوٹ لکھنے والے کو، جو یمنی الوطن اور زیدی المسلک معلوم ہوتا ہے ، مصنف سے اس لیے اختلاف ہے کہ اس کے بیان سے اس کے جذبۂ حب وطن و قوم یا جذبۂ حمایت مذہب کو صدمہ پہنچتا ہے ، اور اس لیے ان حواشی میں ہر جگہ اس کا لہجہ درشت اور کہیں کہیں بداخلاق کی حد تک پہنچ گیا ہے ، تاہم ہمیں یمنی نقطۂ خیال تک پہنچنے کا ایک اچھا ذریعہ ہاتھ آ جاتا ہے۔ اس لیے ان کا نقل کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

دو ایک جگہ محشی نے ابن حزم کی تصحیح بھی کی ہے۔ چونکہ ان امور کا تعلق بھی یمنی قبائل یا زیدی ائمہ سے ہے ، اس لیے میری ناقص رائے میں اس گھر والے کی بات زیادہ قابل قبول ہے۔

۱ ۔ ''ابو عبدالله الحسین بن علی بن الحسن بن عمر بن علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب رضی الله عنه'' ۔ (ورق ۲ ۔ الف)

محشی نے سطر کے اوپر ''ابوعبدالله'' کی تصحیح ''ابومحمد'' سے ، ''الحسین''

کی ''الحسن'' سے اور ''الحسن بن عمر'' کی ''الحسن بن علی بن عمر'' سے کرکے حاشیے پر لکھا ہے :

''وھوالامام النا (صر الی) الحق ۔ و اسم الناصر الی الحق علیہ (السلام) الحسن بن علی ۔ ھکذا ذکر ۔ وکنیتہ ابو محمد جریا علی القیاس فی من اسمہ الحسن ان یکون کنیتہ ابا محمد ۔ ولیس کما ذکر ابن حزم ۔ فقد وھم فی الاسم و الکنیة کما تری'' ۔

انتھیٰ بخط الع (؟) بن محمد رحمہ اللہ ۔ (؟)

(ابو محمد الحسن بن علی ، امام ناصرالی الحق ہیں ۔ ان کا نام حسن بن علی ہے ۔ اسی طرح ذکر کیا گیا ہے ۔ اور ان کی کنیت ابو محمد ہے ، اس قیاس کے مطابق کہ جس کا نام حسن ہوتا ہے اُس کی کنیت ابو محمد ہوتی ہے ۔ ابن حزم نے جیسا لکھا ہے وہ بات نہیں ہے ۔ اسے نام اور کنیت میں دھوکا ہوا ہے ، جیسا کہ ظاہر ہے) ۔

اس تحریر کا انداز عمران بن محمد بن شرف‌الدین کی تحریر سے ملتا جلتا ہے ۔ اس حاشیے کے ختم پر دوسرے خط میں لکھا ہے :

''اقول و فی ھامش ھدایہ ۔ . . . السید ابراھیم بن محمد رحمہ اللہ والذی رواہ الناصر للحق عن ابیہ بسندہ عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ ، صلی اللہ علیہ وسلم۔تعلموا ۔ الخ ۔ ثم قال و قد ذکر ابن حزم ھذا الحدیث بھذا السند الشریف فی اول جمھرتہ ۔ انتھیٰ'' ۔

یہ نوٹ سید ابراھیم بن محمد کی کتاب ھدایہ کے حاشیے سے نقل کیا گیا ہے ۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ امام ناصرللحق کی روایت کی ہوئی حدیث ''تعلموا ۔ الخ'' ہے جسے ابن حزم نے اپنے جمھرۃ النسب کے آغاز میں روایت کیا ہے ۔ اس تحریر کا انداز محمد بن الحسین کی تحریر سے ملتا جلتا ہے ۔

۲ ۔ ابن حزم فرماتے ہیں :

''جمیع العرب یرجعون الی ولد ثلثة رجال ۔ و ھم عدنان و قحطان وقضاعة ۔'' (ورق ۔ ۳ الف)

(تمام عربوں کا نسب تین شخصوں کی اولاد پر جا کر ٹھہرتا ہے اور وہ عدنان ، قحطان اور قضاعہ ہیں) ۔

اس پر حاشیہ ہے :

''بل الصحیح الذی علیہ المحققون من اھل النسب ان الذی یجمع العرب
عدنان و قحطان ۔ ولا ثالث کما ذکر ابن حزمؔ'' ۔

(بلکہ صحیح بات جس پر تمام محقق علمائے انساب کا اتفاق ہے ، یہ ہے کہ سارے عرب کے مورث عدنان اور قحطان ہیں ۔ اور ابن حزم کے برخلاف کوئی تیسرا شخص ان کا مورث نہیں ہے) ۔

یہ عمران بن محمد بن شرف الدین کی تحریر معلوم ہوتی ہے ۔

۳ ۔ قضاعہ کے نسب کے متعلق ابن حزم کہتے ہیں :

''واما قضاعۃ فمختلف فیہ ۔ فقوم یتوارث ھو قضاعۃ بن معد بن عدنان ۔
وقوم یقول ھو قضاعہ بن مالک بن حمیر ۔ واللہ اعلم'' ۔

(ورق ۳ ب)

(قضاعہ کے بارے میں اختلاف ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ معد بن عدنان کی اولاد ہے اور بعض مالک بن حمیر کا بیٹا بتاتے ہیں ۔ واللہ اعلم) ۔

اس مسئلے کے دوسرے پہلو کے اثبات کے لیے محشی لکھتا ہے :

''وھذالقول ، اعنی ان قضاعۃ ھو ابن مالک بن حمیر ، ھوالصحیح الذی
اجمعت علیہ قضاعۃ والیمن والمحققون من علماء النسب من عدنان
کابن ماکولا وغیرہ ۔''

(قضاعہ کا مالک بن حمیر کا بیٹا ہونا ہی صحیح ہے ۔ اور اسی پر بنی قضاعہ اور اہل یمن اور ابن ماکولا وغیرہ جیسے محقق علمائے انساب کا اتفاق ہے) ۔

یہ بھی مذکور الصدر کا خط معلوم ہوتا ہے ۔

۴ ۔ قضاعہ کے مسکن کے متعلق ابن حزم کا ارشاد ہے :

''وبلاد قضاعۃ متصلۃ بالشام ببلاد یونان والامم التی بادت ممالکھا
بعلبۃ الروم علیھا وببلاد بنی عدنان ۔ ولایتصل ببلاد الیمن اصلا۔''
(ورق ۳ ب)

اس مقام پر محشی لکھتا ہے :

''اما قولہ ان ھاولاء بالشام ولا اتصال لھم بالیمن فمردود فی وجھہ ۔

ولا حجة له سوی الاستبعاد فان لخم و جذام و عاس و غسان من
قبائل الیمن مساکنهم الشام ـ ومن تکلف تکلف ابن حزم جدیر
بوهن حجته فلیته سکت فسلم تمت"۔

(مصنف کا یہ قول کہ بنی قضاعہ شام کے باشندے تھے اور یمن سے اُن کا اتصال مطلق نہ تھا ، اُس کے منہ پر مار دینے کے قابل ہے ، اور سوائے استبعاد کے اُس کے پاس اور کوئی دلیل نہیں ، کیونکہ یمن کے قبیلوں لخم ، جذام ، عاس اور غسان کا مسکن شام ہے ۔ جو شخص ابن حزم کا ساتکلف کرے گا اُس کی دلیل کمزور ہونی چاہیے ۔ کاش وہ سکوت ہی اختیار کرتا کہ سلامت رہتا) ۔

یہ حاشیہ بھی عمران بن محمد بن شرف الدین کا معلوم ہوتا ہے ۔

۵ ۔ اموی اسپینی خاندان کے سلسلے میں ابن حزم نے لکھا ہے :

"ولا عقب لهشام المعتدی ۔ وهو آخرمن یسمی منهم بقرطبة بالخلافة ۔"
(ورق ۳۱ الف)

(ہشام المعتدی کی اولاد باقی نہیں رہی ، اور یہ قرطبہ کا آخری اموی خلیفہ ہے) ۔

المعتدی پر حاشیہ ہے :

"الذی فی ابن خلدون انه المعتمد ۔"

یہ خط جدید معلوم ہوتا ہے ۔ بعید نہیں کہ خود مولوی محمد طیب مرحوم کا یا اُن کے ساتھ تصحیح کا کام کرنے والے کا ہو ۔

۶ ۔ بنی امیہ کے تذکرے میں یزید بن معاویہ کے متعلق لکھا ہے :

"و یزید امیرالمومنین ۔ وکان قبیح الاثار فی الاسلام ۔ قتل اهل المدینة
و افاضل الناس وبقیة الصحابة ، رضی الله عنهم ، یوم الحرة ، آخر
دولته ۔ وقتل الحسین رضی الله عنه واهل بیته فی اول دولته ۔
و حاصر ابن الزبیر ، رضی الله عنه ، و اهل مکة فی المسجد الحرام
واستخف بحرمة الکعبة والاسلام فاماته الله فی تلک الایام ۔"
(ورق ۳۴ الف)

(اور یزید ، امیرالمومنین ، اسلام میں قبیح نشانات والا ہے ۔ اُس نے اپنی حکومت کے آخری زمانے میں جنگ حرہ کے اندر اہل مدینہ ، بزرگ اشخاص

اور بقیۂ صحابہؓ کو قتل کرادیا ۔ اور ابتدائی حکومت میں امام حسین رضی اللہ عنہ اور اُن کے اہل بیت کو شہید کرایا ۔ اور ابن زبیر اور اہل مکہ کو مسجد حرام میں محصور کرکے کعبے اور اسلام کی حرمت کو ٹھیس لگائی ۔ چناں چہ اُسی زمانے میں خدا نے اُسے موت کا لقمہ بنا دیا) ۔

لفظ امیرالمومنین پر حاشیۂ ذیل تحریر کیا گیا ہے :

''ھذہ طریقۃ ابن حزم ، اخزاہ اللہ وقبحہ ، فانہ یسمی ھاولاء الفجرۃ ویلقبھم بامیرالمومنین ۔ وکان . . . حبا من بنی امیۃ ۔ والمرء مع من احب ۔''

(ابن حزم کا یہی طریقہ ہے ۔ خدا اُسے رسوا اور برائی میں آلودہ کرے ، کیوں کہ وہ ان فاجروں کا ذکر کرتا ہے تو اُنھیں امیرالمومنین کا لقب دیتا ہے ۔ اور یہ بنی امیہ کی محبت کے باعث ہے ۔ اور انسان اُسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اُسے محبت ہو) ۔

اس کا انداز تحریر بھی عمران بن محمد بن شرف الدین کا سا ہے ۔

اس حاشیے کے سخت اور نازیبا الفاظ سے متاثر ہوکر دوسرے مطالعہ کرنے والے نے یہ نوٹ لکھا ہے :

''لاینبغی للمسلم ان یلعن مومنا ولا یخذلہ ولا یسوءالظن فی حقہ ۔ وھذا ابن حزم ، رحمہ اللہ ، ماقال لیزید (علیہ مایستحقہ) امیرالمومنین ، لتعظیمہ و احترامہ ۔ و انما قال عملاً بالظاھر و عدم الاشتباہ ۔ والا لما کان یذکر سوء افعالہ بقولہ (وکان قبیح آلاثار فی الاسلام الخ) فینبغی ، ایھا القائل الادب مع العلماء والمشائخ ۔ ۱۲ ۔ لکاتبہ عفی عنہ'' ۔

(مسلمان کو یہ زیبا نہیں کہ کسی مومن پر لعن کرے یا اُس کا ساتھ چھوڑے یا اُس کے حق میں بدظنی کرے ۔ ابن حزم نے یزید (علیہ مایستحقہ) کو ''امیرالمومنین'' احترام یا تعظیم کی وجہ سے نہیں کہا ہے ۔ بلکہ ظاہر حال اور اُس کی امارت مومنین میں کوئی اشتباہ نہ ہونے کے باعث کہا ہے ۔ ورنہ وہ اس کے برے اعمال اپنے قول : ''وکان قبیح الآثار الخ'' میں ذکر نہ کرتا ۔ لہذا ، اے شخص ! علما اور مشائخ سے بہ ادب پیش آنا چاہیے) ۔

یہ خط ہندی انداز کا ہے ۔ ممکن ہے کہ واقف کتاب کا ہو ۔

۷ ۔ اولاد یحصب کے ماتحت ابن حزم ''یزید بن زیاد بن ربیعة بن مفرح الحمیری'' مشہور شیعہ شاعر کا تذکرہ کرکے لکھتا ہے : ''لعنہ اللہ ۔''
(ورق ۱۲۹ ب)

اس جملے پر حاشیہ ہے :

''بل رحمہ اللہ و ختم لہ بالخیر فھو شاعرالشیعة ۔ ولا ذنب لہ عند المولف سوی حب علی بن ابیطالب صلوات اللہ علیہ ۔ وھل ذاک ذنب ؟ فلعنة اللہ علی کل ناصب و معاد للآل الاطائب ، تم ۔''

۸ ۔ اسلامی عہد کے ایک عامل یمن کے متعلق ابن حزم لکھتے ہیں :

''و ممن غلب علی الیمن فی الاسلام ابوحسان اسعد بن ابی جعفر ابراھم بن محمد ابن یعفر بن عبدالرحمن بن کریب بن عثمان بن الوضاح بن ابراھم ابن ماتع بن عون بن تدرس بن عامرذی حوال الاصغر'' ۔
(ورق ۱۳۰ الف)

اس مقام پر دو حاشیے ہیں :

۱ ۔ ''وھو فارس حمیرو مبید القرامطة ۔ کذا ذکرالمورخون'' ۔

(وہ حمیر کا شہ سوار اور قرامطہ کا فنا کرنے والا ہے ۔ مورخوں نے یہی کہا ہے)

۲ ۔ ''صوابہ ابن ابی یعفر ۔ وھوالذی ناصرالامام الناصر احمد ابن الھادی علیھما السلام یحیی بن الحسین ۔ و اعتضد علی قتل القرامطة حیث کانوا ۔ و جد الامیر اسعد بن ابی یعفر المذکور فی قتال ھاؤلاء الکفرة ۔ وسار فی قواد الیمن فحارب بنی علی بن الفضل ، وجاھد و اجتھد و دخل حصونھم عنوة و دخل . . . و سبا اولاد علی بن الفضل ، ثم ضرب اعناقھم بصنعاء و ذلک فی سنة ثلاث و ثلاث مائة ، ھکذا ذکر فی سیرة الھادی علیہ السلام وغیرھا من کتب التواریخ ''۔

(صحیح ابن ابی یعفر ہے ۔ اسی نے امام الناصر احمد بن الھادی علیہما السلام کی مدد کی اور قرامطہ کو قتل کرنے میں ، جہاں بھی وہ تھے ، ہاتھ بٹایا ۔ امیر اسعد بن ابی یعفر مذکور نے اُن کافروں کے مارنے میں بڑی کوشش

کی اور یمن کے قائدوں کے ساتھ گیا ، اور بنی علی ابن الفضل[1] سے جنگ کی ۔ اور مجاہدانہ کوشش سے اُن کے قلعوں میں بزور داخل ہو گیا . . . . اور علی بن الفضل کی اولاد کو گرفتار کر کے صنعاء میں اُن کی گردنیں ماریں ۔ اور یہ ۳۰۳ھ میں واقع ہوا ۔ سیرۃالہادی اور دوسری تاریخوں میں ایسا ہی مذکور ہے) ۔

۹ ۔ ابن حزم کی عبارت ''و معدیکرب بن اسعد ۔ و یقال ان سعید بن قیس من ولدہ''[2] (ورق ۱۳۰ ب) پر محشی لکھتا ہے :

''یعنی سعید بن قیس الہمدانی صاحب علی علیہ السلام ۔ و ہوالصحیح ۔ وقد نسبہ علی فی شعرہ الی حمیر ۔ و ذکرہ العلامہ محمد بن نصر فی انساب حمیر ۔ تمت'' ۔

اسی قلم سے دوسرا نوٹ یہ ہے :

''وانما قیل سعید بن قیس الہمدانی لانہ کان وابوہ والیین علی ھمدان وھو حمیری بلا کلام ۔ واللہ اعلم'' ۔

ان دونوں کے علاوہ ایک نوٹ اور بھی پایا جاتا ہے ، جس کا خط مقدم الذکر سے خفی ہے ۔ یہ نوٹ محمد بن نصر کے علمی مرتبے کی توثیق میں لکھا گیا ہے :

''وکفی بہ حجۃ ، فانہ امام ھذا الفن و نسیج وحدہ فی علم النسب ۔'' (ورق ۱۳۰ ب)

۱۰ ۔ قضاعہ کے نسب کے متعلق ابن حزم نے لکھا ہے :

''قال قوم ھو قضاعۃ بن معد بن عدنان ۔ و قال قوم ھو قضاعہ بن مالک ابن حمیر'' ۔ (ورق ۱۳۰ ب)

یہاں محشی لکھتا ہے :

''وھو قول اھل النسب کافۃ من الیمن ۔ وقوی ھذا القول العلامۃ ابن ماکولا فی کتابہ الاکمال ۔ وقال ھو قول الاکثر، یعنی من ائمۃ النسب ۔ وھوای ابن ماکولا معدی النسب ۔ لکن حملہ الانصاف وعدم التعصب علی الحق ۔''

---

۱ ۔ البدر الطالع : ۱ ۔ ۱۲۵ میں ''السید علی بن ابی الفضائل'' لکھا ہے ۔

(یعنی ائمہ انساب میں سے تمام یمنی علماے انساب کا یہی قول ہے۔ علامہ ابن ماکولا نے کتاب الاکمال میں اس کو قوی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہی اکثر علما کی رائے ہے۔ ابن ماکولا نسباً خود معدی ہے۔ مگر انصاف اور بے تعصبی نے اسے حق پر ابھارا)۔

۱۱۔ ابن حزم ایک صحابی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں :

''وعمرو بن مرة بن عبس بن مالك بن الحرث بن رفاعة بن نصر بن مالك ابن غطفان ۔ له صحبة ۔ وقيل هو اول من الحق قضاعة بالیمن''۔
(ورق ۱۳۲ الف)

(اور عمرو بن مرہ . . . ابن غطفان صحابی ہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے قضاعہ کا الحاق یمن سے کیا ہے)۔

اس مقام پر محشی کو ابن حزم کے خلاف زہر اگلنے کا اچھا موقع ہاتھ لگا ہے۔ چنانچہ اُس کے قلم سے حسب ذیل نامناسب الفاظ نکلتے ہیں :

''انت ايها المصنف غيرالمنصف تزعم و تعتقد ان الصحابي لا يكذب ۔ فقد نقضت اصلک و خالفت اعتقادک حيث قلت ان عمرو بن مرة ، وهو صحابي مشهور روى عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم ، الحق قضاعة باليمن ۔ فقد كذبت و افتريت ۔ وهذه طريقه ابن‌حزم فانه لايبالى ولا يتحاشا من كذب كما هو مشهور عنه ۔ تمت''۔

(تو اے غیر منصف مصنف! یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ صحابی جھوٹ نہیں بولتے ، مگر تو نے اپنے اصول کو توڑ دیا اور عقیدے کے خلاف رائے ظاہر کی جب کہ تونے یہ کہا کہ عمرو بن مرہ صحابی اور راوی احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاعہ کے نسب کو یمن سے ملایا ہے۔ تو جھوٹا اور مفتری ہے۔ ابن حزم کا یہی رویہ ہے۔ وہ جیسا کہ مشہور ہے ، جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتا)۔

اس مقام پر محشی نے ابن حزم کے ساتھ غیر مورخانہ سلوک برتا ہے۔ جس بات کو وہ خود نہیں جانتا تھا اُس کی ذمہ داری ابن حزم کے سر تھوپی ہے ! حالانکہ اس اطلاع کا بار ابن سعد صاحب طبقات پر ہے۔ وہ اپنی کتاب کی چوتھی جلد (قسم ثانی) کے صفحہ ۶۸ پر عمرو بن مرہ کے متعلق

لکھتا ہے :

''عمرو بن مرة بن عبس بن مالک بن المحرث بن مازن بن سعد بن مالک ابن رفاعة بن نصر بن غطفان بن قیس بن جهینة ، اسلم قدیما و صحب النبی صلعم و شهد معه المشاهد ۔ وکان اول من الحق قضاعة بالیمن ۔ فقال فی ذلک بعض البلویین :

فلا تهلکوا فی لجة قالها عمرو

یعنی لجاجة ۔ و ولده بدمشق ۔ قال اخبرنا سلیمان بن حرب . . . عن عمرو بن مرة الجهنی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یوماً : ''من کان من معد فلیقم'' ۔ فقمت ۔ فقال ''اجلس'' ۔ ثم قال : ''من کان من معد فلیقم'' ۔ فقمت ۔ فقال : ''اجلس'' ۔ ثم قال : ''من کان من معد فلیقم'' ۔ فقمت ۔ فقال : ''اجلس'' ۔ فقلت ''یا رسول اللہ ! ممن نحن'' ؟ فقال : ''انتم من قضاعة بن مالک بن حمیر ۔''

تہذیب (ج ۸ ، صفحہ ۱۰۳) میں بھی اس اطلاع کو ابن سعد کی طرف منسوب کیا گیا ہے ۔ چونکہ یہ رائے اکثر علما نے تسلیم نہیں کی تھی کہ عمرو بن مرہ نے قضاعہ کا الحاق کیا ہے ، اس لیے ابن حزم نے اس کو لفظ ''کہا گیا ہے'' سے لکھ کر خود اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

۱۲ - تبابعۂ یمن کے بارے میں ابن حزم نے لکھا ہے :

''فاما ملوک حمیر ، فالتبابعة لم یملکوا غیرالیمن'' ۔ (ورق ۱۳۲ ب)

(رہے حمیر کے بادشاہ تو اُن میں سے تبابعہ ، یمن کے ماسوا کسی اور ملک پر قابض نہیں ہوئے) ۔

اس پر ہمارا یمنی محشی بر افروختہ ہو کر لکھتا ہے :

''اقول : قبحک اللہ ، یا ابن حزم ! ولیتک بقیت علی ظاہر منک وتکلمت نغنمت ، او صمت فسلمت ۔ فانها اذا بلغت المکابرة والتعصب الی هذاالکذب الصراح ، کان الجارح معذورا بلا شک ۔ فان کتب التواریخ والاخبار مصفقة علی ان ملوک حمیر و التبا (بعة) منهم ملکوا اکثر (الدنیا) و دوخوا ملوکها واخربوا سمرقند العجم و دخلوا الی الارض التی هی غیر مسکونة ۔ (یہاں جگہ ختم ہو جانے کے باعث بقیہ عبارت کو داہنے حاشیے پر لکھتا ہے) و کم لابن

حزم من اقوال شاذة خالف فيها علماء الاسلام ۔ قال ابن خلکان فی تاریخہ : کان ھذاالرجل یتنقص الصحابة والسلف ۔ ولم یسلم منہ احد ۔ فلا تغتر بما یرویہ ۔ والرجل مجروح کذوب ۔ تمت'' ۔

(خلاصۂ عبارت عربی یہ ہے کہ ابن حزم نے زبردستی یہ لکھ دیا ہے کہ ملوک حمیر کی حکومت یمن سے آگے نہ بڑھی ۔ یہ بالکل غلط ہے ۔ تمام تاریخیں متفق ہیں کہ یمن کے بادشاہ سمرقند تک فتح کرتے چلے گئے تھے ۔ اور غیر مسکونہ ملکوں میں بھی داخل ہوئے تھے۔ ابن حزم اسی قسم کے شاذ اقوال اکثر لکھتا ہے ۔ ابن خلکان نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ صحابہ اور سلف میں بھی نقصان نکالتا تھا ۔ لہذا اس کی روایت سے دھوکا نہ کھانا چاہیے ۔ یہ مجروح اور جھوٹا ہے) ۔

۱۳ ۔ ابن حزم عدنان کے تین بڑے قبیلوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے :

''فوجدنا القبائل العظام من عدنان ثلاثاً وھم تمیم بن مر ، و عامر بن صعصعة ، وبکر بن وائل ۔ و وجدنا قبائل الیمن العظام ثلاثاً ایضاً ۔ وھی الازد بعد اسقاط الانصار و ملوکھم من کندہ ، ولخم و غسان وحمیر بعد اسقاط ملوکھم ، و مذحج ۔ فتعارض کل قبیلة من ھذہ قبیلة من تلک الخ'' ۔ (ورق ۱۳۲ ب)

یہاں محشی کی حمیت و عصبیت قومی پھر سخت مجروح ہوتی نظر آتی ہے ، اور وہ اس کو برداشت نہیں کرسکتا کہ عدنانی قبائل کو یمن کے بڑے بڑے قبیلوں کی ہمسری کا شرف عطا کیا جائے ۔ چنانچہ تردیداً لکھتا ہے :

اقول : للہ در من قال :

اربٰی لنفسک ان تفوہ بمنطق   یزری بقائلہ و یخزی الراویا

ولیت شعری ما حمل ھذا الکذاب علی ھذا الافترا' والمعارضة الکاذبة التی یظھر بطلانھا لکل من لہ اطلاع علی الانساب حیث جعل تمیم للازد ۔ والازد قد ملاؤالشام والیمن والعراق والحجاز و عمان و غیر ذلک من البلاد ۔ واما حمیر و معارضتہ لھم ببنی عامر فھذا من الخرافات التی تدل علی سخافة قائلھا و تغیر حواسہ بلاشک و اختلاط مزاجہ ۔ فقبح اللہ من بلغ بہ الھذیان والافک الی ھذہ الغایة والمقالة الباطلة الفاضحة ۔ وماکان اغناہ عن ھذا التکلف والافتراء الذی

یاباہ کل مطلع علیہ من عدنانی و قحطانی ۔''

اس حاشیے کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن حزم کی یہ رائے کہ عدنان کے تین بڑے قبیلے یمن کے تین بڑے قبیلوں کے ہمسر ہیں ، جھوٹ ، افترا اور ہذیان ہے ۔ ہر عالم انساب اس سے واقف ہے ۔ یہ تمیم کو ازد کے برابر کہتا ہے حالانکہ ازد نے شام ، یمن ، عراق ، حجاز اور عمان وغیرہ کو بھر دیا تھا ۔ اور حمیر کو بنی عامر کا معارض بتاتا ہے ، حالانکہ یہ بڑی پوچ بات ہے اور تغیر حواس پر دلالت کرتی ہے ۔

آخری آرزو

اس کتاب کا ایک نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ایک جوان مرگ طالب علم نے کئی نسخوں کی مدد سے مرتب کیا تھا ، جو ہنوز اسی دارالعلوم کے کسی استاد کے پاس پڑا ہوا ہے ۔ میں اپنے اور تمام علمائے تاریخ کی طرف سے یونیورسٹی کے ارباب بست و کشاد کی خدمت میں اپنے استاد جلیل المرتبت عالی جناب مولانا میمن عبدالعزیز صاحب مدظلہ العالی کے توسط سے اس کتاب کی اشاعت کی استدعا پیش کرکے مقالے کو ختم کرتا ہوں[1] ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین ۔

[رویداد ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور ۱۹۳۸ء]

---

۱ ۔ یہ کتاب ۱۹۴۸ع میں مصر سے شائع ہو گئی ہے ۔

رباعیات عمر خیام کا ایک نادر نسخہ[1]

ہر عمل کا رد عمل ہونا ایک طبیعی مسئلہ ہے ، جو طبیعیات کی طرح علمیات اور ادبیات میں بھی جاری ہے ۔ رباعیات عمر خیام کو یورپ کی مقبولیت کے سبب سے جو شہرت حاصل ہوئی ، اُس کا رد عمل اس قدر زبردست ہوا کہ بعض دماغوں کو خود خیام کے وجود میں شک پیدا ہو گیا ۔ گو یہ ایک دماغ کی فکری لغزش تھی ، جو خیام اور اُس کے فلسفے پر براہ راست کوئی اثر نہیں ڈالتی ، لیکن اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ موجودہ مفکرین خیام سے اُکتا چکے ہیں ، اس لیے اب اُن کے سامنے اس کے متعلق کچھ کہنا لاحاصل ہے ۔

رباعیات خیام کی اصلی تعداد بھی معرض بحث میں ہے ، اور تاحال یہ مسئلہ حل نہ ہو سکا کہ خود اُس کا اپنا کلام کتنا ہے ، اور غلط انتساب نے اُس کے سر کس قدر منڈھ دیا ہے ۔ حال ہی میں ایک جرمن اسکالر نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صرف ۱۳ ، ۱۴ رباعیاں خیام کی کہی جا سکتی ہیں ، باقی یا تو مشکوک ہیں اور یا دوسرے شعرا کے دواوین میں پائی جاتی ہیں ۔

خیام نے خود کوئی مجموعہ مرتب نہ کیا تھا ، اور کیا تھا تو وہ ناپید ہو گیا ۔ اس لیے اس معمے کے حل کی ظن و قیاس کے سوا کوئی صورت نہیں ، اور ظن و تخمین کی کم مایگی ظاہر ہے ۔ ان الظن لا یغنی من الحق شیئا ۔

سب سے قدیم نسخہ آٹھویں صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے ، جس میں تقریباً ڈھائی سو رباعیاں پائی جاتی ہیں جو امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اب ایک ہزار سے بھی زائد ہو چکی ہیں ۔

لیکن یہ فرض کر لینے کے بعد بھی کہ موجودہ منسوب رباعیاں خیام

---

۱ - یہ نسخہ کتاب خانۂ رام پور میں محفوظ ہے ۔

ہی کی ہیں ، ایک دشواری باقی رہ جاتی ہے ، اور وہ یہ ہے کہ موجودہ رباعیوں کا متن اس قدر سقیم ہے کہ اُس کے ہوتے یہ مشکل یقین کیا جا سکتا ہے کہ یہ خیام کی زائیدۂ تخیل ہیں ۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اُس کو فلسفی ہونے کے باوجود حسن صنعت و تخیل سے بے بہرہ فرض کر لیا جائے ، جس کے تصور سے کم از کم مجھے سخت دماغی اذیت ہوتی ہے ۔

لیکن بحمد اللہ اب یہ مسئلہ ایک حد تک حل ہوتا نظر آتا ہے ، کیونکہ مجھے اتفاقاً خیام کی رباعیوں کا ایک مجموعہ ملا ہے ، جس میں ۳۵۰ رباعیاں درج ہیں ۔ ان میں سے ۵۰ تو مطبوعہ نسخوں میں سرے سے موجود ہی نہیں ، باقی ۳۰۰ بھی حیرت انگیز حد تک مختلف المتن ہیں ۔

یہ نسخہ آخر سے ناقص ہے ، اس لیے زمان و مکان کتابت کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا ، لیکن ظاہری حالت سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ دسویں صدی ہجری[1] کا ہے ، کاغذ اور تحریر ایرانی ہے ، ترتیب میں ردیف کا لحاظ بالکل نہیں کیا گیا ہے ۔ تحریر کتاب نما نہیں ، بیاض نما ہے ۔ ہر صفحے میں چار کالم ہیں ، جن میں باریک قلم سے تقریباً ۲۳ ، ۲۵ رباعیاں درج ہیں ۔ ہر رباعی کے شروع میں اوپر (رباعی) تحریر ہے ۔ شروع کے ۳ صفحے دواوین کی عام رسم تحریر کے مطابق ہیں ۔ مجموعے کی ابتدا میں یہ عبارت درج ہے :

”در تاریخ قدما مسطور است کہ وفات امام الحکما مولانا عمر خیام نیشاپوری در سنہ سبع عشر و خمس مائۃ بود ۔ او در حکمت یگانہ و عالم زمانہ بود ۔ و خواجہ عروضی سمرقندی کہ از شاگردان اوست، حکایت میکند کہ در بغداد[2] او را با امام الحکما مولانا عمر اتفاق ملاقات افتاد ۔ در اثنائے سخن می گفت کہ قبر من

---

۱ ۔ یہ میرا اندازہ اُس وقت کا ہے جب میں اس کوچے میں نووادر تھا ۔ موجودہ معاینے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ بارھویں صدی ہجری کا نوشتہ ہے ۔

۲ ۔ یہ غلط ہے ۔ عروضی سمرقندی کی یہ ملاقات بغداد میں نہیں بلکہ بلخ میں ہوئی تھی ۔ دیکھو چہار مقالہ ، صفحہ ۶۳ ، مطبوعۂ یورپ ۔

در موضعے می باشد کہ بہار از یاد شمال بر من گل افشاں شود ۔ مرا از آن سخن تعجب آمد کہ گزاف نمی‌گوید ۔ تا بعد ازاں چند گاہے بہ نیشاپور بر سر قبر او رفتم ، و آن قبر در کنار باغ افتادہ بود ، درختاں میوہ دار سر از دیوار باغ بر آوردہ چنداں شگوفہ بر سر قبر او ریختہ بود کہ قبر در آن میان نمی نمود ۔ او را رباعی بسیارست بحکمت آمیختہ ۔''

اس مقالے میں میں نے یہ کوشش کی ہے کہ مطبوعہ رباعیوں سے مقابلہ کر کے متن کا اختلاف دکھا دیا جائے ۔ اس کے ساتھ جس نسخے کو ترجیح ہے ، اُس کو بھی بہ وجوہ ظاہر کیا ہے ۔ اگر اہل علم نے اس نسخے کے اختلافات کو اہمیت دی ، تو آئندہ غیر مطبوعہ رباعیات پر تفصیلی بحث کروں گا ۔

میں اس خیال کا ہرگز حامی نہیں کہ جو کچھ رطب و یابس خیام کے نام سے مل جائے ، ہم اُس کو گراں مایہ گوہر سمجھ کر قبول کر لیں ، لیکن یہ بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ یورپ کی کورانہ تقلید میں اُس کے وجود ، یا اُس کے کلام کے وجود سے انکار کر دیا جائے ، اس لیے کہ حق ہمیشہ افراط و تفریط کے درمیان ہوتا ہے ۔

میرے خیال کے مطابق اثریات کے ماہرین کا رویہ نہایت اچھا ہے ۔ شک یقیناً اچھے نتائج پیدا کرتا ہے ، لیکن شرط یہ ہے کہ لا ادریت نہ پیدا ہو ، ورنہ تعمیر تخریب سے بدل جاتی ہے ، اور نتیجہ 'کاہ برآوردن' بھی نہیں نکلتا ۔

اس مضمون میں مطبوعہ نسخوں سے مراد الہ آبادی اور لاہوری نسخے ہیں ۔ پہلا مولانا جلال الدین صاحب جعفری نے مرتب کرکے مع ترجمہ شائع کیا ہے ، اور دوسرا مولانا نصیرالدین کی تصحیح سے شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب لاہور نے چھاپا تھا ۔

جعفری صاحب کے پیش نظر نسخوں میں ایک نسخہ دہلی کا اور دوسرا امرت سر کا خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ مختلف مقامات پر مولانا نے ان کا حوالہ دے کر اختلاف متن تحریر کیا ہے ۔ لاہوری نسخے کی تصحیح نہ معلوم کن نسخوں سے کی گئی ہے ، لیکن وہ تصحیح کے بعد بھی اس قدر

غلط ہے کہ خدا کی پناہ ! یہاں رام پور اسٹیٹ لائبریری میں اتفاق سے خیام کا کوئی قابل اعتنا قلمی نسخہ موجود نہیں ، نہ یورپ کے مطبوعہ نسخوں میں سے کوئی نسخہ ہے، اس لیے تمام مطبوعہ اصلوں سے مقابلہ نہ ہو سکا ۔ ممکن ہے بعض اور اصول سے میرے نسخے کی تائید ہوتی ۔ آئندہ اگر میری تصحیح سے خیام کے نسخے کی اشاعت کی نوبت آئی تو مکمل مقابلہ کروں گا ۔

مجھے ارباب علم سے قوی امید ہے کہ وہ خیام کے اس نسخے کی قدر کریں گے کیوں کہ اس سے رباعیات کی حسین شکل سامنے آ جاتی ہے ۔ علاوہ ازیں غیر مطبوعہ ۵۰ رباعیوں پر تحقیق و تنقید کا موقع بھی میسر آتا ہے ۔

مجموعۂ زیر بحث میں سب سے پہلی رباعی یہ ہے :

۱ ۔ اے سوختۂ سوختۂ سوختنی   وے آتش دوزخ از تو افروختنی
تا کے گوئی کہ ''برعمر رحمت کن''   حق را تو کنی بہ رحمت آموختنی؟

عام نسخوں میں چوتھا مصرع یوں ہے :

حق را تو کجا برحمت آموختنی

۲ ۔ از بادۂ لعل ، لعل شد گوہر ما   آمد بفغان ز دست ما ، ساغر ما
از بسکہ ہمی خوریم می در سر می   ما در سر می شدیم و می در سر ما

عام نسخوں میں پہلا مصرع اس طرح لکھا ہے :

از بادۂ ناب لعل شد گوہر ما

لعل در حقیقت ایک بیش قیمت پتھر ہے ۔ چوں کہ اس کا رنگ خوش نما سرخ ہوتا ہے ، اس لیے شراب کو لعل کہہ دیتے ہیں ۔ عام نسخوں کے مطابق مصرع کا مفہوم یہ ہے کہ ہماری کوٹھی میں شراب پڑی ہے ، اس لیے خود پیالہ بھی خدمت کرتے کرتے بہ تنگ آ گیا ہے ۔ اس صورت میں ناب اور لعل بادہ کی دو صفتیں ہیں ۔

قلمی نسخے کا مقصد اس سے جدا ہے ، یعنی بادۂ لعل نے میری سرشت بدل دی ۔ گوہر ، جواہرات کو بھی کہتے ہیں اور اصل و سرشت کو بھی ۔ خیام نے کنایتہً اپنی ذات کو گوہر کہا ۔ گوہر بیشتر سفید رنگ کا ہوتا ہے ، شراب عموماً گہری سرخ ہوتی ہے ، اس لیے ''تغیر سرشت'' کو بدایں الفاظ تعبیر کرتا ہے کہ شراب نے میرے ہیرے کو اپنی تاثیر سے سپید سے سرخ بنا دیا ۔

مصرع کی دونوں حالتیں ُپر زور ہیں ، لیکن قلمی نسخہ مرجح ہے -

۳ - بابط می گفت ماہیے در تب و تاب ''باشد کہ بجوی رفتہ باز آید آب''

بط گفت''چومن قدیدگشتم‌تو کباب عالم پس مرگ ماچہ‌دریاچہ سراب''

عام نسخوں میں تیسرا مصرع یوں تحریر ہے :

بط گفت کہ چون من و تو گشتیم کباب

اور چوتھے مصرع کا آغاز 'عالم' کی جگہ 'بود از' سے ہے - بجائے خود شعر درست ہے - 'بود' سے مراد ہستی یا بہ الفاظ دیگر عالم ہے ، لیکن قلمی نسخہ بہتر ہے -

قدید گوشت کے پارچے جنھیں دھوپ میں خشک کرکے رکھ لیتے ہیں ، اور ضرورت کے وقت تل کر کھاتے ہیں - عام نسخوں کے لحاظ سے شعر کی بندش سست ہے ، اور 'کہ' بیانیہ اور 'از' حشو ہے - علاوہ ازیں معنی بھی کمزور ہے - انشا کی خوبی یہ ہے کہ مختلف اشیاء کے حالات ، مختلف الفاظ سے ظاہر کیے جائیں - قلمی نسخے میں قدید اور کباب دو جدا لفظ استعمال کیے گئے ہیں - 'بود' کے مقابلے میں 'عالم' بھی صاف اور خوش آیند معلوم ہوتا ہے -

۴ - در چشم محققان چہ زیبا و چہ زشت !

منزلگہ عاشقان ، چہ دوزخ ، چہ بہشت !

بیداران را چہ جامہ اطلس چہ پلاس!

زیر سرعاشقان چہ بالین وچہ خشت!

مطبوعہ نسخوں میں تیسرا مصرع یوں لکھا ہے :

پوشیدن بیدلان چہ اطلس چہ پلاس

لیکن قلمی نسخہ قابل ترجیح ہے ، کیونکہ در حقیقت دوسرا شعر پہلے شعر کی مزید توضیح ہے - توضیح اور تشریح میں مترادف الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں - محقق اور بیدار ، دونوں ایک ہی مفہوم کے حامل ہیں - البتہ چوتھا مصرع درست نہیں معلوم ہوتا - بہت ممکن ہے کہ اس میں تغیرو تبدل ہوا ہو - بہتر تو یوں ہوتا : ''زیر سر بیدلان ، چہ بالین و چہ خشت'' ، اس لیے کہ بیدل اور عاشق ایک دوسرے کی تشریح کرسکتے ہیں -

۵ - اے مرد خرد ، حدیث فردا ہوس است

در دہر زدن لاف سخنہا ہوس است

امروز چنان ہر کہ خردمند کس است
داند کہ ہمہ جہان ہمیں یک نفس است

الہ آبادی نسخے میں 'امروز چنان' کے بجائے 'امروز چنین' اور 'ہمیں یک نفس' کی جگہ 'چنین یک نفس' تحریر ہے - چنان اور چنین سے تو زائد فرق نہیں پیدا ہوتا ، لیکن ہمین اور چنین کے تبادلے سے معنی بہت کمزور ہو جاتے ہیں - اس لیے قلمی نسخہ معنوی حیثیت سے بلند ہے -

۶ - تا باز شناختم من (این) پاے ز دست
این چرخ فــرومایہ مرا دست بہ بست

افسوس کہ در حساب خواہند نہاد
این عمر کہ در صبح حسابم بگذشت

مطبوعہ نسخوں میں چوتھا مصرع یوں ہے :

عمرے کہ مرا بے مے و معشوقہ گذشت

خیام کے فلسفۂ حیات کے مطابق مصرع اسی طرح ہونا چاہیے - قلمی مصرع کا مقصد کچھ اور معلوم ہوتا ہے -

حساب سے مراد یوم الحساب ، یوم الدین یا بہ الفاظ دیگر قیامت ہے - دن کے دو حصے کیے گئے ہیں ، ابتدائی ٹکڑا صبح اور آخری شام کہلاتا ہے - موجودہ عالم یوم آخرت یا روز قیامت کا پہلا حصہ ہے ، کیوں ؟ اس لیے کہ انسان دن کے ابتدائی وقت میں کماتا ہے اور شام کو حساب کتاب کرتا ہے - یہاں بھی انسان عمل کی کھیتی کر رہا ہے ، وھاں کاٹے گا اور وہیں اناج سمیٹا جائے گا - ''الدنیا مزرعۃ الآخرۃ'' - خیام فرصت عیش کو طویل دیکھنا پسند کرتا ہے - چند سال کی زندگی اُس کی آرزوؤں کے لیے بہت کم ہے ، اس لیے وہ افسوس کرتا ہے کہ یہ عمر ، جو صرف دنیا میں سے چند قطرے تھے ، ہمارے کام نہ آئی - آپ سوال کریں گے ، کیوں کام نہ آئی ؟ اس لیے کہ غریب حساب کتاب درست کرنے میں مشغول رہا - کھٹکا یہ لگا تھا کہ کہیں ساری کوشش را ئگاں نہ چلی جاے ، اس لیے سارا وقت جانچ پڑتال میں ختم ہو گیا - چاہیے تھا کہ یہاں رہنے کے واسطے اور مہلت ملتی ، مگر ایسا بھی نہ ہوا ، اس لیے تاسف ہے -

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مقصد یہ ہو کہ دنیوی عمر ، کوئی فرصت عیش و نشاط نہیں ہے ، کراماً کاتبین کے دفتر کے چند گھنٹے ہیں ، جس میں وہ ہمارے اعمال لکھتے ہیں ، اور قیامت میں اُنھیں پیش کر دیں گے ۔ حساب ہمیشہ بعد کو کیا جاتا ہے ، اس لیے خیام کو وہ عمر مطلوب ہے جو دنیا میں بلا حساب گزاری جائے ۔ بعد میں جانچ پڑتال اور لکھت پڑھت ہوتی رہے گی ۔ وجہ یہ ہے کہ منشیوں کے سر پر مسلط رہنے سے انسان میں عیش و عشرت کی جرأت اور حوصلہ نہیں رہتا ۔ ہر وقت تو کھٹکا لگا ہے ، داد نشاط کس طرح دے ، اس لیے وہ آرزو کرتا ہے کہ اس وقت کو شمار ہی نہ کیا جائے کہ یہ دنیوی عمر ہے ، بلکہ انسان کو چند سال ایسے عطا کیے جائیں ، جن میں قطعاً آزاد ہو کہ درحقیقت وہی زندگی ہے ۔

۷ ۔ عمر تو چہ دہ ، چہ صد ، چہ سی صد ، چہ ہزار
زین کہنہ سرا برون برندت ناچار
گر بادشہی ، وگر گدائے بازار
این ہر دو بیک نرخ بود آخرکار

مطبوعہ نسخوں میں پہلا مصرع اس طرح تحریر ہے :

عمر تو چہ دو صد و چہ سی صد ، چہ ہزار

قلمی نسخے سے عمر کی کمی و زیادتی دونوں مقابلے میں آ جاتی ہیں ۔ اُردو میں بھی یہ مفہوم اسی طرح ادا کیا جاتا ہے ۔ جب کبھی کسی شے کی تحقیر یا لغویت ظاہر کرنا ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ تھوڑی ہو یا بہت بےکار ہے ۔ ایسے موقع پر عام قاعدہ یہ ہے کہ کم از کم درجے سے شروع کرکے ، زائد سے زائد کی طرف ترقی کی جاتی ہے ۔ دس سال کی عمر بہت کم ہے ، اور ہزار برس کی کافی بڑی اس لیے قلمی نسخہ مرجح ہے ۔

۸ ۔ سنت مکن و فریضۂ حق مگذار
وان لقمہ کہ داری ، زکسان باز مدار
غیبت مکن و مجو کسیے را آزار
در عہدۂ آن جہان منم ، بادہ بیار

قلمی نسخے میں پہلے مصرع کے دونوں فعل بہ صیغۂ نہی لکھے ہیں ۔

'فریضۂ حق مگذار' کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کی مقرر کردہ عبادتیں ترک نہ کرنا چاہئیں ۔ اس صورت حال میں 'مگذار' گذاشتن (ترک کرنا) کی نہی ہے ۔ مطبوعہ رباعی میں بجائے 'مگذار' نہی کے 'بگزار' امر ہے ۔ اس صورت میں اس کا مصدر گذاشتن کی جگہ ، گزاردن ہونا چاہیے ، جس کے معنی ادا کرنا یا بجا لانا ہیں ۔ بہر تقدیر اس فقرے کا مفہوم درست ہے ۔ لیکن پہلا فقرہ 'سنت مکن' بہ صیغۂ نہی رباعی کے مفہوم سے جدا ہوجاتا ہے ۔ اس رباعی میں تمام نیک کاموں کی ترغیب ہے ، لیکن سنت سے روکا جا رہا ہے ، این چہ ۔ اس لیے خیال یہ ہے کہ کاتب نے بجائے ''بکن'' کے ''مکن'' میم نہی سے از راہ سہو لکھ دیا ہے ۔

خیر یہ رباعی مطبوعہ نسخوں میں بہت تغیر و تبدل سے تحریر ہے ، یعنی :

مستی مکن و فریضۂ حق بگزار	در عہدۂ آن جہان منم ، بادہ بیار
درخون کسے ومال کس قصد مکن	وان لقمہ کہ داری ز کسان باز مدار

رباعی کی یہ شکل چند وجوہ سے مرجوح ہے ۔ اولاً تو یہ کہ ''در عہدۂ آن جہان منم'' الخ ، رباعی کا نتیجہ ہے ، اسے آخر میں آنا چاہیے ۔ یہاں نہایت بے ربطی سے دوسرے مصرع کی جگہ ٹھونس دیا گیا ہے ۔ دوسرے یہ کہ پہلا مصرع آدھا رہ گیا ہے ۔ 'سنت بکن' کی جگہ زبردستی 'مستی مکن' کو دے دی اور عبادات کے ایک عظیم الشان حصے کو خارج کر دیا ۔ تیسرے یہ کہ تیسرا مصرع زبردستی بنایا ہے ۔ پورے مصرع کو ''مجو کسے را آزار'' کے سامنے رکھو ، تل برابر بھی اضافہ نہیں ۔ البتہ ''غیبت مکن'' سے جو زیادتی ممکن تھی وہ ندارد ہوگئی ۔ قلمی رباعی میں یہ نقائص نہیں ، اس لیے وہ مرجح ہے ۔

۹ ۔ دی کوزہ گرے بدیدم اندر بازار
بر تازہ گلے لکد ہمی زد بسیار ۔ الخ

مطبوعہ نسخوں میں 'تازہ' کی جگہ 'پارہ' اور ''لکدہمی زد'' کے عوض ''ہمی لکد زد'' تحریر ہے ۔

۱۰ ۔ ہر روز ز نو گردش این چرخ کہن
نخل طربم بر کند از بیخ و ز بن
وین طرفہ کہ با اہل نوازد آنگہ
کس نیست کہ گویدش ''نہ نیکست ، مکن''

قلمی مجموعے میں یہ رباعی اسی طرح تحریر ہے ، لیکن میرے خیال میں پہلا مصرع اس طرح بھی ہو سکتا ہے :

ہر روز ز تو گردشے اے چرخ کہن

سہو کاتب سے گردشے کی یٔ ی وحدت یا تنکیری حذف اور 'اے' میں نون کا اضافہ ہو گیا ۔ اسی طرح تیسرے مصرع میں بجائے 'نا اہل' کے 'با اہل' بھی کاتب کی غلطی نہ ہے ۔

مطبوعہ مجموعوں میں رباعی کی صورت یہ ہے :

ہر روز ز گردش تو اے چرخ کہن
نخل طربم بسر کنند از بیخ و ز بن
وین طرفہ کہ نا اہل تو از دامگہ ات
کس نیست کہ گویدش یہ تنگ است مکن

لیکن یہ سقیم ہے ۔ 'کنند' متعدی کا فاعل ندارد ہو گیا ہے ۔ پھر دنیا ''خرنوازی'' اور اہل نا شناسی کا رونا روتی ہے ، لیکن یہاں برعکس ''خر نوازی'' کی شکایت ہے ۔ چوں کہ رباعی کے چاروں مصرعے ایک زنجیر کی متعدد کڑیاں ہوتے ہیں ، اس لیے پہلے شعر کو دوسرے سے ربط دینے کے بعد مفہوم یہ نکلتا ہے کہ عمر خیام نا اہل ہے ، اس لیے کہ اب فلک کی عادت یہ ہو گئی ہے کہ نالائقوں کو ستاتا ہے ۔ خیام کا ''نخل طرب'' اس نے ہزارہا بار اکھیڑ پھینکا ہے ۔ تو نتیجہ یہی نکلا کہ وہ نالائق ہے ۔ واعجباہ !

قلمی رباعی ان نقائص سے پاک ہے ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ''میرا اور فلک کا معاملہ معاندانہ ہے ۔ جہاں ذرا چین سے بیٹھا دیکھا ، کوئی فتنہ کھڑا کر دیا ۔ حالانکہ یہی فلک ہے کہ ہزاروں گدھوں کو شاہانہ شکوہ بخش چکا ہے ۔ کاش! کوئی اس سے کہے کہ ظالم ایسا نہ کیا کر'' ۔

۱۱ ۔ شیخے بزنے فاحشہ گفتا : ''مستی
ہر لحظہ بدست دیگرے بدمستی''
گفتا : ''شیخا ، ہرآنچہ گفتی ہستم
اما تو چنانچہ می نمائی ہستی'' ؟

الہ‌آبادی نسخے میں 'شیخ' کی جگہ 'شخصے' اور دوسرے مضرع میں بدست الخ کے عوض ''بدام دیگرے پیوستی'' تحریر ہے -

۱۲ - آن سایہ ز دنیا طلبی سابوسی
معذور ، اگر در طلبش می کوشی
باقی ہمہ رانگان بہ نزد ہشدار
تاعمرگران مایہ بدان نہ فروشی

مطبوعہ مجموعے میں پہلا مصرع یوں لکھا ہے :

آن مایہ ز دنیا کہ خوری یا نوشی

یہی درست معلوم ہوتا ہے - نیز اُس میں ''معذور'' کے بجائے ''معذوری'' بیاے خطاب اور رانگان الخ کی جگہ ''رانگان تر ازو ہشدار'' ہے -

۱۳ - اے چرخ ہمیشہ در نبردی با من
درمان دگر کسی و دردی با من
از صلح چہ ماند کان بکردم با تو
درجنگ چہ بود کان نکردی با من

مطبوعہ رباعی میں ''ازصلح'' کی جگہ ''در صلح'' اور''بکردم با تو''کے عوض ''نکردم با تو'' بصیغۂ نفی ہے - میرے نزدیک قلمی مصرع بہتر ہے[1] - دونوں مصرعے لفظاً اور معناً باہم متضاد ہیں ، یہ تضاد تام جب ہی ہو سکتا ہے کہ از ، در ، ماند ، بود ، صلح ، جنگ ، بکردم با تو اور نکردی با من سے دونوں مصرعے مرکب ہوں - رہے معنی تو وہ دونوں حالتوں میں جوں کے توں رہتے ہیں -

۱۴ - اے چرخ ، چہ کردہ ام ترا ، راست بگوی
پیوستہ فکندۂ مرا در تگ و پوی
نانم ندہی ، تا نبری کوی بکوی
آبم ندہی ، تا نہ بری آب ز روی

---

۱ - میں نے اب جو غور کیا تو ''نکردم باتو'' کو صحیح پایا ، اس لیے اپنی پہلی رائے سے رجوع کرتا ہوں - (عرشی) -

الہ‌آبادی نسخے میں پہلا مصرع اس طرح تحریر ہے :

اے چرخ ، چہ کردۂ بمن ، راست بگوی

شارح ترجمے میں 'کردہ' کے بجائے 'کردہ ام' قرار دیتے ہیں ، اور لکھتے ہیں : ''آسمان ، سچ بتا ، میں نے تیرا کیا قصور کیا ہے'' - غالباً ترجمہ کرتے وقت خود اُن کی تصحیح کردہ رباعی پیش نظر نہ تھی ، ورنہ صحیح ترجمہ نہ کرتے - بہر حال قلمی مصرع صحیح ہے -

۱۵ - سائیم بہ لطف تو تولا کردہ　　وز طاعت و معصیت تبرا کردہ
آنجا کہ عنایت تو باشد، باشد　　ناکردہ چو کردہ، کردہ چون ناکردہ

مطبوعہ رباعی میں 'بہ لطف حق' لکھا ہے ، میرے نزدیک 'بہ لطف تو' مرجح ہے ، ورنہ تیسرے مصرع کا خطاب اپنا حسن کھو بیٹھے گا -

۱۶ - با درد قناعت کن و با داد بزی
در بند فضولی مشو ، آزاد بـزی
منگر بہ فزونی ز خود و غصہ مخور
در کم ز خودی نگہ کن و شاد بزی

مطبوعہ مجموعوں میں ''با داد بزی'' کی جگہ ''دلشاد بزی'' اور ''بند فضولی'' کے عوض ''بند فزونی'' لکھا ہے - ''دلشاد بزی'' سے ''با داد بزی'' بہتر ہے - ''قناعت کن'' کا مقصد ہی یہ ہے کہ جو کچھ میسر آ جائے ، اُسے بہ خوشی صرف میں لاؤ - ''دلشاد بزی'' سے کچھ معنوی اضافہ نہیں ہوتا - داد ، عدل و انصاف کو بھی کہتے ہیں ، عطا و بخشش کا بھی نام ہے - درد بضم بمعنی تلچھٹ بھی ہو سکتا ہے مقصد یہ ہے کہ جو کچھ بھی میسر آ جائے ، اُسے شکر کا سبب شمار کرو ، اور تنہا خوری سے بچو ، کیوں کہ :

نیم نانے گر خورد مرد خدا
بذل درویشان کند نیم دگر

رہے فضولی اور فزونی ، تو یہ دونوں مترادف ہیں ، لیکن آئندہ مصرع میں فزونی آ رہا ہے ، اس لیے فضولی بہتر ہے -

۱۷ - با من تو ہر آنچہ گوئی ، از کین گوئی
پیوستہ مرا ملحد و بیدین گوئی

من خود مقرم بر آنچه ہستم ، لیکن
انصاف بده ، ترا رسد کین گوئی ؟

مطبوعہ رباعی میں تیسرا مصرع یوں لکھا ہے :

من خود مقرم ہر آنچہ گوئی ہستم

قلمی مصرع زیادہ صاف ہے ۔

۱۸ ۔ تا در تن تست استخوان و رگ و پے
از خانۂ تقدیر منہ بیرون پے
گردن منہ ، ار خصم بود رستم زال
منت مبر ، ار دوست بود حاتم طے

مطبوعہ رباعی میں ''منت مکش'' ہے ''منت کشیدن'' اور ''منت بردن'' دونوں طرح محاورہ ہے ۔

۱۹ ۔ از دفتر عشق می کشادم فالے ناگاہ ز سوز سینۂ صاحب حالے
می گفت: ''خوشا کسے کہ در خانۂ او یاریست چوماہے و شبے چون سالے''

الہ آبادی نسخے میں ''دفتر عشق'' کی جگہ ''دفتر عمر'' اور ''یارے ست'' کی جگہ ''روزیست'' لکھا ہے ۔ شارح نے ترجمے میں اسی کو اصل قرار دیا ہے ، مگر قوسین میں ''یاریست'' کا ترجمہ بھی لکھا ہے ۔ میری دانست میں صرف قلمی رباعی درست ہے ۔ ''دفتر عمر'' سے یہاں کیا تعلق ؟

۲۰ ۔ در راہ خرد بجز خرد را مپسند
چون مست ، رفیق نیک و بد را مپسند
خواہی کہ ہمہ جہان ترا بپسندند
می باش پسندیدہ و خود را مپسند

مطبوعہ مجموعے میں ''چون ہست'' اور ''می باش بخوشدلی'' لکھا ہے ۔ قلمی رباعی لائق ترجیح ہے ۔ گو دوسرا مصرع دونوں کا برابر وزن رکھتا ہے ، لیکن چوتھا مطبوعہ مصرع اچھا نہیں ۔ مقصود یہ ہے کہ ''کام ایسے ہی کرو جنھیں دنیا پسند کرے ، مگر خود بینی اور خود ستائی سے کوسوں دور بھاگو ۔ ''خوشدل رہنا'' سے یہاں کیا سروکار ۔

۲۱ ۔ چون حاصل آدمی درین خان دو در
جز درد بدل ، دادن جان ، نیست دگر

خرم دل آن کہ یک نفس زندہ نہ بود
و آسودہ کسے کہ او نزاد از مادر

مطبوعہ نسخوں میں ''خان دو در'' کی جگہ ''جائے دودر''، اور ''جز درد دل'' الخ ہے - چوتھے مصرع میں ''او نزاد'' کے عوض ''خود نزاد'' تحریر ہے - خان، بمعنی سرائے و خانہ مستعمل ہے -

۲۲ - در دہر تو کام خویش افراشتہ گیر
و ز عمر عزیز بہر برداشتہ گیر!
تا در نگری آنچہ مراد دل تست
برداشتہ گیر و باز بگذاشتہ گیر!

مطبوعہ رباعی میں چاروں مصرع یوں ہیں:

از چرخ بکام سر برافراشتہ گیر — و ز عمر تمام بہرہ برداشتہ گیر
از گنج و گہر ہرچہ مراد دل تست — برداشتہ گیر و باز بگذاشتہ گیر

قلمی نسخے میں جو ''بہر'' لکھا ہے، وہ ''بہرہ'' کا ہم معنی ہے - رہا توازن تو اس میں کسی کو ترجیح نہیں -

۲۳ - تا کے ز وفا عمر بہ غم در شکنم — این خندۂ می، در دل ساغر شکنم
برخیز و پیالہ را ز مے پرگردان — باشد کہ غم جہان ہم در شکنم

مطبوعہ مجموعے میں پہلا مصرع اس طرح لکھا ہے:

من گر ورق عمر بغم در شکنم

سمجھ میں نہیں آتا، یہاں شرط کا کون محل ہے؟ کیا صرف غم غلط کرنے ہی کے لیے شراب کی ضرورت ہے؟ ادنٰی سے تغیر سے خیام کا سارا مدعا خبط ہو گیا - وہ وفا کرتے کرتے تنگ آ کر کہتا ہے کہ ''آخر کب تک وفا میں غم کے ہاتھوں عمر کو ضائع کروں - ساقیا اُٹھ، اور شراب دے، ممکن ہے، اسی طرح غم غلط ہو جائے'' لیکن مطبوعہ رباعی من چہ سرایم و طنبورۂ من چہ سراید کی مصداق نظر آتی ہے -

۲۴ - چون عہد نمی شود کسے فردا را — حالے خوش کن این دل پر سودا را
می نوش بنور ماہ اے ماہ کہ ماہ — بسیار بگردد و نیابد ما را

مطبوعہ نسخے میں ''عہدہ نمی شود'' لکھا ہے - ''دل پر سودا'' کی جگہ

'دل شیدا' ، اور 'بگردد' کے عوض 'بتابد' ہے ۔

۲۵ ۔ از آتش ما دود کجا بود آن جا
از مایہ و از سود کجا بود آن جا
آنکس کہ مرا نام خراباتی کرد
دراصل خرابات کجا بود آن جا

مطبوعہ نسخے میں 'آن جا' کی جگہ 'این جا' اور ''از مایہ و از سود'' کے بجائے ''از مایہ ما سود'' تحریر ہے ۔

۲۶ ۔ برخیز و بیا دوست ز بہر دل ما
حل کن بجمال خویشتن مشکل ما
یک کوزۂ می بیار ، تا نوش کنیم
زان پیش کہ کوزہ ہو کنند از گل ما

مطبوعہ مجموعے میں ''بیا دوست'' کے بجائے ''بیابتا ، اور چوتھا مصرع اس طرح لکھا ہے جو صحیح بھی ہے :

زان پیش کہ کوزۂ کنند از گل ما

۲۷ ۔ روزے کہ بود اذا السماء انشقت الخ

قلمی نسخے میں 'اذا السماء انفطرت' ہے ۔

۲۸ ۔ گر کار تو نیک است ، بہ تدبیر تونیست
ور نیز بدست ، ہم بہ تقصیر تو نیست
تسلیم (و) رضا پیشہ کن (و) شاد بزی
چون نیک و بد جہان بہ تدبیر تونیست

الہ آبادی نسخے میں دوسرا مصرع یوں تحریر ہے :

ور سر برود ، نیز بتقصیر تونیست

لیکن یہ بالکل بے محل اور ناکارہ ہے ۔ ''کار تو نیک ست'' اور ''چون نیک و بد جہان بہ تدبیر تو نیست'' کا اقتضا یہ ہے کہ ''ور نیز بدست'' ہونا چاہیے ، سر جانے سے کیا واسطہ ۔ اگر یہ فقرہ صحیح مانا جائے تو رباعی مسخ ہو جاتی ہے ۔

۲۹ ۔ ہر سبزہ کہ بر کنار جوئے رستہ است
گوئی ز لب فرشتہ خوئے رستہ است

تا بر سر سبزہ پا بخواری نہ نہی
کان سبزہ ز خاک ماہ روئی رستہ ست

الہ آبادی نسخے میں 'گوئی' کی جگہ 'گویا' اور 'ماہ روئے' کے عوض 'لالہ روئے' تحریر ہے - یہ اختلاف سطحی ہے ، لیکن تیسرے مصرع میں سنجیدہ تغیر ہے ، 'تا' کی جگہ 'پا' اور 'پا' کی جگہ 'تا' لکھا ہے -

۳۰ - خاکے (کہ) بزیر پای ہر حیوانست　　زلف صنمے و عارض جانانیست
ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانے ست　　انگشت وزیرے و سر سلطانیست

مطبوعہ رباعی میں 'خاکے' کی جگہ 'خارے' اور 'عارض' کے عوض 'ابروے' لکھا ہے - گو معنوی حیثیت سے یہ بھی غلط نہیں لیکن 'خاکے' کہیں بہتر ہے - خار کے ساتھ تعمیم نامناسب ہے - ہر جاندار کے پیر کے نیچے کانٹا کب ہوتا ہے - ہزارہا جاندار ایسے ہوں گے ، جن کے پیر کے نیچے کبھی کوئی کانٹا نہ آیا ہوگا - اس کے برخلاف مٹی ایسی شے ہے کہ اس پر پیر رکھے بغیر چلنا نا ممکن ہے -

۳۱ - زان بر تو دو روز نوبت عمر گذشت
بگذشت چنانکہ بگذرد باد زدشت

تا من باشم ، غم دو روزہ نہ خورم
روزے کہ نیامدہ ست(و)روزے کہ گذشت

مطبوعہ نسخوں میں پہلا شعر اس طرح لکھا ہے :

چون آب بہ جوئبار و چون باد بدشت　　روز دگر از عمر من و توبگذشت

اس میں پہلا نقص تو یہ ہے کہ ''روز دگر'' کو ناخن تاویل برداشت کرنا پڑتا ہے ، ورنہ مطلب خبط - دوسرا یہ کہ دوسرا شعر بے ربط رہ جاتا ہے - سامع کا ذہن فوراً منتقل نہیں ہوتا اس لیے وہ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ معلول ہے - قلمی نسخے میں 'زان' سے علت و معلول کا تعلق واضح ہو جاتا ہے - مطلب یہ ہے کہ چونکہ تیری عمر گذشتہ کے دونوں دن گذشتہ اور آئندہ اس طرح غیر محسوس سرعت سے گزر گئے ، جیسے جنگل میں ہوا من سے نکل جاتی ہے ، لہذا میں ان دونوں کا غم نہ کروں گا (اس طرح میرا عیش فانی منغص نہ ہوگا ، اور کچھ راحت نصیب ہو جائے گی) گذشت ، گذشتہ کا قائم مقام ہے -

۳۲ - دل سر حیات اگر کما ہی دانست
در موت ہم اسرار الٰہی دانست
اکنون کہ تو با خودی، ندانستی ہیچ
فردا کہ زخود روی چہ خواہی دانست

مطبوعہ رباعی میں پہلے مصرع میں 'اگر' کی جگہ 'را' ہے - چونکہ دونوں مصرع شرط و جزا واقع ہوے ہیں ، اس لیے 'اگر' حرف شرط کا ہونا ضروری ہے - 'را' کے ساتھ عبارت یوں ہونا چاہیے تھی : ''دلے کہ سر حیات را کماہی دانست'' - 'اکنون کہ تو با خودی' کے بجاے 'امروز کہ با خودی' ہے - یہ اکنون سے بہتر ہے ، اس لیے کہ دوسرے مصرع میں لفظ 'فردا' استعمال ہوا ہے - 'امروز' اس سے زائد مناسبت رکھتا ہے -

۳۳ - ساقی چو زمانہ در شکست من و تست
دنیا نہ سراچۂ نشست من و تست
گر زانکہ بدست من و تو جام مے ست
میدان بیقین کہ حق بدست من و تست

مطبوعہ رباعی میں ''دنیا نہ سراچۂ '' کے بجائے ''دنیا کہ سراچہ' لکھا ہے - اس تغیر سے گزشتہ رباعی کی طرح شعر کی معنویت غارت ہوگئی - وہ کہتا یہ ہے کہ جب زمانہ درپئے آزار ہے تو دنیا رہنے کی جگہ نہیں - لیکن 'نہ' کی جگہ 'کہ' آ جانے سے کوئی مطلب ہی نہ رہا -

تیسرا مصرع مطبوعہ رباعی میں یوں ہے :

بنگر کہ میاں من و تو جام مے ست

لیکن معاملہ حد فہم سے قطعاً باہر ہو جاتا ہے - چاروں مصرع ملا کر پڑھیے ، دیوانہ کی بڑ کے سوا کچھ نہیں رہتا - عمر خیام جیسا فصیح رباعی‌گو کس قدر بد نما شکل میں نمودار ہوتا ہے - ہاں قلمی رباعی ان عیوب سے پاک ہے - اس کے مطابق تیسرا مصرع استفہامیہ ہے - پہلا شعر ایک واقعہ تھا - حقیقت یہ ہے کہ زمانہ کسی کو چین سے بیٹھا نہیں دیکھ سکتا ، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جب یہ حالت ہے ، تو دنیا ہرگز رہنے کے لائق نہیں ہو سکتی - شاعر سوال کرتا ہے کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے ؟ زمانہ ہمارے

درپے کیوں ہے ؟ کیا یہ سبب ہے کہ ہم 'جام بدست' ہیں ۔ کیا یہ باعث ہے کہ ہم زمانے کی پروا نہیں کرتے ، اور شراب سے داد عیش و نشاط دیتے رہتے ہیں ؟ چوتھا مصرع اس کا جواب ہے ، یعنی :

''اگر صرف یہی وجہ ہے کہ ہم مےخوار ہیں ، تو کچھ فکر نہیں ، اسے دشمنی کرنے دو ۔ حق تو ہمارے ہی ساتھ ہے ، اور جب انسان حق اور راستی پر ہو ، تو پھر اُسے تکالیف کی ذرہ برابر پروا نہیں چاہیے'' ۔ اس مضمون کو خیام نے متعدد جگہ نظم کیا ہے ۔

۳۴ ۔ جرم خردم در خور اثبات تو نیست
و اندیشۂ من بجز مناجات تو نیست

من ذات ترا بواجبی کے دانم
دانندۂ ذات تو بجز ذات تو نیست

الہ آبادی نسخے میں ''جرم خردم'' کی جگہ 'کنہ خردم' اور چوتھے مصرع میں ''بجز ذات'' کے عوض 'جدا ذات' لکھا ہے ۔ 'جرم' سے 'کنہ' بہتر ہے ، لیکن 'بجزذات' کے بجائے 'جدا ذات' اچھا نہیں ۔

۳۵ ۔ روزے کہ درو آمدن و رفتن ماست
او را نہ نہایت و بدایت پیداست

کس بے نبرد ہیچ درین معنی راست
کین آمدن از کجا و رفتن ز کجاست

مطبوعہ نسخوں میں 'روزے' کی جگہ 'دورے' لکھا ہے ، یہی بہتر ہے ۔ چوتھے مصرع میں 'ز کجاست' کی جگہ 'بہ کجاست' ہے ۔ 'ز' کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے ۔ تیسرا مصرع الہ آبادی نسخے میں یوں لکھا ہے :

''کس می نزند دمے درین معنی راست''

قلمی مصرع اس سے اچھا ہے ، گو معناً یہ بھی درست ہے ۔

۳۶ ۔ بسیار دویدیم بگرد در و دشت اندر ہمہ آفاق بگشتیم بہ نشت
از کس نہ شنیدیم کہ آمد زین راہ راہے کہ برفت رہروی ، باز نہ‌گشت

مطبوعہ رباعی میں ''دویدیم'' کی جگہ ''بگشتیم'' اور ''برفت رہروی'' کی جگہ ''برفت راہ رو'' لکھا ہے ۔

۳۷ - چون لالہ بنوروز قدح گیر بدست
با لالہ رخے ، اگر ترا فرصت ہست
مے نوش بخرمی ، کہ این چرخ کہن
ناگاہ ترا چو خاک گرداند پست

مطبوعہ رباعی میں ''بخرمی'' کے بجائے ''مخور غصہ'' ہے - مآل دونوں کا ایک ہے لیکن ''بخرمی'' زیادہ اچھا ہے -

۳۸ - دیریست کہ صد ہزار عیسیٰ دیدہ ست
طوریست کہ صد ہزار موسیٰ دیدہ ست
قصرے ست کہ صد ہزار بگذشت درو
طاقیست کہ صد ہزار کسریٰ دیدہ ست

مطبوعہ رباعی میں 'طوریست' الخ مقدم ہے اور 'دیریست' موخر ہے - چونکہ موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے ، اس لیے انسب یہی ہے کہ اُن کا ذکر بھی پہلے ہو - تیسرا مصرع مطبوعہ نسخے میں یوں ہے :

''قصریست کہ صد ہزار قیصر بگذشت''

قصر کی مناسبت سے قیصر ہی بہتر معلوم ہوتا ہے -

۳۹ - مائیم(و) می و مطرب و این کنج خراب
جان و دل و جام و جامہ بر 'درد شراب
فارغ ز امید رحمت و بیم عذاب
آباد ز خاک و باد و از آتش و آب

الہ آبادی نسخے میں اس وزن اور قافیے میں دو رباعیاں ہیں - یہ رباعی پہلی رباعی کے تین آخری مصرعوں اور دوسری کے پہلے ایک مصرع سے مرکب ہے - پہلی رباعی کا پہلا مصرع یہ ہے : ''ما وسی و معشوق درین کنج خراب'' دوسرا مصرع بعض قلمی نسخوں میں یوں ہے : ''جان و دل و جسم نیز در رہن شراب'' یہی مصرع امرتسری نسخے میں زیر بحث قلمی نسخے کے مطابق ہے - صرف یہ فرق ہے کہ اس میں ''بر درد شراب'' ہے اور اس میں اس کے بجائے ''در رہن شراب'' - چوتھے مصرع میں ''آباد'' کی جگہ 'آزاد' ہے - دوسرے نسخوں کے یہ دونوں تغیر انسب ہیں - آباد اور ''بر درد شراب'' کسی طرح درست نہیں -

۴۰ - اے چرخ فلک ، خرابی از کینۂ تست
بیداد گری پیشۂ دیرینۂ تست
اے چرخ ، اگر سینۂ تو بشگافند
بس گوہر قیمتی کہ در سینۂ تست

مطبوعہ رباعی میں ''پیشۂ دیرینہ'' کی جگہ ''عادت دیرینہ'' اور تیسرے مصرع میں ''اے چرخ'' کے عوض ''اے خاک'' ہے - پہلا اختلاف مساوی ہے ، لیکن ''اے چرخ'' کے بجائے ''اے خاک'' درست ہے - زیر بحث قلمی نسخہ غلط ہے -

۴۱ - چون آمدنم بمن نبود روز نخست
این رفتن بے مراد عرفیست درست
برخیز و میان بہ بند، ای ساقی، چست
کاندوہ جہان ہمی فرو خواہم شست

مطبوعہ مجموعوں میں دوسرے مصرع میں بجائے ''عرفیست درست'' کے ''عزمیست درست'' لکھا ہے ، لیکن در حقیقت عزم صحیح نہیں - عزم کہتے ہیں پختہ ارادے کو اور جہاں تک انسان کے اختیار میں رہتا ہے ، وہ کبھی مر جانے کا پختہ ارادہ نہیں کرتا - عرف کہتے ہیں جانی پہچانی رسم یا عادت یا طور طریق وغیرہ کو - موت بھی ایک معروف انسانی حالت ہے ، اس لیے موت کو ''عرف'' سے تعبیر کرکے اُس کو ''درست'' بھی کہتا ہے ، کیوں کہ دنیا میں ساری گزشتہ نسلیں زندہ رہتیں ، تو آنے والوں کو زندگی دشوار ہو جاتی - بہت ممکن تھا کہ موجودہ ''تنازع للبقاء'' حد سے تجاوز کرکے دنیا کو یکسر تباہ کر دیتا -

۴۲ - در پاے قرابہ ، غلغل می چہ خوشست!
وان زاری راز نالہ نے چہ خوشست!
در ہربت دل فریب ، در سر مئ ناب
فارغ ز غم زمانہ ، ہے ہے چہ خوشست!

الہ آبادی نسخے میں ''پاے قرابہ'' کے عوض ''نالے قرابہ'' اور ''وان زاری زار'' کے بجائے ''آواز سماع'' لکھا ہے - تیسرے مصرع میں 'در ہربت دل فریب' نے 'در ہربت دل‌فریب' کی شکل اختیار کر لی ہے - 'پاے قرابہ' اور

'نائے قرابہ' مساوی ہیں ، لیکن ''در ہر'' بہاء ہوز غلط ہے - 'در بر' بہ بائے موحدہ ہونا چاہیے ، مگر قلمی نسخے کے دوسرے مصرع میں ''راز'' کی جگہ ''زار'' ہونا چاہیے -

۴۳ - چون ابر بجوئبار و چون باد بدشت
روزے دگر از عمر تو خواہد بگذشت
ہرگز غم دو روزہ نخواہم خوردن
روزے کہ نیامدست ، روزے کہ گذشت

اس مضمون کی ایک قلمی رباعی پہلے گزر چکی ہے - مطبوعہ نسخوں میں صرف ایک رباعی درج ہے جو کسی قدر پہلی سے اور کسی قدر اس دوسری سے مشابہ ہے - وہ یہ ہے :

چون آب بجوئبار و چون باد بدشت
روزے دگر از عمر من و تو بگذشت
تا من باشم ، غم دو روزہ نخورم
روزے کہ نیامدہ ست و روزے کہ گذشت

دراصل موجودہ قلمی رباعی اس رباعی کی دوسری شکل ہے - وہاں ہم نے مقابلہ درست نہیں کیا - ''ابر'' کی جگہ 'آب' اور ''بگذشت'' کی جگہ ''خواہد بگذشت'' بہتر ہے - تیسرا مصرع دونوں کا برابر ہے :

۴۴ - در پردۂ اسرار کسے را رہ نیست
زین تعبیہ جان ہیچ کس آگہ نیست
جز در دل خاک ہیچ منزل‌گہ نیست
می خور کہ زمانہ ہاچنین کوتہ نیست

الہ آبادی نسخے میں چوتھا مصرع اس طرح درج ہے :

''افسوس کہ این فسانہ ہم کوتہ نیست'' اور امرتسری نسخے کا حوالہ دیا ہے - بعض نسخوں میں ''افسوس'' کےبجائے ''بشنو'' لکھا ہے - ہمارے نسخے کا چوتھا مصرع بہتر ہے - مقصود یہ ہے کہ ''جب حقیقت سے کوئی باخبر نہیں ، اور مرنا لابد ہے ، تو پھر شراب کیوں نہ پئیں - کافی مہلت ہے ، اتنے عرصے میں تو بہت کچھ لذت حاصل کی جا سکتی ہے -''

۴۵ - یک جرعۂ مے ز ملک کاؤس بہ ست
و ز تخت قباد (و) ملکت طوس بہ ست
ہر نغمہ کہ عاشقے ترازد بہ سحر
از نعرۂ زاہدان سالوس بہ ست

مطبوعہ نسخوں میں دوسرا شعر اس طرح درج ہے :

ہر نالہ کہ رندے بسحرگاہ زند   از طاعت زاہدان سالوس بہ ست

مگر قلمی شعر مرجح ہے - یہ حقیقت ہے کہ ریاکارانہ نعرہ ہائے اللہ ہو سے وہ راگ کہیں بہتر ہیں جو سچے عاشق کے دردمند دل سے نکلتے ہیں اور دلوں کو برماتے ہوئے فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں - رند سے یہ مفہوم ادا نہیں ہوتا ، گو ریا کاری کی نفی ضرور ہو جاتی ہے - رہا نعرہ ، تو وہ طاعت سے بہرحال انسب ہے - نالہ اور نغمہ دونوں کے مقابل نعرہ ہی ہونا چاہیے -

۴۶ - گویند مخور بادہ کہ شعبان نہ رواست
نے نیز رجب کہ آن مہ خاص خداست
شعبان (و) رجب ماہ خدایست (و) رسول
ماہ رمضان خوریم کان خاصۂ ماست

مطبوعہ نسخوں میں یہ رباعی اس طرح درج ہے :

گویند کہ مے بماہ شعبان نہ رواست
نے نیز رجب کہ آن مہ خاص خداست
شعبان و رجب ماہ خدایند و رسول
ما مے رمضان خوریم کان خاصۂ ماست

۴۷ - زان بادہ کہ روح را حیاتے دگر ست
پر کن قدحے گرچہ ترا درد سر ست
بر نہ بہ کفم کار کہ عالم ثمر ست
بشتاب کہ عمرت ، اے پسر ، درگذر ست

الہ آبادی نسخے میں 'روح' کے بجائے 'عمر' درج ہے - تیسرا مصرع اس طرح لکھا ہے : ''بر نہ بکفم کہ کار عالم سمر ست'' اور یہی صحیح بھی ہے -

چوتھا مصرع بھی مختلف ہے - ''کہ عمرت اے پسر'' کے عوض ''کنون کہ عمر من'' لکھا ہے - دہلی والے نسخے میں چوتھا مصرع اس طرح درج ہے :

بشتاب کہ عمر ، اے پسر ، در گذر ست

۴۸ - در فصل بہار ، اے بت حور سرشت
یک کوزۂ مے بدہ مرا بر لب کشت
ہر چند بہ نزد عالم این باشد زشت
از سگ بترم ، اگر کنم یاد بہشت

مطبوعہ نسخوں میں ''اے'' کی جگہ ''اگر'' اور ''بدہ'' کے بجائے ''دہد'' ہے - تیسرا مصرع اس طرح درج ہے : ''گرچہ بر ہر کس این سخن باشد زشت'' - قلمی رباعی میں روانی زائد ہے ، گو غلط مطبوعہ کو بھی نہیں کہا جا سکتا -

۴۹ - بیہودہ بہر درے نمی باید تاخت
با نیک و بد زمانہ می باید ساخت
از طاسک چرخ و کعبتین تقدیر
ہر نقش کہ پیدا شودہ آن باید باخت

الہ آبادی نسخے میں 'بیہودہ' کی جگہ 'از ہرزہ' درج ہے - 'نیک و بدے' 'نیک و بد' کے عوض لکھا ہے جو کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے -

۵۰ - امروز کہ آدینہ مر او را نام ست
مے نوش سبو سبو، چہ جاے جام ست
ہر روز اگر یک قدح می خوردی
امروز دو خور کہ سید ایام ست

مطبوعہ رباعیات میں دوسرا مصرع اس طرح درج ہے : مے نوش کن از قدح، چہ جاے جامست - لیکن قلمی نسخہ مرجح ہے - مقصد یہ ہے کہ پیالے سے تو روزانہ پیا ہی کرتا ہے ، آج جمعہ ہے ، شراب کی ٹھلیا منہ کو لگا ، اور دنیا و مافیہا کو خیر باد کہہ دے - کیوں ، اس لیے کہ جمعہ سیدالایام ہے - اس روز تو ایک قدح شراب پینے والے کو بھی دو پینا چاہیے ، ورنہ سردار اور عام دنوں میں فرق کیا رہے گا ؟

مطبوعہ مصرع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خیام روزانہ قدح سے پیتا ہے ، اسی لیے جمعے کی تعظیم میں آج دو قدح پیے گا ، اور وہ بھی جام سے نہیں ، خود قدح ہی سے - بس یہ جمعہ کی خصوصیت ہے - لیکن پہلی صورت میں امتیاز بہت کھلا اور اہم ہے - وہ روزانہ ایک قدح شراب جام سے پیا کرتا تھا ؛ جمعہ کے دن زائد پیے گا - اور نہ صرف یہی کہ زائد ہی پیے گا ، بلکہ دنوں کے سردار کی تعظیم میں پیے گا بھی ٹھلیا سے - اسے کہتے ہیں خم پہ خم لنڈھانا ، اور یہ ہے جمعے کی خصوصیت -

۵۱ - در خواب بودم ، مرا خردمندے گفت
کز خواب کسے را گل شادی نشگفت
کارے چہ کنی کہ با اجل باشد جفت
می خور کہ بزیر خاک می باید خفت

مطبوعہ رباعیات میں چوتھے مصرع میں ''مے خور'' کی جگہ ''برخیز'' ملتا ہے جو خیام کے فلسفۂ زندگی کے پیش نظر درست نہیں معلوم ہوتا - اس کے نزدیک خواب ، عام غفلت کا نام نہیں ہے - جس کو دنیا بیداری اور ہوشیاری سمجھتی ہے ، وہ اُسے خواب جانتا ہے - اس لیے کہتا ہے کہ آخر یہ عقل عقل پکار کر فانی عمر کو رائگاں کر دینا کہاں کی ہوشیاری ہے - اٹھو اور شراب پیو ، ورنہ کوئی دم جاتا ہے کہ مٹی کے ڈھیر کے نیچے دبا دیے جاؤ گے -

۵۲ - من مے خورم و مخالفان از چپ (و) راست
گویند مخور بادہ کہ دین را اعداست
چون دانستم کہ مے عدوے دین ست
واللہ بخورم ، خون عدو گر نہ رواست

مطبوعہ نسخوں میں چوتھا مصرع اس طرح لکھا ہے :

واللہ بخورم ، خون عدو را کہ رواست

اس صورت میں دونوں مصرع ہم معنی ہیں ، لیکن زیر بحث قلمی نسخے میں لفظ 'گر نہ' اس طرح لکھا گیا ہے کہ ''گو نہ'' بھی پڑھا جا سکتا ہے - اگر یہ ہو تو معنی بدل جائیں گے اور مقصد یہ ہوگا کہ ''جب شراب دین کی دشمن ہے تو ضرور پینا چاہیے کیونکہ گو مذہباً دشمن کا خون پینا مباح نہیں،

لیکن ہے تو وہ دشمن ہی - اچھا ہے مخالف گھٹا کے دور ہو جانے سے دین کا مطلع صاف ہو جائے گا -"

یہ بھی ممکن ہے کہ 'گو' بمعنی 'گو کہ' نہ ہو بلکہ یہ لفظ "گونہ" ہو ، اور مقصد یہ ہو کہ "دشمن کا خون کچھ نہ کچھ تو ضرور مباح ہے ، یا کسی نہ کسی حیثیت سے تو یقیناً جائز ہے" - اس صورت میں معترضین کے ریاکارانہ زہد و تقوئ پر بھی اعتراض ہو جاتا ہے - اس گروہ کی یہ عادت ہوتی ہے کہ اپنے مدعا کے راستے میں جو موانع حائل ہوتے ہیں آن کے دور کرنے کے لیے جواز کی صورتیں پیدا کر لیا کرتے ہیں - یہی دلیل طنزاً خیام استعال کرتا ہے کہ جب یہ دشمن دین و ایمان ہے ، تو اس کا خون پینے کے لیے تو ضرور وجہ اباحت ہونا چاہیے - کیوں ، کیا فتوئ دیتے ہو ؟

۵۳ - مے خور کہ بزیر گل بسے خواہی خفت
بے مونس و بے حریف ، بے بادہ و جفت

ہر لالۂ پژمردہ نخواہد بشگفت
زنہار مگو بکس تو این راز نہفت

مطبوعہ رباعیات میں تیسرا مصرع موخر اور چوتھا مقدم ہے - دوسرے مصرع میں بجائے "بے بادہ و جفت" کے "بے ہمدم و جفت" ہے ، مگر یہ اچھا نہیں - مونس اور ہمدم دو مترادف لفظ بے فائدہ اکھٹے ہوتے ہیں ، بادہ نہ صرف اضافہ کرتا ہے ، بلکہ خیام کے فلسفۂ حیات پر بھی حاوی ہے - چوتھا مصرع اس نقطے کو روشن کر رہا ہے - اگر خیام شراب نوشی یا بہ الفاظ دیگر عیش کوشی کی تلقین نہیں کرتا ، تو یہ کیوں کہتا ہے کہ یہ بات کسی اور سے نہ کہنا - ظاہر ہے کہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ عام دماغ اس خیال کے حامی نہیں - اُن کے نزدیک یہ مذہب کے احکام کی خلافت ورزی ہے - خیام کی تلقین شراب کو وہ لوگ الحاد و زندقہ کہیں گے - اس لیے وہ منع کرتا ہے کہ اس راز کو اپنے دماغ تک محدود رکھنا ، خواہ مخواہ کیوں ہدف تیر ملامت بنا جائے -

۵۴ - [illegible] دوران جہان بے مے و ساقی حشوست
بے زمزمۂ نائے عراق حشوست

ہر چند در احوال جہان می نگرم
حاصل ہمہ عشرت ست ، باقی حشوست

مطبوعہ رباعی میں ، تینوں مصرعوں میں 'حشوست' کے بجائے 'ہیچ است' ردیف ہے - ہیچ بمعنی ناکارہ اور حشو بمعنی فضول ہے ، ترجیح کسی کو نہیں دی جا سکتی -

۵۵ - بر لوح نشان بودنیہا بودہ ست
پیوستہ قلم ز نیک و بد آسودہ ست
اندر تقدیر آنچہ بایست ، بداد
غم خوردن و کوشیدن ما بیہودہ ست

الہ آبادی نسخے میں 'برلوح' کے بجائے 'زین پیش' درج ہے ، اور لاہوری نسخے میں ''برلوح'' لکھا ہے ، جو مرجح ہے - لوح سے مراد لوح محفوظ ہے اور رباعی کا مفہوم حدیث شریف ''جف القلم بماھوکائن'' سے ماخوذ ہے -

۵۶ - با ہر بد و نیک ، راز نتوانم گفت
کوتہ سخنم ، دراز نتوانم گفت
حالے دارم ، کہ شرح نتوانم کرد
روزے دارم ، کہ باز نتوانم گفت

الہ آبادی نسخے میں ''کوتہ سخنم'' کے بجائے '' دارم سخنے'' اور لاہوری نسخے میں ''دائم سخنے'' درج ہے - ''شرح نتوانم کرد'' کے بجائے الہ آبادی میں 'نتوانم داد' اور لاہوری میں ''نتوان دادن'' ہے - 'روزے' کی جگہ دونوں مطبوعہ نسخوں میں ''رازے'' تحریر ہے ، اور یہی درست بھی ہے -

۵۷ - گردون ، کمرے ز عمر فرسودۂ ماست
جیحون ، اثرے ز اشک پالودۂ ماست
دوزخ ، شررے ز رنج بیہودۂ ماست
فردوس ، دمے ز وقت آسودۂ ماست

''گردون کمرے'' کے بجائے الہ آبادی نسخے میں ''گردون کمرے'' اور لاہوری نسخے میں ''گردون نگرے'' درج ہے - یہ دونوں لفظ کمرے کا بگاڑ معلوم ہوتے ہیں - آسمان ایک محدب سرپوش سا نظر آتا ہے - چونکہ بڑھاپے میں انسان کی پیٹھ اٹھ جاتی ہے اور پیٹ اندر کو گھس جاتا ہے ، شاعر اس مناسبت سے

گردون کو اپنی بوڑھی اور پرانی کمر کہتا ہے۔ ''اشک پالودہ'' کی جگہ دونوں نسخوں میں ''چشم پالودہ'' تحریر ہے۔ پالودن کے معنی صاف کرنا ہیں، اس لیے پالودہ آنکھ کی بھی صفت ہو سکتی ہے اور اشک کی بھی۔ لیکن مناسب یہی ہے کہ یہاں ''اشک'' ہو۔ خیام جیحون دریا کو اثر کہتا ہے۔ دریا کا پانی آنسوؤں کا اثر ہو سکتا ہے، آنکھ کا اثر نہیں کہا جا سکتا۔ اور اگر آنکھ کا اثر کہہ بھی دیا جائے، تو یہ اطلاق بواسطہ ہوگا۔ اس لیے قریبی علاقہ چھوڑ کر بعید اختیار کرنا درست نہیں۔

۵۸۔ چون چرخ بہام یک خردمند نگشت
خواہی تو فلک ہفت شمر، خواہی ہشت
چون باید مرد، بودنیہا ہمہ ہشت
چہ مور بگور ما و چہ گرگ بدشت

مطبوعہ نسخوں میں ''بہام'' کی جگہ ''بکام'' درج ہے۔ تیسرا مصرع الہ آبادی نسخے میں یوں لکھا ہے: چون باید مرد آرزوہا ہمہ ہیچ۔ لاہوری میں ''ہیچ'' کے بجائے ''ہست'' بہ سین ہے۔ چوتھا مصرع دونوں میں اس طرح ہے:

چہ مور خورد بگور و چہ گرگ بدشت

ہشت ہشتن بکسر ہاے سے مشتق ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب دنیا سے کوچ کرنا لابد ہے، تو ساری موجودات سے قطع تعلق کر لو۔ یہ سب چیزیں ناکارہ اور چھوڑ دینے کے قابل ہیں۔

۵۹۔ شاہی مطلب، کہ حاصل عمر دمیست
ہر روز ز خاک، کیقبادے و جمیست
احوال جہان و اصل این عمر کہ ہست
خوابے و خیالے و فریبے و دمیست

مطبوعہ نسخوں میں ''شاہی'' کی جگہ ''شادی'' اور ''ہر روز'' کے بجائے ''ہر ذرہ'' درج ہے۔ ''اصل این عمر'' کے عوض الہ آبادی نسخے میں 'حاصل عمر' ہے۔ قلمی رباعی کا مطلب یہ ہے کہ اگر غور سے دیکھا جائے، تو انسان کو صرف چند لمحوں کی فرصت ہے۔ یہ لمحے گزرے اور خاک میں مل کر خاک ہو گیا۔ اس لیے انسان کو ریاست اور شاہی کی آرزو نہ کرنا

چاہیے ۔ دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالو ۔ روزانہ کیقباد و جم پیدا ہوتے ہیں اور روزانہ مٹی میں مل جاتے ہیں ۔ دراصل عمر خواب و خیال اور خالص دھوکا ہے ۔

۶۰ ۔ این طرفہ رباط را کہ عالم نامست
آرام گہ ابلق صبح و شام ست
بزمے ست کہ واماندۂ صد جمشید ست
گورے ست کہ صد تکیہ گہ بہرام ست

مطبوعہ نسخوں میں 'طرفہ رباط' کی جگہ 'کہنہ رباط' لکھا ہے ۔ چوتھا مصرع اس طرح درج ہے : قصریست کہ تکیہ گاہ صد بہرام ست ۔ 'کہنہ' سے 'طرفہ' اور 'قصریست' کے مقابلے میں 'گوریست' بہتر ہے ۔

۶۱ ۔ بلبل چو بباغ نالہ بر دست گرفت
می باید ہمچو لالہ بر دست گرفت
زان پیش کہ مردمان دہر از سر جہل
گویند : فلان پیالہ بر دست گرفت

الہ آبادی نسخے میں تیسرے مصرع کے اندر لفظ ''دہر'' نہیں ہے ۔ لاہوری نسخے میں ''دہر'' کے بجائے ''مرا'' لکھا ہے ۔

۶۲ ۔ تا کے ز چراغ مسجد و دود کنشت
تا کے ز زمان دوزخ و بود بہشت
رو بر سر روز اولین شو کہ قضات
آنچہ از بد و نیک بودنی بود نوشت

مطبوعہ نسخوں میں دوسرے مصرع کے اندر ''زمان'' کی جگہ ''زیان'' اور ''بود'' کے عوض ''سود'' لکھا ہے ۔ دوسرا شعر دونوں نسخوں میں یوں درج ہے :

رو بر سر لوح بین ، کہ استاد قضا اندر ازل از آنچہ بودنی بود نوشت

قلمی شعر کا مطلب یہ ہے کہ روز ازل کے مدعا ، مقصد یا بہ الفاظ دیگر طے شدہ امر کے ساتھ بہ خوشی زندگی بسر کرو ، کیوں کہ جو کچھ نیک و بد پیش آنے والا ہے ، وہ قضا و قدر نے پہلے ہی لکھ دیا ہے ۔ انسان کی فکر سے قضا نہیں بدل سکتی ۔ لہذا یہ مذہب اور الحاد وغیرہ کا جھگڑا بالکل بے کار ہے ۔

۶۳ - من ہیچ ندانم ، کہ مرا آنکہ سرشت
کرد اہل بہشت خوب یا دوزخ زشت
جامے و بتے و بربطے بر لب کشت
این ہر سہ مرا نقد ، ترا نسیہ بہشت

مطبوعہ نسخوں میں 'آنکہ' کی جگہ 'آنکہ' بکاف تازی لکھا ہے - دوسرا مصرع الہ آبادی اور لاہوری نسخوں میں اس طرح درج ہے :

از اہل بہشت کرد یا دوزخ زشت

'آنگہ' غلط اور 'آنکہ' صحیح ہے - لیکن دوسرا مصرع قلمی اچھا ہے - خوب و زشت میں صنعت تضاد ہے - اس لیے دوزخ زشت کے مقابلے میں 'بہشت خوب' انسب ہے -

۶۴ - خیام ، تنت بہ خیمہ می ماند راست
جان سلطان ست ، منزلش دار بقا ست
فراش ازل ز بہر دیگر منزل
ویران کند این خیمہ،چو سلطان برخاست

مطبوعہ نسخوں میں ''سلطان روح ست'' درج ہے ، اور ''ازل'' کی جگہ ''اجل'' تحریر ہے -

چوتھا مصرع اس طرح درج ہے :

از پا فکند خیمہ کہ سلطان برخاست

۶۵ - صحرا رخ خود بابر نوروز بہ شست
این دل کہ شکستہ گشت ، کے گشت درست
ہس سبز خطے و سبزہ زارے می بین
اے بیخبر آنکہ سبزہ از خاک تو رست

مطبوعہ نسخوں میں ''بابر'' کی جگہ ''ز ابر'' ہے - دوسرا مصرع یہ ہے :

وین دہر شکستہ دل بنو گشت درست

دوسرا شعر الہ آبادی نسخے میں اس طرح لکھا ہے :

بر سبز خطے، بہ سبزہ زارے می خور بر یاد کسے کہ سبزہ از خاکش رست

لاہوری نسخے میں چوتھا مصرع تو قلمی کے مطابق ہے ، مگر تیسرے میں کچھ فرق ہے - اس میں ''بین سبز خطے و سبزہ زارے وسے'' درج ہے -

۶۶ - تا چند زنم بروے دریا ہا خشت
نومید نیم چو بت پرستان کنشت
امشب من و شیشہ و جہودان کنشت
مے خواہم و معشوقہ، چہ دوزخ چہ بہشت

الہ آبادی نسخے میں اس رباعی کا صرف چوتھا مصرع قلمی سے متحد ہے - باقی تینوں مصرعوں میں زمین آسمان کا فرق ہے -

ہر چند کہ از گناہ بدبختم و زشت
نومید نیم چو بت پرستان ز کنشت
اما سحرے کہ میرم از مخموری
مے خواہم و معشوق ، چہ دوزخ چہ بہشت

لاہوری نسخے میں دوسرا اور چوتھا مصرع الہ آبادی نسخے کے مطابق ہیں ، پہلا قلمی جیسا ہے اور تیسرا یوں درج ہے :

امشب من و سیمبر جوانان کنشت

بہر صورت الہ آبادی نسخہ تقریباً غلط ، لاہوری قدرے غیر صحیح اور قلمی یکسر درست ہے -

۶۷ - اے واے دران دل کہ درو سوزے نیست
سودا زدہ از مہر دل افروزے نیست
روزے کہ تو بے بادہ بسر خواہی برد
ضائع تر ازان روز دگر روزے نیست

مطبوعہ نسخوں میں 'دران دل' کے بجائے 'بر آن دل' ہے 'واے براو' محاورہ ہے ، 'واے دراو' نہیں بولتے - اس لیے قلمی نسخے کو غلط قرار دیا جائے گا - دوسرا مصرع لاہوری نسخے میں قلمی کے مطابق ہے - صرف 'از' نہیں ہے 'سودا زدہ' 'مہر دل افروز' کی طرف مضاف ہے - الہ آبادی نسخے میں 'سودا زدۂ مہر دل افروزے نیست' درج ہے - چوتھے مصرع میں دونوں مطبوعہ نسخوں کے اندر 'دگر' کی جگہ 'ترا' ہے -

۶۸ - . . . . . در مجلس دہر ساز ہستی پست ست
نے چنگ و نہ نای وے دلم بردست ست

رندان ہمہ ترک مے پرستی کردند
جز محتسب شہر کہ دائم مست ست

مطبوعہ نسخوں میں ''ساز ہستی'' کے بجائے ''ساز مستی'' اور ''بردست'' کی جگہ ''در دست'' تحریر ہے ۔ شارح الہ آبادی نے ''ساز مستی پست ست'' کا ترجمہ کیا ہے : مستی کا سامان کم ہے ۔ ممکن ہے یہ مناسب ہو ۔ لیکن مناسب تر یہ ہے کہ اس کا ترجمہ یوں کیا جائے کہ زندگانی کا ساز (باجہ) پست (بے نغمہ) ہے ، اس لیے کہ جو کیف آوری کے اسباب ہیں ، چنگ ، رباب ، بانسری وغیرہ اور پھر سب سے بڑھ کر دل ، وہ میسر نہیں ، اور جب یہ اشیا میسر نہیں ، تو زندگی کا ساز ، نغمہ آفرین کس طرح ہو سکتا ہے ۔

۶۹ ۔ از ما رمقے بہ سعی ساقی ماندہ ست
وز صحبت عمر بے وفائی ماندہ ست

از بادۂ دوش یک نمی بیش نماند
و ز عمر نہ دانم کہ چہ باقی ماند ست

الہ آبادی نسخے میں 'وز' کی جگہ 'از' اور 'بے وفائی' کی جگہ ''بیوفاق'' ہے ۔ تیسرے مصرع میں ''یک نمے'' کے بجائے ''یک منے'' لکھا ہے ۔ لاہوری نسخہ اس کے مطابق ہے ۔ صرف ''از صحبت'' کے عوض ''در صحبت'' ہے ۔ چوتھے مصرع میں دونوں کے اندر ''وز'' کے بجائے ''از'' لکھا ہے ۔

قلمی رباعی میں قافیہ درست نہیں ۔ غالباً کاتب کے سہو سے ''بیوفاق'' کی جگہ ''بیوفائی'' درج ہو گیا ۔ نقاط اور ہمزہ تحریر میں اس قدر ہم شکل نظر آتے ہیں کہ انسان دھوکا کھا جاتا ہے ۔ غالباً یہی غلط فہمی اس کا سبب ہوئی ۔

لیکن اس سے قطع نظر کرکے قلمی نسخہ مرجح ہے ۔ ''یک من'' سے 'یک نم' کہیں بہتر ہے ۔ خیام کی خم نوش طبیعت کل کے لیے ایک سیر کہاں بچا رکھتی ۔ وہ تو اس خیال کا حامی تھا کہ جو کچھ ہے حال ہے ، نہ معلوم کس وقت یہاں سے کوچ کر جانا پڑے ۔

۷۰ ۔ تا بتوانی غـم جهان هیچ مسنج
بر دل منہ از اندہ ناآمدہ رنج

خوش می‌خور و مے بخش، کزین دور سپنج
با خود نبری، گر چہ بسے داری گنج

مطبوعہ نسخوں میں ''از آمدہ رنج'' ہے۔ غالباً کاتب نے غیر ممدودہ الف کے زبر اور نقطہ کو الف اور مد میں تبدیل کر دیا ہے۔ ''آمدہ'' سے ''اندہ'' بہتر ہے، اس لیے کہ رنج نام ہے اُس شے کے نہ ملنے کا جس کا ملنا انسان کی خواہشات زندگی میں داخل ہو۔

تیسرے مصرع میں مطبوعہ نسخوں کے اندر ''کزین دور سپنج'' کے بجائے 'درین دار سپنج' لکھا ہے۔ 'درین' سے 'کزین' اچھا ہے، لیکن 'دور' 'دار' کی تحریف معلوم ہوتی ہے، سرائے سپنج یا دار سپنج کہتے ہیں، ممکن ہے دور سپنج بھی کہتے ہوں، لیکن میری نظر سے نہیں گذرا۔

۷۱ - چون می گذرد عمر، چہ شیرین و چہ تلخ
پیمانہ چو پر شود، چہ بغداد و چہ بلخ

میخور کہ بسے ماہ برین چرخ کہن
از سلخ بغرہ آید، از غرہ بہ سلخ

تیسرا مصرع مطبوعہ نسخوں میں اس طرح لکھا ہے:

می نوش کہ بعد از من و تو ماہ بسے

معنوی حیثیت سے دونوں مصرع متوازن ہیں، لیکن قلمی میں روانی اور برجستگی زیادہ ہے۔

رباعیات خیام مرصادالعباد میں

"مرصادالعباد من المبدأ والمعاد" نجم الدین ابوبکر رازی ہمدانی کی فن سلوک میں ایک فارسی کتاب ہے، جو ۶۲۰ھ میں تالیف ہوئی ہے۔ اس میں مختلف موقعوں پر بعض رباعیاں اور اشعار نقل کیے گئے ہیں جن میں خیام کی بھی چند رباعیاں شامل ہیں۔ رباعیات خیام کے قدیم ماخذوں کی تقریب سے اس کتاب کا بھی ذکر آتا ہے۔ سب سے پہلے اس کا حوالہ ۱۸۹۷ع میں روسی مستشرق زوکووسکی کے اس مضمون میں آیا تھا، جو 'مظفریہ' نام کے ایک مجموعے میں شائع ہوا ہے۔

زوکووسکی نے اس کتاب کے صرف دو موقعوں کا حوالہ دیا ہے، جن میں خیام کے نام سے دو رباعیاں مذکور ہیں، حالانکہ ان کے علاوہ کتاب میں اور بھی چند ایسی رباعیاں ملتی ہیں، جن میں گو خیام کی تصریح نہیں، مگر وہ خیام کے بعض نسخوں میں مذکور ہیں۔ ذیل کی سطروں میں اُن تمام مقامات کا حوالہ دیا جاتا ہے، جن میں یہ رباعیاں نام سے یا بلا نام مذکور ہیں۔

میرے سامنے اس وقت کتاب کا وہ قلمی نسخہ ہے، جو کتب خانۂ رام پور میں بذیل سلوک فارسی نمبر ۳۲۸ پر مندرج ہے۔

۱ - ورق ۱۷ الف و ب تا ۱۸ الف۔

"و چون مرید صادق و طالب عاشق از سر صدق و تأنی نہ از سر ہوا و تمنی مطالعہ کند و بر اصول این فصول اطلاع یابد، واقف گردد کہ او کیست، از کجا آمدہ است، وچون آمدہ است، و بچہ کار آمدہ است، و کجا خواہد رفت، و چون خواہد رفت، و مقصد و مقصود او چہ چیز است؟

رباعی

جان و دل عاقلان عالم ریش است　　زان یک منزل کہ جملہ را درپیش است
از تیغ اجل بریدہ در طشت فنا　　زین غم سر صد ہزار زیرک بیش است

و معلوم گردد که روح پاک علوی نورانی را در قالب خاکی سفلی ظلمانی کشیدن چه حکمت بود ، و باز مفارقت دادن و قطع تعلق روح از قالب کردن و خرابی صورت چراست ، و باز در حشر قالب را نشر کردن و کسوت روح ساختن سبب چیست ـ آن که از زمرهٔ ''أولـئك كالانعام بل هم اضل سبيلا'' بیرون آید ، و به مرتبهٔ انسانی رسد ، و از حجاب غفلت ''يعلمون ظاهرا من الحيواة الدنيا و هم عن الآخرة هم غافلون'' خلاص یابد ، و قدم بشوق و ذوق در راه سلوک نهد ، تاآنچه در نظر آرد ، در قدم آورد که ثمرهٔ نظر ایمان است و ثمرهٔ قدم عرفانست ، بیچاره فلسفی و دہری و طبایعی که ازین ہر دو مقام محرومند و بے خبر و سرگشته و گم گشته ، تا یکے از فضلا که نزد ایشان بفضل و حکمت و کیاست معروف و مشہور است ، و آن عمر خیام است علیه مایستحقه ، از غایت حیرت در تیه ضلالت او را جنس این بیتها می‌آید ، گفت و اظہار نابینائی کرد :

رباعی

دو دائره پرکار صفت رفتن ماست　　　آنرا نه بدایت نه نہایت پیداست
کس می نزند دمی درین‌عالم راست　　　کین آمدن از کجا ورفتن بکجاست

رباعی

دارنده چو ترکیب طبایع آراست　　　بازازچه قبل فکندش اندرکم وکاست
گرزشت آمد این صورعیب کراست　　　ور خوب آمد ، خرابی از بہرچراست

و آن سرگشتهٔ نابینا ''فانها لاتعمي الابصار ولكن تعمي القلوب التي في الصدور'' را خبر نیست که حق تعالیٰ را بندگانند که در متابعت سیّدالمرسلین و سیّدالاولین والآخرین بر کل کائنات عبور کرده اند ، و از 'قاب قوسین' درگذشته ، و در سر''او ادنیٰ'' ہمگی ہستی خویش گم کرده ، و دیدهٔ بصیرت را بکحل ''ما زاغ البصر و ما طغیٰ'' مکحل گردانیده'' الخ ـ

یہ دونوں رباعیاں کتاب مذکور کے ورق ۱۸ الف پر درج ہیں :

۲ ـ کتاب مذکور ورق ۲۲۶ الف :

''اما آنچه حکمت در میرانیدن بعد از حیات و در زنده کردن بعد از ممات چه بود تا جواب آن سرگشتهٔ غافل و گم گشتهٔ عاطل گفته آید که می گوید ، عمر خیام :

رباعی

دارندہ چو ترکیب طبائع آراست ‌ ‌ ‌ باز از چہ قبل فگند اندر کم وکاست
گر زشت آمد صورتش آن عیب کراست ‌ ‌ ‌ ور نیک آمد ، خرابی از بہر چراست

یہ رباعی ورق مذکور پر سابق الذکر رباعی سے قدرے مختلف شکل میں منقول ہوئی ہے -

۳ - کتاب مذکور ، ورق ۴۴ الف و ب :

''الطاف الوہیت و حکمت ربوبیت بسرّ ملایکہ فرو می گفت ''انی اعلم ما لا تعلمون'' ، شما چہ می دانید کہ ما را با این مشتے خاک از ازل تا ابد چہ کار ہا درپیش است :

شعر

عشقے است کہ از ازل مرا در سر بود
کاریست کہ تا ابد مرا در پیش است

شما معذورید کہ شما را سروکار با عشق نبودہ است ، شما خشک زاہدان صومعہ نشین حظایر قدس اید ، از گرم روانِ خراباتِ عشق چہ خبر دارید ؟ سلامتیان را از ذوق حالت ملامتیان چہ چاشنی تواند بود ؟

رباعی

قدر گل و مل بادہ پرستان دانند ‌ ‌ ‌ نے تنگ دلانِ تنگ دستان دانند
از بے خبری بے خبران معذورند ‌ ‌ ‌ سرّیست درین شیوہ کہ مستان دانند

رباعی

درد دل خستہ دردمندان دانند ‌ ‌ ‌ نے خوش منشان وخیرہ خندان دانند
از سرّ قلندری تو گر محرومی ‌ ‌ ‌ سرّیست درین شیوہ کہ رندان دانند

پہلی رباعی خیام کے مجموعۂ رباعیات میں شامل ہے ، لیکن مرصادالعباد میں بے نام مذکور ہوئی ہے ، اور دوسری رباعی خیام کی نہیں ، غالباً کسی شاعر نے اسی زمین میں طبع آزمائی کی ہے -

۴ - الف ورق ۱۱۸ ، ب :

رباعی

تا دل ز بد و نیک جہان آگاہست ‌ ‌ ‌ دستش زبد و نیک جہان کوتاہست
زین پیش دلی بود و ہزار اندیشہ ‌ ‌ ‌ اکنون ہمہ لا الہ الا اللہ است

۵ - ایضاً - ورق ۱۸۰ ب و ۱۸۱ الف :

اما این ضعیف بنا بران نظر کہ بسی مدعیان بی معنی درمیان این طائفہ پدید آمده اند و بغرور شیطان و مکر نفس مغرور گشتہ ، و بحرفی چند پوشیدہ کہ از افواہ گرفتہ اند ، پنداشتہ اند کہ بکمال مقصد و مقصود رسیدہ اند ، و ذوق مشارب مردان یافتہ ، و خود را در مملکت جائزالتصرف دانستہ ، و بباباحت و زندقہ در افتادہ اند چنان کہ عزیزی گوید :

رباعی

پوشیدہ مرقعند این خامی چند بگرفتہ ز طامات الف لامی چند
نارفتہ رہ صدق و صفا گامی چند بدنام کنندۂ نکو نامی چند

خواست تا برای محک این مدعیان از مقامات و احوال سلوک شمۂ بیان کند ۔''

یہ دونوں رباعیاں بھی مجموعۂ رباعیات خیام میں نظر آتی ہیں ، لیکن مرصاد میں کسی نام کے بغیر مذکور ہیں[1] ۔

[معارف ، اعظم گڑھ ، فروری ۱۹۳۱ع]

پس نوشت :

اس مقالے کے پروف پڑھتے وقت مرصاد العباد کو دوبارہ اول سے آخر تک دیکھا ، تو پتا چلا کہ خیام کے نام سے چھپی ہوئی یہ رباعی : خیام

بازے بودم پریدہ از عالم راز بو تا کہ برم دمے نشیبی بفراز
این جا چو نیافتم کسی محرم راز زان در کہ در آمدم برون رفتم باز

(رباعیات خیام ، طبع امرتسر ، صفحہ ۱۱۲)

مرصاد میں ورق ۹۷ ب اور ورق ۲۱۶ ب پر معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ موجود ہے اور ایک جگہ ''شیخ میفرماید'' اور دوسری جگہ ''این ضعیف می گفت'' سے شروع ہوتی ہیں ۔

نیز یہ رباعی خیام کے یہاں (ص ۱٦۰ طبع امرتسر) موجود ہے :

---

۱ - مخزن اسرار نظامی کی شرح میں جو ظہور الاسرار نامی نام سے نول کشور نے ۱۸۸۵ع میں چھاپی تھی اور ۹۷۵ھ کی تالیف ہے ، یہ رباعی ''بزرگی فرماید'' الفاظ کے ساتھ نقل ہوئی ہے ۔

ساقی ، بصبوحی مے ناب اندر دہ   مستان شراب را شراب اندر دہ
مستیم و خراب در خرابات فنا   آوازہ بعالم خراب اندر دہ

مرصادالعباد (ورق ۱۰۰ الف) میں ''این ضعیف گوید'' کے تحت حسب ذیل رباعی لکھی ہے :

ای ساقی خوش ، بادۂ ناب اندر دہ   مشتاق توایم ، ہین شراب اندر دہ
کس نیست زما گونہ خراب است و ثبات   آوازہ بدین دہ خراب اندر دہ

ان دونوں رباعیوں میں خاصا اشتراک ہے ۔ بعید نہیں کہ ان میں سے ایک دوسری ہی کی اصلاحی شکل ہو ۔

مرصاد میں ورق ۲۰۳ الف پر کسی گمنام شاعر کی یہ رباعی لکھی ہے :

فردا کہ مقدسان خاکی مسکن   چون روح شوند راکب مرکب تن
چون لالہ بخون جگر آلودہ کفن   از خاک سر کوی تو برخیزم من

مگر خیام کے امرتسری نسخے میں یہ بھی صفحہ ۱۰۱ پر موجود ہے ۔

نجم النسفی

نجم نسفی اُن علما میں شمار ہوتے ہیں جن کی علمی منزلت ظاہر کرنے کے لیے عالم یا فاضل کہنا کافی نہیں ، بلکہ امام ، علامہ اور ذوالفنون جیسے القاب استعمال کرنا چاہییں[1]۔ اُن کی شہرت اور خواص و عوام میں قبولیت کا یہ عالم تھا کہ لوگ ''مفتی جن و انس'' کہتے تھے[2]۔ ذکاوت و فطانت ، قوت حافظہ اور وسعت معلومات کے لحاظ سے ''احد الائمۃ المشہورین'' خیال کیے جاتے تھے۔ حسن سیرت ، حسن معیشت اور کثرت عبادت میں ممتاز تھے۔ وعظ و تذکیر اور تصنیف و تالیف کے ذریعے علم پھیلانے کی توفیق جتنی اُنھیں عطا ہوئی ، معاصرین میں سے کسی کو نصیب نہ ہو سکی۔ سیکڑوں ، ہزاروں میل کی مسافت طے کرکے طلبہ آتے اور اُن سے استفادہ کرتے تھے[3]۔

نسفی ، تفسیر ، حدیث ، اصول ، کلام ، فقہ اور ادب میں بلند پایہ فاضل اور ان علوم میں صاحب تصنیف و تالیف عالم ہیں ۔ اُن کی مصنفہ کتابوں کی تعداد سو بتائی جاتی ہے[4] ۔ ان میں سے بہت بڑی تعداد حوادث کی نذر ہوگئی ۔ تاہم جو دو چار بچ گئی ہیں وہ بھی مصنف کی جلالت علمی ظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں ۔

نام و نسب :

نسفی کا نام عمر بن محمد بن احمد بن اسمعیل بن محمد بن علی بن لقمان ، کنیت

---

۱ ۔ الجواہر المضیئہ : جلد ۱ صفحہ ۸۶ و ۳۹۴ ؛ شذرات الذہب : جلد ۴ صفحہ ۱۱۵ ۔

۲ ۔ الاثمار الجنیہ لعلی القاری : ۱۳۵ ب ۔

۳ ۔ اعلام الاخیار للکفوی : ۱۸۱ الف ۔

۴ ۔ مرآۃ الجنان للیافعی: ۳ ، ۲۶۸ ؛ شذرات الذہب: ج ۴ صفحہ ۱۱۵ وغیرہا۔

بوحفص اور لقب نجم الدین ہے[1] ۔ نسف میں جو نخشب کے نام سے مشہور اور ماوراء النہر کا علما خیز شہر ہے[2] ، ۴۶۱ھ (یا ۴۶۲ھ) میں پیدا ہوئے[3] ، اور سمرقند کے محلے سکۃ اللبادین[4] میں اقامت اختیار کی ، اس لیے نسفی سمرقندی کہلاتے ہیں ۔

اساتذہ :

حدیث و فقہ وغیرہ علوم کی تحصیل ساڑھے پانچ سو شیوخ سے کی تھی[5] ۔ ان میں سے صدرالاسلام ابوالیسر محمد بن محمد بن الحسین البزدوی متوفی ۴۹۳ھ شیخ الاسلام عطاء بن حمزۃ السُغدی ، القاضی ابو علی الحسن بن عبدالملک النسفی ، اور ابو محمد اسمعیل بن محمد النوحی النسفی کا حوالہ کافی ہوگا[6] ۔ نسفی نے اپنی کتاب موسوم بہ 'تعداد الشیوخ لعمر' میں ان سب کا تذکرہ کیا تھا ۔ یہ کتاب اب ناپید ہوچکی ہے ، لیکن مطلع النجوم (ورق ۲۵۹ ببعد) میں نسفی نے اپنی بہت سی مرویات کے ساتھ پوری سندیں بھی نقل کی ہیں جن سے اُن کے شیوخ کے کچھ نام متعین کیے جا سکتے ہیں ۔

---

۱ ۔ یاقوت: ۱۵ ۔ ۲۷ طبع ثانی ۔ مطلع النجوم کے خاتمے میں نجم نسفی کے بیٹے محمد نسفی نے بھی یہی نسب لکھا ہے ۔ اس لیے شذرات اور اعلام الاخیار کا محمد بن لقمان لکھنا اور الجواہر المضیئہ کا اسمعیل بن علی قرار دینا سہو ہے ۔ موخرالذکر کتاب کی تغلیط خود اُسی کے صفحہ ۸۶ سے ہو جاتی ہے ۔ ایک فروگذاشت محمد نسفی کے بیان میں ہوئی ہے ، یعنی اُنھوں نے عمر بن محمد بن احمد میں سے درمیانی نام حذف کردیا ہے ۔ میری رائے میں یہ ہمارے نسخے کے کاتب کی مہربانی ہے ، جس کی مثالوں سے یہ کتاب بھری پڑی ہے ۔

۲ ۔ کتاب الانساب سمعانی : ۵۵۹ ب ۔

۳ ۔ صرف الجواہر المضیئہ میں ۴۶۲ھ بھی لکھا ہے ۔

۴ ۔ اس محلے کی طرف متعدد اہل علم منسوب ہیں اور لبادی کہلاتے ہیں ۔ ملاحظہ ہو الجواہر : جلد ۲ صفحہ ۳۳۳ اور نساب السمعانی: ۴۹۳ ب ۔

۵ ۔ الجواہر : جلد ۱ صفحہ ۳۹۴ ۔

۶ ۔ الکفوی : ۱۸۱ الف ۔

تلامذہ :

جیسا کہ سابقاً ذکر ہوا ، نسفی مرجع طلبہ تھے ۔ مختلف شہروں اور مختلف طبقات کے طلبہ نے اُن سے استفادہ کیا ہے ۔ ان مستفیدین میں خود اُن کے مشائخ بھی داخل ہیں ۔ صاحب کتاب الانساب ، ابو سعد السمعانی کو بھی اُن سے اور اُن کے بیٹے مجد نسفی سے اجازت حاصل تھی ۔ اپنے شیوخ کی فہرست میں اُنھوں نے ان دونوں کا ذکر کیا ہے ۔ لیکن نسفی کے شہرۂ آفاق شاگرد ، صاحب ہدایہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی (متوفّٰی ۵۹۳ھ) ہیں ۔ انھوں نے اپنے مشائخ کی فہرست کا آغاز ہی نجم اور مجد سے کیا ہے ، اور یہ بھی لکھا ہے کہ نجم کی اپنی تصنیفات کے علاوہ خصّاف کی کتاب المسندات بھی میں نے اُن سے پڑھی تھی اور اس کی قرات میں امام ظہیرالدین محمد بن عثمان بھی شریک تھے[۱]۔

سفر :

نسفی نے ماوراء النہر ، عراق اور حجاز کا سفر اور ان ملکوں کے اہم شہروں میں قیام کیا ہے ۔ بخارا کے دوران قیام میں شعر و شاعری کے جلسوں میں بھی شرکت کرتے تھے ۔ ابو یوسف سنا بن محمد کی مدح کا طویل عربی قصیدہ وہیں کا کہا ہوا ہے ، جس کا مطلع حسب ذیل ہے[۲] ۔

رمانی زمانی بالکآبة والبلوی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ لیظهر منی العجز و الشیب والشکوی

وہیں ایک دن دعوت میں نسفی اور اُن کے اہل ذوق احباب جمع تھے ۔ حاضرین میں سے کسی نے فرمائش کی کہ صنعت ''استخراج الحرف المضمر'' پر مشتمل ابیات کہی جائیں ۔ صاعد بن حسن بن صاعد الزینبی بھی موجود تھے ۔ اُنھوں نے فوراً پانچ شعر کہہ کر سنائے[۳]۔

بغداد کے قیام میں اپنی کتاب 'تطویل الاسفار لتحصیل الاخبار' کا درس دیا[۴]۔ مکۂ معظمہ گئے تو اُس زمانے میں علامہ جاراللہ زمخشری وہاں مقیم تھے ۔

---

۱ ۔ الجواہر ۔

۲ ۔ مطلع النجوم : ۳۲۷ ب ۔

۳ ۔ ایضاً : ۳۳۵ الف ۔

۴ ۔ شذرات : جلد ۴ ، صفحہ ۱۱۵ ۔

نسفی نے اُن سے شرف ملاقات حاصل کرنا چاہا ۔ مکان پر جا کر دستک دی ، تو اندر سے آواز آئی: 'کون ہے' ؟ نسفی نے کہا: 'عمر' ۔ زمخشری نے کہا : 'انصرف (واپس چلے جاؤ)'۔ نسفی کی شوخ طبیعت نے گدگدایا ، اور اُنھوں نے جواب میں کہا : ''عمر لاینصرف'' (عمر منصرف نہیں ہوتا) ۔ زمخشری جواب کی برجستگی سے مجیب کی لیاقت کو تاڑ گیا ، اور بولا ، 'اذا نکر ینصرف'[1](جب نکرہ ہو تو منصرف ہو جاتا ہے) ۔

وفات :

نجم نسفی نے شب پنج شنبہ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۵۳۷ھ (۴ دسمبر ۱۱۴۲ع) کو سمرقند میں انتقال کیا[2] ۔

اولاد :

نجم کی اولاد میں صرف ایک بیٹے کا ذکر تاریخی کتابوں میں ملتا ہے ۔ یہ بھی باپ کی طرح بڑے صاحب علم و فضل اور اس گھر کے گوہر شب چراغ تھے ۔

ان کا نام احمد ، کنیت ابواللیث اور لقب مجد الدین ہے ۔ عام طور پر مجد نسفی کہلاتے ہیں ۔ ۵۰۷ھ میں پیدا ہوئے ۔ اپنے والد وغیرہ سے فقہ کی تحصیل کی ۔ باپ نے سمرقند کے محدثوں کے علاوہ اور بہت سے اُن محدثوں سے بھی سماع حدیث کرایا ، جو سمرقند آتے جاتے رہے تھے ۔

---

۱ ۔ الجواہر : ۱ ، ۳۹۴ ؛ الاثمار : ۱۳۳ ب ؛ الکفوی : ۱۸۱ الف ۔ اس سوال و جواب سے لطف اندوز ہونے کے لیے اتنا بیان کر دینا ضروری ہے کہ عربی میں کچھ اسما ایسے ہیں جن کے آخری حرف پر نہ تو تنوین آتی ہے اور نہ وہ کبھی کسرے کو قبول کرتے ہیں ۔ انھیں نحوی اصطلاح میں غیرمنصرف کہتے ہیں ۔ نسفی کا نام عمر بھی غیرمنصرف ہے ۔ زمخشری کے اس کہنے پر کہ انصرف (چلے جاؤ) ، اُنھوں نے از راہ شوخی کہا تھا کہ عمر منصرف نہیں ہوتا ۔ زمخشری خود امام صرف و نحو ہے ۔ اُس نے فوراً جواب دے دیا کہ جب نکرہ ہو تو منصرف ہوجاتا ہے ۔ چونکہ نسفی اُس کے لیے انجان تھے ، اس لیے زمخشری کی بات بھی ذو معنی رہی اور جواب ترکی بہ ترکی ہوگیا ۔

۲۔ الیافعی : جلد ۳ صفحہ ۲۶۸ ؛ الجواہر: ۱ ، ۳۹۴ ؛ الکفوی: ۱۸۱ الف ؛ الاثمار : ۱۳۴ ب ؛ شذرات : جلد ۴ ، صفحہ ۱۱۵ ؛ الاعلام للزرکلی: جلد ۵ ، صفحہ ۲۲۲ ۔

اپنے باپ سے بھی بہت کچھ سماع کیا ، لیکن حدیث سے باپ جیسا شغف نہیں تھا - اپنے علم و فضل ، زہد و تقویٰ اور وعظ و تذکیر کی بدولت بڑی شہرت پائی - یہ بھی صاحبِ ہدایہ کے استاد ہیں - ابو سعد سمعانی ، صاحبِ کتاب الانساب نے بھی ان سے سند حاصل کی تھی - انہیں کا بیان ہے کہ مجد نے صفر ۵۵۲ھ میں سفر حج سے واپس آکر بغداد میں قیام کیا تھا - وہاں سے وطن کو چلے ، تو راستے میں بسطام کے قریب کوف نامی قریے میں ڈاکو قافلے پر ٹوٹ پڑے - مسافروں میں سے ستر آدمیوں سے زیادہ تیغ ستم کی نذر ہوئے جن میں یہ فاضل روزگار بھی شامل تھے- یہ واقعہ شنبہ کے دن ۲۷ جمادی الاولیٰ سنۂ مذکور کو پیش آیا تھا - لوگوں نے وہیں دفن کردیا - بسطامیوں کو خبر ہوئی تو اُن کی لاش کو بسطام منتقل کرنا چاہا ، مگر گرمی اور ہوا کے اثر سے جسم ناقابل انتقال ہوچکا تھا[۱] -

تصنیفات :

نجم نسفی کی سو سوا سو کتابوں میں صرف حسب ذیل کا ہمیں علم ہے :

۱- التیسیر فی التفسیر - یہ عربی زبان میں کلام اللہ کی تفسیر ہے - ۵۲۳ھ میں ختم ہوئی اور ۵۲۴ھ میں املا کرائی گئی[۲] - کفوی نے اسے نجم کی تصنیفات میں سب سے اہم اور نکات بدیعہ پر مشتمل بتایا ہے[۳] - پوری کتاب چار جلدوں میں ہے - ان میں کی چوتھی جلد کتاب خانۂ ریاست رام پور میں بھی موجود ہے - یہ سورۃ الاحزاب سے سورۃ الناس تک کی تفسیر پر مشتمل اور ۹۷۹ھ میں جعفر بن عمرو بن جعفر بن عباس الصبرانی الحدادی کے ہاتھ پر ۱۰۲۷ ورقوں میں تمام ہوئی ہے - بروکلمان نے بھی اس کے متعدد نسخوں کا ذکر کیا ہے[۴] -

---

۱ - الجواہر : ۱ ، ۸۶ -

۲ - مجموعۃ الاسانید : ۲۷ الف -

۳ - الکفوی : ۱۸۱ الف ؛ الزرکلی : جلد ۵ ، صفحہ ۲۲۵ -

۴ - ضمیمۂ تاریخ آداب عربیہ از بروکلمان : ۱ ، ۶۲ - ہمارے نسخے میں کسی مابعد کے مالک نے قدامت ثابت کرنے کے لیے تاریخ میں صرف اتنی تبدیلی

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۷۶ پر)

۲۔ الاکمل الاطول فی التفسیر ۔ یہ بھی کتاب اللہ کی تفسیر ہے ۔ زرکلی نے اس کا ذکر کیا ہے[1] ۔ فہرست کتاب خانۂ خدیویہ میں بھی اس کا مذکور ہے[2] ۔

۳۔ رسالۃ فی الخطاء فی قراءۃ القرآن ۔ یہ علم قرات پر ۵ ورق کا چھوٹا سا رسالہ ہے ۔ بروکلمان نے اس کے متعدد نسخوں کا ذکر کیا ہے ۔ کتاب خانۂ رام پور میں بھی اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے ۔ ۹۸۱ھ میں سید عبدالمجید بن اللہ داد نے اسے نقل کیا تھا ۔ ایک چھوٹا سا فارسی رسالہ تحفۂ خاقانیہ نام سے رسائل قرأت کے ایک مجموعے میں پشاور سے چھپ کر شائع ہوا تھا ۔ دیباچے میں اُسے نجم نسفی کے ایک رسالہ موسوم بہ زلۃ القاری کا ترجمہ بتایا ہے ، جو ابوالغازی سلطان محمد بہادر خان (والی بخارا) کے لیے کیا گیا تھا ۔ دراصل یہ اسی رسالے کی حامل المتن شرح ہے ۔ نسفی کی مذکورۂ بالا کتاب کا زلۃ القاری نام اس کے مضمون کے پیش نظر لوگوں نے رکھ لیا ہے ۔

۴۔ العقائدالنسفیہ ۔ یہ عقائد پر چھوٹا سا رسالہ ہے ، مگر خدا نے اسے قبولیت وہ بخشی ہے کہ باید و شاید ۔ بڑے بڑے فاضلوں نے اس کی شرحیں اور شرحوں کے حاشیے لکھ کر رائی کے دانے کو پہاڑ کی بلندی عطا کر دی ۔ آج تک درس نظامی میں شامل اور حنفیوں کے لیے مشعل راہ کا کام دے رہا ہے ۔ کتاب خانۂ رام پور میں اس کا ایک نسخہ لندن کا چھپا ہوا بھی محفوظ ہے ۔ شروح و حواشی کی تفصیل حاجی خلیفہ اور بروکلمان کے یہاں دیکھی جا سکتی ہے[3] ۔

۵ ۔ کتاب الیواقیت فی المواقیت ۔ یہ فضائل اوقات پر حدیثوں کا ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۵ سے آگے)

کردی ہے کہ اب اس کا سال کتابت ۹۶۷ھ ہوگیا ہے ۔ (پس نوشت) اس تفسیر کی ابتدائی دو جلدوں کا ایک بہت قدیم مگر ناقص نسخہ ابھی چند سال ہوئے سندیلے سے حاصل کیا گیا ہے ۔

۱ ۔ الاعلام : جلد ۵ ، صفحہ ۲۲۲ ۔

۲ ۔ فہرست المکتبۃ الخدیویہ : جلد ۱۱ ، صفحہ ۱۵۵ ۔

۳ ۔ ضمیمۂ بروکلمان : صفحہ ۷۵۸۱ ؛ کشف الظنون : جلد ۴ ، صفحہ ۲۱۹ طبع یورپ ۔

مجموعہ ہے ۔ کفوی اور زرکلی نے اُسے نسفی کی تصنیفات میں شمار کیا ہے[1]۔ کتاب خانۂ رام پور میں اس کا ایک نسخہ فخر (بن) محمود (بن) کمال دبیر کے قلم کا ۷۶۹ھ کا نوشتہ محفوظ ہے ۔

۶ ۔ تطویل الاسفارلتحصیل الاخبار ۔ بظاہر لفظ ''اخبار'' سے حدیثیں مراد ہیں ، لہذا اس میں ان حدیثوں کو جمع کیا ہوگا ، جن سے لانبے لانبے سفر کر کے احادیث جمع کرنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے ۔

۷ ۔ المنظومۃ فی الفقہ ۔ امام محمد بن الحسن الشیبانی ، صاحبِ امام اعظم کی ایک بہت مشہور کتاب جامع صغیر ہے ۔ نسفی نے اس کو نظم کردیا ہے ۔ زرکلی نے اس کا نام نظم الجامع الصغیر لکھا ہے[2] ۔ صاحب کشف الظنون کے بیان کے مطابق اس کا آغاز یہ ہے : ''الحمد للہ القدیم الباری'' الخ ۔ اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ نسفی نے اس کے شروع میں ایک ۸۱ بیت کا رائیہ قصیدہ جو عقائد کے مسائل پر مشتمل ہے ، شامل کیا ہے[3]۔

۸ ۔ المنظومۃ النسفیہ فی الخلافیات ۔ یہ نسفی کی اتنی مشہور کتاب ہے کہ صاحبان تذکرہ اُن کے ترجمے میں صاحب المنظومہ لقب ضرور لکھتے ہیں ۔ کفوی کہتا ہے کہ یہ فقہ کی پہلی منظوم کتاب ہے[4] ۔ آغاز حسب ذیل ہے :

بسم الالہ رب کل عبد	والحمد للہ ولیّ الحمد
ثم التحیات بغیر عدد	علی النبی المصطفیٰ محمد
و بعد قد قال ابو حفص عمر	اکرمہ اللہ و عقباہ عمر
ھذا کتاب فی الخلافیات	نظم فی العیون لا النکات
مستودع کل المراد موجز	مستبدع سھل القیاد معجز
مسھل لحفظ ھذا العلم	و حفظہ سھل لاجل النظم
بذلت فیہ طاقتی خمس حجج	حتی تأتی لی علی ھذا النھج

---

۱ ۔ الکفوی : ۱۸۱ الف ۔ لیکن زرکلی نے اس کا نام صرف المواقیت بتایا ہے ۔
۲ ۔ الاعلام : جلد ۵ صفحہ ۲۲۲ ۔
۳ ۔ کشف الظنون : جلد ۲ صفحہ ۵۵۸ ۔
۴ ۔ الکفوی : ۱۸۱ الف ۔

زرکلی نے اس کا نام منظومۃ الخلافیات درج کیا ہے[1] - بروکلمان نے اس کے متعدد نسخوں کے پتے بتائے ہیں[2] - خاتمے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵۰۴ھ (۱۱۱۰ع) میں پانچ سال کی محنت کے بعد نسفی نے اسے تمام کیا تھا اور اس کے اشعار کی تعداد ۲۶۶۹ ہے - مگر صاحب کشف نے ۹ بیت کم بتائے ہیں[3] - کتاب خانۂ رام پور میں اس کی دو حامل المتن شرحیں موجود ہیں ، جن میں کی پہلی علاءالدین الاسمندی کی ہے اور دوسری ابوالمحامد محمود الافشنجی کی -

۹ - کتاب‌المسارح فی الفقہ - اس کا حوالہ مشکلات القدوری کے باب‌الہبہ میں دیا گیا ہے[4] -

۱۰ - کتاب الدائر فی الفقہ - بروکلمان نے اس کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ کلکتے میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے[5] -

۱۱ - کتاب طِلبۃ الطلبۃ - یہ فقہ حنفی کی کتابوں کے اصطلاحی الفاظ کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہے - ۱۳۱۱ھ میں ۱۷۱ صفحوں پر آستانے میں چھپ چکی ہے - بعض تذکرہ نگاروں نے اسے سہواً صدرالاسلام ابوالیسر کے شاگرد عبدالکریم بن محمد بن احمد کی تالیف بتایا ہے[6] - بروکلمان نے اس کے نسخوں کا بھی ذکر کیا ہے[7] -

۱۲ - قید الاوابد لما فیہ من تالیف الشوارد - یہ بھی فقہ کی منظوم کتاب ہے - زرکلی اور بروکلمان نے اس کا ذکر کیا ہے[8] - مکتبۂ خدیویہ میں بھی اس کا نسخہ موجود ہے[9] - اگر ان دونوں کو شبہہ نہیں ہوا ہے ، تو یہ نسفی

---

۱ - الاعلام : جلد ۵ صفحہ ۲۲۲ -
۲ - ضمیمۂ بروکلمان : جلد ۱ صفحہ ۶۱ -
۳ - کشف‌الظنون : جلد ۲ صفحہ ۱۹۵ -
۴ - الکفوی : ۱۸۱ الف ؛ الاثمار : ۱۳۵ ب -
۵ - ضمیمۂ بروکلمان : جلد ۱ ، صفحہ ۷۶۲ -
۶ - الجواہر : جلد ۱ صفحہ ۳۹۴ و جلد ۲ صفحہ ۲۷۰ ؛ الکفوی : ۱۸۱ الف -
۷ - ضمیمۂ بروکلمان : جلد ۱ صفحہ ۷۶۲ -
۸ - الاعلام : جلد ۵ صفحہ ۲۲۲ ؛ ضمیمۂ بروکلمان : جلد ۱ صفحہ ۷۶۲ -
۹ - فہرست مکتبۂ خدیویہ : جلد ۱ صفحہ ۳۵۵ -

کی تیسری منظوم فقہی کتاب ہے۔

۱۳ - الخصائل فی المسائل - منظومہ فی الخلافیات کے شارح ابوالمحامد محمود الافشنجی نے شرح کے خاتمے میں اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ۶ جلدوں میں ہے۔ صاحب کشف‌الظنون نے بھی الخصائل فی الفروع کے نام سے اسے درج کر کے تحریر کیا ہے کہ یہ فقہ کی بڑی کتاب ہے[۱]۔

۱۴ - رسالۃ فی بیان مذاہب المتصوفہ - یہ اہل تصوف کے مختلف فرقوں کی تاریخ معلوم ہوتی ہے - بروکلمان نے اس کے نسخے کا حوالہ دیا ہے۔

۱۵ - المنبہات - یہ وعظ و تذکیر کی کتاب ہے - کتاب خانۂ آصفیہ میں اس کے دو نسخے محفوظ ہیں[۲]۔

۱۶ - تعداد الشیوخ لعمر - اس میں نسفی نے اپنے شیوخ حدیث کے حالات لکھے تھے ، جن کی تعداد بقول صاحب ہدایہ ۵۵۰ تھی[۳]۔

۱۷ - کتاب القند بمعرفۃ علماء سمرقند - ادریسی نے تاریخ سمرقند کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی - نسفی نے اس کا ذیل مذکورۂ بالا نام سے لکھا جس کی ۲ جلدیں کہی جاتی ہیں - سمعانی نے کتاب الانساب میں اس سے بہت فائدہ اٹھایا ہے - حموی ، کفوی ، صفدی اور ملا علی قاری وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے ، اور بروکلمان اور اسٹوری نے اس کے نسخوں کا پتا بتایا ہے[۴]۔

۱۸ - تاریخ بخاری - زرکلی اور ملا علی قاری نے اس کا ذکر کیا ہے[۵]۔ مگر الاثار کے ہمارے نسخے میں کاتب نے ''تخاریج بخاری'' نام لکھ دیا ہے ، جس سے دھوکا ہوتا ہے کہ کتاب کا موضوع علم حدیث ہے۔

۱۹ - الاشعار بالمختار من الاشعار : یہ عربی کے چنے ہوئے اشعار کا ایک مجموعہ ہے ، جو ۲۰ جلدوں میں تمام ہوا تھا - ملا علی قاری اور زرکلی

---

۱ - کشف الظنون : جلد ۳ صفحہ ۱۳۱ -

۲ - فہرست کتاب خانۂ آصفیہ - جلد ۳ صفحہ ۲۶۸ و ۹۳۵ -

۳ - الکفوی و الاعلام -

۴ - معجم‌الادبا: جلد۶ صفحہ ۵۳؛ الوافی بالوفیات: جلد۱ صفحہ ۴۸، طبع استانبول ۱۹۳۱ء ؛ الجواہر : جلد ۱ صفحہ ۲۷۰ ؛ الاثار : ۱۳۵ ب ؛ پرشین لٹریچر از اسٹوری : جلد ۲ صفحہ ۳۷۱ -

۵ - الاثمار والاعلام -

دونوں نے اس کا ذکر کیا ہے[1] ۔ مطلع النجوم کا ایک باب کتاب الاشعار بقدرالاشعار ہے جو ورق ۲۰۴ ب سے ۳۲۴ الف تک پھیلا ہوا ہے ۔ اس میں مصنف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسموعہ اشعار سے لے کر اپنے عہد تک کے مشاہیر کے اشعار لکھے ہیں ۔ بعید نہیں کہ یہ اسی بڑی کتاب کا خلاصہ ہو ۔

۲۰ ۔ عجالۃ النخشبی لضیفہ المغربی ۔ اس کتاب کا صرف حموی نے ذکر کیا ہے[2] ، اور یہ لکھا ہے کہ موسیٰ بن عبداللہ الاغماتی الاندلسی ۵۱۶ھ میں اندلس سے سیاحت کرتے سمرقند وارد ہوئے ۔ یہاں نسفی کے پاس اُن کا قیام رہا ، جس کے دوران میں اُنھوں نے میزبان سے بہت کچھ لکھا اور پڑھا بھی ۔ نسفی نے ''عجالہ'' انھیں یورپین مہمان کے لیے تالیف کیا ۔ اس میں یہ ۲ شعر خاص موسیٰ کی تعریف میں لکھے ہیں :

لقد طلع الشمس من غربها   علی خافقیها و اوساطها
فقلنا القیامۃ قد اقبلت   وقد جاء اول اشراطها

(ترجمہ یہ ہے) سورج پچھم کی طرف سے نکل کر ساری دنیا پر چھا گیا ۔ یہ دیکھ کر ہم بول اٹھے کہ قیامت اب آئی ، کیونکہ اس کی پہلی شرط یعنی سورج کا مغرب سے طلوع ، پوری ہوگئی ۔

موسیٰ اندلسی کی یورپ سے سمرقند میں آمد کی کتنی خوب صورت توجیہ و تعبیر ہے ۔

۲۱ ۔ مطلع النجوم و مجمع العلوم ۔ یہ کتاب متداولہ علوم و فنون کی انسائیکلوپیڈیا ہے ۔ تذکرہ نویسوں نے اس کا ذکر نہیں کیا ، لیکن کتاب خانۂ رام پور میں ایک ناقص الاول نسخہ موجود ہے ۔ آخر میں مصنف کے فرزند جلیل محمد نسفی نے لکھا ہے کہ میرے والد نے اس کتاب کے اختتام سے متعلق یہ شعر لکھے :

قد انتہیٰ مطلع النجوم   وانتہٰ مجمع العلوم
فیہ بلاغ لکل دانٍ   و کل قاصٍ علی العلوم
اتعبت نفسی بہ التماساً   لزومکم ، یا اولی الفهوم
منحتکم ماحییت طوعاً   مرومکم ، فامنحوا مرومی

---

۱ ۔ الاثار و الاعلام ۔
۲ ۔ معجم الادباء لیاقوت : جلد ۶ صفحہ ۵۵ ۔

قولو، اذاست: ربنا اصفح عن عمر المشرف المظلوم

ابتدائی حصۂ کتاب کے ضائع ہوجانے کے باعث آغاز تالیف پر روشنی نہیں پڑتی ، لیکن کتاب مسائل المحابات کے آخر میں مجد نسفی کی منقولہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس حصے کا املا جمعرات کے دن ۹ ربیع الاول ۵۳۲ھ کو ختم کیا تھا[1] ۔ کتاب الصکوک کا املا جمعرات کے دن عصر کے وقت ۲۲ ربیع الاول ۵۳۲ھ کو اور کتاب الخطب کا ۲۷ رجب ۵۳۳ھ[2] کو تمام ہوا ، اور اختتام کتاب محرم کی آخری تاریخ ۵۳۴ھ کو واقع ہوا ۔

خاتمۂ کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے سمرقند کے محلۂ سکۃ اللبادین کی مسجد میں بہت سے شاگردوں کے مجمع میں اس کا املا کرایا تھا ، اور اس کی کتابت مجد نسفی کے ذمے تھی ۔

کیفیت مخطوطہ :

مطلع النجوم کا یہ نسخہ $8 \times 10\frac{1}{2}$ انچ ناپ کے ۵۰۴ ورقوں پر مشتمل ہے ، فی صفحہ ۲۷ سطریں پائی جاتی ہیں ۔ خط بدنما نسخ اور کئی کاتبوں کا رہین منت ہے ۔ کتابتی غلطیاں حد شمار سے باہر ہیں ۔ بالخصوص فارسی عبارتوں میں تو مسخ کہنا بجا ہوگا ۔ روشنائی سیاہ ، عنوان شنگرفی ، کاغذ بھگ میلا اور بھدی بناوٹ کا اور جا بجا کرم خوردہ اور آب رسیدہ بھی ہے ۔ ابتدا کے اوراق ضائع ہوگئے ہیں ۔

جس نسخے سے اس کو نقل کیا گیا ہے ، وہ بھی تین کاتبوں کا نوشتہ تھا[3] ۔ بڑا حصہ ابوالمحامد حامد بن عاصم بن محمد بن عثمان بن اسحاق بن ابی طاہر الحجی النهار حلعی (؟) ملقب بحسام نے بخارا کے مدرسۂ تاج المدارس میں ذیقعدہ ۶۴۵ھ سے پہلے شروع کرکے جمادی الاولی ۶۴۶ھ میں ختم کیا تھا ۔

کتاب التواریخ والخطب والاحادیث کی کتابت ابوسعد مسعود بن محمود النهار حلعی (؟) ملقب بہ کمال نے بخارا میں چہار شنبہ وقت ظہر آخر شوال ۶۴۵ھ کو :

———

۱ - مطلع النجوم : ۲۴۴ ب ۔
۲ - ایضاً : ۳۵۸ ب ۔
۳ - مطلع النجوم : ۲۴۴ ب ؛ ۲۵۸ الف ؛ ۳۰۳ الف ؛ ۴۴۳ ب ؛ ۵۰۴ الف ۔

المجلس العالی الصدر الکبیر المجتبیٰ محی السنۃ قامع البدعۃ قاضی القضاۃ شیخ الاسلام و المسلمین ، بدرالحق والدین ، امام الائمہ ، مقتدی الامہ ، ابوالمعا . . . عاصم بن الصدر العالی الکبیرالشہید ، شیخ الاسلام حسام الملۃ والدین امام الائمہ فی العالمین ، محمد بن الصدر الکبیر ، مغیث الامۃ ، محی السنۃ ، صدرالحق والدین عثمان بن اسحاق بن ابی طاہر الحجی الںھار حلعی (؟) کے لیے کی تھی"[1] ۔

کتاب الصکوک کے آخر میں یہ تحریر ہے :

تم علی یدالعبد الضعیف عاصم بن محمد بن عثمان علی نیۃ تذکرۃ لولدہ ابی المحامد حامد بن عاصم وقت العصرفی الیوم . . . من شہر سنۃ خمس و اربعین و ستمائۃ"[2]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالمحامد کے والد عاصم بھی اس میں شریکِ کتابت تھے ۔

یہ بخاری نسخہ جو ہمارے مخطوطے کا منقول عنہ ہے ، اس نسخے سے نقل کیا گیا تھا ، جسے نجم نسفی کے صاحب زادے مجد نسفی نے اپنے والد کے املا پر سمرقند کے محلۂ سکۃ اللبادین کی مسجد میں محرم کی آخری تاریخ ۵۳۴ھ کو ختم کیا تھا[3] ۔ ابو المحامد کی جابجا کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے نقل کے ساتھ ساتھ اصل سے مقابلے کا بھی اہتمام کیا تھا[4]۔ اس لیے وہ نسخہ بڑی حد تک اصل کے مطابق اور صحیح ہوگا ، مگر افسوس کہ ہمارا نسخہ اتنا ہی غلط اور ناقابل اعتبار ہے ۔

کتاب کے مضامین :

مطلع النجوم میں نسفی نے کئی کتابیں پوری اور بعض کے خلاصے داخل کر لیے ہیں ۔ ان میں سے کچھ آج ناپید ہیں ، جس سے مطلع کی اہمیت اور بڑھ

---

۱ ۔ مطلع النجوم : ۳۰۳ الف ۔
۲ ۔ ایضاً : ۳۵۸ الف ۔
۳ ۔ ایضاً : ۲۲۶ الف ، ۲۴۴ ب ، ۳۰۳ الف ، ۳۵۸ ب ، ۴۴۳ ب ۵۰۴ الف ۔
۴ ۔ ایضاً : ۲۲۶ الف حاشیہ ؛ ۳۵۸ ب ؛ ۴۴۳ و ۵۰۴ الف ۔

جاتی ہے ۔ ذیل میں اُن کی فہرست ملاحظہ فرمائیے :

۱ ۔ المبسوط فی الفقہ ۔ یہ فقہ کی مشہور کتاب اور شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی متوفی ۴۸۳ھ کی تصنیف ہے ۔ ۱۳۳۱ھ میں ۳۰ جلدوں کے اندر مصر سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے ۔ نسفی نے اُس کے کل واقعات کتاب مشارع الشرائع (ورق ۲۰۰ ب ، ۲۲۶ الف) میں درج کردیے ہیں ۔

۲ ۔ کتاب مسائل الحسان للمذاکرۃ والامتحان ۔ یہ کتاب امام ابوعبداللہ محمد بن علی الدامغانی ، متوفی ۴۷۸ھ کی تصنیف ہے ، اور پوری کی پوری مطلع (ورق ۲۲۷ ب ، ۲۳۷ ب) میں داخل کر لی گئی ہے ۔ صاحب کشف الظنون نے اس کا ذکر نہیں کیا ۔ جواہر مضیئہ (جلد ۲ ، صفحہ ۹۶) میں دامغانی کا ذکر ہے اور اُن کی تعریف میں یہاں تک لکھا ہے کہ حشمت ، جاہ اور عقل میں ثانی ابو یوسف تھے ، مگر ان کی کسی تصنیف کا مذکور اس میں بھی نہیں ۔ اس لحاظ سے یہ کتاب نوادر روزگار میں سے ہے ۔

۳ ۔ نظم الفرائض ۔ یہ کتاب ابو منصور محمود بن علی المہلبی الکاتب کی تصنیف ہے اور اس شعر سے شروع ہوتی ہے :

الحمدللہ الذی ھدانا　　　دینہ القیم فاجتبانا

خاتمے میں مؤلف نے اپنا نام و نسب اس طرح بیان کیا ہے :

قائلھا محمود المہذب　　　ابن علی جدہ المھلب

کشف الظنون میں اس کتاب کا ذکر نہیں ، اور نہ فقہاے احناف کے تذکرے محمود المہلبی کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہیں ۔ نسفی نے اس کتاب کو ورق ۲۳۸ الف تا ۲۴۰ الف میں شامل کر لیا ہے ۔

اس رسالے کے آخر میں فرائض سے متعلق کچھ پہیلیاں ابوالنجا محمد بن المطہر[1] اور علی بن محمود التستری کی نظم کی ہوئی درج ہیں ، جو ورق ۲۴۴ ب پر ختم ہوتی ہیں ۔

---

۱ ۔ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ (صفحہ ۱۰۶ ، طبع مصر، ۱۳۰۶ھ) میں تاریخ بلخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ ادب ، نحو ، قرآن اور تعبیر کا عالم اور صاحب زہد اور کم گو ہے ۔ میں اس سے ۵۲۷ھ میں ملا ہوں ، بعید نہیں کہ نسفی کا محمد بن المطہر یہی شخص ہو ۔

۴ - الفصول الخمسون فی رسوم البلاغة و ابواب الکتابة - یہ کتاب ابو عبداللہ بن احمد البصری کی تالیف ہے جس میں مصنف نے مبتدیوں کے لیے مختلف اشخاص اور گوناگوں تقریبوں سے متعلق نمونے کے رقعات لکھ کر جمع کر دیے ہیں - کشف الظنون (جلد ۴ ، صفحہ ۴۳۹) میں 'فصول خمسین فی النحو' نام کے تحت میں کئی مصنفوں کا ذکر کیا ہے - ان میں ایک ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ہشام اللخمی المتوفی ۵۷۰ھ بھی ہیں - میرے خیال میں یہ ابو عبداللہ محمد وہی نسفی والے ابو عبداللہ البصری ہیں - چونکہ صاحب کشف نے اس کتاب کے آغاز کا ذکر نہیں کیا ، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اُن کی نظر سے یہ کتاب نہیں گزری ، اور اسی لیے انہیں اس کے مضمون کا بھی واقعی علم نہ ہوسکا ، ورنہ وہ اسے نحو کی کتاب کے ذیل میں نہ لکھتے -

نسفی نے اس پوری کتاب کو ورق ۳۶۶ الف تا ۳۷۳ الف میں شامل کر لیا ہے -

۵ - کتاب الملاحن - یہ کتاب ابوبکر محمد بن الحسن بن درید الازدی متوفی ۳۲۱ھ صاحبِ جمہرۃ اللغۃ کی تصنیف ہے - بروکلمان نے اس کے نسخوں کا ذکر کیا ہے[1] - نسفی نے اپنی کتاب کے ورق ۲۵۷ ب اور ۲۵۸ الف پر کچھ الفاظ و محاورات اس سے التقاط کر کے لکھے ہیں -

۶ - کتاب جابر العابر - یہ خوابوں کی تعبیر پر ایک کتاب ہے جسے نسفی نے بالتمام اپنی کتاب (ورق ۴۶۴ الف تا ۴۷۴ الف) میں داخل کر لیا ہے - تذکرہ نویسوں نے جابر بن حیان الطوسی کی تصنیفات میں اس قسم کے علوم کی بہت سی کتابوں کے نام لکھے ہیں - بعید نہیں کہ یہ بھی اُسی کی تصنیف ہو -

فارسی گو شعرا :

مطلع میں جا بجا فارسی شاعروں کے کلام سے استشہاد کیا گیا ہے - ان میں کچھ ایسے ہیں جن کا ذکر کسی تذکرے میں میری نظر سے نہیں گزرا - بعض مشہور شاعروں کے نئے شعر ملتے ہیں اور کچھ شعر گم نام پائے جاتے ہیں - خود مصنف کے بہت سے فارسی شعر بھی جگہ جگہ مندرج ہیں - فارسی کے

---

۱ - ضمیمۂ بروکلمان ؛ جلد ۱ ، صفحہ ۱۷۳ -

اہل ذوق کے لیے اُن کا مطالعہ دل چسپ ہوگا ، اس لیے آئندہ سطور میں اُنھیں درج کیا جاتا ہے -

(الف) اگلے شعر یا تو دواوین اور تذکروں میں درج نہ ہوسکے، یا بہ الفاظ مختلف درج ہوے ہیں - اس اعتبار سے یہ سب کچھ نہ کچھ اہمیت رکھتے ہیں -

دقیقی :

یہ ایران کا مشہور شاعر اور شاہ نامۂ فردوسی کے ایک حصے کا مصنف ہے - عوفی[1] نے اس کا تذکرہ کرتے ہوے حسب ذیل زمین کا قصیدہ درج کیا ہے ، لیکن خود یہ شعر اُس میں موجود نہیں :

به قد راست و لکن بزلفگانش کژ
به تن درست و لکن بچشمگان بیمار[2]

نسفی نے صنعت تاکید المدح بمایشبه الذم کی مثال میں اسے نقل کیا ہے -

عمارہ :

ابو منصور عمارہ بن محمد مروزی کا ذکر عوفی کے یہاں ملتا ہے[3] - نسفی نے اس کے حسب ذیل اشعار نقل کیے ہیں[4] -

بنفشه داد مرا آن بت بنفشه قبای
بنفشه بوی شد از بوی آن شہر بزاے(؟)
بنفشه بوی ربود از دو زلف کوته او
بوم ، چرا نبوم ، جاودان بنفشه ستای

لیکن یہ شعر نہ عوفی نے لکھے اور نہ کسی اور تذکرے میں نظر سے گزرے - نسفی نے پہلا شعر صنعت تکرار کلمہ اور دوسرا صنعت ؟قیق کی مثال میں پیش کیا ہے -

عنصری :

یہ بھی ایران کا شہرۂ آفاق شاعر اور دربار محمودی کا ملک الشعرا ہے -

---

۱ - لباب الالباب : جلد ۲ ، صفحہ ۱۱ -
۲ - مطلع : ۳۵ الف -
۳ - لباب الالباب : جلد ۲ ، صفحہ ۲۴ -
۴ - مطلع : ۱۴۱ الف ، ۲۴۴ ب -

دیوان عرصہ ہوا ایران میں چھپ چکا ہے۔ اُس کا یہ شعر تو دیوان میں موجود ہے[۱]:

نیستی دیوانہ ، بر آتش چرا غلطی ہمی نیستی پروانہ ، گرد شمع چون جولان کنی

نسفی نے صنعتِ تعجّب کی مثال میں یہ شعر لکھا ہے[۲]۔

لیکن یہ بیت نہ دیوان میں درج ہوئی ، نہ کسی تذکرہ نویس نے اسے نقل کیا :

سخن مر سری را کند تاجدار سری را کند ہم سخن تاجِ دار[۳]

نسفی لکھتا ہے کہ اس شعر میں ''صنعت متزلزل'' ہے ، یعنی حرکت یا نقطے کے بدل جانے سے معنی متضاد ہو جاتے ہیں ۔ چنانچہ ''تاجدار'' کی جیم کو ساکن پڑھو ، تو یہ شرف و عزت پر دال ہوگا اور مکسور پڑھو تو ہلاکت و تباہی مراد ہوگی ۔ عنصری نے بڑے لطف سے اس صنعت کو ایک شعر میں جمع کر دیا ہے :

زمینی ، نہ بی افتخار زمین زمانی ، نہ بی اختیار زمان

سپہری ، نہ بی رہنمای سپہر جہانی ، نہ بی کد خدای جہان

نسفی نے یہ شعر صنعت استدراک کی مثال میں درج کیے ہیں[۴] ۔

صنعت تفسیر الظاہر میں یہ دو شعر لکھے ہیں[۵] :

یا بہ بندد ، یا کشاید ، یا ستاند ، یا دہد

تا جہان باقی بود مر شاہ را این یادگار

آنچ بستاند ولایت ، و آنچ بدہد خواستہ

و آنچ بندد بال دشمن ، و آنچ بکشاید حصار

دیوان میں یہ شعر موجود ہیں ، مگر ایک تو آنچ کا املا بطور متاخرین آنچہ ہے ، دوسرے مصرع ثانی اس طرح لکھا ہے :

---

۱ ۔ دیوان عنصری : صفحہ ۱۳۳ ، حاشیہ ۔

۲ ۔ مطلع : ۱۳۳ الف ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شعر محبوب کی کنپٹی کی تعریف میں کہا گیا ہے ۔

۳ ۔ مطلع : ۳۳۰ ب ۔

۴ ۔ ایضاً : ۳۳۶ ب ۔

۵ ۔ ایضاً : ۳۳۳ ب ۔

"تا جہان باشد ہمی مر شاہ را این چاز کار"[1]

حسن البدیہہ کے تحت لکھا ہے کہ ایک مرتبہ علوی زینتی ، عسجدی ، فرخی اور عنصری اکھٹے بیٹھے تھے[2] ۔

زینتی نے کہا :	مہ با رخ تو بنور بیشی نکند
عسجدی نے کہا :	مل با لب تو برنگ بیشی نکند
فرخی نے کہا :	چون زلف تو تعبیہ بخاشی نکند
عنصری نے کہا :	خوی چہ کند کہ با تو خویشی نکند

قمری :

عوفی نے اس کا نام ابوالقاسم زیاد بن محمد القمری لکھا ہے اور جرجان کا باشندہ بتایا ہے[3] ۔ نسفی نے اس کا یہ شعر درج کیا ہے[4] ۔

ز نام تو نتوان آفرین گسست چنانک
گسست نتوانْ از نامَ دشمنت نفرین

آغجی :

اس کا نام عوفی نے الامیر ابوالحسن علی بن الیاس الآغاجی البخاری ، اور الثعالبی متوفیٰ ۴۲۹ھ نے صرف ابوالحسن الاغاجی لکھا ہے[5] ۔ یہ دقیقی کا معاصر اور شعرا کا ممدوح تھا ۔ خود فارسی کا بہت اچھا شاعر ہے ، اور تمام خراسان میں اس کا دیوان سائر و دائر تھا ۔ اکثر اپنے فارسی شعروں کا عربی میں ترجمہ بھی کر لیتا تھا ۔ نسفی نے صنعتِ تعیین الابتداء بالانتہا میں اس کا یہ

---

۱ ۔ دیوان عنصری : صفحہ ۹۴ ۔
۲ ۔ مطلع : ۴۴۲ ب ۔
۳ ۔ لباب : جلد ۲ ، صفحہ ۱۹ ۔
۴ ۔ مطلع : ۴۳۵ ب ۔
۵ ۔ لباب : جلد ۱ صفحہ ۱۳۱ ؛ یتیمۃ الدہر للثعالبی ، جلد ۴ ، صفحہ ۱۱۴ ؛ طبع طہران ۱۳۵۳ھ ۔ آغجی ، اصل میں آغاچی تھا ، جو دربان یا حاجب کا ہم معنی ہے ۔ یہ عہدہ سلاطینِ اسلام کے دربار میں بڑی اہمیت کا تھا اور ہمیشہ سلاطین کے معتمد امرا ہی اس عہدے پر فائز ہوتے تھے ۔

شعر لکھا ہے[۱] :

ترا فضیلت بر خویشتن توانم دید
اگر فضیلت نامردمی و بیخطراست

شطرنجی :

اس کا پورا نام جمال الحکماء دہقان علی الشطرنجی ہے - نسفی نے اسے اپنا معاصر اور ہم شہر لکھا ہے - عوفی نے لکھا ہے کہ اکثر مقطعات کہتا تھا[۲] - یہ دو شعر جنھیں نسفی نے صنعت جمع الاشیاء میں نقل کیا ہے[۳] ، عوفی کے یہاں نہیں ملتے :

شد خیری خاکسار و قمری آوار
باد است حدیث عندلیب و گلنار
آتش کن و کنک(؟) در کش، اے گل رخسار
و آبی چو رخ تدرو چن لالہ بیار

اس رباعی میں شطرنجی نے چار عنصر : خاک ، باد ، آتش ، آب؛ اور چار پرندے : قمری ، عندلیب ، کنک (؟) ، تدرو؛ اور چار پھول : خیری ، گلنار، گل ، لالہ کو جمع کیا ہے -

مسعود لاہوری :

اس کا پورا نام مسعود بن سعد بن سلمان ہے - لاہور کا باشندہ اور فارسی و ہندی کا مشہور شاعر ہے - عام تذکروں میں بھی اس کے حالات ملتے ہیں - دیوان بھی شائع ہوچکا ہے - نسفی نے اس کے حسب ذیل اشعار صنعت جمع میں لکھے ہیں[۴] :

بنمود پریر آتش از گل خنجر — دی نیلوپر فگند بر آب سپر
امروز زرہ برسمن، اے باد، بدر — اے خاک، زلالہ ساز فردا مغفر

اس رباعی میں چار دن : پریر ، دی ، امروز ، فردا ؛ اور چار عنصر :

---

۱ - مطلع : ۱۴۴ ب -
۲ - لباب : جلد ۲ ، صفحہ ۱۹۹ -
۳ - مطلع : ۱۴۴ الف -
۴ - ایضاً -

آتش ، آب ، باد ؛ خاک ، اور چار پھول : گل ، نیلوفر ، یاسمن ؛ لالہ اور چار ہتھیار : خنجر ، سپر ، زرہ ، مغفر (خود) کو جمع کر دیا ہے ۔

ذیل کی رباعی میں چار دن ، چار عنصر اور چار پھول نظم میں کھپائے ہیں[1] :

لالہ چو بریر آتش شور انگیخت　　دی نرگس آب شرمش از دیدہ بریخت
امروز بنفشہ عطر باخاک آمیخت　　فردا ز چمن باد سمن خواہد بیخت

یہ دونوں رباعیاں مسعود کے اس دیوان میں موجود نہیں ہیں جو ۱۲۹۶ع میں ایران سے شائع ہوا تھا ۔

(ب) ان شاعروں کا ذکر کسی تذکرے میں نظر سے نہیں گزرا :

اختری :

یہ نسفی کا ہم درس ہے ۔ اس کی حسب ذیل رباعیاں کتاب میں نقل کی گئی ہیں[2] :

زد در دل من پریر شہوت آتش　　دی آب رخم ریخت دل گردن کش
با باد سر امروز اگر باشم خوش　　تن را فردا ز خاک سازم مفرش

اس رباعی میں اختری نے چار دن ، چار عنصر اور چار عضو : دل ، گردن ، سر ، تن کو کھپایا ہے ۔ رباعی تحتی میں چار عنصر اور چار ہتھیاروں کا ذکر ہے :

شیب بد زرہ آتش شہوت بیرم　　بر سر مغفر نہاد آب بصرم
گرخاک امل ز کرگ سازد سپرم　　شمشیر اجل پست کند باد سرم

چار عنصر تو واضح ہیں ۔ چار ہتھیار ، زرہ ، مغفر ، سپر اور شمشیر ہیں ۔ اسی کی یہ چار قافیوں والی رباعی ہے :

جویم اثر بقا و زارم از جان　　گویم خبر بلا و بارم باران
بینم حرز جفا و دارم پنہان　　بندم کمر وفا و یارم نادان

آیندہ رباعی میں اس نے یہ کمال دکھایا ہے کہ پہلے مصرع میں وہ الفاظ چن کر لکھے ہیں ، جن میں جدا جدا لکھے جانے والے حرف ہیں ، دوسرے میں

---

۱ ۔ مطلع : ۳۳۳ الف ۔
۲ ۔ ایضاً ۔

باعتبار کتابت دوحرفی ، تیسرے میں سہ‌حرفی اور چوتھے میں چار حرفی ۔ ملاحظہ ہو :

دارم دو رخ زرد و دل و روح دژم　　بی تو من عاشق حریق ہر غم
پیوستہ کند غمت بسی پشت بخم　　ہمچن پشتم بعشق حسنت محکم

اگلی رباعی میں عناصر کا ذکر ہے جو بقول نسفی صنعتِ متناصر کی مثال ہے[1] :

اے ز آب رخت گشتہ چوخاک آب قمر　　وی باد لبم ز آتش دل دادہ خبر
در عشق تو زآب و خاک و باد و آذر　　دارم بسر و دست و دل ودیدہ اثر

برہانی :

اس کے متعلق خود نسفی نے بھی کچھ بیان نہیں کیا ۔ صرف چار دن ، چار عنصر ، چار پھول اور چار ہتھیاروں کے ذکر پر مشتمل یہ رباعی لکھی ہے :

بنمود پرپر آتش از گل پیکان　　نیلوہر ز آب دی برآمد چو سنان
امروز ز باد یاسمن شد چو کمان　　فردا پوشد ز خاک لالہ خفتان

جبلی :

نسفی نے اس کا نام زیر نظر مخطوطے میں عبدالرابیع[2] لکھ کر یہ رباعی درج کی ہے ، جس میں دو قافیے اور تین ردیفیں ہیں[3] :

من بے تو ز نالہ زار تا کے باشم؟　　با دیدۂ ژالہ بار تا کے باشم ؟
با غم ہمہ سالہ یار تا کے باشم ؟　　دل سوختہ لالہ وار تا کے باشم؟

---

۱ - مطلع : صفحہ ۳۴۴ ب ۔

۲ - چونکہ عبدالرابیع یا عبدالربیع کوئی نام نہیں ، اس لیے مجھے یقین ہے کہ کاتب نے عبدالواسع جبلی کے نام کو بگاڑا ہے ۔ مگر عوفی نے عبدالواسع کے ذکرمیں رباعی نہیں لکھی ، اور دیوان عبدالواسع کا جو نسخہ کتاب خانۂ رام پور میں موجود ہے ، وہ ناقص ہونے کے باعث رباعیات سے خالی ہے ، اس لیےاس رباعی کے مصنف کا تعین سردست نہ ہوسکا ۔ ممکن ہے آیندہ پتہ چل جائے ۔

۳ - مطلع : ۳۴۴ الف ۔

عبدالصمد :

ممکن ہے یہ ابوالقاسم عبدالصمد بن علی الطبری نیشاپوری ہو جس کا ذکر ثعالبی نے تتمة الیتیمہ (جلد ۱ ، صفحہ ۹) میں کیا ہے ۔ اس کے یہ دو شعر نسفی نے صنعت تلفیف کی مثال میں درج کیے ہیں[۱] :

اے تو مشغول بپرسش جفت جفت با تو نکرد آنچ بگفت
بگفت از بہرم و بہر ید تا (؟) تاہمہ کار بر تو بر آشفت

نظری :

نسفی نے اس شاعر کے عربی اور فارسی دونوں زبانوں کے اشعار تمثیلاً پیش کیے ہیں ، جن میں عربی کی تعداد زیادہ ہے ۔ فارسی کے صرف یہ دو شعر صنعت سیاقة الاعداد المختلفہ میں لکھے ہیں[۲] :

ہشت چیز سید سادات عالم بوالحسن
دوستان و دشمنان را ہشت چیز آورد بار
بزم و رزمش،دردوخار،وعفووخشمش آب‌ونار
امن وبیمش،تخت ودار،ومہر وکینش فخروعار

(ج) ان کے ماسوا بھی جابجا فارسی اشعار ملتے ہیں ۔ چونکہ خود نسفی نے اُن کے مصنف کا حوالہ نہیں دیا اور ذکر اس طرح کیا ہے جیسے کہ وہ شعر خود اُس کے نہیں ، دوسرے سخن گو کے ہیں ، اس لیے جب تک ان کے کہنے والے کا کسی دوسرے ذریعے سے پتا نہ چلے ، ہم بھی انہیں گمنام ہی رکھنے پر مجبور ہیں ۔ وہ شعر یہ ہیں :

توئی کہ جور و (جفایت) بتو گرفت شبیہ
چنانکہ عدل و سخاوت بتو گرفت براز[۳]

صنعت تقطع الحروف میں کسی شاعر کے یہ شعر نقل کیے ہیں[۴] :

---

۱ ۔ مطلع : ۳۳۲ ب ۔ اس نظم کا پہلا اور تیسرا مصرع میری سمجھ میں نہیں آیا ۔
۲ ۔ ایضاً : ۳۳۲ ب ۔
۳ ۔ ایضاً : ۳۳۵ الف ۔
۴ ۔ ایضاً : ۳۳۸ ب ۔

اے دل از دور (درد) او زاری داری از درد آن دو رخ زاری
روے زرد و دو رخ دو رود رو ان از روان دور وز دل آواری

صنعت سوال و جواب کی مثال میں کسی کے یہ شعر درج کیے ہیں[1]:

گفتم : نہ وفایہ از جفا ؟ گفتا : بہ گفتم : ار بہ ، وفا کنی؟ گفتا : نہ
گفتم : نکنی زخم خوری ؟ گفتا : دہ گفتم : نزم چرا رخم ؟ گفتا : زہ

صنعت الغاز (پہیلی) میں کسی شاعر کے یہ شعر تحریر کیے ہیں[2]:

آن طوطیک نگر کہ دہانش بہ سر براست
واندر دہان گرفتہ یکی گوشۂ رباو (؟)
ہر کہ بہ ارزو تو ُورا ُقبلۂ دہی
بی آرزوی خویش کنی زود بانگِ گاؤ

اس کا جواب "قفّاع (ایک قسم کی گھاس ، جو خشک ہونے پر سینگ کی شکل کی معلوم ہوتی ہے) لکھا ہے - میں نے اس گھاس کو نہیں دیکھا اس لیے پہیلی سمجھ نہ سکا -

صنعتِ تفریق کے ذیل میں ایک عجمی شاعر کے یہ شعر مندرج ہیں[3]:

ای خشم تو از نوش پدید آرد لیش
سخن زور تو از شیر فرود آرد شیر
از یک دونہ کند ہیچ کسی جز تو بہ تیغ
وز دو یک نکند ہیچ کسی جز تو بہ تیر

صنعتِ جمع و تفریق کی مثال میں کسی کے یہ شعر لکھے ہیں[4]:

من و تو ہر دو از گل زردیم چی (من) از رنگم ، و تو از بوئی
من ُورا بویم ، ار ترا جویم تو ُورا بین ، اگر مرا جوئی

---

۱ - مطلع : ۱۳۳ ب - دوسرا شعر سمجھ میں نہیں آیا -
۲ - ایضاً : ۱۳۱ ب -
۳ - ایضاً : ۱۳۳ ب -
۴ - ایضاً : ۱۳۳ ب -

نسفی نے ایک اور شعر درج کیا ہے ۔ میں اس کے حرفوں کی شکلیں اصل کے مطابق نقل کیے دیتا ہوں ، اہل علم خود تصحیح فرما لیں[1] ۔

دل کو بپسندی ، بلمب ، کے ، بروز   ۵۵گاہ ، بلی ، کجا برہ ، کے، امروز

(د) شعر گوئی کا چسکا علما کو عام طور پر رہا ہے ۔ ان میں کچھ ایسے ہیں جنھیں ہم عالم سے زیادہ شاعر یا شاعر ہی جانتے ہیں ، اور زیادہ وہ ہیں ، جنھیں شاعر بالکل نہیں جانتے ۔ اس کی وجوہ روشن ہیں ۔ نسفی اسی دوسرے گروہ کے عالم ہیں ۔ یہی سبب ہے کہ صاحبِ دیوان ہوتے ہوئے ، فارسی یا عربی گو شعرا کے تذکروں میں اُن کا ذکر نہیں کیا گیا ۔ عربی اشعار کے متعلق تو کچھ نہ کچھ معلومات ملتی بھی ہیں ، اور وہ بھی اُن کی ایک منظوم فقہی کتاب کے باعث جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے ، یا اُن دو چار شعروں کی وجہ سے جن کا 'اثار جنیہ' وغیرہ میں اعادہ کیا گیا ہے ، لیکن فارسی شاعری کا حوالہ کہیں نہیں ملتا ۔

خود نسفی کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ وہ بچپن سے شعر کہتے تھے[2] ۔ چنانچہ اپنا ایک عربی شعر لکھا بھی ہے ، جو لڑکپن میں کہا تھا ۔ اور جب پرائی زبان میں کم عمری سے کہتے تھے ، تو اپنی زبان فارسی میں بھی اسی زمانے سے کہنا شروع کیا ہوگا ۔

سمعانی نے لکھا ہے کہ نسفی فقہا اور حکما کے انداز و اسلوب میں کہتے اور بہت اچھا کہتے تھے[3] ۔ سمعانی نے عربی یا فارسی کی صراحت نہیں کی ، لیکن اُس کی مراد عربی بھی ہو ، تو بھی فارسی کے متعلق یہی قیاس قائم کیا جائے گا کہ اُس کا اسلوب بھی وہی حکیمانہ ہوگا ۔ اور چونکہ نسفی اہل زبان تھے ، ان کے فارسی شعر اپنی خوبی میں عربی سے کمتر نہیں ، بہتر ہی ہوں گے ۔

عربی کے اشعار 'اثار جنیہ' میں علی القاری نے نقل کیے ہیں ۔ تین شعر المنظومة فی الفقہ کے آغاز کے کفوی نے اعلام الاخیار میں لکھے ہیں ۔ بہت سے اور شعر خود نسفی نے مطلع النجوم میں جا بجا استشہاد و تمثیل میں پیش کیے ہیں ۔ یہاں

---

۱ ۔ مطلع : ۱۴۴ ب ۔

۲ ۔ ایضاً : ۳۲۵ الف ۔

۳ ۔ الجواہر ۔ والاعلام ۔

میں صرف فارسی شعر تحریر کرتا ہوں ، کیوں کہ ابھی تک فارسی گو شاعر کی حیثیت سے اُن کا تعارف نہیں ہوا ہے[۱] :

گذشت آن روزگار خوش کہ اندر وی ہمی دیدم
نگارم را و مــی چیــدم بــدائعہای بستانش
گہی از نرگس عینش ، گہی از عنبر زلفش
گہی از سیب رخسارش ، گہی از نار پستانش
دو چشم من ہمی دیدی حدائقہای رنگینش
دو کتف من ہمی چیدی شقائقہای نعانش
منور گشتہ حال مــن ز نــور تــور گلــزارش
بــراحت گشتہ روح مــن ز شــتم رج ریحانش
بہار مــن گــرفتہ بہرۂ خــویش از بہار او
بسامان گشتہ کار مــن ازان . . . . . سامانش
لب از لبہای چون شہدش ، براز برہاے چون خدش
خد از خند درخشانش ، دل از لفظ درافشانش
ہمہ ایام من شب گشت چون زلفین شب رنکش
ز بعد آن کہ رخشان بــود چــون رخسار رخشانش
یقہم شد کہ سہ چیز است کز سہ چیز در عالم
نمی خواہد جدا شد ہیچ ، بشنو شرح و تبیانش
رخ یــار مــن از وردش ، دل زار مــن از دردش
کف میر اجل قاضی القضاۃ از جــود و احسانش[۲]

---

۱ - یہ سب شعر مطلع النجوم سے نقل ہوئے ہیں جس کا پیش نظر نسخہ بہت غلط سلط لکھا ہوا ہے ، اس لیے جہاں کسی لفظ کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوسکی ، کوشش کی ہے کہ اصل کے مطابق نقل کر دیا جائے تاکہ اہل علم خود رائے قائم کر سکیں ۔

۲ - مطلع : ۳۴۰ الف و ب و ۳۴۱ ب ۔ یہ ایک قصیدے کے شعر ہیں جو پچھلے خوش گزرے ہوئے زمانے کی یاد میں نسفی نے کہا تھا اور تشبیہ الاضمار اور تشبیہ التسویہ کی مثال میں درج ہیں ۔

عمر شدیم بہ سہ چیز در جہان نوین
مر این سخن را تفسیر بشنو و تفصیل
بہ بی وفائی یار و بہ بی قراری (دل)
بہ (بی) نظیری این خواجۂ امام جلیل[1]

مملکت بی منتہی ایزد تعالی جدہ
بادشاہ شرق را دادست در فصل شباب
. . . ان شہ شہزادۂ لشکر شکن
ملک دار ملک ران کام جوی کامیاب
الپ قتلغ ارسلان بلکا ابوالفتح ابن خضر
شاہ عالی رای عالی رایت عالی جناب[2]

می گذرد روز و شب و ماہ و سال
با شنعی حال و تباہی مقال
بہرۂ ما جملہ بحاصل دو چیز
کم شدن عمر و فزونیِ وبال[3]

جمال خلق بعقل است و دین و علم و عمل
بدین چہار بود مرد را حصول امل
یکی بجاہ رساند ورا ، دگر بشرف
یکی بہ قدر رساند ورا ، دگر بمحل[4]

رتبہ و جاہ اہل ایمان را
در دو چیز است راحت و آرام

۱ - مطلع : ۳۳۱ ب - یہ بھی قصیدے کے شعر ہیں اور صنعتِ حسنِ مطلع کی مثال میں پیش کیے ہیں -
۲ - ایضاً : ۳۳۲ ب - بصنعتِ تنسیق الصفات -
۳ - ایضاً : ۳۳۳ ب -
۴ - ایضاً : ۳۳۳ ب - یہ ایک طویل قصیدے کے شعر ہیں -

در ملاقات اہل صدق و صفا

در مناجات خالق علام[1]

من و تو ، اے نگار بے ہمتاہ   ہمچو ماہیم در دو حال و دو گہ
تو چو در نیمہ ماہ ، ماہ تمام   من چو نیمہ مہم باول ماہ
تو بنور رخ و بصورت روی   من برخسار زرد و قد دوتاہ[2]

نوادی ہائم والدمع ہامی   و حزنی دائم والجد دامی
جدا گشتم ز دلبر تا جدا شد   دل من از نشاط و شادکامی[3]

دلا ، تاکی ز درد عشق زاری   چرا سرگشتۂ ہجران یاری[4]

کی دمد صبح سعادت ، کی شود فصل ربیع
کی رسد این خادم و بندہ بدان صدر رفیع
کی نہد جبہت بہ پیش قبلۂ اقبال و کی
قبلۂ خدمت دہند ہر خاک آن ربع مریع
پیش صدر دین و دنیا ، سیف حق ، شمس ہدیٰ
بوالمعین آن منہل مورود و آن کہف منیع
قلب ہر مجد رفیع و بحر ہر علم عزیز
گنج ہر نثر بلیغ و روض ہر نظم بدیع
آن کہ در علم و علو اسناد دارد متصل
از فریدان زمان آبا و اجدادش جمیع
بوالمعین از بوعبید ، از بوالمنیع ، از معتمد
معتمد از بو عدید ، از بوالمعین ، از بومطیع[5]

---

۱ - مطلع : ۳۳۴ ب -
۲ - ایضاً : ۳۳۴ الف - تحت صنعت جمع و تفریق -
۳ - ایضاً : ۳۳۴ ب - یہ ایک طویل قصیدے کے شعر ہیں ، بصنعت ملمع جو دیوان میں مذکور تھا -
۴ - ایضاً : ۳۳۹ الف - یہ ۳۳ بیت کا قصیدہ تھا اور دیوان میں داخل تھا -
۵ - ایضاً : ۳۳۱ ب - اس قصیدے کے ممدوح کا نام ابوالمعین میمون بن محمد بن معتمد النسفی المکحولی ہے - یہ التمہید لقواعد التوحید، تبصرۃ الادلۃ، المناہج (باقی حاشیہ صفحہ ۲۹۸ پر)

عہد تو مجاز آید و قول تو خلاف
بد عہدی ، و در جور و جفا بااسراف
ذل بردۂ و ہمی کنی استخفاف
اللہ ، کہ من از تو بیابم انصاف[1]

نسفی نے آیندہ رباعی کی ابیات میں تضمین کی ہے - پہلے رباعی جداگانہ ملاحظہ ہو :

زان روی چوماہ زود مہجور شدم — وز روی تو فرد ماندم و دور شدم
ہنگام وصال قہر کردم ہمہ را — آخر بفراق باز مقہور شدم

اب تضمین ملاحظہ ہو ، مگر اس کا پہلا مصرع غور طلب ہے :

چی قضا بودہ کہ (؟) ہاں زان روی چوماہ
زود مہجور شدم ، تا قد من گشت دوتاہ
بہ بریدم ز تو ای دلبر ، وز روی تو فرد
ماندم و دور شدم ، وز تو گسستم ناگاہ
دل حساد حزین کردم ، ہنگام وصال
قہر کردم ہمہ را ، تا شد شان عیش تباہ
ہمہ را کردم مقہور ، من آخر بفراق
باز مقہور شدم ، بہ شود انشاء اللہ[2]
ہر کہ از دوست بجز دوست خواہد دوست رہاند
وانک از دوست جدا ماند ، کرا داند خواند

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۷ سے آگے)

اور شرح الجامع الکبیر کے مصنف ہیں - ۵۰۸ھ میں اُن کی وفات ہوئی - نجم نسفی کی کتاب جو 'العقائد النسفیہ' کے نام سے مشہور ہے ، تبصرۃ الادلہ کی فہرست مضامین کا حکم رکھتی ہے - الجواہر : جلد ۲ ، صفحہ ۱۸۹ و حاشیہ صفحہ ۲٦۷ -

۱ - مطلع : ۳۳۰ الف - یہ صنعت توشیح کی مثال ہے اور اس کے ہر مصرع کے شروع کے حرف ملانے سے اِسم 'عبداللہ' نکلتا ہے -
۲ - ایضاً : ۳۳۰ الف -

بہت دوست بدست آمدن دوست بود
چون ترا دوست شد، از دوست بدست تو چی ماند[۱]

از بخت بود خیر و سعادت نہ ز حیلہ
آن را کہ سعادت نبود حال نباشد
بس مال گزیدہ کہ اُورا حیلہ نباشد
بس حیلہ کنندہ کہ اُورا مال نباشد[۲]

چی گوید عرب میوہ را از نخست   ازو ماخذ نام یار من است
ز آحاد و عشرات واز مأتین   دوم حرف نام نگار من است[۳]

اگر مقدار مختاران موسیٰ   بگیری با دو منقادش بترتیب (؟)
بدانی نام آن نام آور عصر   کہ قول و فعل و خلقش راست تہذیب[۴]

از حروف جمل تو از آحاد   آخر و اول و میانہ بگیر
از جمل چند از مئین بیار   کو ز نام وی است حرف اخیر[۵]

سلامت آیہ و آرام و یمن و لطف و امان
ز عکس نام دل آرام من ، دلیل و نشان
و گر زیادت ازین بایدت بیان ، بشنو
کزین نکو تر شرح است مروُرا و بیان
دو حرف اول و دو حرف آخر نامش
دو حرف اول و دو حرف آخر قرآن
میانہ حرف میان نگین آن سورہ
کہ او میانہ و نیمہ است از ہمہ فرقان

---

۱ - مطلع : ۱۴۳ الف - صنعت تکرار کلمۃ فی البیت ۔

۲ - ایضاً : ۱۴۳ ب - صنعت العکس - یہ خود نسفی ہی کے عربی اشعار کا فارسی ترجمہ ہے -

۳ - ایضاً : ۲۴۳ الف - صنعت الغاز ، اس سے اسم 'بکر' مستخرج ہوتا ہے -

۴ - ایضاً : اس سے 'علی' نکلتا ہے -

۵ - ایضاً : ۲۴۳ الف - بقول نسفی اس سے 'طاہر' مراد ہے - مگر میری دانست میں لفظ ''اطہر'' زیادہ مناسب ہے - اس طرح ابجدی ترتیب بھی باقی رہتی ہے -

به نیمه نام نخستین وفا طمع کردم
مرا به نیمهٔ آخر فکنند آن جانان
چوزی وی (؟) ایم وچون قلب نام اوحالم
دو حرف آخر آن حال را نداد زبان
و گر قدایم بر آخرش ما کتب حرف (؟)
شوند نعمت و غم جمله و کنند قران
یکی نصیب تن من بتود گه وصلت
دگر نصیب دل من بود گه هجران[1]

مرا بی تو نیابد انس و راحت — دل آراما ، دلم شد یا جراحت
ز خود ہرگز قراری می نیابم — دلم بردی ، بدان حسن وملاحت
جدا نبوم ز ہمّت ہیچ وقتی — ز درد تو ، نیابم استراحت
مکن شادان عدو را ، ماه رویا — ندانم من ، مکن با من وقاحت
ترا ہر سو گر آید رای و ہمت — نکو شانا ، بکن با ما سماحت
شدم عاشق ، دل و جان صید تو شد — بدنیا در ، نیابم ہیچ راحت
جفا کردی ، بمہرت بسته گشتم — به عشق تو، کنم بر خود نیاحت
مکن پویان کفو را مشک بویا (؟) — دوانم من ، بدین درگاه وساحت

یہ شعر مختلف وزن اور قوافی میں پڑھے جا سکتے ہیں جن کی تعداد خود مصنف کے بیان کے مطابق تیرہ ہے - اس صنعت کا نام نسفی نے ذات الوجوہ بتایا ہے[2] :

گر می نذہبی ، بگوی ہذا ناری — گر می بخوری ، بگوی مارا ، ماری[3]
یافتی امنی و امانی — یافتی امنی و آسانی[4]

(ہ) مندرجۂ تحت اشعار کے ساتھ نسفی نے کوئی مبہم سا حوالہ بھی نہیں

---

۱ - مطلع : ۲۴۳ الف - اس نظم کا جواب الیاس ہے -
۲ - ایضاً : ۲۴۳ ب -
۳ - ایضاً : ۲۴۳ ب - صنعت ترصیع کی مثال ہے -
۴ - ایضاً : ۲۴۳ ب - یہ صنعت متلون کی مثال ہے ، جس کا پہلا مصرع عربی اور دوسرا فارسی ہے ، مگر لفظ دونوں کے وہی ایک ہیں -

دیا ہے ، جس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ بھی ان کے اپنے نظم کیے ہوئے ہیں :

۱ - سلطان ہمہ عالم منصور مظفر
افلاک مطیع است مر او را و مسخر
بر عرش برد خطبۂ او نام بزرگش
بر چرخ نہد خاطب او پای بمنبر
آبی کہ بدان شاہ جہان دست بشوید
زان آب یکی قطرہ بہ از چشمۂ کوثر
خاکی کہ بر آن خاک زمانی بنہد پای
یک ذرہ ازان خاک بہ از چرخ مدور
روزی کہ سخن ہیع[۱] بود تیر اشارت
چن جای برد پیش صف آن خسرو صف در
چی حصب چی کوہ آید و چی دشت و چی دریا
چی باد و چی خاک آید واز چی آذر(؟)
از ہیبت او آب ہلاک آید و طوفان
وز حملۂ او باد سموم آید و صرصر
جاوید بقا باد ورا در شرف و عز
در ملک و بزرگی و دول بر سرش افسر[۲]

۲ - اے صدر ہمہ عالم و قطب ہمہ اقطار
اے کہف بنی آدم و غوث ہمہ احرار
اخلاق تو از لطف دہد مایہ بہر چار
رکن ہمہ را جانی بود ہمہ انوار (؟)
اے روز پر از شادی وای ماہ پر از نور
ای بحر پر از گوہر و ای ابر پر از بار

---

۱ - یہ لفظ صاف نہ پڑھے گئے -
۲ - مطلع : ۳۷۳ الف -

گویند ہمہ عالم را مایہ چہار است
. . . .
آب از تو برد پاکی و باد ازتوبرد بوی
خاک از تودہد نعمت و نور ازتوشود نار
عید ہمہ اعیاد آ و شاہ ہمہ اجناد
. . . .
زاد تو ہمین باشد ، تو نیز ہمین باش
در خشمت و در رفعت و اعدایے توبردار[۱]

۳ - . . . . پر از حیا و حیات
عقل را اصل و مردمی را ذات
ہرچہ اندز جہان ہمہ خوبی است
صف زدہ گردت ، اے ستودہ صفات
خدمتش کن ، ببین کہ خدمت اوست
منشاء فخر و منبع برکات
رب تعالی بقا دہاد ورا
تا جہان را بود بقا و ثبات[۲]

۴ - اے سخنہای تو اندر کف علم (است) نگین
اے ہنرہای تو بر جامۂ فرہنگ طراز
راست گوئی ز خدای آمد نزدیک فزون
کی بجہد این نتوان یافت بایام دراز[۳]

اس کتاب میں عربی گو شاعروں کے بھی بہت سے ایسے شعر ملیں گے ، جن کا حوالہ دوسری کتابوں میں نہیں ۔ اس طرح کچھ جدید اور گم نام عربی شاعروں تک بھی رسائی ممکن ہے ، مگر اس کام کو میں کسی دوسرے وقت

۱ - مطلع : ۳۷۴ ب ۔ نقطوں کی جگہ جو مصرع ہونا چاہیے تھا ، وہ اصل میں موجود نہیں ۔
۲ - ایضاً : ۳۷۶ الف ۔
۳ - ایضاً : ۳۷۸ ب ۔

کے لیے چھوڑتا ہوں ، والتوفیق بید اللہ ۔

نسفی کی فہرست مصنفات میں دو ایسی کتابوں کا ذکر آ چکا ہے جن کی نسبت دوسرے اشخاص کی طرف بھی کی گئی ہے ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس اختلاف پر بھی فیصلہ کن نظر ڈال لی جائے ۔

العقائد النسفیہ :

اس کے متعلق جمہور کی رائے یہ ہے کہ نجم نسفی کی تالیف ہے ۔ حاجی خلیفہ ، ڈاکٹر بروکلمان اور الیان سرکیس نے بلا اظہار اختلاف اُنہیں کی تالیف بتا کر اس کی شروح و حواشی کا ذکر کیا ہے[1] ۔

شروح میں سے علامہ تفتازانی متوفیٰ ۷۹۳ھ کی شرح اور خیالی و بحر آبادی وغیرہ کے حواشی میرے سامنے ہیں ۔ تفتازانی نے بھی دیباچے میں نجم نسفی ہی کا نام لیا ہے ، اور محشیوں نے اس کی تردید و تصحیح نہیں کی ۔

ولیم کیورٹن نے ۱۸۴۳ع میں لندن سے ابوالبرکات نسفی کی عمدۃ العقائد کے ساتھ اسے شائع کیا تھا ۔ اس کے دیباچے میں اُس نے لکھا ہے کہ عمدہ کا نسخہ جس کے ساتھ یہ رسالہ منضم ہے ، آٹھویں صدی ہجری کا نوشتہ ہے اور "قال نجم الدین ابوحفص عمر النسفی(؟)" سے شروع ہوتا ہے ۔

اس تصریح کے برخلاف زرقانی نے برہان الدین نسفی متوفیٰ ۶۸۷ھ کو اس کا مصنف بتایا ہے[2] ، اور مولانا عبدالحی مرحوم نے اس کو باور کر کے نجم نسفی کی طرف انتساب کو حاجی خلیفہ کا سہوِ قلم قرار دیا ہے[3]۔

زرقانی نے نجم سے ۵۸۵ اور برہان سے ۴۳۵ برس بعد ۱۱۲۲ھ میں انتقال کیا ہے ، اس لیے بغیر کسی سابقہ شہادت کے اُن کا قول تسلیم نہیں کیا جا سکتا ، جو سوء اتفاق سے نہ اُنھوں نے پیش کی اور نہ مجھے دستیاب ہو سکی ۔ مولانا عبدالحی نے برہان کے ذکر میں زرقانی کے ساتھ 'وغیرہ' بھی لکھا ہے[4] ، مگر

---

۱ ۔ کشف الظنون : جلد ۴ صفحہ ۲۱۹ ؛ تاریخ آداب عربیہ : ضمیمہ ۱ ، صفحہ ۷۵۸ ؛ معجم المطبوعات : صفحہ ۱۸۵۴ ۔

۲ ۔ شرح المواہب اللدنیہ : جلد ۵ ، صفحہ ۴۱۷ ۔

۳ ۔ الفوائدالبہیہ : صفحہ ۸۰ ، ۱۰۳ ۔

۴ ۔ ایضاً : صفحہ ۸۰ ۔

اس ''وغیرہ'' کی تعیین و تشخیص بھی میرے بس سے باہر ہے۔

اس صورت میں مولانا عبدالحی کی طرف سے حاجی خلیفہ پر الزام اور زرقانی کی شہادت پر اس متفقہ فیصلے کی تردید دونوں مناسب نہیں، بلکہ العقائد کو نجم نسفی ہی کی تصنیف شمار کیا جائے گا، تا آنکہ خدا کوئی اور شہادت پیدا فرمادے۔

طلبة الطلبه :

اس کتاب کو صاحب الجواہر نے نسفی کے ذکر میں اُن کی تصنیف[1] اور ابوالیسر بزدوی کے حال میں رکن الائمہ عبدالکریم کی تالیف بتایا ہے[2]، لیکن خود رکن الائمہ کے تذکرے میں اس کا حوالہ نہیں دیا[3]۔

کفوی نے نسفی کے ترجمۂ احوال میں اس کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ ''قیل انه تالیف عبدالکریم'' الخ[4]

جس کا یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی نظر میں یہ قول ضعیف ہے، مگر ابوالیسر کے حال میں عبدالکریم ہی کو مصنف 'طلبۃ الطلبہ' لکھ گئے ہیں[5]۔

طاش کبری زادہ اور حاجی خلیفہ بھی اس کو نسفی کی تالیف شمار کرتے ہیں[6]۔ حاجی خلیفہ نے البتہ یہ بھی لکھا ہے کہ صاحب الجواہر نے اسے رکن الائمہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

ملا علی القاری نے ابوالیسر کے ذیل میں عبدالکریم کو اس کا مصنف ٹھہرایا ہے اور نسفی کے حال میں اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا[7]۔

ان شہادتوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علی القاری کے سوا اور مورخین کے نزدیک 'طلبۃ الطلبہ' کا رکن الائمہ کی طرف انتساب مشتبہ یا

۱۔ الجواہرالمضیئه : جلد ۱ صفحہ ۳۹۵۔
۲۔ ایضاً : جلد ۲ صفحہ ۲۷۰۔
۳۔ ایضاً : جلد ۱، صفحہ ۳۲۶۔
۴۔ اعلام الاخیار : جلد ۱، ۱۸۱ ب۔
۵۔ ایضاً : ۱۶۳ ب۔
۶۔ مفتاح السعادہ : جلد ۱ صفحہ ۱۰۸ ؛ کشف الظنون : جلد ۲ صفحہ ۱۶۵۔
۷۔ الاثمار الجنیه : ۱۹۵ الف۔

مرجوح ہے ۔

میرے سامنے 'طلبہ' کا مطبوعہ نسخہ موجود ہے ۔ اس کی اندرونی شہادتیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ رکن الائمہ سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ، بلکہ نسفی ہی اس کے مؤلف ہیں ۔

(۱) پہلی شہادت دیباچے کی ہے جس کے الفاظ ''قال نجم الدین ابو حفص عمر النسفی'' صراحت کرتے ہیں کہ نسفی سے اس کی روایت کی گئی ہے ۔

(۲) دوسری شہادت متن کے اُن الفاظ کی ہے جن میں ایک جگہ ''قال نجم الدین'' ، دوسری جگہ ''قال الشیخ الامام نجم الدین رحمہ اللہ'' اور تیسری جگہ ''قال الشیخ الامام نجم الائمہ رحمۃ اللہ علیہ یروی لنا ھذہ الروایات و المحفوظ المسند لنا ھذا'' نظرآتا ہے[۱]۔ یہ انداز کلام بھی اس کا کھلا ثبوت ہے کہ طلبہ کے مصنف نجم النسفی ہیں ۔

(۳) تیسری شہادت یہ ہے کہ مصنف نے کتاب میں اسمٰعیل بن محمد النوحی کو اپنا شیخ ظاہر کیا ہے[۲] ۔ یہ بزرگ بالاتفاق نسفی کے استاد ہیں ۔ رکن الائمہ کے حال میں کسی نے ان کا نام نہیں لیا ، اور نہ اُن کے ترجمے میں رکن کو شاگرد بتایا ہے ۔

(۴) چوتھی شہادت جو ہر طرح کے شک اور شبہ سے بالاتر ہے ، یہ ہے کہ مصنف نے لفظ صلاۃ کے معانی کی تشریح کے بعد لکھا ہے کہ ''للصلواۃ معان آخر ذکرناھا فی اول کتاب خصائل المسائل[۳]''

'الخصائل' بالاتفاق نسفی کی تصنیف ہے ۔ چنانچہ بحث تصنیفات میں 'الخصائل' کے تحت جو حوالے گزر چکے ہیں ، اُن کے علاوہ مجد الاستروشنی نے کتاب الفصول میں[۴] اور کفوی نے استروشنی کے حوالے سے اپنی کتاب کے متعدد مقامات پر

---

۱ ۔ طلبۃ الطلبہ : جلد ۲ صفحہ ۱۹ ، ۵۴ ، ۷۳ ، طبع استانبول ۱۳۱۱ھ ۔
۲ ۔ ایضاً : صفحہ ۲۳ ، ۹۶ ۔
۳ ۔ ایضاً : صفحہ ۴
۴ ۔ کتاب الفصول : ۲۵۵ ب ۔

اس کا ذکر کر کے نسفی کی طرف نسبت دی ہے[1] ۔ اس صورت میں 'الخصائل' اور 'طلبہ' دونوں نسفی کی تصنیف مانی جائیں گی اور عبدالکریم کی طرف 'طلبہ' کی نسبت غلط فہمی پر مبنی ہوگی ۔

میری رائے میں اس غلط فہمی کی ابتداء 'الجواہر' کے کسی نسخے کے کاتب کی غلطی سے ہوئی ہے ، اس لیے کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے کہ 'الجواہر' میں نسفی کے تذکرے میں طلبہ کو اُن کی تصنیف تسلیم کر کے رکن الائمہ کے حال میں اس کتاب کا ذکر نہیں کیا گیا ہے ۔ البتہ ابوالیسر کے حالات میں ممتاز شاگردوں کی فہرست پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

''تفقہ علیہ رکن الائمہ عبدالکریم بن محمد مصنف طلبۃ الطلبہ[2] ۔''

نسفی بھی ان کے شاگرد[3] اور اپنی جلالت علم و فضل کی بنا پر رکن الائمہ سے زیادہ ممتاز حیثیت کے مالک ہیں ۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ 'الجواہر' میں ان کا نام نہیں لیا گیا ۔ یہ حذف کسی طرح مصنف 'الجواہر' کی کوتاہی پر محمول نہیں کیاجا سکتا ، جو بے حد با خبر مورخ ہے ، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذکورۂ بالا عبارت میں لفظ 'محمد' اور الفاظ 'مصنف طلبۃ الطلبہ' کے درمیان ایک فقرہ ''وابو حفص عمرالنسفی'' بھی تھا جسے کاتب نے نظر انداز کر دیا ۔ آیندہ اسی نسخے کی نقلیں اتفاق سے پھیل گئیں جس سے کفوی اور حاجی خلیفہ دو رائے اور علی القاری یک رائے ہو کر رکن الائمہ کی طرف اسے منسوب کر گئے ۔

بعید نہیں کہ اس کتاب کے حوالے فقہ کی دوسری کتابوں میں مل جائیں یا 'الجواہر' کا کوئی ایسا نسخہ دستیاب ہو جائے جس میں نسفی کا نام محذوف نہ ہو ۔ کتاب خانۂ ریاست رام پور میں 'الجواہر' کا ایک قلمی نسخہ محفوظ ہے ، مگر سوء اتفاق سے اُس میں ''باب الکنی'' نہیں ہے ، ورنہ ابوالیسر کے ضمن میں دیکھ کر حقیقت حال عرض کرتا ۔

---

۱ ۔ اعلام الاخیار : ۱۸۱ ب و ۱۸۲ الف ۔
۲ ۔ الجواہر : صفحہ ۱۲ ، ۲۷ ۔
۳ ۔ طلبۃ الطلبہ : صفحہ ۱۲۵ ، ۱۳۳ ۔

طلبہ میں فارسی لفظ :

یہ کتاب فقہی اصطلاحات کا لغت ہے ۔ نسفی نے اس میں جگہ جگہ سہولت تفہیم کے خیال سے عربی الفاظ کے فارسی مترادفات بھی پیش کر دیے ہیں ۔ ان میں کاتبوں کے ہاتھوں بہت سے بگڑ گئے ہیں ۔ کچھ ایسے ہیں جو فارسی لغت کی متداول کتابوں میں نظر نہیں آتے ۔ دل چاہتا ہے کہ ان سب کو اصل کتاب کے صفحوں کے حوالے کے ساتھ حروف تہجی کی ترتیب سے ذیل میں لکھ دیا جائے ، اور غیر مانوس الفاظ کی مزید تشریح و توضیح کے لیے عربی و فارسی کے دوسرے لغات کا حوالہ قوسین میں دے دیا جائے تا کہ قارئین کو مراجعت میں سہولت پیدا ہو جائے ۔

۱ ۔ آب کامہ : المری ، صفحہ ۱۶۱ (فرہنگ رشیدی : ۲۸ ، طبع کلکتہ)۔
۲ ۔ آژخ : الثؤلول ، صفحہ ۱۱۱ (ایضاً : ۵۱)۔
۳ ۔ آوارہ شدن : الجلاء بفتح الجیم، صفحہ ۱۵۱ ۔
۴ ۔ آخشمہ : المزر ، بکسرالمیم ، نبیذالذرة ، صفحہ ۱۵۹ (ایضاً : ۳۵) ۔
۵ ۔ آرزہ : الصاروج ، صفحہ ۱۲۸ (ایضاً : ۵۴)۔
۶ ۔ اندر جہانید ، اندرجست : اقحم فرسہ فی النہر ، فاقتحم، صفحہ ۹۵ ۔
۷ ۔ اندودن : طلی الحائط ، صفحہ ۱۲۸ ۔
۸ ۔ باب زن : سفود ۔ ھو بفتح السین و تشدید الفاء، صفحہ ۱۷ (ایضاً : ۹۱)۔
۹ ۔ بادبان کشتی : طلل السفینة ، صفحہ ۱۲ ۔
۱۰ ۔ بازو بند : الدملوج وھوالمعضد ، صفحہ ۸۹ ۔
۱۱ ۔ بباد کردن : التذریة ، صفحہ ۱۵۳ ۔
۱۲ ۔ بدوید یک یک : عدوا شوطاً ، صفحہ ۲۹ ۔
۱۳ ۔ برغند : قرظ ، ھوالذی یدبغ بہ ، صفحہ ۹۸ (اس کی تحقیق نہ ہو سکی)۔
۱۴ ۔ بر کندن : النقر ، صفحہ ۱۶۰ ۔
۱۵ ۔ برما نداب: العلوص و العلوز و ھو اللوی بفتح اللام ، مصدرلوی جوفہ من حد علم ، صفحہ ۳۶ (اس کی تحقیق نہ ہو سکی ۔ علوص کے معنی تخمہ یا درد شکم ہیں) ۔
۱۶ - بست : کوة بفتح الکاف و ھی مفتح یدخلہ الماء ، صفحہ ۱۵۷ (لغت فرس: ۳۶ طبع ایران) ۔

۱۷ - بگنی: الجعة، نبیذالحنطة و الشعیر، صفحه ۱۵۹ (فرہنگ رشیدی: ۱۶۲)
۱۸ - بیا کند ، کبسها بتراب او نحوه ای طمها ، صفحه ۱۶۸ -
۱۹ - بیل زدن ، جذف السفینة ، دفعها بالمجذاف ، صفحه ۱۳۸ -
۲۰ - پاخیره[1]: الزهص ، صفحه ۱۲۹ (ایضاً : ۱۱۰)-
۲۱ - پاکیزه : النقی - پاکیزه کردن : التنقیة ، صفحه ۱۵۲ -
۲۲ - پایگاه : الفرات ، موضع شروع فی الماء ، صفحه ۱۵۷ (ایضاً : ۱۱۷) -
۲۳ - پخته (شراب) البختج[2] ای المطبوخ ، و هو معرب ، صفحه ۷۰، ۱۵۸ -
۲۴ - پرگند[3] ، الذزیرة ، مایذر علی المیت ای ینشر ، صفحه ۱۹ -
۲۵ - پشتواره : کارة ، هی حمل القصار ، صفحه ۷۹ (ایضاً : ۱۵۶) -
۲۶ - پلاس : مسح ، صفحه ۱۳۹ -
۲۷ - پلنگ : النمر ، صفحه ۱۳ -
۲۸ - پنیر : الجبن ، صفحه ۶۹ -
۲۹ - پنیر مایه : الانفحة ، صفحه ۱۶۱ -
۳۰ - پوست باز کردن ، (الحرص) الحارصة التی تحرص الجلد ای تخدشه ، صفحه ۱۶۵ -
۳۱ - پوستین : البستقة و هی فرد طویل الکمین و هی معربة، صفحه ۵۱، ۱۱۰-
۳۲ - پویه رفتن : خب الفرس خبا ، اذا راوح بین یدیه ای مال علی هذه مرة و علی هذه مرة ، صفحه ۱۳ -
۳۳ - پی شناس : القائف الذی یعرف الآثار و الشبه ، صفحه ۱۳۳ -
۳۴ - تخم : البذر - و البزر ، بالزای للبقل ، صفحه ۱۵۳ -
۳۵ - تتری : السُّماق - صفحه ۷۰ (فرہنگ رشیدی : ۱۹۹) -
۳۶ - تواره: الخُصّ ، الحائط المتخذمن القصب ، صفحه ۱۳۳ (ایضاً :۲۱۹)-
۳۷ - توبره : المخلاة ، و هی التی یجعل فیها الخلا بالقصر ، و هوالحشیش

---

۱ - اصل : پاخین -
۲ - اصل : البختجاء ، مگر صفحه ۱۵۸ میں البختج ہی ہے جو درست شکل ہے -
۳ - اصل : پرکنه ، یہ لفظ پراگندن اور پرگندن سے تعلق رکھتا ہے - ملاحظہ ہو فرہنگ رشیدی - مراد نچھاور یا صدقہ ہے -

صفحه ۱۱۲ -

۳۸ - چرموک : الجرموق ، و هو معرب ، صفحه ۹ -

۳۹ - چغد : الهامة ، صفحه ۳۷ -

۴۰ - چنگال : المخلب ، صفحه ۱۰۱ -

۴۱ - خام : النیء من ماء العنب ، صفحه ۱۵۷ (فرهنگ رشیدی : ۲۶۸) -

۴۲ - خره نهادن : التشریج ، صفحه ۱۲۹ (ایضاً : ۲۷۹) -

۴۳ - خشار : القلی ، صفحه ۱۶۳ (ایضاً : ۲۸۳) -

۴۴ - خم گاه : عطف مدور ، صفحه ۱۲۰ (ایضاً : ۲۸۹) -

۴۵ - خنبروه : توقة ، صفحه ۱۱۷ (ایضاً : ۲۹۰) -

۴۶ - خسنگ : الشهبة ، سوادایخلطه بیاض ، صفحه ۱۳۸ -

۴۷ - خوره : آکله ، صفحه ۱۶۶ (ایضاً : ۲۹۵) -

۴۸ - خوشهٔ خرما : الکباسته ، القنو ، صفحه ۷۷ -

۴۹ - دبیرستان : المکتب ، صفحه ۱۲۸ -

۵۰ - درخش : الاشغیا ، صفحه ۱۳۲ (ایضاً : ۳۱۱) -

۵۱ - درگاه : الفنا بکسر الفا - هو الجناب ، وهوماحول الدار ، صفحه ۱۳۷ -

۵۲ - دست موزه : القفازین ، صفحه ۹ -

۵۳ - روزن : الکوة ، صفحه ۱۳۶ -

۵۴ - روسپی : روسبیج ، و هی إسم للزانیة ، صفحه ۶۳ -

۵۵ - روشن : علی وزن کوثر ، هو مایخرج من الجدار من الجذوع یوسع
به المنزل العلو او یجعل ممراً یمر علیه و اصله فارسی ، صفحه ۱۲۳ -

۵۶ - زدن : النقر ، صفحه ۱۶۰ -

۵۷ - زدودن : الجلاء ، صفحه ۱۵۱ -

۵۸ - زهاب[1] : النزّ ، وهو النجل والنز مایتحلب من الارض من الماء ، صفحه
۱۲۳ و ۱۵۶ (لغت فرس : ۲۳ و فرهنگ رشیدی : ۳۷۵) -

۵۹ - زیرک : الکیّس ، صفحه ۱۳۲ -

---

۱ - اصل : رهاب - لغت فرس : زه آب - رشیدی : زهاب

۶۰ - زله[1]: الصرار ، دویبة تصر بالنهار فی الصیف ، صفحه ۷ (لغت فرس: ۴۹۴
فرہنگ رشیدی : ۴۶۹) -

۶۱ - سبزک[2]: ورس و هو صبغ احمر و قیل اصفر، و قیل نبت ، صفحه ۵۶-

۶۲ - سبوی : جرة ، صفحه ۱۱۷ -

۶۳ - سبوی شکنک : الاخطب و هو دویبة صغیرة (المغرب: ۱ ، ۱۶۱)

۶۴ - سست بافته : السخیف ، صفحه ۱۲۷ -

۶۵ - سنگستان : الحره ، صفحه ۱۵۶ -

۶۶ - سوذن[3] : البرد ، السحق ، صفحه ۱۶۷ -

۶۷ - سوہان : المبرد ، صفحه ۱۶۷ -

۶۸ - سه تاه: الستوق - فارسی معرب ، و هو علی صورة الدراهم، صفحه ۱۰۹-

۶۹ - سیاه گوش : عناق الارض ، هو شیئی من دواب الارض مثل الفهد ،
صفحه ۱۰۳ -

۷۰ - سیراب شدن : النقع ، صفحه ۱۶۱ -

۷۱ - شبخون : البیات ، صفحه ۸۸ -

۷۲ - شتر مرغ[4] : النعام ، صفحه ۷۰ -

۷۳ - شد کار کردن[5]: الکراب ، و هو قلب الارض ، صفحه ۱۵۴ (فرہنگ
رشیدی : ۲ ، ۵۲) -

۷۴ - طیلک : الجونة - وهی من اوعیة ادوات النساء ، صفحه ۱۵۱ -

۷۵ - غوره : البسر ، صفحه ۷۰ و ۱۵۴ -

۷۶ - فرغار شدن : النقع ، صفحه ۱۶۱ -

---

۱ - اصل ژله ، مگر ز اور ژ کا بدل ہوتا ہے ، اس لیے بعید نہیں کہ ماوراء النہری تلفظ ژله ہی ہو -

۲ - مؤلف نے سبزک کو ورس کا مترادف بالاحتمال لکھا ہے -

۳ - اصل سوذان - یہ واضح رہے کہ دال پر نقطہ قدیم رسم الخط کے مطابق ہے ورنہ آج کل سودن بولتے اور لکھتے ہیں -

۴ - اصل اشتر مرغ - میں نے غلطی سے ردیف شین میں لکھ دیا ہے -

۵ - اصل : شذکار -

۷۷ - فرغار کردن : الانقاع ، درآب فرغاز کردن : المرس ، صفحہ ۱۶۱ ؟ -
۷۸ - فروده[1] : مقلیہ ، صفحہ ۷۰ (فرہنگ رشیدی : ۲، ۱۰۱)
۷۹ - فنج[2] : الادرة ، صفحہ ۱۱۱ (ایضاً : ۲ ، ۱۰۸)
۸۰ - قلشعی : نوع من الرصاص و الاسرف ، اصلہ فارسی ، صفحہ ۱۱۸ -
۸۱ - کاسۂ سر : جمجمۃ ، صفحہ ۲۰ -
۸۲ - کیچلزک[3] : الدعموص و الربثیۃ ، صفحہ ۶۹ (الصراح ، و فرہنگ رشیدی : ۲، ۱۵۸)
۸۳ - کرباس پختہ : الثوب السفیق ، صفحہ ۱۲۷ -
۸۴ - کمرا : ازج ، صفحہ ۱۲۳ -
۸۵ - کمند : الوهق ، صفحہ ۱۲۸ -
۸۶ - کنند : المغرق ، صفحہ ۱۲۹ (فرہنگ رشیدی : ۲ ، ۱۷۹)
۸۷ - کواره : القرطالۃ التی یجعل فیہاالدهن ، صفحہ ۱۲۵ -
۸۸ - کوز آبری[4] : ابریق ، صفحہ ۱۴۷ -
۸۹ - کوز پشت : احدب ، صفحہ ۱۶۴ -
۹۰ - کوزینہ : مدقۃ القصار ، صفحہ ۱۲۸ -
۹۱ - کوست زدن[5] : الصدم ، صفحہ ۱۶۸ (ایضاً : ۲ ، ۱۸۷)
۹۲ - کوفتن : الدیاسہ ، صفحہ ۱۵۳ -
۹۳ - کوم: الاذخر، صفحہ ۳۵ (لغت فرس:۳۴۵ ، فرہنگ رشیدی: ۲ ، ۱۸۹)
۹۴ - گاز : المقراض ، صفحہ ۱۱۹ (لغت فرس : ۱۸۵)
۹۵ - گروهہ : الجروهق ، معرب ، صفحہ ۸۴ (فرہنگ رشیدی : ۲ ، ۱۴۵)
۹۶ - گزن[6] : الطرفاء ، صفحہ ۱۹ (الصراح ، فرہنگ رشیدی : ۲ ، ۱۳۹)

---

۱ - اصل : فزوده -
۲ - اصل : قنج -
۳ - اصل : کیجلیزک ، صراح و رشیدی میں کفچکیزک ہے -
۴ - اشٹائن گاس نے "کوز آوره" لکھا ہے -
۵ - اصل : کوشت -
۶ - اصل : کژ -

۹۷ - گزاف : الجزاف ، صفحہ ۱۱۰ -
۹۸ - گلخن : الاتون علی وزن الفعول[1]، صفحہ ۱۲۹ -
۹۹ - گوزینہ : جوزینج[2]، صفحہ ۷ -
۱۰۰ - گیسوها : القرون ، الضفائر ، صفحہ ۶۵ ر -
۱۰۱ - مارماهی : جِرّیثة ، وهی نوع من السمک ، صفحہ ۱۰۲ -
۱۰۲ - مالیدن : المرس ، صفحہ ۱۶۱ -
۱۰۳ - مانیذ[3]: موانیذ جمع، موانیذالجزیۃ ، بقایاہ، صفحہ ۵۷(لغت فرس: ۱۱۴)
۱۰۴ - مرغابی : الاوز بکسرالہمزۃ ، والوزلغۃ ردیۃ فیہ ، صفحہ ۷۰ -
۱۰۵ - مژه : هدب ، صفحہ ۱۶۵ -
۱۰۶ - مغل‌گاه : العطن ، صفحہ ۱۵۵ ، (لغت فرس : ۵۱۱) -
۱۰۷ - موی بند : العقاص ، صفحہ ۸۹ -
۱۰۸ - مهیابہ : الصیر، الصحناۃ ، صفحہ ۶۹ (المغرب : ۲۹۸۱ ، الصراح : ۱۳۵ ، فرہنگ رشیدی : ۲ ، ۲۳۸) -
۱۰۹ - ناخنہ : الظفرۃ ، صفحہ ۱۱۲ -
۱۱۰ - ناگوارد: التخمتہ من الوخامۃ ، صفحہ ۱۵۸ (لغت فرس ، تحت ناگوار - فرہنگ رشیدی : ۲ ، ۲۵۵)
۱۱۱ - نبهره : البہرج بدون النون و قد یستعمل مع النون فیقال النبہرج ، صفحہ ۱۰۹ (ایضاً ۲، ۲۵۹)
۱۱۲ - نشتر : الناب ، صفحہ ۱۰۱ -
۱۱۳ - نهالین : نمط ، صفحہ ۱۳۹ -
۱۱۴ - نیستان : الاجمۃ ، صفحہ ۱۲۰ -
۱۱۵ - نیلوفر : العبہر ، صفحہ ۱۵۳ -
۱۱۶ - ورغ بستن : السکر ، صفحہ ۱۵۶ (لغت فرس : ۲۳۳) -
۱۱۷ - ورغ ربودن : انبثاق السکروانشقاقہ ، صفحہ ۱۵۶ -

---

۱ - صراح ۳۵۰ میں بہ تشدید تا لکھ‌کر بہ تخفیف کو عوام کی بولی بتایا ہے -
۲ - اصل : جوزینجا -
۳ - یہ مانید ہے -

۱۱۸ - وروک[1]: التصرّار ، دویبة تصر باللیل ای تصوّت ، صفحہ ۷ -

اور کتابیں :

دوران مطالعہ میں نسفی کی حسب ذیل تین کتابوں کا اور پتا چلا :

۱ - الاربعون :

یہ ۴۰ حدیثوں پر مشتمل ایک کتاب ہے ؛ اعمال ، عقائد اور اخلاق حسنہ میں سے کسی ایک اہم مسئلے پر ایک حدیث 'فصل' کے عنوان کے تحت لکھ کر فارسی میں اُس کی تشریح کی ہے ، سلسلۂ اسناد حسب ذیل ہے :

''قال الشیخ الامام الزاهد الحاج نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد بن احمد النسفی رحمه‌الله تعالیٰ ، قال السید الامام ابو طاهر المهدی بن اسحٰق بن موسی بن اسحق ابن موسی بن ابراهیم بن موسی بن جعفر بن محمد بن علی ابن ابی طالب رضی الله تعالی عنه املاءً ببخارا ، قال الشیخ الحاکم ابوبکر احمد بن الاسماعیل قراءةً علیه ، قال الشیخ الامام الزاهد اسمعیل بن حسین بن علی املاء قال ح الشیخ ابوبکر محمد بن عیینه بن داؤد الرازی قال ح ابویعلی الموصلی قال عمرو بن الحصین قال ح محمد بن عبدالله بن علاثة قالح خصیف عن مجاهد عن ابی هریرة رضی‌الله‌عنه ، قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من حفظ من امتی اربعین حدیثا فیماینفعهم من امر دینهم بعث یوم‌القیمة من العلماء -''

کاتب نے آخر میں یہ لکھا ہے کہ میں نے آیندہ احادیث کی سندیں طوالت و تکرار کے خیال سے حذف کر دی ہیں - کتاب کی زبان چھٹی صدی کی معلوم ہوتی ہے - کتاب خانۂ رام پور میں اس کا جو نسخہ محفوظ ہے وہ اگرچہ بارھویں صدی ہجری کا ہے ، مگر اُس کا املا اکثر جگہ قدیم ہے ، جس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ کسی قدیم الکتابت نسخے سے نقل کیا گیا ہے - عام کتابی اپ کے ۴۴ ورقوں میں نسفی نے اتنے فوائد و نکات جمع کر دیے ہیں کہ بے اختیار

---

۱ - اس لفظ کی تحقیق نہ ہوسکی -

داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

'کشف الظنون' میں اس کتاب کا ذکر نہیں۔ نہ کسی دوسری جگہ میری نظر سے اس کا حوالہ گزرا ہے۔

۲۔ الجمل المأثورة :

اس کا ذکر عمادالدین محمودالفاریابی متوفی ۶۰۷ھ نے اپنی کتاب خلاصۃ الحقائق کے خاتمے میں کیا ہے[1]۔ حاجی خلیفہ بھی اسے نسفی کی تالیف بتاتے ہیں[2]۔

۳۔ النجاح فی شرح اخبار کتاب الصحاح :

یہ بھی خلاصۃ الحقائق کے خاتمے میں مذکور ہے۔ حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ بخاری کی 'الجامع الصحیح' کی شرح ہے۔ اس کے دیباچے میں نسفی نے لکھا ہے کہ میں نے امام بخاری سے پچاس طریقوں سے کتاب روایت کی ہے۔ ان تمام سندوں کی تفصیل دیباچے میں لکھی بھی ہے[3]۔

جبلی :

'مطلع النجوم' میں عبدالرابیع جبلی کے نام سے ایک رباعی مندرج ہے۔ اس نام کے متعلق میں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ عبدالواسع جبلی کی تصحیف ہے[4]۔ مخدوم مکرم جناب مولانا حبیب الرحمن خان شروانی نے اس کے ملاحظے کے بعد ایک مکرمت نامے سے سرفراز فرمایا ہے۔ اُس کا اہم حصہ نقل کیا جاتا ہے :

''اس مہینے کا معارف پڑھ رہا تھا، عبدالرابیع پر نظر پڑی، معاً وہ خیال ذہن میں آیا جو عرشی کا ہے یعنی نام مذکور تصحیف ہے۔ عبدالواسع کی رباعی دیکھی، آپ کی تحقیق پڑھی۔ اپنے یہاں کا نسخہ قصائد عبدالواسع جبلی نکلوا کر دیکھا۔ اس میں وہ رباعی موجود ہے جو معارف میں منقول ہے۔

قصائد عبدالواسع جبلی کا نسخہ یہاں کا ضخیم، قدیم، خوش خط ہے۔ تاریخ تحریر نہیں، کاغذ کا انداز کم سے کم چار سو سال کا لکھا ہونا ظاہر

۱۔ الجواہر المضیئۃ : جلد ۲ صفحہ ۵۳۔

۲۔ کشف الظنون : جلد ۲ صفحہ ۶۲۳۔

۳۔ ایضاً : جلد ۲ صفحہ ۵۳۸ و جلد ۶، ۳۰۳۔

۴۔ معارف : اپریل ۱۹۳۶ع، صفحہ ۲۶۶۔

کرتا ہے۔ نسخہ پورا ہے۔ قصائد ہیں ، قطعات ہیں ، نیز رباعیات (تعدادی ۱۳۷)۔
معارف کی منقولہ رباعی کے مصرع چہارم میں سوختم کے بعد "لالہ" کا لفظ رہ گیا ہے۔

اس دیوان کے ساتھ دیوان ابوالفرج رونی ہے اسی کاتب کا لکھا ہوا ، اس پر ۹۹۸ھ سنہ درج ہے۔"

مولانائے مکرم کی اس بزرگانہ علمی اعانت کا حقیر عرشی تہ دل سے ممنون ہے ، جزاہ اللہ فی الدارین خیرالجزاء۔

نظری :

'مطلع النجوم' میں نظری کے عربی اور فارسی اشعار سے بھی نسفی نے تمثیل و استشہاد کا کام لیا ہے۔ نجم پر مضمون لکھتے وقت نظری کے متعلق کچھ پتا نہ چلا ، تو میں نے انھیں مجہول الحال شعراء میں جگہ دے دی مگر خوش بختی سے مزید مطالعے کے دوران میں ایک ایسے فاضل تک رسائی کا موقع مل گیا جو نسفی کے معاصر اور نظری نسبت سے مشہور ہیں۔

ان کا نام ابوالحسن علی بن موجود بن الحسین بن الحسن بن محمد بن ابراہیم ابن العبّاس النظری الکشانی ہے[1]۔

---

۱ - کنیت صرف انساب سمعانی ۳۸۳ ب میں مذکور ہے۔ باپ کا نام مطبوعہ الجواہر المضیئہ : جلد۱ ، ۳۸۰ و جلد ۲ ، ۳۴۱ میں "مودود" لکھا ہے ، مگر اسی کتاب کے قلمی نسخۂ رام پور اور انساب سمعانی اور اعلام الاخیار کفوی : ۲۰۱ ب میں 'موجود' ہے۔ الفوائدالبہیہ کفوی کی کتاب کا خلاصہ ہے۔ چاہیے تھا کہ اس میں بھی باتباع اصل "موجود" ہوتا مگر ایسا نہیں ہے ، اور لطف یہ ہے کہ مؤلف نے اس تغیر کی وجہ بھی نہیں لکھی۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سمعانی کا جو اقتباس فوائد میں دیا گیا ہے، اُس کے اندر بھی انساب کےدونوں نسخوں (مطبوعۂ یورپ اور مخطوطۂ رام پور) کے برخلاف مودود لکھ دیا ہے۔ دادا کا نام انساب سمعانی کے مذکورۂ بالا دونوں نسخوں نیز فوائد کے اندر موجود اقتباس میں "الحسن" ملتا ہے اور یہی شکل مسعود الکشانی کے حال میں جواہر کے مطبوعہ نسخے کے اندر ہے۔

کشانیہ وادیٔ سغد کے شمالی حصے میں سمرقند سے بارہ فرسخ دور ایک شہر تھا جو علاقۂ سغد کا دل گنا جاتا تھا[1] ۔ نظری اس شہر میں ۲۷ رمضان ۴۸۰ھ (۱۰۸۷ع) کو پیدا ہوئے ۔

علوم فقہیہ کی تحصیل اپنے چچا رکن الدین ابو سعد مسعود بن الحسین الکشانی متوفٰی ۵۳۰ھ (۱۱۳۶ع) اور برہان الائمہ عبدالعزیز بن عمر بن مازہ سے بخارا میں اور فخرالقضاۃ ابوبکر محمد بن الحسین الارسابندی متوفٰی ۵۱۰ھ (۱۱۱۶ع) سے مرو میں کی ۔ ابوبکر محمد بن الحسین بن منصور النسفی ، ابوبکر محمد بن عبداللہ السرخکتی اور ابوبکر محمد بن علی الحلوانی وغیرہ مشائخ بخارا کے لکچر بھی لکھے ۔

نظری حافظ قرآن اور کثیرالتلاوت تھے ۔ وعظ و تذکیر کا مشغلہ بھی تھا جس سے خلق خدا نفع اندوز ہوتی تھی ۔

سمعانی نے انہیں ''امام ، فاضل مناظر ، بے باک واعظ اور نڈر حق گو'' لکھا ہے اور اس کا اعتراف کیا ہے کہ میں نے اُن سے کچھ لکھا ہے اور میرے اُن کے درمیان بڑی پکی دوستی تھی ۔

نظری عرصۂ دراز تک مرو کے مدرسۂ خاقانیہ کے استاذ رہے اور وہیں ۷۷ سال کی عمر میں ۱۷ ربیع الاول ۵۵۷ھ (۱۱۶۲ع) کو فوت ہوئے ۔ قریۂ سنجدار میں دفن کیے گئے جو مرو کے باہر شہر پناہ کے دروازے پر واقع تھا[2] ۔

ذہبی نے ۵۳۷ھ میں انتقال کیا ہے اور مطلع کا اختتام محرم ۵۲۴ھ کا واقعہ ہے ۔ اس صورت میں نظری کے منقولہ اشعار اُن کی ۵۳ ، ۵۴ سال کی عمر تک کے ہوئے ۔ یہ عمر شاعرانہ شہرت و کمال کی تحصیل کے لیے کافی ہے ۔

[معارف ، اعظم گڑھ ، مارچ ، اپریل ، جون ۱۹۴۶ع]

---

۱ ۔ انساب سمعانی ؛ معجم البلدان للحموی : جلد ۷ صفحہ ۲۵۳ ؛ الجواہر : صفحہ ۲۳۱ ۔ مگر حموی نے بفتح کاف ضبط کیا ہے ۔

۲ ۔ مدفن کا ذکر صرف الجواہر میں آیا ہے ، مگر مطبوعہ نسخے میں مقام کا نام 'سنجدان' لکھا ہے ، معجم البلدان : جلد ۵ ، صفحہ ۱۴۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرو کے دروازے پر جو گانو آباد تھا ، اُسے فارسی میں دارسنگان اور عربی میں ''سنجان'' کہتے تھے ۔ میری دانست میں سنجدار سنگ دار کا معرب ہے اور سنگ دار جو دار سنگ کی مقلوبی صورت ہے ، دارسنگان کی جگہ اسی گاؤں کے لیے استعمال ہوتا ہوگا ۔

سمعانی اور اُن کی 'کتاب الانساب'

اسلامی تہذیب و تمدن کے عہد عروج و ترقی میں جن ہزارہا نفوسِ عالیہ نے اپنی پاکیزہ زندگیاں قربان گاہِ علم پر نثار کی ہیں ، اُن میں سے صرف معدودے چند کے نام ہماری زبانوں پر ہیں - بقیہ کے لیے ہمارے حافظے میں گنجائش نظر نہیں آتی ، حالانکہ اُن میں اکثر اصحاب اس قدر بلند پایہ اور جلیل المرتبت ہیں کہ اگر وہ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو جائیں تو آسمانِ علم و فضل کے بہت سے تابندہ ستارے ماند پڑ جائیں گے ، لیکن قبولیتِ عامہ انسان کی حدودِ مساعی سے باہر ہے -

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدای بخشندہ

یہی سبب ہے کہ آج اُن اہل کمال کے خوشہ چین صاحبِ افسر و نگین ہیں لیکن اُن کا اپنا سکۂ تحقیق عرصے سے بازارِ علم میں کاسد قرار دیا جا چکا ہے -

میں چاہتا ہوں کہ آج کی صحبت میں آپ کو ایک ایسی ہستی سے روشناس کروں ، جس نے اپنے معلومات کی وسعت اور تحقیقات کی ندرت کی بدولت معاصرین اور متأخرین دونوں سے خراج تحسین و آفرین وصول کیا ، اور اپنے بعد اپنی مصنفات کا اتنا بڑا ذخیرہ چھوڑ گیا کہ اگر وہ سب ہم تک پہنچ گیا ہوتا ، تو شاید ہم راہِ تاریخ و تذکرہ کی بہت سی دشواریوں سے دوچار نہ ہوتے - اُس نے عہد طفلی سے جادۂ علم و تحقیق پر گام زنی شروع کی اور زمانِ پیری تک اُسی پر رواں رہا - حدیث و رجال و تاریخ اُس کا واحد مشغلہ تھا جس کی خاطر اُس نے ہزار ہا میل کی مسافت پیادہ پا طے کی - وہ جہاں گیا ، اسی پیاس کو بجھانے کے لیے گیا ، اور جہاں اقامت گزیں ہوا ، اسی جنون کے مداوا کے خیال سے اقامت گزیں ہوا - اُس نے راستے کے پہاڑوں دریاؤں ، قریوں اور شہروں کی تحقیقات کی - قبیلوں ، خاندانوں اور اشخاص کے انساب اور حالات کا سراغ لگایا ، اور حدیث و فقہ کے اسرار و غوامض کی

عقدہ کشائی کی ۔ اس عظیم الشان شخصیت سے میری مراد ''تاج الاسلام ابو سعد عبدالکریم بن محمد سمعانی'' ہے جس کی کتاب الانساب اہل علم کے خیال میں ''عزیز الوجود اور کثیر الفائدہ'' کتاب ہے ۔

نام و نسب :

ابو سعد کا پورا نام ''تاج الاسلام ابو سعد عبدالکریم بن محمد بن منصور بن محمد بن عبدالجبار بن احمد بن محمد بن جعفر بن احمد بن عبدالجبار بن الفضل بن الربیع بن مسلم بن عبداللہ بن عبدالمجید'' ہے[1] ۔

اُن کا خاندان نسباً سمعانی کہلاتا ہے ۔ سمعان ، اُن کی آبائی روایت کے مطابق ، قبیلۂ تمیم کی ایک شاخ ہے ۔ لیکن ابن درید کی کتاب الاشتقاق میں اس کا ذکر نہیں ، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ قلیل الافراد اور غیر معروف شاخ تھی[2] ۔

'کتاب الانساب' میں سمعانی کا تلفظ بفتح سین لکھا ہے ، لیکن ابن خلکان کہتے ہیں کہ بعض علما بکسر سین بھی درست خیال کرتے ہیں ۔

غالباً سب سے پہلے اُن کے پردادا ابوالمنصور محمد بن عبدالجبار السمعانی نے مرو میں توطن اختیار کیا ۔ مرو خراسان کا مشہور ترین شہر تھا ۔ یہ اپنی عظمت کی وجہ سے ''مرو العظمیٰ'' اور ''مروالشاہجان'' کے القاب سے

---

۱ ۔ اس مضمون کے مآخذ : تاریخ ابن خلکان ، جلد ۱ صفحہ ۳۲۶ ۔ طبقات الفقہاء الشافعیۂ لکبری للسبکی ، جلد ۴ صفحہ ۱۷۶ والوسطی لہ ایضاً حرف العین ۔ معجم البلدان لیاقوت الحموی ، ذکر مرو ۔ مرآۃ الجنان للیافعی ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۷۱ ۔ دول الاسلام للذہبی ، جلد ۲ صفحہ ۲۵۳ ۔ شذرات الذہب تحت سنہ ۵۶۲ھ ۔ انس الجلیل بتاریخ القدس و الخلیل جلد ۱ ، صفحہ ۲۶۸ ۔ دیباچۂ لب الالباب لابن الاثیر ، مخطوط ۔ روضات الجنات ، حرف العین اور مقدمۂ انگریزی برانساب ، نوشتۂ مسٹر مارگولیتھ ۔ ابن خلکان نے سمعانی کے جد اعلیٰ کا نام ''عبدالمجیب'' اور بعض دیگر تذکرہ نگاروں نے اُن کی کنیت ابوسعید تحریر کی ہے ۔ نیز دیکھیے الاعلام للزرکلی ، جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۹

۲ ۔ دیباچۂ الانساب ، نوشتۂ مارگولیتھ ۔

پکارا جاتا اور بہ لحاظ قدامت بادشاہ ایران طہموورث کا معاصر شمار ہوتا تھا[1] ۔

سنہ ۳۰ھ (۶۵۰ع) میں عبداللہ بن عامر نے جو عہد امیرالمومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ میں مملکت خراسان کے وائسرائے اور جیوش اسلامیہ کے کمانڈر انچیف تھے ، حاتم بن نعمان باہلی کی سرکردگی میں ایک لشکر جرار بھیج کر اس کو فتح کیا[2] ۔ لیکن اسلام کے زیر نگیں آ جانے کے بعد بھی اس کی عظمت و جلالت بدستور رہی اور مامون الرشید عباسی و سلطان سنجر سلجوقی جیسی جلیل المرتبت ہستیاں اس کا دم بھرتی اور گیت گاتی رہیں[1] ۔

خاندان سمعانی :

جس زمانے میں ابو سعد کا خاندان ایران آیا ، خلافت عباسیہ کے سیاسی انحطاط کا دور شروع ہو چکا تھا اور ایران میں متعدد خاندان خود مختارانہ حکومت کر رہے تھے ۔ ان نئے حکمرانوں کو انتظام سلطنت کی درستی اور دربار کی رونق و عظمت کے لیے اہل علم کی احتیاج تھی ۔ اس لیے اُن نفوس قدسیہ کے علاوہ جو آئینۂ علم کو ہوس جاہ و دولت کے زنگار سے پاک و صاف رکھنا چاہتے تھے ، ہزار ہا اشخاص نے دنیوی اغراض کی خاطر تحصیل علم کی طرف اپنی توجہ مبذول کی تھی اور اس طرح ممالک اسلامیہ کا گوشہ گوشہ آفتاب علم کی روشنی سے جگمگا اُٹھا تھا ۔

مراکز حکومت کو اس امر میں مزید امتیاز حاصل تھا ۔ خوش بختی سے مرو خراسان کا پایہ تخت تھا ، اس لیے یہاں کا ایک ایک مکان دارالعلوم کی حیثیت رکھتا تھا ، اور اس کے اضلاع کے ایک ایک قریے سے دانش و حکمت کے دریا جاری تھے ۔

مرو کے اس درخشاں عہد میں سمعانی کا خاندان ''ارفع بیت فی بلاد الاسلام ، واعظمہ ، واقدمہ ، فی الامور الشرعیہ ، و الامورالدینیہ'' کہلاتا تھا[3] ۔

---

۱ ۔ معجم البلدان للحموی ، جلد ۸ ، ذکر مرو ۔

۲ ۔ الانساب ، ورق ۵۲۳ ب ۔

۳ ۔ طبقات سبکی ، جلد ۴ صفحہ ۲۵۹ ۔ نقلاً عن محمود الخوارزمی ۔

ابوالمنصور سمعانی :

ابوالمنصور محمد بن عبدالجبار سمعانی اس سلسلے کے گوہر اولین ہیں ۔ یہ حدیث ، فقہ ، ادب اور لغت کے امام اور متعدد مفید کتابوں کے مصنف تھے ۔ اپنی علمی جلالت شان کی بدولت احناف کے قاضی رہے اور اس خاندان کے پہلے راوی حدیث شمار کیے جاتے ہیں ۔ انہوں نے اپنے بعد دو لڑکے چھوڑے[1] ۔

ابوالقاسم سمعانی :

خلف اکبر کا نام ابوالقاسم علی بن محمد سمعانی ہے ۔ یہ بڑے کثیر المحفوظات عالم تھے ۔ مشائخ مرو سے سماع حدیث میں اپنے والد ابوالمنصور کے ساتھ رہے اور آخر میں مرو سے کرمان چلے گئے ۔ شاہ کرمان نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی اور وزیر کرمان کی صاحب زادی سے ان کی شادی ہو گئی ۔ ان کے صاحب زادے ابوالعلا عالی بن علی سمعانی بھی صاحب علم تھے ۔ چنانچہ ابوالقاسم کے انتقال کے بعد یہی اُن کے منصب پر فائز ہوے ۔ ابو سعد کے سفر کرمان تک ان کی اولاد موجود تھی اور سب اہل علم تھے ۔

ابوالمظفر سمعانی :

ابوالمنصور کے خلف اصغر ابوالمظفر منصور بن محمد سمعانی ہیں ۔ یہ ذی الحجہ سنہ ۴۲۲ھ (۱۰۳۰ع) کو مرو میں پیدا ہوے[2] ۔ اپنے والد ابوالمنصور اور ابو غانم الکراعی وغیرہ سے حدیث پڑھی ۔ بعد ازاں خراسان ، عراقین اور حجاز کا طویل سفر کرکے کثیرالتعداد شیوخ سے شرف سماع حاصل کیا ۔ یہ اپنے آبا و اجداد کی طرح حنفی المسلک تھے ۔ سنہ ۴۶۲ھ (۱۰۶۹ع) میں بہ زمانۂ قیام حجاز شافعیت کی طرف مائل ہوگئے ۔ جب سنہ ۴۶۸ھ (۱۰۷۵ع) میں وطن واپس آئے ، تو ایک دن والی شہر کے ہاں احناف و شوافع کے روبرو انتقال مسلک کا اعلان کر دیا ۔ اُس زمانے میں خراسان حنفیت کا گہوارہ تھا ۔ خود ان کا اپنا خاندان بھی اسی کو راہ راست مانتا تھا ، لہذا ان کے اعزا اور احباب نے اظہار ناراضگی کیا اور ان کے بھائی ابوالقاسم تک نے ان سے تعلقات منقطع کر لیے ۔ لیکن رفتہ رفتہ اس دور ابتلا کا خاتمہ ہوا اور

---

۱ ۔ خاندان سمعانی کا حال الانساب اور الطبقات للسبکی سے ماخوذ ہے ۔

۲ ۔ ابن خلکان اور سبکی میں سنہ ۴۲۶ھ تحریر ہے ۔

ابوالمظفر کو شوافع میں وہی مرتبۂ امامت حاصل ہو گیا جو ان کے آبا کو احناف میں حاصل تھا ۔ بعد ازاں ان کے خاندان کا کوئی فرد حنفی نہ ہوا ۔

یہ اپنے عہد کے بہت بڑے واعظ اور جلیل القدر مصنف تھے ۔ ابو سعد نے لکھا ہے کہ ''کان امام عصر بلا مدافعة و عدیم النظیر فی وقته ولا اقدر اصف بعض مناقبه[1] ۔''

تفسیر ، حدیث ، اصول اور خلاف پر ان کی متعدد تصنیفات تھیں جن میں سے نو کتابوں کے نام ابو سعد نے لکھے ہیں ۔

انھوں نے جمعے کے دن ۲۳ ربیع الاول سنہ ۴۸۹ھ (۱۰۹۵ع) کو مرو میں انتقال کیا اور قبرستان سنجدان میں مدفون ہوئے ۔

انھوں نے اپنے بعد پانچ اولادیں چھوڑیں جن میں سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ان کے انتقال کے کچھ عرصے بعد فوت ہو گئے ۔

ابوبکر محمد سمعانی :

بقیہ تین بیٹوں میں بڑے ابوبکر محمد بن منصور سمعانی تھے ۔ یہ جمادی الاولیٰ سنہ ۴۶۶ھ ، (۱۰۷۳ع) میں مرو میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی ۔ پھر سماع حدیث کی خاطر اصفہان ، عراق اور حجاز کا طویل سفر کرکے کثیرالتعداد شیوخ سے اسانید عالیہ بہم پہنچائیں ۔

ابن خلکان نے خود ابو سعد کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابوبکر سنہ ۴۹۷ھ (۱۱۰۳ع) میں حج کو گئے ۔ واپسی میں سماع حدیث کی غرض سے بغداد میں قیام کیا ۔ یہاں مدرسۂ نظامیہ کے واعظ کی جگہ ان کا تقرر ہو گیا ۔ انھوں نے وعظ و تدریس احادیث شروع کر دی ۔ اس کے بعد مرو واپس آئے اور سنہ ۵۰۹ھ (۱۱۱۵ع) تک وہیں مقیم رہے[2] ۔

یہ ادیب ، شاعر اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے ۔ لیکن قبل از وقت موت نے ان کے شوق تصنیف و تالیف کو سیراب تکمیل نہ ہونے دیا اور یہ اپنی تمام تصنیفات کو نامکمل چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے ۔ ان کے فضل و کمال کا شہرہ آغاز شباب ہی سے ہو چلا تھا ۔ خود ان کے والد بھری مجلس

---

۱ ۔ الانساب ، تفصیل کے لیے سبکی ملاحظہ ہو ۔

۲ ۔ وفیات الاعیان لابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۲۷ ۔

میں کہہ دیا کرتے تھے کہ ''محمد ابنی اعلم منی و افضل منی'' ۔

آخر عمر میں شعرو شاعری سے کنارہ کش ہو گئے تھے ۔ اس زمانے میں ان کا واحد مشغلہ علم الحدیث پر لکچر دینا تھا ۔ سمعانی کا خیال ہے کہ اس وصف میں وہ اپنے تمام پیش رووں سے بازی لے گئے تھے ۔ وفات سے کچھ دن پہلے اشعار کے مسودات دھو ڈالے تھے ، اور ایک فرمایش کے جواب میں صاف صاف تحریر کر دیا تھا کہ ''قد اسلم شیطان شعری'' (میرا شیطانِ شعر مسلمان ہوگیا ہے) ۔

ہماری بزمِ معارف کے بعض رفقا ابوبکر سمعانی کے اس جملے پر چیں بہ جبیں ہوں گے ۔ لیکن میں عرض کروں گا کہ علامۂ موصوف کا مقصد مولانا حالی اور ڈاکٹر اقبال جیسے شعرا کی تنقیص نہیں معلوم ہوتا ۔ وہ اُس کلام کی مذمت کرنا چاہتے ہیں جو شیطان یا بہ الفاظ دیگر نفس امارہ کے اشارے سے لکھے جائیں ، کیوں کہ یہ اشعار عشق و محبت کے حیوانی پہلو کی ترجمانی کرتے ہیں ، انسان کی اخلاقی اور روحانی قوتوں کو بیدار کرنے کی صلاحیت ان میں نہیں ہوتی ، الا ماشاء اللہ ۔

ابوبکر سمعانی نے ابھی اپنی عمر کے ۴۳ مرحلے طے کیے تھے کہ جمعے کے دن ۳ صفر سنہ ۵۱۰ھ (۱۱۱۶ع) کو ان کا انتقال ہوگیا[1] اور قبرستان سنجدان ہی میں اپنے والد کے پہلو میں دفن کیے گئے ۔

ابو محمد الحسن سمعانی :

ابوالمظفر کے منجھلے صاحب زادے ابو محمد حسن سمعانی ہیں ۔ یہ عابد و زاہد اور عزلت پسند عالم تھے ۔ صرف نماز جمعہ کے واسطے مکان سے باہر آتے تھے ۔ انھوں نے فقہ کی تعلیم اپنے والد سے پائی اور حدیث اپنے بھائی کی معیت میں نیشا پور جا کر حاصل کی ۔ ان کی بیوی کے پاس کسی شخص کی امانت رکھی ہوئی تھی ۔ چند ڈاکوؤں نے اس کا سراغ لگا کر ۵۳۱ھ (۱۱۳۶ع) کی

---

۱ ۔ طبقات سبکی، جلد ۴ ، صفحہ ۱۸۹ میں سنہ ۵۱۵ھ درج ہیں ۔ لیکن یہ طباعت کی غلطی ہے ، اس لیے کہ علاوہ سمعانی اور ابن خلکان کے خود سبکی نے بھی ابو سعد کے تذکرے میں سنہ ۵۱۰ھ ہی تحریر کیا ہے ۔

ایک شب میں ان کے مکان پر چھاپا مارا اور انھیں گلا گھونٹ کر شہید کر دیا[1]۔

انھوں نے اپنے بعد ایک لڑکا چھوڑا تھا جو عین عالم شباب میں اپنے والد سے ۲ سال بعد راہی ملک بقا ہوا۔ یہ عربی و فارسی کا زبردست ادیب تھا اور دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔

ابوالقاسم احمد سمعانی :

ابوالمظفر کے چھوٹے بیٹے کا نام ابوالقاسم احمد سمعانی ہے۔ یہ سنہ ۴۸۷ھ (۱۰۹۴ع) میں پیدا ہوئے۔ فقہ اپنے بڑے بھائی سے اور حدیث اُن سے اور ابوبکر محمد کامگار بن عبدالرزاق ادیب وغیرہ سے پڑھی۔ یہ عالم، مناظر، فقیہ، ملیح الوعظ واعظ اور خوش گو شاعر تھے۔ ۲۳ شوال سنہ ۵۳۴ھ (۱۱۳۹ع) کو ان کا انتقال ہوا۔ اُس زمانے میں ابو سعد بغداد میں تھے۔ وہیں اُنھوں نے مجلس عزا برپا کر کے ان کی روح کو ایصال ثواب کیا۔

ابوبکر محمد بن منصور سمعانی کی شادی زند خان (سرخس) کے مشہور محدث ابوبکر محمد بن الحسن بن احمد الحسنی کی بہن سے ہوئی تھی۔ ان کے بطن سے دو اولادیں ہوئیں۔

امة اللہ سمعانیہ :

ان میں بڑی امة اللہ سمعانیہ تھیں۔ یہ ۴۹۱ھ (۱۰۹۷ع) میں پیدا ہوئیں۔ بڑی صالح، پاک دامن اور دائم الصوم تھیں۔ قرآن مجید کی تلاوت زیادہ کرتی تھیں۔ ان کے والد نے ابو غالب محمد بن الحسن الباقلانی البغدادی سے انھیں اجازت علوم دلائی تھی۔ ابو سعد نے ان سے وہ احادیث و حکایات پڑھیں ہیں جن کی ابو غالب نے اجازت عطا کی تھی۔

ابوسعد کی ولادت و تعلیم :

ابوبکر کی دوسری اولاد ابو سعد ہیں۔ یہ دو شنبہ ۲۱ شعبان سنہ ۵۰۶ھ (۱۱۱۲ع) کو مرو میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد اور ابومنصور محمد بن علی الکراعی وغیرہ مشاہیر مرو نے بسم اللہ پڑھائی۔ سنہ ۵۰۹ھ (۱۱۱۵ع)

۱۔ انساب میں سنہ ۵۱۰ درج ہے۔ چونکہ ان کے لڑکے کا انتقال ان سے دو سال بعد ۵۳۳ھ میں ہوا، اس بنا پر میرا خیال یہ ہے کہ کاتب سے دہائی کا تین کا ہندسہ چھوٹ گیا ہے۔

میں ان کے والد نے نیشاپور کا سفر کیا اور انھیں اپنے ہمراہ لے گئے۔ وہاں دونوں نے ابوبکر عبدالغفار بن محمد الشیروئی (متوفیٰ سنہ ۵۱۰ھ مطابق ۱۱۱۶ع) اور دیگر مشائخ سے شرف سماع حاصل کیا۔

ابوبکر شیروئی ابوسعید صیرفی کے شاگرد ہیں۔ ابوالمظفر سمعانی، ابو سعد کے دادا، صیرفی کے تلمیذ التلمیذ تھے، اس لیے ابو سعد نے فخریہ بیان کیا ہے کہ صیرفی کا تلمیذ التلمیذ ہونے کے باعث میں اسناد میں اپنے دادا کے برابر ہوں۔

مسٹر مارگولیتھ انساب کے انگریزی دیباچے میں ابو سعد کی عبارت ذیل :

"سمعت منه بنیسابور۔ واحضرنی الامام والدی فی مجلسه واسمعنی منه۔ و جدی الامام ابوالمظفر السمعانی سمع من اصحاب ابی بکرالحیری و ابی سعید الصیرفی۔ و سمعت انا منه۔ فساویته فی الاسناد[۱]"

کا یہ مطلب لکھتے ہیں :

"At the early age of three he was taken to Nisabur to study Traditions' and was there presented to the shaikh Abd'l-Gaffar b. Md. ash-Shiruwi' who had taught his grand-father's contemporaries."

میری ناقص رائے میں ان سے تسامح ہوا ہے۔ وہ یہ کہنا نہیں چاہتا کہ صیرفی میرے دادا کے معاصرین کا استاد ہے، بلکہ وہ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ابوالمظفر میرے دادا اور میں صیرفی کے شاگرد کے شاگرد ہیں اس لیے مساوی السند ہوں گے۔

سنہ ۵۱۰ھ (مطابق ۱۱۱۶ع) میں ان کے والد وطن واپس ہوئے۔ یہاں پہنچ کر اُن کا انتقال ہوگیا۔ ابو سعد کی عمر ابھی صرف چار سال کی تھی کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ لیکن شفیق باپ نے اپنے ایک مخلص دوست بواسحاق ابراہیم بن احمد الفلخاری المروروذی (متوفیٰ سنہ ۵۳۶ھ مطابق ۱۱۴۱ع) کو ان کی تعلیمی نگرانی کی وصیت کی۔ اس فرشتہ خصائل انسان نے

---

۱ - کتاب الانساب، ذکرالشیروئی۔

حق دوستی پورا پورا ادا کیا ۔ چنانچہ ابو سعد نے اُن کے متعلق لکھا ہے[1] :

''کان یقوم باموورنا احسن قیام ۔ و کان یحتاط حتی لایشرب الماء من کوز دارنا احترازاً عن اکل مال الیتامیٰ والانتفاع بہم ۔''

(انھوں نے انتہائی حسن و خوبی کے ساتھ ہمارے کام انجام دیے ۔ وہ اس قدر محتاط تھے کہ ہمارے گھر کے برتن میں پانی نہیں پیتے تھے کہ کہیں یہ یتیموں کا مال کھانے کے حکم میں نہ آ جائے یا اُس سے انتفاع نہ قرار پائے) ۔

ابو سعد نے اُن سے فقہ پڑھنی شروع کی ۔ لیکن ابھی کتاب الطہارہ ختم نہ ہونے پائی تھی کہ بعض وجوہ سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا ۔ اس کے بعد ابوسعد نے اپنے بڑے چچا ابو محمد اور چھوٹے چچا ابوالقاسم سے درس لینا شروع کیا ۔ اُنھوں نے اول الذکر سے کتاب الجامع لعمر بن راشد ، کتاب التاریخ لاحمد بن یسار ، الامالی لابی المظفر السمعانی ، کتاب الانصار لہ ، الاحادیث الالف لہ ، الامالی لابی زکریا المزنی ، الامالی لابی القاسم اور دیگر اجزا پڑھے ۔ اور مؤخر الذکر سے خلافیات اور فقہ کی تکمیل کی ۔

تعلیمی سفر :

سنہ ۵۲۸ھ (۱۱۳۳ع) میں ابو سعد سرخس کے محدث ابوالقاسم صاعد سے حدیث پڑھنے کے لیے سرخس گئے ۔ (السہلوی)

اوائل سنہ ۵۲۹ھ (۱۱۳۴ع) میں ابوالقاسم احمد کے ساتھ صحیح مسلم پڑھنے کے لیے نیشاپور کا سفر کیا ۔ بعد سماع ابوالقاسم نے وطن واپس ہونے کا ارادہ کیا ۔ ابوسعد واپس آنا نہ چاہتے تھے ، اس لیے روپوش ہو گئے ۔ لیکن آخرکار ظاہر ہونا پڑا اور دونوں سنہ ۵۲۹ھ کے آخر میں طوس آئے اور راذکان (طوس) کے محدث ابوالازہر الحسن بن احمد الراذکانی سے ۳۰ حدیثیں سنیں ۔ یہ طوس کا دوسرا سفر تھا (السمعانی ، الراذکانی ، الفارمذی ، الراوئیری) ۔

اسی سال ساریۂ مازندران میں ایک شیعی عالم احمد بن علی العلوی النسابہ سے کچھ لکھا ۔ احمد نے رمضان ۵۲۹ھ میں انتقال کیا ۔ (المرعشی) ۔

قیام طوس میں ابوسعد نے اپنے چچا سے نیشاپور جانے کی اجازت حاصل کرلی

---

۱ ۔ کتاب الانساب : ذکر الفلخاری ۔

اور وہاں ایک سال قیام کرکے اوائل سنہ ۵۳۱ھ (۱۱۳۶ع) میں اصفہان کو روانہ ہوئے (السمعانی)۔

عرض راہ میں ایک دن سمنان میں قیام کیا (السمنانی)، اور وہاں سے سمنک جا کر ابوالحسن القاسم بن محمد بن اللیث السمنکی سے سماع حدیث کیا (السمنکی)۔

اصفہان پہنچ کر محمد بن ابی نصر بن الحسن بن ابراہیم الخونجانی سے اجزء حدیث سنے (الخونجانی)، اور ابوالفرج سعید بن ابی الرجاء بن بکر بن منصور الصیرفی الدوری متوفیٰ سنہ ۵۳۲ھ (۱۱۳۷ع) سے احادیث کثیرہ اور مصنفات طوال پڑھے (الدوری)۔ نیز ابوالحسن سعید بن طلحۃ الصالحانی سے جو اصفہان کے مشہور ادیب تھے، اُن کے اشعار اور اُن کے بھائی ابوعبداللہ الحسین بن طلحۃ الصالحانی متوفیٰ سنہ ۵۳۲ھ سے اور چیزیں سن کر لکھیں (الصالحانی)، اور ابونصر محمد بن احمد بن عبداللہ الوزان متوفیٰ سنہ ۵۳۲ھ سے سماع حدیث کی سعادت حاصل کی (الوزان)۔

ابھی سنہ ۵۳۱ھ ختم نہیں ہوا تھا کہ ابو سعد بہ قصد عراق روانہ ہوئے۔ راہ میں ہمدان اُترے، اور وہاں سے اسد آباد جا کر چند شب ٹھہرے۔ (الاسد آبادی)۔

یہ محرم سنہ ۵۳۲ھ میں نہاوند پہنچے اور دس روز قیام کرکے بروجرد کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ راہ میں نہاوند کے ایک موضع (بیجا) میں قیام کیا۔ یہاں ایک صوفی سے ملاقات ہوئی جو نہایت خوش رو، خوش وضع، خوش پوشاک، شیریں کلام اور چلبلا تھا۔ ابو سعد نے درخواست کی کہ آپ کو کوئی حدیث پہنچی ہو تو ہمیں اُس کی اجازت دیجیے۔ اُس نے کہا ''میں نے اپنے شیخ ابو ثابت بے خبر بن منصور صوفی سے ایک حدیث روایت کی ہے'' اور یہ کہہ کر ایک عجیب و غریب حکایت سنائی۔ ابو سعد کو اس حکایت پر یقین نہ آیا، لیکن از راہ احتیاط اپنے پاس لکھ کر رکھ لی۔ کچھ عرصے کے بعد کتاب ''آداب الفقر'' لابی محمد جعفر بن محمد بن الحسن الابہری نظر سے گزری، تو اُس میں یہ حکایت اُنھی الفاظ اور سند کے ساتھ بے خبر سے روایت کی گئی تھی۔ ابو سعد نے انساب میں لکھا ہے کہ میں نے وہ سند اور پوری حکایت کتاب الذیل لتاریخ بغداد میں درج کر دی ہے (البیجاوی)۔

بیجا سے ابوسعد بروجرد گئے ۔ یہ بلادالجبل کا بہت خوب صورت اور سرسبز و شاداب شہر ہے اور ہمدان سے ۱۸ فرسخ دور ہے ۔ یہاں پچاس دن قیام کرکے کچھ اوپر بارہ شیوخ سے کتابت حدیث کی (البروجردی) ۔ ان شیوخ میں سے الرئیس ابو تمام ابراہیم بن احمد بن حمدان الضمیری متوفی سنہ ۵۳۲ھ، ابوالنجم بدر بن صالح بن عبداللہ الرازانی اور اُن کے بھائی ابو نصر حامد بن صالح الرازانی نسبت الضمیری اور الرازانی میں مذکور ہیں ۔

ہمدان و بغداد کی راہ میں بغداد کا ایک جوان منصور بن ابی بکر الفاخرانی ہم سفر ہو گیا ۔ ابو سعد اُس کے ساتھ قرمیسین میں دو راتوں کے لیے اُترے ، اور مسجد جامع میں ''شیئی یسیر'' کی کتابت کی (الفاخرانی و القرمیسینی) ۔

آغاز ربیع الاول سنہ ۵۳۲ھ (۱۱۳۷ع) میں ابوسعد بغداد میں داخل ہوے ۔ ابو حفص عمر بن محمد بن عمویہ سہروردی کے ترجمے میں لکھا ہے کہ ''انھوں نے ۸ ربیع الاول سنہ ۵۳۲ھ کو بغداد میں وفات پائی ۔ یہ میرے داخلۂ بغداد کا ہفتہ تھا'' (السہروردی) ۔

مسٹر مارگولیتھ کی رائے میں ابوسعد نے سنہ ۵۳۰ تا ۵۳۸ھ بغداد میں گزارا ، لیکن میری ناقص رائے میں انھیں سہو ہوا ہے ۔ سنہ ۵۳۰ھ میں ابو سعد نیشاپور میں تھے (السمعانی) ۔

بغداد میں کچھ عرصے آرام کرکے اداے حج کی نیت سے حجاز کا سفر کیا ۔ راستے میں ابو عبداللہ محمد بن محمد بن محمد المیانجی سے ملاقات ہوئی ۔ مکے پہنچ کر ابوسعد نے اُن سے کچھ احادیث لکھیں ۔ حج سے فارغ ہو کر سنہ ۵۳۳ھ (۱۱۳۸ع) کے آغاز میں ابوسعد عراق واپس ہوے اور المیانجی اپنے وطن چلے گئے (المیانجی) ۔

واپسی میں ابو سعد نے واسط میں قیام کیا ، اور ابوالجوائز سعد بن عبدالکریم الغندجانی سے حدیث پڑھی (الغندجانی) ۔

ابو سعد احد الربیعین یا احد الجمادین سنہ ۵۳۳ھ (۱۱۳۸ع) سے قبل بغداد پہنچ گئے ،اس لیے کہ ابوبکر الطیب بن محمد بن احمد الغضائری کے حال میں لکھا ہے کہ اُنھوں نے ماہ مذکور میں انتقال کیا تو میں بغداد میں تھا (الغضائری) ۔

سنہ ۵۳۴ھ میں ابوسعد نے کوفے اور انبار کا سفر کیا ۔ یہ کوفے کا تیسرا اور انبار کا پہلا سفر تھا[1] ۔ کوفے میں عبدالسید بن محمد الندّاف سے اور انبار میں

۱ ۔ الانساب کے ماتحت کوفے کے پانچویں سفر کا بھی ذکر آیا ہے ۔

ابو نصر هبة اللہ بن یحییٰ الهیتی المقری سے درس حدیث لیا (السلولی ، الهیتی) ۔

اسی سال انہوں نے حجاز کا دوسرا سفر کیا ۔ ابوالعباس احمد بن محمد بن احمد بن هالسة الرنانی المقری ، جو اسی سال اصفہان سے آئے تھے ، بغداد سے ہمراہ ہوئے (الرنانی) ۔ راہ میں ابوبکر محمد بن علی الراشدی الخزقی کا ساتھ ہوگیا ۔ ابو سعد نے ان سے کچھ احادیث لکھیں (الخزقی) ۔

سنہ ۵۳۴ھ (۱۱۳۹ع) میں ابو سعد اور ابوالحسن علی بن محمد الفلکی نے ابوسعید البغدادی سے مکے میں شرف سماع حاصل کیا (الفلکی) ۔

آغاز سنہ ۵۳۵ھ (۱۱۴۰ع) میں ابو سعد نے حجاز سے شام کا قصد کیا ۔ راہ میں بلاد الجزیرہ میں سے طنزہ ، سنجار ، خابور اور موصل میں قیام کیا اور رمضان ۵۳۵ھ کے آخری عشرے میں موصل کی مسجد جامع میں ابوبکر محمد بن القاسم بن المظفر بن علی بن الشہرزوری سے قرأت حدیث کی (الشہرزوری) ۔ بعد ازاں دس دن حلب میں قیام کرکے ابو جعفر عمر بن ہارون بن طالب الخجندی کے چند اشعار لکھے (الخجندی) ۔ ابو محمد عبداللہ بن علی بن سعید القیسرانی المعروف بالقصری سے کتاب ابن عرفہ (جزء بن عرفہ) پڑھی (القصری) اور ابو عبداللہ محمد بن ابی نصر بن محمد الصوفی المقری سے کچھ کتابت کی (الہاینی) ۔

حلب سے ابو داؤد سلیمان بن محمد بن راوی الکروخی کے ساتھ حمص گئے اور وہاں چار دن قیام کیا ۔ حمص سے ابو داؤد بعلبک چلے گئے اور ابو سعد دمشق کو روانہ ہوئے (الکروخی) ۔

دمشق میں ابوالحسین محمد بن محمد بن کامل العسقلانی اور ابوالحسن علی بن الحسن الحنفی السکلکندی وغیرہ سے شرف سماع حاصل کیا (العسقلانی ، السکلکندی)

سنہ ۵۳۵ھ میں ابوعبداللہ محمد بن احمد بن تغلب بن ابراہیم الآمدی سے دمشق میں ملاقات ہوئی ۔ ابو سعد اُن کے ہمراہ فلسطین کے ارادے سے نکلے ۔ بلاد غور پہنچ کر الآمدی نے عسقلان کا رخ کیا اور ابو سعد عکا اور بلاد ساحل کی طرف روانہ ہوئے (الآمدی) ۔

فلسطین سے بیت المقدس جاتے ہوئے ایک شب نابلس میں ابوالحسین علی بن جعفر النابلسی کے ہاں گزاری اور اُن کے دو شعر لکھے (النابلسی) ۔

غالباً سنہ ۵۳۵ھ کے آخر میں ابوسعد دمشق واپس آئے، اس لیے کہ ۱۷ محرم سنہ ۵۳۶ھ (۱۱۴۱ع) کو ابو محمد ہبۃ اللہ بن احمد بن عبداللہ بن علی بن طاؤس الجیرونی نے دمشق میں انتقال کیا، تو یہ اُن کے جنازے کے ساتھ تھے (الجیرونی)۔

محرم سنہ ۵۳۶ھ کے چند دن دمشق میں بسر کرکے، اور اس عرصے میں ابو نصر عبدالصمد بن ظفر بن قبات الحلبی کے ساتھ ابوالمعالی محمد بن یحییٰ بن علی القرشی القاضی اور ابوالحسین علی بن عبدالرحمٰن بن عیاض الصوری وغیرہ کے درس میں شریک رہ کر بغداد واپس ہوئے (القباتی)۔

بغداد پہنچ کر ابو طاہر الجوسقی الضریر سے کتاب القیامۃ لابن مسروق کا کچھ حصہ پڑھا۔ ابو طاہر اواخر صفر سنہ ۵۳۶ھ میں فوت ہوگئے۔ ابو سعد باقی حصہ پڑھنے گئے، تو معلوم ہوا کہ دو چار دن ہوئے کہ اُن کا انتقال ہوگیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آخر ربیع الاول یا آغاز صفر سنۂ مذکور میں بغداد آگئے تھے (الجوسقی)۔

اس مرتبہ ابو سعد نے بغداد میں ابوالقاسم محمود بن علی بن اسماعیل البخاری، سعدیٰ بنت ابی علی الحسن بن الصوفی السیرجانی، ابوالمعالی عبدالخالق بن عبدالصمد النحاس متوفی سنہ ۵۳۸ھ (۱۱۴۳ع) وغیرہم سے سماع و کتابت کی۔ ان میں سے دو اول الذکر کو سنہ ۵۳۷ھ (۱۱۴۲ع) میں زندہ چھوڑ کر بغداد سے روانہ ہوئے (السیرجانی، الدرزنجانی، النحاس)۔

راہ میں دس روز استرآباد میں قیام کیا، اور متعدد اصحاب سے کچھ لکھا، اور تاریخ استرآباد مصنفۂ ابو سعد الادریسی نقل کی (الاسترآبادی)۔

جرجان پہنچ کر ابو عاصم سعد بن علی بن ابی سعید الرزاز سے احادیث لکھیں (الرزاز)۔ وہاں سے جوسقان اسفرائن گئے، اور ابو سعید احمد بن الحسین بن محمد بن الحسین الکندری سے چند حدیثیں لکھیں۔ الکندری نے آخر سنہ ۵۳۷ھ یا اوائل سنہ ۵۳۸ھ میں انتقال کیا (الکندری)۔ پھر اسفرائن جا کر ابوالقاسم محمود بن خلف اللوھوری سے سماع حدیث کیا (اللوھوری)۔

عراق سے واپسی میں ۴۰ دن آمل طبرستان میں قیام کیا، اور ابوالمظفر فراموزر بن مبشر سے اُن کے اور اُن کے اساتذہ کے اشعار لکھے، اور اسی سال (سنہ ۵۳۷ھ) اُنھیں زندہ چھوڑ کر وہاں سے کوچ کیا۔ آمل میں ابوالعباس القصاب کی خانقاہ فرودگاہ تھی (الابہری، الطبری)۔

پھر رے پہنچ کر ۳۰ دن وہاں اقامت کی، اور ابو سعید یحییٰ بن ظاہر السمان کے مکتب میں جا کر اُن سے کتابت حدیث کی (الرازی ، السمان) ، اور اُنھیں سنہ ۵۳۷ھ میں بقید حیات چھوڑا ۔

اس کے بعد نیشاپور گئے اور ابو سعد احمد بن محمد الشرمقانی سے احادیث لکھیں (الشرمقانی) ۔

سنہ ۵۳۸ھ (۱۱۴۳ع) میں ابو سعد مرو واپس آ چکے تھے ، کیوں کہ ابو یعقوب یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ التوثی اس سال مرو تشریف لائے ، تو یہ وہاں موجود تھے (التوثی) ۔

سنہ ۵۳۹ھ (۱۱۴۴ع) میں مرو ہی میں قیام رہا ۔ چناں چہ ابو عبداللہ محمد بن داؤد بن رضوان الایلاقی نے اس سال مرو میں انتقال کیا تو یہ وہاں موجود تھے (الایلاقی) ۔

سنہ ۵۴۰ھ (۱۱۴۵ع) میں ابو سعد نے خراسان اور ماوراءُالنہر کا سفر کیا ، اور ہراۃ میں ابو المظفر محمد بن محمد بن احمد بن ابی القاسم الصابری سے الزاهد محمد بن ابی العباس کی حدیث لکھی (الصابری)۔ ان کے ورود ہراۃ سے قبل ابوالفضل محمد بن اسماعیل الفضیلی محدث ہرۃ کا انتقال ہو چکا تھا (الفضیلی) ۔

ابوسعد اسی سال بخارا گئے اور وہیں ابوالمعالی احمد بن علی السمین الخباز کی خبر وفات سنی (السمین) ۔ بخارا میں ابوالمعالی مسعود بن الحسن الکشانی کے صاحبزادے ابوالفتح محمد بن مسعود الکشانی متوفیٰ سنہ ۵۵۲ھ (۱۱۵۷ع) سے روایت حدیث کی (الکشانی) ۔ خطیب بخارا ابوبکر محمد بن محمد بن محمد الفضلی کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عصا تھا ۔ ابوسعد اُن کے مکان پر حاضر ہوے اور عصا کی زیارت کرکے ایک جزءُ حدیث لکھا (الفضلی) ۔

محرم ۵۴۲ھ (۱۱۴۷ع) میں ابوسعد طوس میں مقیم تھے اور وہیں انھیں ابوبکر عقیق اللہ العیثمی کی خبر وفات ملی (العیثمی) ۔

سنہ ۵۴۳ھ (۱۱۴۸ع) میں ابوسعد مرو میں تھے ، اس لیے کہ ابوعامر سعد بن علی بن ابی سعد العصاری الجرجانی کے حال میں لکھا ہے کہ ابتداءً وہ سنہ ۵۲۷ھ (۱۱۳۳ع) میں مرو آئے ۔ بعد ازاں جرجان میں اُن سے ملاقات ہوئی ۔ پھر سنہ ۵۴۰ھ پر کچھ سال گزرے تھے کہ وہ دوبارہ مرو آئے ، اور میں نے اُن سے کتاب 'حلیۃالاولیا' لابن نعیم الاصفہانی سنی ۔ بعد ازاں اُن سے نیشاپور میں ملاقات ہوئی

(العصاری) ۔ ابو محمد عبدالرحمان النیہی کے حالات میں لکھا ہے کہ میں نے ان سے مرورود میں طبرانی کی معجم صغیر پڑھی تھی ۔ جب سنہ ۵۳۳ھ (۳۹-۱۱۳۸ع) میں وہ پھر مرو آئے ، تو اُنھوں نے پھر وہی کتاب پڑھائی (النیہی) ۔

ابوسعد کا تیسرا سفر نیشاپور سنہ ۵۴۴ھ (۵۰-۱۱۴۹ع) میں واقع ہوا ۔ اسی سفر میں ابو عامر سے نیشاپور میں ان کی ملاقات ہوئی تھی (العصاری) ۔ نیز ابوالسعادات محمد بن محمد بن احمدالرسولی کی وفات کی خبر ، جو جمادی الاخری سنہ ۵۴۴ھ (۱۱۴۹ع) میں واقع ہوئی تھی ، قیام نیشاپور ہی میں ملی (الرسولی) ۔ نیشاپور کے تینوں سفروں میں ابو سعد نے ابوالعباس احمد بن العباس الشقانی سے شرفِ سماع حاصل کیا (الشقانی) ۔

نیشاپور سے نسا جاتے ہوئے ایک شب خوجان میں قیام کیا ، اور ابو الفضل احمد بن محمد بن احمد الخوجانی سے اشعار اور احادیث لکھیں ۔ (الخوجانی) ۔

خوجان سے ابو سعد نسا گئے اور ۴۰ دن وہاں ٹھہرے ۔ آخر رمضان سنہ ۵۴۴ھ (۱۱۵۰ع) میں ابوالفضل الخوجانی نے انتقال کیا ۔ ابو سعد کو ان کی وفات کی اطلاع نسا میں ملی (الخوجانی) ۔

سنہ ۵۴۶ھ (۲-۱۱۵۱ع) میں ابوسعد دوبارہ ہراۃ گئے ، اور وہاں ابوالمعالی معمربشاہ بن محمد بن الحسین الکاشغری سے مل کر چند احادیث سنیں (الکاشغری) ، اور ابو الفتح محمد بن ابی بکر بن ریحان النشائی سے شرف سماع حاصل کیا (النشائی) ۔

سنہ ۵۴۷ھ (۱۱۵۲ع) میں ابوالمعالی محمد بن صباح الاثاربی نے ہراۃ میں انتقال کیا ۔ ابو سعد ان سے اولاً بغداد میں ، بعد ازاں علی الترتیب نیشاپور ، ہراۃ ، اور بلخ میں ملے تھے (الاثاربی) ۔

سنہ ۵۴۸ھ (۱۱۵۳ع) میں سمرقند گئے ، اور کتاب القند فی معرفۃ علماء سمرقند مستعار لے کر اُس کا انتخاب کیا (الصاری) ۔ سمرقند میں سمعانی نے مجالس املا کرائیں ۔ ان میں ابو علی الحسین بن ناصر الکاغذی بھی ، جن کی طرف حسینی کاغذ منسوب ہے ، شریک ہوتے تھے (الکاغذی) ۔

سنہ ۵۵۰ھ (۱۱۵۵ع) میں وہ پھر سمرقند میں تھے ۔ یہاں اس مرتبہ ابوالحسن علی بن محمد الفلکی الاصفہانی سے ملاقات ہوئی ، اور یہیں ابو محمد

عبدالرحمان الاهیانی کی خبر وفات ملی (الفلکی ، الاهیانی) -

سنہ ۵۵۱ھ (۱۱۵۶ع) میں نسف (نخشب) میں سماع حدیث کیا ، اور یہیں یہ اطلاع ملی کہ ابو الحسن احمد بن الحسین بن عبدالرحمان العبسی نے ، جن سے ابو سعد نے السید ابوالمعالی محمد بن محمد بن زید الحسنی الحافظ کی تقریباً دس کتابیں پڑھی تھیں ، فراب نامی گاؤں میں ، جو سمرقند سے آٹھ فرسخ پر ہے ، عرفہ کے دن سنہ ۵۵۰ھ (۱۱۵۶ع) میں وفات پائی (الغویدینی ، الفرابی) -

نسف میں ابو سعد دو ماہ رہے ، اور ابو یعقوب یوسف بن ابی بکر بن احمد البلدی متوفیٰ سنہ ۵۵۲ھ (۱۱۵۷ع) سے کتاب اخبار مکۃ للازرق ، میمون بن احمد بن ابی بکر سے کتاب الجامع الصحیح للبحیری کے گیارہ جز ، اور ابو نصراحمد بن عبدالجبار بن محمد بن احمد البلدی سے کتاب مذکور بتمامہ پڑھی - موخرالذکر کے درس میں ابو سعد کے صاحب زادے ابو المظفر بھی شریک تھے - ابو سعد نسف سے واپس ہوے ، تو اُس وقت تک ابو نصر زندہ تھے (الآیبسنی ، البلدی ، النفسی) -

غالباً اسی سال ابو سعد مرو واپس آ گئے[۱] ، لیکن الانساب میں سنہ ۵۵۵ھ (۱۱۶۰ع) سے قبل قیام مرو کا پتا نہیں چلتا - البتہ سنہٴ مذکور میں اہل غز نے مرو کے ایک قریے سنج کا آخری بار محاصرہ کیا ، تو یہ وہاں موجود تھے اور انھی نے کوشش کرکے مصالحت کرائی تھی (السنجی) -

سنج میں ابو داؤد سلیمان بن سعید السنجی کی قبر شکستہ ہو گئی تھی - ابو سعد نے ایک اینٹ پر اُن کا نام اور تاریخ وفات لکھ کر بھیجی اور فرمایش کی کہ اسے قبر پر نصب کر دیا جائے (السنجی) -

مسٹر مارگولیتھ نے یہ قیاس قائم کیا ہے کہ صلح کرانے کے بعد ابو سعد کو اُن پر حکم رانی حاصل ہو گئی تھی ، لیکن مجھے اس سے اختلاف ہے - ابو سعد کے الفاظ ''وانا امرت اھل تلک القریۃ بتجدید قبرہ'' سے تعمم ثابت نہیں ہوتی ، بالخصوص جبکہ امر مذکور ایک قطعی غیر سیاسی معاملے سے متعلق ہے -

---

۱ - یہ یاقوت کا بیان ہے اور سبکی اس کو تسلیم کرتے ہیں ، لیکن ذہبی سنہ ۵۵۰ھ میں مرو کی واپسی کے مدعی ہیں -

شادی اور تدریس :

سنہ ۵۳۸ھ (۱۱۴۳ع) میں مرو واپس آ کر ابو سعد نے شادی کی اور سنہ ۵۳۹ھ (۱۱۴۴ع) میں ان کے ہاں ابو المظفر عبدالرحیم پیدا ہوئے۔

یہ ذہبی کا بیان ہے۔ ابن خلکان اور سبکی نے ان کی تاریخ پیدائش شب جمعہ ۱۷ ذی قعدہ سنہ ۵۳۷ھ (۱۱۴۲ع) اور مقام پیدائش مرو کے بجائے نیشاپور لکھا ہے[1]۔

اسی سال انھوں نے مرو میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ ابو عبداللہ محمد بن داؤد بن رضوان الایلاقی مرو آئے، تو اسی مدرسے میں ایک مدت رہے اور یہیں سنہ ۵۳۹ھ (۱۱۴۴-۵ع) میں انتقال کیا (الایلاقی)۔

انساب کے بعض مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ اثنائے سفر میں درس و تدریس دونوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ چناں چہ محدث ابن عساکر کے بیان سے، جو ابن اثیر نے اللباب کے دیباچے میں نقل کیا ہے، اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ابن عساکر کے الفاظ یہ ہیں: ''سمع بقرائی وسمعت بقرائتہ۔ وکتب عنی وکتبت عنہ[2]۔''

ابو سعد کے شیوخ اور تلامذہ :

ابو سعد نے اپنی عمر کا بڑا حصہ علمی جستجو میں گزارا ہے، اس لیے انھیں بے شمار علما کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادے کا موقع ملا۔ ان کے اساتذہ کی فہرست، جس میں اُن کے حالات بھی درج تھے، دس ضخیم جلدوں میں تھی۔ آج وہ ناپید ہے، لیکن اُس کے اقتباسات انساب میں پائے جاتے ہیں۔ میں نے ان میں سے حسب ذیل مقامات نوٹ کیے ہیں :

الآبری، الآسی، الآمدی، الابری، الابرقوھی، الابرنیقی، الابزی، الابہری، الاثاربی، الاثری، الاحدب، الاخسیکثی، الادریسی، الادمی،

۱۔ دیباچۂ مارگولیتھ، و ابن خلکان، جلد ۱ صفحہ ۳۲۸، و طبقات وسطی للسبکی، مخطوط، حرف عین۔

۲۔ اللباب فی خلاصۃ الانساب لابن الاثیر، نسخۂ خطیۂ مملوکۂ پروفیسر محمود خاں صاحب شیرانی مرحوم، لاہور۔

الارموی ، الاسکاف ، الاندق ، الاندکانی ، الایلاق ، البرموی ، البسطامی ، البطلیوسی ، البندنیجی ، البوزنجردی ، البیکندی ، التعاویذی ، التفتازانی ، الجوزی ، الجیزی ، الجیلانی ، الجیلی ، الحاسب ، الحجری ، الحجی ، الحلوانی ، الحلیمی ، الحیری ، الخابوری ، الخدامی ، الخلیلی ، الذیبدوانی ، الراوندی ، الرحائی ، الرزاز ، الرسولی ، الرقا ، الزاز ، الزیدی ، السابح ، السنجبستی ، السنی ، السہروردی ، السہلوی ، الشہرزوری ، الشیخی ، الصابری ، الصائغی ، الضولی ، الطبری ، الطنزی ، العصاری ، الغاتفری ، الغانمی ، الغندجانی ، الفاسی ، الفاطمی ، الفراپیانی ، الفرخوردیرجی ، القزی ، الکابلی ، الکافوری ، الکبیسی ، الکروخی ، الکشائی، اللوہوری ، المجندر ، المذکر ، المرداسنجی ، المروروذی، المصیصی ، المطہری ، الموسیابادی ، المیانجی ، المیدانی ، النابلسی ، النجاری ، لنحاس ، النسائی ، النشئی ، الوزان ، الہندی ، الہلانی ، الہیتی ، اللامشی الیوسفی ، الیونارتی ۔

بحر ذخار کے انہیں چند قطروں سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ ابو سعد نے کہاں کہاں اور کن کن اصحاب سے استفادہ کیا ، ورنہ کتاب الانساب کی ہر دوسری یا تیسری نسبت میں ان کے ایک یا زیادہ شیوخ کا ذکر ہے ۔ ابن النجار نے ان کی تعداد چار ہزار اور بعض نے ۷ ہزار لکھی ہے جو ایک رحال کبیر اور جوال فی الارض کے لیے کچھ بھی حیرت انگیز نہیں ۔ انساب میں اکثر مقامات پر ان کے تلامذہ کا ذکر بھی آیا ہے ۔ چوں کہ ابوسعد نے اپنے طویل و عریض سفر میں برابر درس دیا ہے ، اس لیے یہ اذکار منتشر ہیں، یک جا نہیں ۔ تنگیِ وقت اجازت نہیں دیتی کہ تفصیل سے کام لوں ، اس لیے صرف یہ عرض کر کے اس بیان کو ختم کرتا ہوں کہ ابو سعد کے تلامذہ میں اُن اصحاب کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ، جنھیں ابو سعد کی اُستادی کا شرف حاصل ہے ، حتیٰ کہ ان میں حافظ ابن عساکر صاحب تاریخ دمشق بھی شامل ہیں ۔

وفات :

ابو سعد نے غرۂ ربیع الاول سنہ ۵۶۲ ھجری مطابق ۲۶ دسمبر سنہ ۱۱۶۶ عیسوی کو ۵۵ سال ۵ ماہ اور ۱۰ یوم کی عمر میں بہ مقام مرو

نتقال کیا[1] اور سنجدان میں مدفون ہوئے ۔

لاد :

سنہ ۵۳۸ھ (۳-۱۱۴۲ع) میں وطن واپس آ کر ابو سعد نے رشتۂ ازدواج پیدا کیا ۔ آیندہ سال ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ابوالمظفر عبدالرحیم بن ابی سعد عبدالکریم سمعانی ہے ۔ روایت پدری برقرار رکھنے کے لیے ابو سعد نے انھیں ایام طفلی سے سفر میں ساتھ رکھا ، اور خراسان و ماوراءُ النہر کے اکثر شیوخ سے شرف سماع حاصل کرایا ؛ چناں چہ انساب کے بعض مقامات پر ان کے سماع کا ذکر موجود ہے[2] ۔ ابوالمظفر نے بھی لاتعداد شیوخ کے روبرو زانوے شاگردی تہ کیا ۔ ابو سعد نے ان سب کے حالات پر مشتمل ۱۸ جز کی معجم اور دو ضخیم جلدوں میں عوالی مرتب کر دی تھیں ۔

ابو المظفر فقہ ، ادب اور حدیث میں بہرۂ وافی رکھتے تھے ۔ خود ابو سعد نے کتاب الذیل میں ان سے روایت کی ہے ۔ ابن خلکان اور سبکی نے ان کے بارے میں لکھا ہے : ''وحدث بالکثیر'' ۔ ان کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ طلبای حدیث کے سفر کی منزل مقصود بن گئے تھے اور مرو کے شوافع میں سب کے سردار مانے جاتے تھے ۔

ابو المظفر نے طویل عمر پا کر سنہ ۶۱۴ھ (۱۲۱۷ع) اور سنہ ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ع) کے درمیان مرو میں انتقال کیا اور اپنے رشتۂ حیات کے ساتھ خاندان سمعانی کو بھی ختم کر گئے[3] ۔

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۲۶ ، وطبقات سبکی ، جلد ۴ صفحہ ۲۶۰ ، و الیافعی جلد ۳ ، صفحہ ۳۷۱ ، و دول الاسلام ذہبی، جلد ۲ صفحہ ۴۵۲ ، والانس الجلیل بتاریخ القدس و الخلیل ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۶۸ ، و شذرات تحت سنہ ۵۶۲ ۔

۲ ۔ الانساب ، نسبت البلدی ۔

۳ ۔ ابن خلکان، جلد ۱ صفحہ ۳۲۸، وطبقات وسطی للسبکی ، مخطوطہ ، حرف العین ۔ ابن خلکان کے مطبوعہ نسخے میں طباعت کی غلطی ہے ۔ اس کی عبارت ''وتوفی بمرو مابین سنة اربع عشرة و ستمائة'' میں سے 'و ست عشرة' ساقط ہوگیا ہے ۔ سبکی کی عبارت سے اس کی تصحیح کر لینی چاہیے ۔ سبکی لکھتا ہے : ''و توفی بمرو مابین سنۃ اربع عشرہ وست عشرة و ست مائة ۔''

تصنیفات :

سمعانی اپنے عہد کے پُر قلم مصنفین میں سے ہیں - ان کے وقت تک علما میدان جمع و تالیف میں گامزن تھے - تلخیص و اختصار کا دور شروع نہیں ہوا تھا ، اس لیے اُس زمانے کے دوسرے اہل قلم کی طرح سمعانی کی کتابیں بھی قدیم و جدید معلومات کا خزانہ تھیں - لیکن قوم کی عیش پسندی نے ابن الاثیر اور سیوطی جیسے علما کو تلخیص پر مجبور کیا جس کے سبب سے رفتہ رفتہ اکثر گراں بہا ذخیرے نیست و نابود ہو گئے - انہی میں سمعانی کی کتابیں بھی تھیں -

سبکی نے طبقات الشافعیہ میں سمعانی کی پچاس کتابوں کے نام لکھ کر ''وغیر ذلک من التصانیف و التخاریج'' کہا ہے - مسٹر مارگولیتھ نے انساب کے عکسی نسخے کے دیباچے میں ۴۹ کتابوں کی فہرست دی ہے - گویا انساب سمیت اُنھیں بھی پچاس کے نام معلوم ہیں - لیکن سبکی کی فہرست میں ایک کتاب (فوائد الموائد) مارگولیتھ سے کم اور دو کتابیں (مقام العلماء بین یدی الامراء اور حث الامام علی تخفیف الصلاۃ مع الاتمام) اُس سے زائد ہیں - ان سب کی میزان باون (۵۲) ہوتی ہے - مگر ان باون میں سے ہمارے ہاتھوں میں صرف کتاب الانساب ہے ، وا اسفا!

مسٹر مارگولیتھ نے دیباچے میں یہ بھی لکھا ہے کہ مسٹر امڈ روز نے خود انساب میں تین کتابوں (الاسفار عن الاسفار ، تحفۃ المسافر اور النزوع الی الاوطان والنزاع الی الاخوان) کے نام پڑھے ہیں - فقیر عرشی نے ان تین کے علاوہ ذیل تاریخ بغداد اور معجم الشیوخ کا بھی پتا چلایا ہے - چنانچہ اول الذکر البیجنی ، الدلیجانی اور الہازنی کے منحت اور موخرالذکر صرف الدلیجانی کے ذیل میں مذکور ہے - اور چونکہ یہ سرسری مطالعے کا انکشاف ہے ، اس لیے قوی امکان ہے کہ بعض دیگر کتابوں کا بھی انساب ہی سے پتا چل سکے -

کتاب الانساب :

سمعانی کی فہرست مصنفات دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تاریخ و رجال کے بہت دلدادہ تھے - اُن کی کتاب الذیل لتاریخ بغداد ۱۵ جلد میں ، تاریخ مرو ۲۰ جلد میں ، التحبیر فی المعجم الکبیر ۸ جلد میں ، معجم البلدان ۳ جلد میں ، معجم الشیوخ ۳ جلد میں ، تاریخ الوفاۃ للمتاخرین من الرواۃ ۳ جلد

میں اور کتاب الانساب ۸ جلد میں ہے ۔

ان میں سے کتاب الانساب اُن کی آخری تصنیف اور عمر بھر کے مطالعے اور سفر کے معلومات کا خزانہ ہے ۔ اس کی جمع و ترتیب کے متعلق خود اُن کا بیان ہے :

''کنت فی رحلتی اتتبع ذلک ، و اسأل الحفاظ عن الانساب و کیفیتها ، والی ای شئ نسب کل احد ، و اثبت ما کنت اسمع ۔ ولما اتفق الاجتماع مع شیخنا و امامنا ابی شجاع عمر بن ابی الحسین البسطامی بماوراء النهر ، و کان یحثنی علی نظم مجموع فی الانساب و کل نسبة الی قبیلة او بطن او ولاء او بلدة او قریة او جد او حرفة او لقب لبعض اجداده ، فان الانساب لا تخلو عن واحد من هذه الاشیاء ۔ فشرعت فی جمعه بسمرقند فی سنة خمسین و خمسمائة ۔ و کنت اکتب الحکایات والجرح و التعدیل باسانیدها ۔ ثم حذفت الاسانید لکیلا یطول و ملت الی الاختصار لیسهل علی الفقهاء حفظها ، و لا یصعب علی الحفاظ ضبطها ۔''

(میں اپنے سفر میں انساب کی جستجو اور تحقیق میں مصروف رہا اور اہل علم سے منتسب الیہ اور کیفیتِ نسبت دریافت کرکے اپنے پاس نوٹ کرتا رہا ، تا آنکہ ماوراءالنہر میں استاد ابو شجاع البسطامی سے ملاقات ہوئی ۔ اُنہوں نے ایک ایسا مجموعۂ انساب مرتب کرنے کی ترغیب دی ، جس میں نسبت کی تشریح ہو کہ وہ قبیلے ، خاندان ، آقا ، شہر ، گاؤں ، اجداد ، یا القاب آبائی وغیرہ میں سے کس کی طرف ہے ، کیوں کہ بالعموم نسبت انھی کی طرف ہوتی ہے ۔ میں نے سمرقند میں سنہ ۵۵۰ھ میں اس کام کا آغاز کر دیا ۔ ابتداءً حکایات اور جرح و تعدیل کو اسناد سمیت لکھتا تھا ، لیکن بعد کو اسانید حذف کردیں اور اختصار کی طرف مائل ہو گیا ، تا کہ فقہا اور حفاظ کو انساب کے ضبط و حفظ میں دشواری نہ ہو) ۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱) سمعانی دوران سفر میں انساب کی تحقیق و تفتیش اور ہر نئی بات اپنے پاس نوٹ کرتے رہے ۔ (۲) ماوراءالنہر کے سفر میں ابو شجاع بسطامی سے ملاقات ہوئی تو اُن کی ترغیب سے سنہ ۵۵۰ھ میں ترتیب کا کام شروع کیا ۔ (۳) انساب میں قبیلے ، خاندان ، آقا ، وغیرہ ہر

قسم کی نسبت کا ذکر کیا ۔ (۴) ابتداً اسانید بھی لکھتے رہے لیکن ترتیب کے وقت طوالت کے خوف سے انہیں چھوڑ دیا ۔

انساب کی ترتیب کے متعلق لکھا ہے :

''واوردت النسبة علی حروف المعجم و راعیت فیہا الحرف الثانی و الثالث الی آخر الحروف و ابتدأت بالالف الممدودة لانہا بمنزلة الالفین ۔''

(میں نے نسبتوں کو حروف تہجی پر مرتب کیا ہے اور ترتیب میں حرف ثانی ، ثالث وغیرہ سب کی رعایت کی ہے اور چونکہ الف ممدودہ دو الفوں کی قائم مقام ہے اس لیے کتاب کا آغاز الف سے کیا ہے) :

اس تمام تفصیل کے بعد تراجم کے بارے میں لکھتے ہیں :

''و اذکر نسب الرجل الذی اذکرہ فی الترجمة و سیرتہ وما قال الناس فیہ و اسنادہ ۔ و اذکر شیوخہ و من حدث عنہم و من روی عنہ ، و مولدہ و وفاتہ ان کان بلغنی ذلک ۔ و قدمت فصولا فیہا احادیث مسندة فی الحث علی تحصیل ہذا النوع من العلم و نسب جماعة من اصول العرب ۔''

(میں جس کا حال لکھوں گا اُس کے متعلق بتاؤں گا کہ نسب کیا ہے ؟ اخلاق و عادات کیسے تھے ؟ اُس کے حق میں علما کیا کہتے ہیں ؟ اُس کا سلسلۂ روایت کیا ہے ؟ اُس کے شیوخ کون ہیں ؟ کس نے اُس سے روایت کی ہے ؟ کہاں پیدا ہوا اور کب وفات پائی ؟ لیکن یہ سب بشرط علم ہے ۔ کتاب کے آغاز میں چند فصلیں بڑھا دی ہیں ۔ اُن میں وہ مستند حدیثیں جو اس علم کے حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہیں ، اور متعدد ایسے عرب قبائل کا ذکر ہے جو بہ منزلۂ اصول تسلیم کیے گئے ہیں) ۔

کتاب الانساب کے مآخذ :

کتاب الانساب میں ۵۳۴۶ نسبتیں اور لقب مذکور ہیں جن میں سے ابتدائی ۸۴ نسبتوں کے تراجم کی تعداد ۲۰۰ ہے ۔ اس سے حسابی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پوری کتاب تقریباً ۱۴ ، ۱۵ ہزار اشخاص کے حالات پر مشتمل ہوگی ۔ چونکہ ان اشخاص میں بڑی تعداد ایسے علما کی ہے جو یا تو سمعانی سے زماناً متقدم تھے اور یا معاصر تھے ، لیکن ملاقات نہ ہو سکی ، بنا بریں

ترتیب انساب کے وقت پچھلی تصنیفات کی طرف رجوع نا گزیر تھا۔

خوش بختی سے سمعانی کا وطن مملکتِ خراسان کا دارالسلطنت تھا اور وہاں متعدد دارالعلوم اور کتاب خانے اشاعتِ علم کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ اُن کتاب خانوں میں سے دو سمعانی کے اپنے خاندان کی ملکیت تھے اور اُن نوادرات سے مالا مال تھے جو اُن کے دادا اور والد نے اور بعد ازاں خود اُنھوں نے ممالک اسلام کے سفروں میں جمع کیے تھے۔ یہ کتاب خانے ہر وارد و صادر اور حاضر و بادی کے لیے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ چنانچہ سمعانی کی وفات سے ۵٦ سال کے بعد یاقوت حموی مرو گیا، تو اُس وقت تک یہ ذخائر آباد تھے، اور اپنی کثرتِ کتب اور سہولتِ معاملہ کی وجہ سے اس قدر جاذب تھے کہ وہ حسرت ناک لہجے میں کہتا ہے[1] :

"اقمت بہا (ای بمرو) ثلاثۃ اعوام . . . . و لو لا ما عرا من ورود التتر الی تلک البلاد و خرابہا، لما فارقتہا الی المات لما فی اھلہا من الرفد و لین الجانب و حسن العشرۃ و کثرۃ الکتب الاصول المتقنۃ بہا ۔ فانی فارقتہا و فیہا عشرۃ خزائن للوقف ۔ لم أر فی الدنیا مثلہا کثرۃ وجودۃ . . . فکنت ارتع فیہا و اقتبس من فوائدھا و انسانی حبہا کل بلد و الہانی عن الاھل و الولد ۔ و اکثر فوائد ھذا الکتاب وغیرہ فھو من تلک الخزائن ۔"

(میں اس شہر میں تین سال رہا ۔ اگر تاتاریوں کے حملوں اور لوٹ مار کا خطرہ درپیش نہ ہوتا ، تو میں مرتے دم تک وہاں سے نہ آتا ، اس لیے کہ اہل مرو میں اعانت ، نرمی اور خوش باشی جیسے صفات پائے جاتے ہیں اور یہاں حوالے کی معتبر کتابوں کا انبار ہے ۔ چنانچہ جب میں وہاں سے چلا ہوں ، تو دس پبلک لائبریریاں موجود تھیں ۔ میں نے کتابوں کی کثرت اور نسخوں کی صحت و عمدگی کے اعتبار سے ان سے اچھے کتاب خانے دنیا بھر میں نہیں دیکھے۔ میں اُن میں بیٹھا عمدہ اور ضروری مضامین اقتباس کرتا رہتا تھا ۔ اُن کی الفت نے تمام شہروں کو بھلا دیا تھا اور میں اہل و عیال تک سے غافل ہوگیا تھا حتیٰ کہ میری اس کتاب (معجم البلدان) اور نیز دیگر کتابوں کے اکثر

---

۱ ۔ معجم البلدان ، جلد ۵ ، صفحہ ۳۵ و ۳٦ ، ذکر مرو ۔

مضامین اُنھی کے رہین منت ہیں) -

جب ان کتاب خانوں سے استفادہ مسافروں تک کے لیے اس قدر سہل تھا ، تو کوئی وجہ نہیں کہ سمعانی اُن سے محروم رہے ہوں - اُن کے مآخذ کی مکمل فہرست پیش کرنی دشوار ہے کیوں کہ بہت سی کتابوں کا حوالہ خود اُنھی نے نہیں دیا ہوگا، اور جن کا حوالہ دیا ہوگا ، اُن میں سے متعدد میرے سرسری مطالعے کے وقت نظر سے نہیں گزری ہوں گی - تاہم حسب ذیل کتابیں اُن کے سامنے تھیں اور ان کا ذکر انساب میں اکثر آتا رہتا ہے -

(۱) کتاب الالقاب لہشام الکلبی (۲) کتاب النسب لزبیر بن بکار (۳) کتاب الانساب للبخاری (۴) کتاب تاریخ المصریین لابی سعید عبدالرحمٰن بن یونس الصدفی المصری (۵) کتاب زیادات تاریخ المصریین لابی زکریا بن علی الطحان الحافظ (۶) کتاب الغرباء الذین قدموا مصر لابی سعید الصدفی (۷) کتاب تاریخ بغداد للخطیب البغدادی (۸) کتاب الموتلف لہ (۹) کتاب تاریخ نیسابور لابی عبداللہ الحاکم (۱۰) کتاب طبقات الفقہاٴ الشافعیۃ لابی اسحاق الشیرازی (۱۱) معجم الشیوخ لابی بکر محمد بن ابراھیم بن المقری الاصفہانی (۱۲) کتاب الوزراء للامیر ابی نصر ابن ماکولا (۱۳) کتاب الاکمال لہ (۱۴) کتاب الطبقات لعلماٴ بلخ لابی عبداللہ محمد بن جعفر البلخی الوراق (۱۵) کتاب الزیادات علی طبقات العلماء ببلخ (۱۶) کتاب تاریخ نسف لابی العباس المستغفری (۱۷) کتاب تاریخ مرو لابی زرعۃ المسیحی (۱۸) کتاب القند بمعرفۃ علماء سمرقند لابی حفص عمر النسفی (۱۹) کتاب الثقات لابی حاتم ابن حبان البستی (۲۰) کتاب الاکمال بمعرفۃ الرجال بسمرقند لابی سعد عبدالرحمٰن بن محمد الاسترابادی (۲۱) کتاب تاریخ استراباد لہ (۲۲) کتاب المضاھات و المضافات لابی الکامل احمد البصری (۲۳) کتاب دمیۃ القصر لابی الحسن علی بن الحسن الباخرزی (۲۴) کتاب التاریخ لابی علی البغدادی (۲۵) کتاب مفاخر خراسان لابی‌القاسم عبداللہ بن احمد بن محمود البلخی (۲۶) کتاب الجرح والتعدیل لعبد الرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (۲۷) کتاب تاریخ رقۃ لابی علی محمد بن سعد الحافظ المعروف بابن الحرانی (۲۸) کتاب تاریخ الصوفیۃ لابی عبدالرحمٰن السلمی (۲۹) کتاب العلم لابی نعیم الاصفہانی الحافظ (۳۰) کتاب تاریخ الجزریین لابی عروبۃ الحسین بن ابی معشر الجزائری (۳۱) کتاب مختلف القبائل لابن حبیب (۳۲) کتاب تاریخ جرجان

لحمزة بن يوسف السهمى (٣٣) كتاب تقييد المهمل و تمييز المشكل لابى على الغسانى (٣٣) كتاب الجامع الصحيح لابى حفص عمر بن محمد بن بجير البجيرى (٣٥) كتاب المصاحف لابى بكر عبدالله بن ابى داوٗد السجستانى (٣٦) كتاب اصبهان ليحيى بن ابى عمر ابن مندة (٣٧) تاريخ اصبهان لابى بكر ابن مردويه (٣٨) تاريخ واسط لاسلم بن سهل (٣٩) تاريخ بخارا لابى عبدالله محمد بن احمد بن سليمان (٤٠) كتاب مختلف الحديث (٤١) كتاب الحماسة لابى تمام (٤٢) كتاب المجروحين و الضعفاء لابى حاتم ابن حبان البستى (٤٣) معجم الشيوخ لعبد العزيز بن محمد النخشبى (٤٤) كتاب التاريخ لمحمود بن ابراهيم بن سميع (٤٥) كتاب سيرة محمد بن اسحاق بن يسار (٤٦) كتاب مشتبه النسبة لعبدالغنى بن سعيد المصرى (٤٧) كتاب الرسالة لابى الفتح ناصر بن احمد العباسى (٤٨) كتاب انساب العرب لابى فراس السامى (٤٩) معجم البلدان لابى سعد السمان (٥٠) معجم البلدان لابى الفضل المقدسى (٥١) تاريخ دمشق للحافظ ابن عساكر الدمشقى (٥٢) كتاب الفتوح لسيف بن عمر (٥٣) كتاب علل القرآن لابى نصر منصور بن محمد بن ابراهيم بن عبدالله البصرى (٥٤) تاريخ الامم والملوك لابى جعفر الطبرى (٥٥) كتاب الانساب لاحمد بن الخباب الحميرى (٥٦) تاريخ شيراز لابى عبدالله محمد بن عبدالعزيز الشيرازى (٥٧) معجم الشيوخ لابى الفتح يوسف بن عمر القواس (٥٨) كتاب التاريخ للبخارى (٥٩) معجم الشيوخ لابى الفتح هبة الله بن عبدالوارث السوارى الحافظ (٦٠) كتاب الابناء (٦١) كتاب فطام العقدين للحسين بن ابراهيم البصرى (٦٢) كتاب المتحابين لابى بكر احمد بن على بن لال الامام (٦٣) كتاب الاشتقاق لابى بكر ابن دريد (٦٤) معجم الشيوخ لابى الفتح عبدالغافر بن الحسين الحافظ (٦٥) كتاب التاريخ لاسمعيل بن على الخطبى (٦٦) الموالى من اهل مصر للكندى (لعله كتاب الولاة وكتاب القضاة لابى عمر الكندى) (٦٧) الالحاق على كتاب ابن ماكولا لابى الفضل محمد بن ناصر السلامى (٦٨) معجم الشيوخ لهبة الله بن المبارك السقطى (٦٩) كتاب معرفة الصحابة لابى عبدالله ابن منده (٧٠) الطبقات لابى الحسن بن سميع (٧١) كتاب الاستيعاب للحافظ ابن عبدالبر (٧٢) الالقاب لابن السلمى (٧٣) كتاب التاريخ لذى المناقب ابى الوفاء الاخسيكثى (٧٤) كتاب الانساب لابى الفضل محمد بن طاهر المقدسى (٧٥) معجم الشيوخ لابى الفتيان عمر بن عبدالكريم الرواسى الحافظ (٧٦) كتاب

المختلف للدار قطنی (۷۷) المعجم الصغیر لسلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی (۷۸) معجم الشیوخ لابی بکر احمد بن ابراہیم الاسمعیلی (۷۹) کتاب فتوح خراسان لاحمد بن سیار (۸۰) معجم الشیوخ لابی الحسین محمد بن احمد بن جمیع الغسانی (۸۱) کتاب ابی نعیم احمد بن عبداللہ الحافظ (۸۲) کتاب المجمل (۸۳) کتاب شیوخ البلدان لابی بکر احمد بن محمد بن عبدوس النسوی (۸۴) کتاب الالقاب لابی الفضل الفلکی الهمدانی (۸۵) کتاب الکنی لابی احمد الحافظ النیسابوری (۸۶) کتاب طبقات الهمدانیین لابی الفضل صالح بن احمد الهمدانی الحافظ (۸۷) کتاب تاریخ الحمصیین لاحمد بن محمد بن عیسیٰ (۸۸) کتاب الترغیب لابی احمد حمید بن زنجویه بن قتیبة بن عبداللہ الازدی النسوی (۸۹) کتاب حلیة الاولیاء لابی نعیم الاصفهانی (۹۰) کتاب الصناع من الفقهاء و المحدثین لابی عبداللہ محمد بن اسحاق بن سعید بن اسماعیل السعدی الهروی (۹۱) کتاب العین (۹۲) کتاب طبقات العلماء من الموصل لابی زکریا یزید بن محمد بن ایاس الازدی (۹۳) کتاب الافراد لابی الحسن علی بن عمر الدارقطنی (۹۴) کتاب الشیوخ لیونس بن عبدالاعلی (۹۵) کتاب الطبقات لمحمد بن سعد کاتب الواقدی (۹۶) تاریخ المفضل (۹۷) کتاب ابی الولید الفرضی (۹۸) کتاب تاریخ وفاة الشیوخ لمحمد بن مخلد (۹۹) کتاب اخبار القضاة و المحدثین بالاندلس لمحمد بن حارث الخشنی (۱۰۰) کتاب اصبهان لحمزة بن الحسن (۱۰۱) کتاب الشجرة (۱۰۲) کتاب الغریب لابی سلیمان الخطابی ۔

کتاب الانساب کی تاریخی اہمیت :

کسی کتاب کی اہمیت پر بحث کرتے وقت امور ذیل کا لحاظ ضروری ہے : (۱) موضوع کی اہمیت (۲) اسلوب تحریر میں جدت (۳) کتاب کی جامعیت (۴) مصنف کی استعداد کے متعلق ماہرین فن کی رائے (۵) مصنفین مابعد کا اس سے استناد ۔

موضوع :

کتاب الانساب کا موضوع تذکرہ ہے ۔ تذکرے کی اہمیت اور اس کی ضرورت کسی استدلال کی محتاج نہیں ، کیوں کہ یہی ایک ذریعۂ علم ہے جو ہمیں اسلام کی گزشتہ خدمات کا صحیح علم بہم پہنچاتا ہے ۔ اگر ہم اس سے قطع نظر کر لیں ، تو تمام پچھلی اشاعت تہذیب و تمدن کی کوششیں دنیا کی

نظر سے اوجھل ہو جائیں گی ، اور پھر ہمارے کوتاہ نظر ، کوتاہ زبان اور کوتاہ قلم رقیب چھوٹے منہ بھی اُن کا اقرار کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے ۔

جدتِ اسلوب :

الانساب سے پہلے تاریخ و تذکرے کی بے شمار کتابیں لکھی جا چکی تھیں ، لیکن وہ یا تو مختص المقام تھیں یا سنین پر مرتب تھیں یا اُن کے تراجم کے اسما حروف تہجی پر ترتیب دیے گئے تھے ۔ انساب کے ماتحت تراجم کسی مستقل تصنیف میں مذکور نہیں ہوئے تھے ۔ اس لیے ابو سعد کی ترتیب نے انساب کی کتاب کو دوسری کتابوں سے ممتاز کر دیا اور ماسبق تصنیفات کے انبوہ میں اُس کے لیے مناسب جگہ پیدا ہو گئی ۔

جامعیتِ کتاب :

جامعیتِ کتاب پر رائے زنی کرنے سے قبل مناسب تھا کہ میں تراجم کے صحیح اعداد و شمار حاصل کر لیتا ۔ لیکن تنگیِ وقت نے اس بحر ذخار میں غوطہ زنی کی اجازت نہ دی اور میں طیارے کے مسافر کی طرح صرف انساب و القاب شمار کرتا چلا گیا ۔ چناں چہ اُن کی کل تعداد ۳۵۲۶ نکلی ۔ ان میں سے ابتدائی ۸۳ نسبتوں کے تراجم شمار کیے تو تعداداً ۲۰۰ تھے ۔ چوں کہ آگے چل کر یہ تعداد زیادہ ہوتی گئی ہے ، اس لیے میری ناقص رائے میں تین تراجم فی نسبت کی اوسط سے تخمیناً چودہ پندرہ ہزار اشخاص کا ذکر انساب میں ہونا چاہیے ۔ یہ تعداد بجائے خود بھی کتاب کی جامعیت کے ثبوت کے لیے کافی ہے ۔ لیکن جب انساب کی اس خصوصیت پر نظر ڈالی جائے کہ اس میں کئی ہزار معاصرین کا ذکر ہے ، تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے ۔

مصنف کے متعلق ماہرین کی آراء :

ابو سعد کے بارے میں اُن کے تذکرہ نگار بہت خوش رائے ہیں ۔ محدث ابن عساکر صاحبِ تاریخ دمشق کہتے ہیں : ''کان متصونا ، عفیفا ، حسن الاخلاق . . . . وھوالان شیخ خراسان غیر مدافع عنه عن صدق و معرفة و کثرة سماع و اجزاء و کتب مصنفة[1] ۔'' ابن الاثیرالجزری انھیں ''واسطة عقدالبیت السمعانی و عینھم الباصرة و یدھم الناصرة'' قرار دیتے ہیں ۔

---

۱ ۔ دیباچۂ اللباب لابن الاثیر الجزری ۔

محدث ذہبی نے ''حافظ خراسان'' ، ابن خلکان اور الیافعی نے ''تاج الاسلام و صاحب التصانیف الحسنۃ العزیزۃ الفائدۃ'' اور السبکی نے ''محدث المشرق و صاحب التصانیف المفیدۃ المتقنۃ و الریاسۃ و السؤدد'' لکھا ہے ۔

الانساب سے استناد :

کتاب الانساب کے متعلق مورخین کی رائے یہ ہے کہ یہ ابوسعد کی عزیز الفوائد کتاب ہے ۔ سبکی اسے ''اجل الکتب'' کہتے ہیں ، اور ابن الاثیر الجزری اور سیوطی کے نزدیک یہ کثیرالفائدۃ تصنیف ہے ۔ معجم البلدان یاقوت حموی ، وفیات الاعیان ابن خلکان ، مرآۃ الجنان یافعی ، طبقات شافعیۂ سبکی اور شذرات الذھب ابن عماد الحنبلی وغیرہ کے صفحے صفحے پر اس کے حوالے نظر آتے ہیں ۔ یہ تمام کتابیں تذکرے کی مسلم اور مقبول کتابیں ہیں اس لیے ان کا استناد انساب کی قبولیت و اعتبار کے لیے کافی ہے ۔

الانساب پر مسٹر مارگولیتھ کے اعتراضات :

مسٹر مارگولیتھ نے موجودہ اصول تبصرہ نگاری کے ماتحت انساب کے بعض بیانات پر اعتراض کیا ہے ۔ دیباچۂ انگریزی میں فرماتے ہیں :

''جب کسی کتاب کی اشاعت کافی ہو جاتی ہے ، تو مصنف کے لیے اُس میں ترمیم کرنا آسان نہیں رہتا ۔ حریری بخوشی اپنے ایک 'مقامہ' میں ترمیم کر دیتا ، لیکن وہ سات سو نسخوں پر اجازہ تحریر کر چکا تھا ۔ یہ اُس کے راستے میں حائل ہو گیا ۔ چوں کہ انساب میں ایسے بیانات پائے جاتے ہیں جو یقیناً مختلف اوقات میں لکھے گئے ہوں گے ، اس لیے اس سے کتاب کی قلت اشاعت ثابت ہوتی ہے ۔ مثلاً ورق ۳۳۶ الف پر مصنف اپنے تیسرے سفر نیشاپور کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک عالم نے سنہ ۵۴۷ھ میں وفات پائی لیکن ورق ۳۹۷ ب پر نیشاپور کے چوتھے سفر کا ذکر ہے جو از روے عبارت ۵۳۵ھ سے بعد نہیں ہو سکتا ۔ پس ظاہر ہے کہ اُس نے وقتاً فوقتاً اضافات کیے ہیں اور ہمیشہ متضاد بیانات میں تطابق کی زحمت نہیں اُٹھائی ۔''

اس میں شبہہ نہیں کہ کتاب کی کثرت اشاعت راہ ترمیم میں حائل ہو جاتی ہے ، اس لیے بسا اوقات کثیر الاضافات کتاب قلیل الاشاعت ہوتی ہے ،

لیکن کتاب الانساب اس زمرے میں شامل نہیں ، اس لیے کہ یہ مصنف کی زندگی کا اولین اور آخری کام ہے ۔ سفر و حضر دونوں میں اس کا مسودہ اُس کے ساتھ رہتا تھا ۔ جب کسی شخص سے ملاقات ہوتی ، اُس کا نام و نسب اور مختصر احوال درج کر لیتا ، اور جب کسی عالم کی خبر وفات معلوم ہوتی تو اگر اُس کا تذکرہ آ چکا ہوتا ، تو صرف تاریخ ، ورنہ پورا حال کتاب میں لکھ لیتا ۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہا ، تا آنکہ سنہ ۵۶۲ھ میں مصنف کا انتقال ہو گیا ۔ اس وقت اہل ذوق نے اس کی نقلیں حاصل کیں ، اور اس کی اشاعت میں کوشش کی ، گویا مصنف کی موت اس کی اشاعت کی اجازت تھی ۔ اُس سے قبل اجازت دینے کا موقع نہیں ملا ۔ ایسی حالت میں اس کو قلیل الاشاعت کہہ کر اس کی وقعت کم کرنا زیبا نہیں ۔

مسٹر مارگولیتھ کے اس خیال کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُنھیں کتاب الانساب میں آخری سنہ ۵۵۵ھ ملے ہیں ۔ اُن کے خیال میں تاریخِ ختم اور وفاتِ مصنف کے درمیان کم از کم چار پانچ سال کا وقفہ ہے ، جو کثرتِ اشاعت کے لیے کافی ہے ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ انساب میں سنہ ۵۵۵ھ کے علاوہ جو (السنجی اور الیغنوی) میں ملتا ہے ، الخانی اور القایمی کے ماتحت سنہ ۵۵۸ھ اور الخوجانی کے ماتحت کچھ اوپر ۵۶۰ھ کا ذکر پایا جاتا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سمعانی کی حیات تک کتاب الانساب شائع نہ ہوئی تھی ، اور مصنف کا ارادہ یہ تھا کہ اس میں جس قدر بیاضیں باقی ہیں اُن کی تکمیل کر کے علمائے تاریخ تک پہنچائیں ۔

مسٹر مارگولیتھ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ابو سعد نے متضاد بیانات میں تطابق کی زحمت نہیں اُٹھائی ۔ اس اعتراض کے ثبوت میں اُنھوں نے انساب میں سے ایک ایسا بیان پیش کیا ہے جو اُن کے زعم میں متضاد ہے ؛ یعنی ابو سعد نے تیسرے سفر نیشاپور کے ساتھ سنہ ۵۴۷ھ اور چوتھے کے ساتھ ۵۴۵ھ لکھے ہیں ۔ فقیر عرشی کی رائے میں یہ صاحب موصوف کی غلط فہمی ہے ، اس لیے کہ اولاً تو ورق ۳۳۶ الف پر سنہ ۵۴۸ھ تحریر ہیں ، ۵۴۷ھ نہیں ہیں ۔ دوم یہ کہ ۳۳۶ الف پر وہ اپنے ورود نیشاپور کی تاریخ نہیں لکھتا ، بلکہ ابو العباس الشقانی کی تاریخ وفات بتاتا ہے ۔ اس کی عبارت یہ ہے : "۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سمعت منہ نیسابور فی النوب الثلاثۃ ، و توفی سنہ ۵۴۸"۔ چوں کہ یہاں دو واقعات ،

سماع اور وفات۔یک جا مذکور تھے ، اور دوسرے کے آخر میں تاریخ تھی اس لیے مسٹر مارگولیتھ سے تسامح ہوا اور وہ از روے غلط فہمی دونوں کا وقوع اسی تاریخ میں سمجھ گئے ۔

مسٹر مارگولیتھ کی یہ پہلی غلطی نہیں ہے ۔ انساب کے اکثر مقامات کے سمجھنے میں اُنھوں نے تساہل سے کام لیا ہے ۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ سنہ ۵۳۷ھ میں ابوسعد نیشاپور میں تھا ، اس لیے کہ ورق ۸۰ ب پر اُس نے لکھا ہے ''و انصرف الینا سنة ۳۷ ۔''

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ ابوعبداللہ الحاکم کی عبارت ہے ۔ پوری عبارت حسب ذیل ہے :

''ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان التمیمی البستی امام عصرہ ۔ صنف تصانیف لم یسبق الی مثلها ۔ رحل مابین الشاش الی الاسکندریة ۔ و تلمذ فی الفقه لابی بکر بن خزیمة بنیسابور ۔ و کتب بالبصرة عن ابی خلیفة الجمحی ، و بالشام عن محمد بن عبداللہ الکلاعی و عالم لا یحصون ۔ سمع منه ابوعبداللہ الحافظ وغیرہ ۔ و ذکرہ ابوعبداللہ الحاکم، فقال: ابوحاتم البستی القاضی کان من اوعیة العلم فی اللغة و الفقه و الحدیث و الوعظ ۔ وکان من عقلاء الرجال ۔ صنف فخرج له من التصنیف فی الحدیث مالم یسبق الیه ۔ و ولی القضأ بسمرقند وغیرها من المدن بخراسان ۔ ثم ورد نیسابور سنه ۳۴ ، و حضرناہ یوم الجمعة بعدالصلوٰة ۔ فلما سالناہ الحدیث، نظر الی الناس و انا اصغرہم سنا ، فقال : استمل ۔ فقلت:نعم ۔ فاستملیت علیه ۔ ثم اقام عندنا ۔ و خرج الی القضاء الی نسا او غیرها۔ و انصرف الینا سنة ۳۷ . . . . ۔''

غالباً اب اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں کہ یہ ابوعبداللہ الحاکم کی ملاقات تھی کیوں کہ ابوسعد کو اس عالمِ آب و گل میں آنے کے لیے ابھی سو سال سے زائد درکار تھے ۔

اسی طرح وہ ابوسعد کے سفر خوارزم کی تاریخ ۵۴۹ھ بتاتے ہیں ، اور استدلال میں ''ثم قدم خوارزم سنة ۴۹'' کو پیش کرتے ہیں ، حالاں کہ سیاق اس کا مخالف ہے ۔ ابو سعد کہتے ہیں : ''وصاحبنا ابوجعفر عمر بن محمد العلیمی الدمشقی . . . . لقیته اولا بنیسابور فی الرحلة الرابعة الیها . . . ثم ورد علینا مرو . . . . و کتب عنی و انصرف الی بلادہ ۔ و آخر عهدی به سنة ۵۴ھ

ثم قدم خوارزم سنة ۵۴۹ھ" (العلیمی) - اگر ابوسعد خوارزم میں ابوجعفر سے ملے ہوتے ، تو اولاً تو ''قدم علینا'' کہتے ، دوم یہ نہیں کہتے کہ اُن سے میری آخری ملاقات سنہ ۵۴۵ھ میں ہوئی تھی - واقعہ یہ ہے کہ ابو جعفر شام کے باشندے تھے - جب وہ وطن جا کر دوبارہ ایران آئے ، تو ابو سعد کو یہ اطلاع ملی کہ ابو جعفر شام سے پھر ایران آئے ہیں - اُنھوں نے لکھ دیا : ''ثم قدم خوارزم'' - پس لفظ ''قدم'' سے یہ خیال کرنا کہ ابوسعد اُس زمانے میں خوارزم میں موجود تھے، کسی طرح درست نہیں -

یا مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ سنہ ۵۳۸ھ میں ابو سعد طوس میں تھے ، اور ثبوت میں السوارق کا ترجمہ پیش کرتے ہیں - لیکن میری ناقص رائے میں یہ مقام بھی اُن کے مدعا کو ثابت نہیں کرتا - ابوسعد کہتے ہیں ''ابوبکر محمد بن عتیق بن نجم بن احمد السوارق . . . ولقیتہ بمرو اولاً . . . ثم لقیتہ بنیسابور ثم بنوقان طوس - وصارت بینی و بینہ صداقة اکیدة . . . توفی بطوس سنة ۵۳۸-''

اس سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ ابوسعد و ابوبکر کی آخری ملاقات نوقان طوس میں ہوئی، اور ابوبکر سنۂ مذکور میں طوس میں انتقال کرگئے ، لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ابوبکر کے انتقال کے وقت ابوسعد طوس میں تھے -

ابن الجوزی کا اعتراض :

ابو سعد پر اعتراض کرنے والوں میں اہم شخصیت امام ابن الجوزی کی ہے - اگرچہ اُن کا اعتراض 'کتاب الانساب' کے ساتھ مخصوص نہیں ، لیکن اُس کے حدود سے انساب خارج بھی نہیں ، اس لیے مناسب ہے کہ اس پر بھی غور کر لیا جائے -

وہ کہتے ہیں ''کان یأخذ الشیخ ببغداد، و یعبر بہ نہرعیسی، فیسمع علیہ و یقول : حدثنی فلان بماوراء النہر لتدلیس بذلک[1] -''

یعنی ابوسعد تدلیس کے عادی تھے - اُنھوں نے یہ کیا ہے کہ ایک عالم سے بغداد میں ملے ، اور نہرعیسٰی کے اُس طرف لے جا کر اُس سے کوئی حدیث سنی ، اور پھر بیان کر دیا کہ میں نے فلاں شخص سے ماوراءالنہر میں یہ حدیث سنی تھی -

---

۱ - دیباجة اللباب لابن الاثیر الجزری -

ابن الاثیر 'لباب' کے دیباچے میں اس اعتراض کو نقل کرکے لکھتے ہیں کہ تعجب ہے کہ ابن الجوزی نے یہ اعتراض کیوں کیا۔ اس لیے کہ ابوسعد تو در حقیقت ان مقامات کا سفر کر چکے تھے۔ اُنھیں اس قسم کی تدلیس کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ یہ تو خود ابن الجوزی کرتے کہ وہ کبھی بغداد سے باہر نہیں گئے۔

در حقیقت ابن الجوزی اس معاملے میں بہت سخت گیر ہیں۔ وہ معمولی سے شبہے کو یقین کی حد تک پہنچا دیتے ہیں، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ابوسعد اس سے بالا ہیں کہ تدلیس کریں۔ بعض اصحاب نے اسے ابن الجوزی کے تعصب مذہبی پر محمول کیا ہے، لیکن اس اعتراض سے میں ابن الجوزی کو بھی بلند جانتا ہوں۔ بہرحال وہ بہت بلندِ پایہ محدث ہیں۔

چند تاریخی حقائق :

کتاب الانساب میں بہت سے نادر حقائقِ تاریخی مذکور ہیں۔ یہاں دو چار کا تذکرہ افادے سے خالی نہ ہوگا:

(۱) صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ امام التفسیر مانے جاتے ہیں۔ کتاب التفسیر کے علاوہ جو 'تنویر المقیاس' کے نام سے طبع ہو چکی ہے، کتب حدیث کے ابواب التفسیر کا بڑا حصہ اُنھی کے مرویات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اُن کے شاگردوں میں سے مجاہد کا پایۂ اعتبار بہت بلند ہے۔ مجاہد کے شاگرد عبداللہ بن ابی نجیح ہیں۔ عام طور پر یہ خیال کیا گیا ہے کہ وہ امام مجاہد سے بلا واسطہ روایت کرتے ہیں۔ لیکن ابو سعد کہتے ہیں:

''قال یحییٰ القطان: لم یسمع ابن ابی نجیح التفسیر عن مجاہد۔ وقال ابو حاتم ابن حبان: ابن ابی نجیح و ابن جریج نظراً فی کتاب القاسم بن ابی بزۃ عن مجاہد فی التفسیر، فرویا عن مجاہد من غیر سماع'' (الاخنسی)۔

(۲) قرآن مجید کی جمع و تالیف کے سلسلے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماسوا علی العموم صرف دو دوسرے صحابہ — حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما — کا نام لیا گیا ہے۔ اہل تسنن ان کو مختلف الترتیب مانتے ہیں۔ لیکن اہل تشیع کو اصرار ہے کہ مصحف علی رضی اللہ عنہ میں آیات اور سور زائد ہیں۔ بہر حال ہمیں ایسے چوتھے نسخے کا علم نہ تھا جو ترتیب میں مصحف عثمانی سے مختلف ہو۔ مگر سمعانی ابو سعید مصری کی

کتاب التاریخ سے نقل کرتے ہیں :

''ابو حماد عقبة بن عامر الجهنی . . . شهد فتح مصر . . . وکانت له السابقة و الهجرة . . . و کان کاتباً ، وکان احد من جمع القرآن ۔ و مصحفه الی الآن بخطه رأیته عند علی بن الحسن بن قدید علی غیر التالیف الذی فی مصحف عثمان رضی الله عنه ۔ وکان فی آخره : کتب عامر بن عقبة بیده ۔ و رأیت له خطا جیدا ۔ و لم ازل اسمع شیوخنا یقولون انه مصحف بن عقبة ، لایشکون فیه'' (الجهنی) ۔

(۳) فرقۂ اسماعیلیہ کے امام اسماعیل بن جعفر الصادق رحمة الله علیہ کی نسل دنیا میں موجود خیال کی جاتی ہے ۔ لیکن ابو سعد کتاب الشجرة کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ان کے صاحب زادے محمد بن اسماعیل نے اپنے بعد اولاد نہیں چھوڑی ۔ ابو سعد کے الفاظ یہ ہیں :

''و الفرقة الاسمٰعیلیة جماعة من الباطنیة ، ینتسبون الی محمد بن اسماعیل بن جعفر الصادق لانتساب زعیمهم المغربی الی محمد بن اسماعیل ۔ و فی کتاب الشجرة انه لم یعقب'' (الاسمٰعیلی) ۔

(۴) ابو حاتم ابن حبان نے أصمعی کے ترجمے میں لکھا ہے کہ اگرچہ وہ عرب کے دیہقانیوں سے قصے کہانیاں بہت روایت کیا کرتے ہیں ، لیکن جب کبھی ثقہ اصحاب سے احادیث نقل کرتے ہیں تو اُس میں تخلیط نہیں ہوتی ۔ چنانچہ امام مالک رحمة الله علیہ نے اُن سے روایت کی ہے ۔ البتہ نام یاد نہ رہنے کے سبب ''حدثنی عبدالعزیز بن قریر'' کہا ہے ۔

ابو سعد کہتے ہیں کہ یہ درست نہیں ، اس لیے کہ امام مالک ہمیشہ اکابرین سے روایت کیا کرتے ہیں ۔ أصمعی اُن سے علم اور عمر دونوں میں کم ہیں ۔ پھر کس طرح باور کیا جائے کہ امام نے اپنے رویے کو خیرباد کہہ کر أصمعی سے روایت قبول کرلی ۔ درحقیقت عبدالعزیز بن قریر کی تعیین شخصیت میں محدثین مختلف الرائے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ عبدالعزیز مذکور مدینے کے رہنے والے اور قریب کے بیٹے تھے ۔ ابوسعد کے الفاظ یہ ہیں :

''قال ابو حاتم ابن حبان : الاصمعی یروی عن ابن عون ۔ روی عنه الناس ۔ مات سنة خمس عشرة و مأتین ۔ لیس فیما یروی من الحدیث عن لثقات اذا کان دونه ثقة تخلیط ، و ان کان ممن اکثر الحکایات عن

الأعراب ۔ و قد روی عنه مالک ، و یقول: حدثنی عبدالعزیز بن قریر ۔ ولم یحفظ اسمه ولا اسم ابیه ۔ هذا کلام ابن حبان ۔ و ظنی انه وہم فیه ، فانه ذکر فی الطبقة الثالثه من الثقات ان مالک بن انس مات سنة تسع و سبعین ومأیة قبل الاصمعی بست وثلاثین سنة ۔ ومالک ماکان یروی الا عن الاکابر العلماء ۔ فکیف روی عن الاصمعی، و هودون مالک فی العلم والسن ۔ مع ان جماعة اختلفوا علی مالک فی روایته عن عبدالعزیز بن قریر، و قالوا : هو قریب ، و هو من اهل المدینة " (الاصمعی)۔

(۵) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیفات مسند اور کتاب الصلوۃ ہیں ۔ لیکن ابو سعد نے بحوالۂ الحاکم نقل کیا ہے کہ ابو محمد الفضل بن محمد بن المسیب الشعرانی نے نیشاپور میں ائمہ کی ایسی بعض کتابیں روایت کیں جن کی روایت اس کے علاوہ کسی دوسرے سے ثابت نہیں ۔ ان میں کتاب التاریخ الکبیر لامام احمد بن حنبل بھی تھی (الریوذی) ۔ چوں کہ ابو محمد عرصے تک امام احمد ابن حنبل کی خدمت میں حاضر رہے تھے، اس لیے فقیر عرشی کے نزدیک صرف تفرد فی الروایة سے انتساب کی تردید دشوار ہے ۔ اگر التاریخ الکبیر للبخاری کی طرح اس کا کوئی نسخہ بھی دستیاب ہو جائے ، تو یہ گنج باد آورد سے زیادہ قیمتی ہوگا ۔

(۶) ابوالفضل محمد بن ناصر الحافظ نے ابوالقاسم مکی بن عبدالسلام المقدسی الرمیلی کے ترجمے میں لکھا ہے کہ انہیں فرنگیوں نے سنہ ۴۹۰ھ میں بیت المقدس پر قبضہ کرتے وقت شہید کردیا ۔ ابو سعد کہتے ہیں کہ یہ ان کا وہم ہے ۔ بیت المقدس پر فرنگیوں کا قبضہ سنہ ۴۹۲ھ میں ہوا ہے ۔ (الرمیلی) ۔

(۷) اسلامی عہد ترقی کے طریقۂ تعلیم کے متعلق ہمیں املا ، وعظ اور قرات کے علاوہ ایک نئی بات انساب سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ کالجوں میں مناظرے (ڈیبیٹ) کی باری بھی مقرر ہوتی تھی ۔ ابو القاسم محمد بن احمد بن بندار اللارجانی کے ترجمے میں لکھا ہے : "وکان لایخل بنوب المناظرة التی فی المدرسة العمیدیه" (اللارجانی) ۔

(۸) انساب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشرق میں کاغذ سازی صرف سمرقند میں ہوتی تھی ۔ چنانچہ منصوری کاغذ ابوالفضل منصور بن نصر بن عبدالرحیم الکاغذی کی طرف ، اور حسینی کاغذ ابو علی الحسین بن ناصر الکاغذی کی طرف منسوب تھا ۔ ابو علی اور ابو سعد دونوں معاصر ہیں ۔ قیامِ سمرقند میں ابوسعد نے مجالس املا کرانی شروع کی تھیں ، تو ابو علی اُن میں شریک ہوتے تھے ۔ ابو سعد کہتے ہیں کہ ابوعلی کا کاغذ مضبوطی ، صفائی اور سپیدی میں تمام کاغذوں سے بڑھ چڑھ کر تھا (الکاغذی) ۔

انساب میں فارسی گو شعرا کا ذکر :

کتاب الانساب میں متعدد فارسی گو شعرا کا ذکر بھی آیا ہے ۔ ان میں سے بجز رودکی کے باقی دو ذواللسانین ہیں ۔

(۱) رودکی ایران کا پہلا شاعر ہے جس نے تمام اقسام سخن میں طبع آزمائی کی اور اپنے بعد مرتب ذخیرۂ سخن چھوڑ گیا ۔ تذکرہ نگار اُسے شعرِ فارسی کا آدم کہتے ہیں ۔ لیکن اہل تحقیق اسے تسلیم نہیں کرتے ۔ وہ کہتے ہیں کہ شاعری ایک شخص کی تخلیق نہیں ہوتی ۔ اس کی پیدایش اور ترقی کے لیے ایک نسل کا عرصۂ حیات بھی تنگ ہے ۔ چونکہ رودکی کی شاعری کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ابتدائی مراحل طے کر چکی ہے ، اس لیے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ مرحلے ایک رودکی نے طے کر ڈالے؟ اور اگر یہ واقعہ ہے تو رودکی کا ابتدائی کلام کہاں گیا ؟

اگرچہ اس مسئلے میں ہر دو جانب سے گفتگو کی گنجایش نکلتی ہے ، لیکن کم از کم جہاں تک رودکی کا تعلق ہے ، ابوسعد کے بیان سے اُس کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے ۔ وہ لکھتا ہے :

''والمشہور منہا (من الرودک) الشاعر الملیح القول بالفارسیة السائر دیوانہ فی بلاد العجم ابو عبداللہ جعفر بن محمد بن حکیم بن عبدالرحمٰن بن آدم الروذکی الشاعرالسمرقندی ۔ کان حسن الشعر ، متین القول ۔ قیل : اول من قال الشعرالجید بالفارسیة ھو ۔ وقال ابو سعد الادریسی الحافظ : ابوعبداللہ الروذکی کان مقدما فی‌الشعر بالفارسیة فی زمانہ علی اقرانہ ۔ یروی عن اسماعیل بن محمد بن اسلم القاضی السمرقندی حکایة حکاھا عنہ ابوعبداللہ بن ابی حمزة السمرقندی ۔

لانعلم له حدیثا مسندا ۔ و بعد ان رأیت له روایة لم استحسن ترک ذکرہ ۔ قال : و کان ابوالفضل البلعمی وزیر اسماعیل بن احمد والی خراسان یقول : لیس للروذکی فی العرب و العجم نظیر ۔ و مات بروذک سنة ۳۲۹ " (الروذکی)۔

اس بیان میں یہ جملہ کہ فارسی کا پہلا عمدہ اشعار کہنے والا رودکی ہے ، نزاع کا فیصلہ کرنے کے لیے کافی ہے ۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اُس کے زمانے میں متعدد فارسی گو شعرا موجود تھے ، اسی لیے ابو سعد الادریسی نے لکھا ہے کہ رودکی اپنے زمانے کے تمام معاصر شعرا کا پیش رو ہے ۔ اگر وہ پہلا فارسی گو شاعر ہوتا تو اظہار تقدم کی ضرورت لاحق نہ ہوتی ۔

(۲) فارسی کا دوسرا شاعر اسماعیل بن احمد بن اسماعیل الجوذقانی الباخرزی ہے ۔ یہ بڑا فاضل ادیب اور ابو سعد کا گہرا دوست تھا ۔ اس کی فارسی رباعیاں اُس عہد میں بہت مشہور تھیں ۔ یہ سنہ ۴۸۳ھ میں جوذقان میں پیدا ہوا ۔ غالباً ابوسعد کی وفات تک زندہ تھا ، اسی لیے انساب میں وفات کا مذکور نہیں ہے ۔

(۳) فارسی کا تیسرا شاعر ابوسعد کا چچا زاد بھائی ابو منصور محمد بن الحسن السمعانی ہے ۔ ابوسعد کے بیان کے مطابق اسے عربی فارسی نظم میں ید طولیٰ حاصل تھا ۔ اس نے سنہ ۵۳۳ھ کی لیلة العرفہ میں انتقال کیا ۔

انساب میں علمائے ہند کا ذکر :

کتاب انساب میں حسب ذیل ہندی اہل علم کا بھی ذکر آیا ہے ۔ ان میں بعض ابو سعد سے متقدم اور بعض اُن کے معاصر ہیں ۔ معاصرین میں ایک اُن کے والد کے آزاد کردہ غلام تھے :

(۱) ابو جعفر محمد بن ابراهم بن عبداللہ الدیبلی ۔ یہ مکۂ معظمہ میں رہتے تھے ۔ انہوں نے 'کتاب التفسیر لابن عینیہ' ابو عبیداللہ سعید بن عبدالرحمٰن المحرومی سے اور 'کتاب البر و الصلة لابن المبارک' ابو عبداللہ الحسین بن الحسن المروزی اور عبدالحمید بن صبیح سے روایت کی ہے ۔ ابوالحسن احمد بن ابراهیم بن فراس المکی اور ابوبکر محمد بن ابراهیم بن علی بن المقری ان کے شاگرد ہیں ۔

(۲) ان کے بیٹے ابراهیم بن محمد الدیبلی ، موسیٰ بن هارون اور محمد بن علی

الصابغ الکبیر وغیرہ سے روایت کرتے ہیں ۔

(۳) ابوالقاسم شعیب بن محمد بن احمد بن شعیب بن بزیع بن سوار الدیبلی ۔ یہ ابن ابی قطعان الدیبلی مشہور ہیں ۔ انھوں نے مصر کا سفر کیا اور وہاں احادیث بیان کیں ۔ ابو سعید بن یونس مصری صاحبِ تاریخ مصر نے ان سے روایت کی ہے ۔

(۴) خلف بن محمد الموازینی الدیبلی ۔ بغداد میں فروکش ہوئے اور وہاں علی بن موسیٰ الدیبلی سے روایت حدیث کی ۔ ابوالحسن احمد بن محمد بن عمران بن الجندی ان کے شاگرد ہیں ۔

(۵) ابوالعباس محمد بن محمد بن عبداللہ الوراق الدیبلی الذاھد ۔ یہ صالح اور عالم تھے ۔ ابو خلیفۃ الفضل بن الحباب الجمحی ، جعفر بن محمد بن الحسن الفریابی ، عبدان بن احمد بن موسیٰ العسکری ، محمد بن عثمان بن ابی سوید البصری اور اُن کے معاصرین سے روایت کرتے ہیں ۔ الحاکم ابو عبداللہ الحافظ صاحبِ کتاب المستدرک نے ان سے شرف سماع حاصل کیا ہے ۔ ابوالعباس الدیبلی نے ماہ رمضان سنہ ۳۴۵ھ میں انتقال کیا اور ابو عمرو بن نجید نے نماز جنازہ پڑھائی ۔

(۶) ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن سعید الدیبلی ۔ یہ زاہد اور عبادت گزار فقرا اور طلب علم میں شہر بہ شہر پھرنے والے غربا میں شمار کیے جاتے ہیں ۔ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ کے عہد میں نیشاپور میں آ بسے تھے ۔ یہاں الحسن بن یعقوب الحدادی کی خانگاہ (خانقاہ) میں قیام تھا ۔ اندرون شہر میں ان کی شادی ہوئی تھی اور وہیں بچے پیدا ہوئے ۔ لیکن یہ خانگاہ میں رہتے تھے اور جامع مسجد میں نمازیں ادا کرکے اہل و عیال کے پاس جاتے تھے ۔ ان کا لباس اونی ہوتا تھا اور اکثر پا برہنہ پھرا کرتے تھے ۔ انھوں نے بصرے میں ابوخلیفہ القاضی سے ، بغداد میں جعفر بن محمد الفریابی سے ، مکے میں المفضل بن محمد الجندی اور محمد بن ابراہیم الدیبلی سے ، مصر میں علی بن عبدالرحمٰن اور محمد بن زیان سے ، دمشق میں ابوالحسن احمد بن عمیر بن جوصا سے ، بیروت میں ابوعبدالرحمٰن مکحول سے ، خراسان میں ابو عروبۃ الحسین بن ابی معشر سے ، تستر میں احمد بن زہیر التستری سے ، عسکر مکرم میں عبدان بن احمد الحافظ سے اور نیشاپور میں ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے شرف سماع

حاصل کیا - ابوعبداللہ الحاکم ان کے شاگرد ہیں - ان کی تاریخ وفات رجب سنہ ۴۴۳ھ ہے اور نیشاپور کے مقبرۃ الحیرہ میں مدفون ہیں[1] -

(۷) ابو معشر نجیح بن عبدالرحمان السندی المدینی - یہ ام المہدی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ خود محمد بن عمر ، نافع اور ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں ، اور ان سے عراقیوں نے روایت کی ہے - ابو نعیم کہتے ہیں کہ ابومعشر سندی تھے - ان کی زبان میں لکنت تھی - چنانچہ کعب کو قعب کہا کرتے تھے۔ ماہ رمضان سنہ ۱۷۰ھ میں ان کا انتقال ہوا - ہارون الرشید نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی اور بغداد کے بڑے قبرستان میں دفن کیا - آخر عمر میں خلط کرنے لگے تھے اور چونکہ موت سے کئی سال قبل سے یہ حالت ہوگئی تھی کہ انہیں کچھ خیال نہ رہتا تھا کہ کیا بیان کر رہے ہیں اور اس وجہ سے ان کے مرویات میں مناکیر بہت ہوگئے تھے ، لہذا محدثین نے ان سے احتجاج باطل قرار دیا ہے -

(۸) ابو عطاء السندی - یہ مشہور شاعر ہے - ابوتمام نے کتاب الحماسۃ میں اس کے اشعار لکھے ہیں -

(۹) ابو نصرالفتح بن عبداللہ السندی - یہ آل حکم کے غلام تھے - بعد ازاں آزاد ہوگئے اور فقہ اور علم کلام ابو علی الثقفی سے حاصل کیا - یہ ایک بار بہت سے شاگردوں کے ساتھ جارہے تھے۔ راہ میں دیکھا کہ ایک شریف (یعنی سید) کیچڑ میں لت پت مدہوش چلا آ رہا ہے - ابو نصر نے راستہ قطع کر دیا - شریف نے کہا "او غلام! میں تو اس حال میں ہوں اور تجھے دیکھو کہ تیرے پیچھے پیچھے اتنے آدمی جا رہے ہیں -" ابو نصر نے کہا "آپ کو اس کی وجہ معلوم نہیں ؛ بات یہ ہے کہ میں آپ کے دادا کے قدم بہ قدم ہوں اور آپ میرے دادا کے قدم بہ قدم ہیں -" ابو نصر السندی نے حسن بن سفیان وغیرہ سے روایت حدیث کی ہے -

(۱۰) ابوعبدالملک محمد بن ابی معشر نجیح بن عبدالرحمٰن المدنی السندی - یہ نجیح مولیٰ ام المہدی کے بیٹے ہیں - خلیفہ المہدی انہیں مدینے سے بغداد لے آیا تھا - یہاں انہوں نے مکونت اختیار کرلی اور یہیں اپنے بال بچے چھوڑے -

---

۱ - یہاں تک کے بیان کردہ حضرات الدیبلی کے تحت مذکور ہیں -

انھوں نے ابن ابی ذئب اور ابوبکر الہذلی کو دیکھا تھا ، اور اپنے باپ سے کتاب المغازی وغیرہ پڑھی تھی ۔ ان کے دونوں لڑکوں داؤد اور الحسن نے نیز ابو حاتم محمد بن ادریس الرازی ، محمد بن اللیث الجوہری اور ابویعلی الموصلی نے ان سے روایت کی ہے ۔ ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ وہ صادق الروایت تھے۔ یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ جب عبدالملک مصیصہ آئے ، تو میں نے اُن سے حجاج کے متعلق سوال کیا ۔ پہلے تو وہ خاموش رہے ، پھر بولے : ''میں اس بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا ۔ اب تم پوچھنا ہی چاہتے ہو تو سنو : ''وہ میرے پاس اس غرض سے آیا تھا کہ میں نے اُس کے باپ سے جو کتابیں پڑھی ہیں ، اُنھیں لے جائے ۔ چناں چہ کتابیں لے جا کر اُس نے نقل کرلیں ۔ لیکن مجھ سے سماع حاصل نہیں کیا ۔'' ابو عبدالملک نے ۹۹ سال کی عمر میں سنہ ۲۴۴ھ میں انتقال کیا[1] ۔

۱۱ ۔ ابو الحسن علی بن عمر بن الحکم اللوہوری ۔ یہ ادیب ، شاعر ، وسیع المعلومات اور خوش گو تھے ۔ انھوں نے ابو علی المظفر بن الیاس بن سعید السعیدی الحافظ سے سماع حدیث کیا ۔ ابو سعد ان سے نہ مل سکے ، البتہ سمرقند میں ابوالفضل محمد بن ناصر السلامی الحافظ البغدادی اور ابو الفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن الاشعثی اللوہوری کے واسطے سے ان سے روایت کی ۔ ابوالحسن نے ۵۲۹ ہجری کو لاہور میں وفات پائی ۔

(۱۲) ابوالقاسم محمود بن خلف اللوہوری ۔ یہ فقیہ اور مناظر تھے ۔ انھوں نے فقہ ابوسعد کے دادا سے اور حدیث اُن سے اور دیگر محدثین سے حاصل کی ۔ ابو سعد نے ان سے اسفراین میں کچھ سنا تھا ۔ انھوں نے سنہ ۵۴۰ھ کے قریب انتقال کیا[2] ۔

(۱۳) ابو العباس احمد بن محمد بن صالح التمیمی القاضی المنصوری ۔ یہ عراق میں آ بسے تھے اور مذہب داؤد الاصفہانی کے امام مانے جاتے تھے ۔ انھوں نے فارس میں ابوالعباس بن الاثرم سے اور بصرہ میں ابورؤف سے روایت

---

۱ ۔ ان حضرات کا ذکر السندی کے تحت ہوا ہے ۔
۲ ۔ یہاں تک کے اسماء اللوہوری نسبت کے تحت مذکور ہیں ۔ ابو سعد نے اس کا تلفظ لاہور اور لوہور دونوں لکھے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں یہ کثیرۃ الخیر شہر ہے ۔

کی ہے ۔ ابو عبداللہ الحاکم ان کے شاگرد ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ ظریف کوئی عالم نہیں دیکھا ۔

(۱۴) ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن مرۃ المنصوری المقری ۔ یہ سیاہ فام تھے ۔ انھوں نے الحسن بن مکرم اور اُن کے اقران سے ، اور ان سے ابو عبداللہ الحاکم نے روایت کی ہے[1] ۔

(۱۵) ابو الحسن مخلص بن عبداللہ الہندی المہذبی ۔ یہ مہذب الدولہ ابو جعفر الدامغانی البغدادی کے آزاد کردہ غلام تھے ۔ انھوں نے بغداد میں ابوالغنائم محمد بن علی النرسی ، ابوالقاسم البزاز اور ابو الفضل الحنبلی سے اور ابو سعد نے ان سے سماع حاصل کیا[2] ۔

(۱۶) ابو الحسن بختیار بن عبداللہ الہندی الصوفی ۔ یہ محمد بن اسماعیل الیعقوبی القاضی کے آزاد کردہ غلام تھے ۔ بڑے صالح اور مضبوط اخلاق کے عالم تھے ۔ اپنے آقا کے ساتھ عراق ، حجاز اور کور اہواز کا سفر کیا ، اور بغداد میں الشریف ابو نصر محمد ، ابو الفوارس طراد بن محمد بن علی الزینبی اور ابو محمد رزق اللہ بن عبدالوہاب التمیمی سے، بصرے میں ابوعلی علی بن احمد بن علی، ابوالقاسم عبدالملک الحافظ اور ابو یعلی احمد بن محمد بن الحسن العبدی سے اور اصفہان میں اسی طبقے کے افراد سے شرف سماع حاصل کیا ۔ ابو سعد نے ان سے قوشنبج اور ہراہ میں احادیث سنیں ۔ انھوں نے سنہ ۵۴۲ھ یا ۵۴۳ھ میں وفات پائی ۔

(۱۷) ابو محمد بختیار بن عبداللہ الہندی القصاد ۔ یہ ابو سعد کے باپ کے آزاد کردہ غلام تھے ۔ ان کے ساتھ عراق و حجاز کا سفر بھی کیا اور بہت سی حدیثیں سنیں ۔ یہ بڑے نیک آدمی تھے ۔ انھوں نے بغداد میں ابو محمد جعفر بن احمد السراج ، ابو الفضل محمد بن عبدالسلام الانصاری، اور ابوالحسن بن المبارک بن عبدالجبار الطیوری سے ، ہمدان میں ابو محمد عبدالرحمٰن بن احمد بن الحسن الدونی سے، اور اصفہان میں ابوالفتح محمد بن احمد الحداد اور اُن کے

---

۱ ۔ دیکھیے نسبت المنصوری ۔ ابوسعد کہتے ہیں ''یہ منصورہ کی طرف نسبت ہے ۔ منصورہ جہاں تک میرا گمان ہے ، ملتان کے نواح میں واقع ہے ۔''

۲ ۔ دیکھیے نسبت المہذبی ۔

طبقے کے دیگر محدثین سے سماع حاصل کیا ۔ ابو سعد نے ان سے کچھ احادیث سنی تھیں ۔ انھوں نے سنہ ۵۴۱ھ کو مرو میں انتقال کیا[1]۔

ان ہندی علما کے علاوہ دیگر ارباب ہند کا تذکرہ بھی ضمنی طور پر جگہ جگہ آیا ہوگا ۔ لیکن میں اس مختصر فہرست میں ان کی خدمت تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر رہا ۔

کتاب الانساب کے قلمی نسخے :

کتاب الانساب کے مذکورۂ تحت قلمی نسخوں کا ہمیں علم ہے :

(۱) نسخۂ کتب خانۂ رام پور ۔

(۲) نسخۂ کتب خانۂ بانکی پور ، پٹنہ ، نمبر۶۳۶ ۔ یہ نسخہ عہد اکبری کے بعض علما کے زیر مطالعہ رہ چکا ہے ۔

(۳) نسخۂ کتب خانۂ بوہار (نیشنل لائبریری ، کلکتہ) ، نمبر ۲۳۳ ۔

(۴) نسخۂ کتب خانۂ ایاصوفیہ ، نمبر ۲۹۷۶ ۔

(۵) ایضاً نمبر ۲۹۸۰ ۔

(۶) نسخۂ کتب خانۂ بشیر آغا ، نمبر ۴۳۵ ۔

(۷) نسخۂ کتب خانۂ کوپریلی آغا ، نمبر ۱۰۱۰ ۔

(۸) نسخۂ برٹش میوزیم ، لندن ، نمبر ۳۴۵ ۔ یہ نسخہ ابتدا سے السابرابادی تک ہے اور اس کے اوراق کی تعداد ۳۱۶ ہے ۔

(۹) ایضاً نمبر ۱۲۸۶ ۔ یہ نسخہ مکمل ہے اور غالباً اسی کا عکس مسٹر مارگولیتھ کے دیباچے کے ساتھ شایع ہوا ہے ۔

ان نسخوں کے علاوہ ایک نسخے کا پتا ٹونک میں بھی چلتا ہے ، لیکن اس کے متعلق مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس وقت کا لکھا ہوا اور کس حالت میں ہے ۔

نسخۂ رام پور کی کیفیت :

ان تمام نسخوں میں سے میرے سامنے دو نسخے موجود ہیں؛ نسخۂ رام پور اور نسخۂ برٹش میوزیم کا عکس جو گب میموریل سیریز میں شایع ہوا ہے ۔

نسخۂ رام پور $9\frac{1}{2} \times 6\frac{1}{4}$ انچ سائز کے ۸۸۲ صفحات پر مشتمل ہے ۔ سطور

---

۱ ۔ دیکھیے نسبت الهندی ۔

۳۵ فی صفحہ ہیں ۔کاغذ باریک کشمیری ہے ۔ خط خفی لیکن صاف ہندوستانی نسخ ہے ۔ عنوان شنجرفی ہیں ۔ کہیں کہیں کاغذ بوسیدہ ہو چلا ہے ۔ آب رسیدگی اور کرم خوردگی کے آثار بھی نظر آتے ہیں ۔ بحیثیت مجموعی نسخہ اچھی حالت میں ہے ۔ سنہ کتابت ۹ جمادی الاولی سنہ ۳۷ ہے جو اورنگ زیب کا سنہ جلوس اور ۱۱۰۵ھ کے مطابق معلوم ہوتا ہے ۔ کاتب عربی سے نابلد تھا ، اس لیے کتابت کی غلطیاں بہت ہیں ۔

لندنی نسخے کی کیفیت :

برٹش میوزیم کے عکس کا سائز قدرے بڑا ہے ۔ اوراق کی تعداد ۶۰۳ اور سطریں فی صفحہ ۳۱ ہیں ۔ اس کے بعض حصے نسخ میں ، بعض نستعلیق میں اور بعض خط شفیعا میں لکھے ہوئے ہیں ۔ سال کتابت تحریر نہیں ، لیکن یہ بھی نسخۂ رام پور کا معاصر معلوم ہوتا ہے ۔ اور چوں کہ اس میں بھی تقریباً وہی کتابت کی غلطیاں موجود ہیں جو اول الذکر میں نظر آتی ہیں ، اس لیے کچھ بعید نہیں کہ اُسی سے نقل کیا گیا ہو ۔ ورنہ یہ ضرور ہے کہ دونوں کی اصل ایک ہے ۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نسخۂ رام پور میں (المسبحی) کے مقابل حاشیے پر لکھا ہے ”اختصرنا من ھٰذا المحل و ترکنا التطویل و اخذنا اللباب الی الجزئین۔“ یہی عبارت لندن کے نسخے کے حاشیے پر درج ہے ۔ نیز نسخۂ رام پور میں (الآمری) کے بعد کچھ عبارت ساقط ہے اور یکایک ”و اکثر من ینسب الیھا بعرف بالطبری“ شروع ہو جاتا ہے ۔ بعینہ اسی طرح لندن کے نسخے کی عبارت ہے ۔ اور چوں کہ دونوں میں بیاض نہیں ہے ، اس لیے اس کو ابو سعد کے نسخے کی کمی نہیں قرار دیا جا سکتا ۔

نسخہ ھائے رام پور و لندن کا تقابل :

لیکن اس قدر یکسانیت کے باوجود رام پور کا نسخہ زیادہ مکمل ہے ۔ مثلاً :

(۱) الاخنسی کے ذیل میں عکسی نسخے میں تحریر ہے : ”قال یحیٰی القطان لم یسمع ابن ابی نجیح التفسیر عن مجاھد من غیر سماع ۔“

رام پور کے نسخے میں یہ عبارت اس طرح ہے : ”قال یحیٰی القطان لم یسمع ابن ابی نجیح التفسیر عن مجاھد و قل ابو حاتم بن حبان: ابن ابی نجیح

و ابن جریج نظرا فی کتاب القاسم بن ابی بزۃ عن مجاهد فی التفسیر ، فرویا عن مجاهد من غیر سماع ۔''

(۲) یا المربعی کے ماتحت عکسی نسخے کی عبارت ہے : ''ابو الجوزاء اوس بن عبداللہ بن عمر ۔ روی عنہ آہ'' ۔ یہی عبارت رام پوری نسخے میں اس طرح ہے :

''و ابو الجوزاء اوس بن عبداللہ الربعی و قیل المربعی مربعۃ الازد من اهل البصرۃ من ثقات التابعین و علمائهم ۔ یروی عن عایشۃ و ابن عباس و عبداللہ بن عمر روی عنہ آہ ۔''

(۳) یا عکسی نسخے میں البویطی کے بعد ایک نسبت البوینی مذکور ہے جسے البوین کی طرف منسوب بتایا ہے ، لیکن یہی نسبت رام پور کے نسخے میں اس طرح ہے :

''البوینجی ۔ بضم الباء الموحدۃ و فتح الیاء المنقوطۃ باثنین من تحتها و سکون النون و فی آخرها الجیم ۔''

(۴) یا الجعابی کے ماتحت عکسی نسخے میں ہے : ''قد انتهی الیہ''۔ رام پور کے اس نسخے میں اس مقام پر ''قد انتهی هذا العلم الیہ'' واقع ہے ۔ ان خامیوں کے ماسوا ایک عیب عکسی نسخے میں یہ بھی ہے کہ اس میں اکثر مقامات پر وہ بیاضیں موجود نہیں ، جو رام پوری نسخے کے اعتبار سے خود مصنف نے چھوڑی تھیں ، اور بنابریں سرسری مطالعہ کرنے والا اس دھوکے میں پڑ جاتا ہے کہ نسخہ مکمل ہے ۔

نیز نسخۂ رام پور میں السدوری کے مقابل تقریباً تین سطروں کا حاشیہ ہے ۔ یہ حاشیہ عکسی نسخے کے کاتب نے متن میں شامل کر دیا ہے ۔ اسی طرح عکسی نسخے میں القینی کے ماتحت ایک سطر کے بقدر القینانی کی عبارت درج ہو گئی ہے ۔

نسخۂ رام پور کے حواشی :

نسخۂ رام پور کے حواشی پر بعض مفید تحریریں ملتی ہیں ۔ چوں کہ یہ سب بخط نستعلیق ہیں اس لیے خیال یہ ہے کہ کسی مطالعہ کرنے والے عالم کا نتیجۂ قلم ہیں ۔ غالباً یہاں دو چار حواشی کا ذکر باعث دل چسپی ہوگا ۔

(۱) البدیلی کے ماتحت کمبل کا ذکر کرتے ہوئے ابو سعد لکھتے ہیں :

''قلت وفاته قبل الاربعمائة بقریب'' ۔ اس پر محشی نے اضافہ کیا ہے ؛ مجلد نے اس اضافے کی کچھ عبارت کاٹ ڈالی ہے ، لیکن اس قدر پڑھا جاتا ہے : ''بل بعد الاربعمائة سنة ثمان و اربعمئة'' اور ''. . . فی کتاب النشر فی القراءات . . .''

(۲) البنکثی کے ذیل میں ہیثم بن کلیب کے حال کے آخر میں حاشیہ ہے : ''کانت وفاة الهیثم بن کلیب الشاشی فی سنة خمس و ثلثین و ثلثمائة ۔ ذکرها الحفظ شمس الدین الدمشقی فی التبیان و . . . الدیار بکری فی الخمیس ۔''

(۳) الدنوق کی تشریح میں ''هذه النسبة الی دنوقا'' کے بعد دونوں نسخوں میں بیاض ہے ، لیکن نسخۂ رام پور کے حاشیے پر یہ لکھ دیا ہے کہ ''قد ذهب قدر ثلثة اسطر من العبارة ۔''

(۴) الدشتی کے مقابل حاشیہ ہے : ''ذهب کثیر من العبارة ۔''

(۵) الفارابی پر حاشیہ ہے : ''لم یذکر ابا نصر الفارابی مع علو شانه وسمو مرتبته و لعله من جهل المولف و قلة معرفته بمراتب العلماء ۔''

اس مقام پر محشی کا لہجہ درشت ہے ۔ شاید اُسے اس لیے غصہ آیا ہے کہ ابو نصر معلم ثانی کہلاتا ہے ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابو سعد نے صرف اُن اصحاب کا تذکرہ کیا ہے جو کسی حدیث یا حکایت یا شعر کے راوی ہیں ، ورنہ ابھی ہزارہا تراجم کے اضافے کی گنجایش ہے ۔

(۶) الغزالی پر حاشیہ ہے : ''سقط من قلم الناسخ الغزالی ۔ اذ احال ابن خلکان فی تاریخه تحقیق الغزالی علی انساب السمعانی ۔''

لندن کے نسخے میں بھی حواشی پائے جاتے ہیں ، لیکن وہ ہر جگہ دست یاب ہو سکتا ہے ، اس لیے اس مختصر فرصت کو میں زیادہ مشغول کرنا نہیں چاہتا ، اور آپ حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرکے اپنے حقیر مقالے کو ختم کرتا ہوں ۔ خدا کرے آپ کی علمی کوششیں بار آور ہوں اور کوئی ایسا اہل دل ہندوستان میں مل جائے جو یورپ کے مسٹر گب یا نوبل کی طرح اپنی دولت کو راہ علم میں لٹانے پر آمادہ ہو اور ہمارے اس داغ کو چھڑا دے جو خود اپنے علم کی طرف سے بے پروائی کی وجہ سے ہماری پیشانیوں پر نظر آ رہا ہے ۔

[روئداد ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور ، ۱۹۳۶ع]

زرنوجی کا نظام تعلیم و تعلم

علم ، ابتداے آفرینش ہی سے انسان کا رفیق ہے ۔ آغازکار میں اس سے انسان زیادہ فائدہ اس بنا پر نہ اٹھا سکا کہ معلومات کو نقوش اور اشکال کی زنجیروں میں قید کر لینے کا طریقہ ایجاد نہ ہوا تھا ۔ جب خیالات نے مادی شکل اختیار کر لینے کی ہامی بھرلی ، تو علم کے فوائد ، کیفیت اور کمیت دونوں میں روز افزوں ترقی کرنے لگے ۔ چنانچہ آج جو کچھ ہم جانتے اور برتتے ہیں ، اُسی لفظی کھیل کا نتیجہ ہے ۔

مسلمانوں نے علم کی باگ ہاتھ میں لی ، تو اُسے خداوندی فریضہ مانا ، اور مقدس امانت کی طرح صرف محفوظ کرکے نہیں ، اُس میں عظیم‌الشان اضافہ کرکے آنے والی نسلوں کے آگے پیش کر دیا ۔ کوئی علم اور کسی طرح کی صنعت ہو، اُس کی تاریخ ترقی میں سے اسلامی عہد کا حذف ، بام ِ علم کی سیڑھی کا اہم زینہ توڑ دینا ہے ۔

چونکہ علم تحصیلی چیز تھی ، مسلمانوں نے اس کے حصول کے قاعدے اور ضابطے مقرر کیے ، اس راہ کے گام‌زنوں کے لیے آداب اور شرطیں قرار دیں اور رفتہ رفتہ ایک زبردست نظام تعلیم و تربیت مرتب کر دیا ۔ اس نظام سے دنیاے علم کو کیا فائدہ پہنچا ، اس کا اندازہ کرنے کے لیے تاریخ علوم وفنون کے صفحات کی طرف رجوع کرنا چاہیے ۔ یہاں صرف اس کا ذکر ضروری ہے کہ تعلیمی مسائل سے بحث کرنے والے علم کا نام ''آداب الدرس'' رکھ کر مسلمانوں نے اس پر بہت سی کتابیں لکھیں تھیں ۔ ذیل میں اُن کی سرسری فہرست پیش کی جاتی ہے ، تا کہ اندازہ ہو سکے کہ اسلامی عہد ِ ترقی میں اس فن کی طرف کتنی توجہ کی گئی تھی :

۱ ۔ کتاب العلم ، ابو خیثمہ شیبانی ، متوفٰی ۲۳۴ھ (۸۴۸ع) ۔
۲ ۔ کتاب ترغیب العلم ، اسماعیل بن یحیٰی مزنی متوفٰی ۲۶۴ھ (۸۷۷ع)۔
۳ ۔ ریاضۃ المتعلم ، زبیر بن احمد الزبیری ، متوفٰی ۳۱۷ھ (۹۲۹ع) ۔

۴ - کتاب العلم والتعلم ، ابو زید بلخی ، متوفی ۳۴۰ھ (۹۵۱ع) -

۵ - ریاضۃ المتعلم ، ابن الشنّی ، متوفی ۳۶۳ھ (۹۷۳ع) -

۶ - الدر النظیم فی احوال العلوم والتعلیم ، ابن سینا ، متوفی ۴۲۸ھ (۱۰۳۶ع) -

۷ - ریاضۃ المتعلم ، ابو نعیم اصفہانی ، متوفی ۴۳۰ھ (۱۰۳۸ع) -

۸ - کتاب العالم و المتعلم ، ابن سیدہ ، متوفی ۴۵۰ھ (۱۰۶۶ع) -

۹ - کتاب فضل العلم و آدابہ ، ابن عبدالبر اندلسی ، متوفی ۴۶۳ھ (۱۰۷۰ع) -

۱۰ - شفاء المسترشدین ، الکتیا الہراسی ، متوفی ۵۰۴ھ (۱۱۱۰ع) -

۱۱ - طرازا لذہب ، ابو سعد سمعانی ، متوفی ۵۶۲ھ (۱۱۶۶ع) -

۱۲ - کتاب‌الاملا و الاستملا ، ابو سعد مذکور -

۱۳ - الرسالۃ العلمیۃ ، علی شستری ، متوفی ۶۶۸ھ (۱۲۶۹ع) -

۱۴ - زینۃ المتعلمین ، حمزہ بن یوسف حموی ، متوفی ۶۷۰ھ (۱۲۷۱ع) -

۱۵ - اخبار الربط و المدارس ، ابن الساعی بغدادی ، متوفی ۶۷۴ھ (۱۲۷۵ع) -

۱۶ - تذکرۃ السامع والمتکلم فی آداب العالم والمتعلم ، ابن جماعہ ، متوفی ۷۳۳ھ (۱۳۳۲ع) -

۱۷ - احیاء النفوس فی صنعۃ القاء الدرس ، تقی السبکی ، متوفی ۷۵۶ھ (۱۳۵۵ع) -

۱۸ - شفاء المتالم فی آداب العالم و المتعلم ، ابن نباتہ قدسی ، متوفی ۸۵۶ھ (۱۴۵۲ع) -

۱۹ - کتاب فی آداب العلما و المتعلمین ، حسین بن الامام قاسم‌الیمنی متوفی ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ع) -

یہ فہرست انتہائی مختصر ہے لیکن افسوس کہ اس کی بھی صرف چند کتابیں محفوظ رہ گئی ہیں - باقی اسلامی حکومتوں کے تغیر و تبدل اور مسلمانوں کی غفلت و بے توجہی کے ہاتھوں ضائع ہوگئیں -

برصغیر کے مسلمان عرصے سے ایسے نظام کے تحت تعلیم پا رہے ہیں جو

ان کی روایات، تہذیب و تمدن سے بڑی حد تک مغایرت رکھتا ہے ۔ لیکن اب دنیا تباہی کے عمیق سمندر میں سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے ۔ اگر اس نے آرام و اطمینان کی سانس لے کر کوئی نئی انتظامی کروٹ بدلی ، تو برصغیر کو بھی ساتھ دینا ہوگا ، اور یہاں کا ہر نظام عمل نئی راہوں پر گام زنی کا تقاضا کرے گا ۔

ان امور میں سب سے اہم نظام تعلیم ہے ۔ اس کی عمدگی اور برتری آئندہ نسلوں کی ترقی کی ضامن ہے ، اور نقائص مستقبل کی تمام تر تمناؤں پر پانی پھیر سکتے ہیں ۔ کچھ عرصے سے اس سلسلے میں نئے نئے منصوبے قائم کیے جا رہے ہیں ، اور ماہران تعلیم بحث و نظر ، غور و فکر اور پس و پیش کی دو چار منزلیں طے بھی کر چکے ہیں ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمی کشتی کے ناخداؤں کے سامنے قدیم اسلامی نظام تعلیم کی دور بدور ترقی کا خاکہ پیش کیا جائے ، تاکہ ان تعلیمی اقدار کو ، جن کے پیش نظر علم زمان و مکان کی فانی قیود سے نکل کر مقدس الٰہی فریضہ قرار پاتا ہے ، از سرنو رواج دینے کی کوشش کی جا سکے ۔ مسائل تعلیم سے دل چسپی رکھنے والے حضرات نے اس طرف توجہ فرمائی تو یقین ہے کہ ہمارے بہت سے مشکل مسئلے کسی نہ کسی حد تک مفید شکل میں طے ہو جائیں گے ۔

زرنوجی کا تعارف :

چھٹی صدی ہجری (۱۳ ویں صدی عیسوی) کے ایک فاضل نے طریق تعلیم وتعلم پرچھوٹا سا رسالہ لکھا ہے ۔ اس کا نام ''تعلیم المتعلم طریق التعلم'' ہے ، یعنی طالب علم کو پڑھنے لکھنے کے طریقے کی تعلیم ۔

مورخوں نے اُس کا نام ''برھان الدین (یا برھان الاسلام) زرنوجی'' بتایا ہے جو حقیقۃً نام نہیں ، لقب اور نسبت سے مرکب ہے ۔ زرنوج ، ماوراءالنہر (ترکستان) کا ایک شہر تھا جو اب ناپید ہے ۔ ساتویں صدی ہجری (۱۳ ویں صدی عیسوی) تک یہ شہر شہرت و ناموری کا مالک تھا اور عام طور پر زرنوق کہلاتا تھا[۱] ۔ برہان الدین اسی کے باشندے تھے ۔

۱ ۔ معجم البلدان حموی ، جلد ۴ ، صفحہ ۳۸۷ ، والجواہرالمضیئۃ ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۰۱ ۔ مگر موخرالذکر میں کاتب کی غلطی سے زرنوخ درج ہوگیا ہے ۔

زرنوجی کے حالات پردۂ خفا میں مستور ہیں ۔ تذکروں میں جتنا کچھ ملتا ہے ، وہ یہ ہے کہ مشہور اسلامی مقنن برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی متوفی سنہ ۵۹۳ھ (۱۱۹۷ع) کے شاگرد تھے جو شہرۂ آفاق فقہی کتاب 'الہدایہ' کے مصنف ہیں[1] ۔

مورخین کی اتنی مختصر اطلاع بھی کسی ذاتی کد و کاوش کا نتیجہ نہیں ، بلکہ خود زرنوجی کے ایک بیان کی نقل ہے ، جو اسی رسالے میں کئی جگہ نظر آتا ہے[2] ۔ اگر اساتذہ کے تذکرے سے زرنوجی کی علمی زندگی پر روشنی پڑتی ہے تو اسی رسالے میں حسب ذیل فضلا کا بھی جگہ جگہ ذکر کیا گیا ہے :

۱۔ قوام الدین حماد بن ابراهیم بن اسماعیل صفار بخاری[3] ۔ یہ بخارا کے ایک مشہور علمی خاندان کے فرد تھے ۔ علم کلام ، فقہ اور ادب میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے اور اس لیے جامع بخارا میں جمعے کی نماز پڑھایا کرتے تھے کہ ان سے بڑا عالم شہر میں موجود نہ تھا ۔ سمرقند میں سنہ ۵۷۶ھ (۱۱۸۰ع) میں انتقال کیا[4] ۔

۲ ۔ فخرالدین حسن بن منصور بن محمود اوزجندی معروف بہ قاضی خاں[5] ۔ یہ اسلامی قانون کے بڑے ماہر اور مفتیِ مشرق مانے جاتے ہیں ۔ کفوی کی رائے ہے کہ انھیں علم و فضل کا عمیق سمندر کہنا زیب دیتا ہے ۔ قانون کے ماہرین ان کی رائے کو ہمیشہ ترجیح دیتے رہے ہیں ، اور انھیں ابن کمال پاشا نے مجتہد فی المسائل شمار کیا ہے ۔ 'فتاویِ قاضی خاں' ان کی تصنیفات میں سب سے زیادہ مشہور اور آج تک اسلامی قانون کا دستور العمل تسلیم کیا جاتا ہے ۔

---

۱ ۔ الجواہر ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۱۲ و ۳۶۳ ؛ اعلام الاخیار للکفوی ۲۱۹ الف و ب ؛ الفوائد البہیہ ، صفحہ ۲۵ ۔

۲ ۔ ملاحظہ ہو شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۱۷ ، ۳۱ ، ۳۳ ، ۳۵ ، ۳۶ ، ۶۱ ، ۶۳ ، ۶۸ ۔

۳ ۔ ملاحظہ ہو شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۱۸ ، ۵۲ ۔

۴ ۔ الجواہر ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۲۳ ؛ الفوائد ، صفحہ ۳۲ ۔

۵ ۔ شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۳۳ ، ۶۱ ۔

سنہ ۵۹۲ھ (۱۱۹٦ع) میں ان کی وفات ہوئی[1] ۔

۳ ۔ ظہیرالدین حسن بن علی مرغینانی[2] ۔ یہ بہت بڑے محدث ، فقیہ اور کثیر التصنیف عالم تھے ۔ چھٹی صدی ہجری کے اکثر بڑے ائمہ ان کے شاگرد ہیں ، جن میں مذکورہ بالا مفتی اسلام صاحب ہدایہ بھی شامل ہیں[3] ۔

۴ ۔ رکن الدین محمد بن ابی بکر معروف بہ امام زادہ مفتی[4] ۔ یہ سمرقند کے ایک گانو چرغ کے باشندے تھے ۔ شریعت و طریقت دونوں میں ید طولیٰ حاصل تھا ۔ بے بدل منشی اور بڑے فصیح اور شیریں زبان مقرر تھے ۔ بخارا میں افتا اور وعظ کا کام انہیں کے سپرد تھا ۔ ادب و شعر میں بھی مہارت حاصل تھی ۔ مشہور مورخ سمعانی کے استاد ہیں اور شرعۃ الاسلام نام کی ایک کتاب ان کی تصنیف ہے ، جسے صاحب الجواہر نے بڑی نفیس تالیف بتایا ہے ۔ سنہ ۵۷۳ھ (۱۱۷۷ع) میں ان کا انتقال ہوا ہے[5] ۔

۵ ۔ سدید الدین شیرازی[6] ۔

٦ ۔ فخرالدین الکشانی ۔ غالباً یہ محمد بن مسعود بن حسین ہیں ، جو بخارا کے قاضی اور بڑے ظریف فاضل تھے ۔ سنہ ۵۵۲ھ (۱۱۵۷ع) میں ان کا انتقال ہوا ہے[7] ۔

---

۱ ۔ الجواہر ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۰۵ ؛ الفوائد ، صفحہ ۳۰ ۔

۲ ۔ شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ٦۵ ۔

۳ ۔ الجواہر ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۹۸ ، الفوائد ؛ صفحہ ۲۹ ۔

۴ ۔ شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ٦۵ ۔

۵ ۔ الجواہر ، جلد ۲ ، صفحہ ۳٦ ، ۳٦۲ ، الفوائد ؛ صفحہ ٦٦ ۔

٦ ۔ شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۳۰ ، ۳۷ ۔

۷ ۔ شرح تعلیم المتعلم، صفحہ ۵۵ ۔ تاریخ وفات کے لیے الجواہر، جلد۲ ، صفحہ ۱۳۲ ملاحظہ ہو ۔ تعلیم المتعلم کے قلمی نسخے میں کشانی اور شرح کے مطبوعہ نسخے میں کاشانی درج ہے ۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۲۱۸ کے مقالہ نگار نے اس سے مسعود بن احمد الکاسانی ملقب بعلاءالدین متوفی ۵۸۷ھ مراد لیے ہیں ، جس کی ظاہری وجہ بعض نسخوں میں الکاشانی یا الکاسانی کا درج ہو جانا ہے ۔

۷ - رکن الاسلام معروف بہ ادیب مختار[1] -

استادوں کے ماسوا رسالے سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ زرنوجی کے والد بھی صاحبِ علم اور قاضی عمر بن بکر الزرنجری متوفلی ۵۸۴ھ (۱۱۸۸ع) کے جلیس تھے[2] -

دوران بحث میں زرنوجی نے ادیبوں کے ملیح اقوال اور شعرا کے لطیف شعر بھی جگہ جگہ نقل کیے ہیں - یوں تو اشعار کا انتخاب ہی زرنوجی کے ادبی ذوق کی غمازی کرتا ہے ، لیکن اُنھوں نے دو تین موقعوں پر خود اپنے اشعار بھی لکھے ہیں جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ وہ شاعر بھی تھے[3] -

ماہر تعلیم کی حیثیت سے زرنوجی کا درجہ کیا ہے ، اس کی شہادت آئندہ صفحات بہم پہنچائیں گے -

تصنیفات :

اُن کی تصنیفات میں سے صرف زیر نظر رسالے کا ہمیں علم ہے ، اور حق یہ ہے کہ اُن کی علمی زندگی کی بقا کے لیے یہی کافی ہے - اس رسالے کی واقعی تاریخ تصنیف کا پتا نہیں چلتا - چونکہ صاحب ہدایہ متوفلی سنہ ۵۹۳ھ (۱۱۹۸ع)

---

۱ - شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۲۰ ، ۶۷ - شرح میں زین الاسلام لکھا ہے -

۲ - شرح تعلیم المتعلم، صفحہ ۵۱ - مگر شرح کے مطبوعہ نسخے میں ''الزرنجی'' اور رسالے کے قلمی نسخے میں ''الرازی'' درج ہو گیا ہے - اسی طرح دونوں میں قاضی صاحب کے والد کا نام ''ابی بکر'' ملتا ہے - میں نے الجواہر المضیئہ ، جلد۱ ، صفحہ ۱۷۲ ، ۳۸۸ اور جلد۲ ، صفحہ ۳۱۵ ، ۳۶۳ سے تصحیح کر کے لکھا ہے -

شرح میں ایک غلطی یہ ہوئی ہے کہ مصنف کے الفاظ ''فکان ابی'' کو 'کان ابوحنیفہ' سے بدل دیا گیا ہے - امام ابوحنیفہ دوسری صدی کے بزرگ ہیں - وہ چھٹی صدی کے کسی شخص سے کس طرح روایت کر سکتے ہیں - قلمی نسخے میں صاف طور پر ''فکان ابی یحکی'' تحریر ہے ، اس لیے میں نے انھیں لفظوں کے پیش نظر مصنف کے والد کے متعلق عالم ہونے کا قیاس قائم کیا ہے -

۳ - شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۳۰ ، ۳۴ ، ۳۴ ، ۵۱ -

کا ذکر ایسے لفظوں میں کیا گیا ہے جن سے اُن کی وفات ثابت ہوتی ہے ، اس لیے یہ قیاس کیا گیا ہے کہ زرنوجی نے سنۂ مذکور کے بعد اس رسالے کو مرتب کیا تھا ۔

رسالے کی شہرت :

اپنے اختصار، حسنِ انتخاب اور خوبیِ طرزِ ادا کی بدولت اس رسالے نے مشرق و مغرب میں بڑی قبولیت اور شہرت پیدا کی ہے[1] ۔

ابن ابی الوفا متوفیٰ سنہ ۷۷۵ھ (۱۳۷۳ع) نے تذکرۂ فقہائے احناف میں لکھا ہے کہ گو مصر میں یہ رسالہ کم یاب ہے مگر میں نے بحمداللہ مہیا کر لیا ہے[2] ۔ طاش کبری زادہ ، متوفی سنہ ۹٦۸ھ (۱۵٦۱ع) اور اُس کے اتباع میں حاجی خلیفہ نے اسے مسائل مہمہ پر حاوی قرار دیا ہے[3]۔ محمود کفوی متوفیٰ سنہ ۹۹۰ھ (۱۵۸۲ع) نے اعلام الاخیار میں اس کی نفاست کی تعریف کے بعد لکھا ہے کہ یہاں (ترکی میں) آسانی سے مل جاتا ہے اور میں نے اپنی اس کتاب میں جگہ جگہ اس کی عبارتیں نقل کی ہیں[4] ۔

شرحیں:

متعدد علما نے اس کی شرحیں بھی لکھی ہیں ۔ ان میں غالباً پہلی شرح نوعی کی ہے ۔ مگر خود نوعی کی شخصیت مجہول ہے ۔ اس کے بعد عبدالوہاب شعرانی مصری متوفی سنہ ۹۷۳ھ (۱۵٦۵ع) نے شرح لکھی ۔ شعرانی کے بعد ابراہیم بن اسماعیل رومی نے سنہ ۹۹٦ھ (۱۵۸۸ع) میں سلطان ترکی ، مراد خاں ثالث کے لیے اس کی شرح کی ۔ یہ شرح چھپ چکی ہے ۔ ان کے علاوہ اسحاق بن ابراہیم رومی نے 'مرآۃ الطالبین' نام سے اور عثمان بازاری نے تفہیم المتفہم نام سے اس کی شرحیں تصنیف کی تھیں ۔

قاضی زکریا انصاری مصری متوفیٰ سنہ ۹۲۵ھ (۱۵۱۹ع) نے اس کا خلاصہ کرکے 'اللؤلؤ النظیم' نام رکھا ۔ یہ خلاصہ سنہ ۱۳۱۹ھ (۱۹۰۱ع) میں مصر سے

---

۱ ۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ، جلد ۴ ، صفحہ ۱۲۱۸ ۔

۲ ۔ الجواہر ، جلد ۲ ، صفحہ ۳٦۴ ۔

۳ ۔ مفتاح السعادہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۵۰ ؛ و کشف الظنون ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۱۲ طبع یورپ ۔

۴ ۔ اعلام الاخیار ، صفحہ ۲۵۱ الف ، قلمی ۔

شایع ہو چکا ہے - دوسرا خلاصہ کسی نا معلوم شخص نے کیا ہے - اس کا نام برلن کے نسخے میں 'طریق التعلیم' اور ہمارے یہاں کے قلمی نسخے میں 'آداب المتعلمین' درج ہے[۱] - یہ خلاصہ ایک مجموعۂ رسائل کے اندر ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۴ع) میں ایران سے شایع ہو چکا ہے -

بروکلمان نے یہ بھی لکھا ہے کہ حسن بن علی الفقیر نے تعلیم المتعلم کے مباحث کو نظم کیا تھا[۲] -

علمائے مغرب میں اس رسالے کے تعارف کی تاریخ کا علم نہیں ہو سکا - البتہ طباعت سب سے پہلے ۱۷۰۹ع میں ایچ - ریلنڈس (H Ralandus) کے اہتمام سے جرمنی میں ہوئی - اس کے بعد ۱۸۳۸ع میں کیسپری (Caspari) نے لاطینی ترجمے ، ابراہیم رومی کی شرح عربی اور فلایشر (Fleischer) کے مقدمے کے ساتھ لائپزگ سے شائع کیا -

مشرق میں صرف رسالے کی طباعت سب سے پہلے مرشد آباد بنگالہ میں ۱۲۶۵ھ (۱۸۴۹ع) میں اور قازان میں ۱۹۰۱ع میں ہوئی ، اور ایک مختصر شرح کے ساتھ ٹیونس میں ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ع) میں ، استنبول میں ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ع) میں ، قازان میں ۱۳۱۶ھ (۱۸۹۸ع) میں اور مصر میں ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۳ع) میں چھاپا گیا - ان تاریخوں کے بعد بھی مصر وغیرہ میں کئی بار طبع ہو چکا ہے[۳] -

اردو میں اس کا ترجمہ مولانا حافظ حاجی ابو السلم محمد اسلم بن مولانا حافظ حاجی محمد اکرم بن مولانا حافظ حاجی ابوالاحیا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی لکھنوی نے ۲۷ ذی‌الحجہ ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۵ع) کو کیا اور یہ 'المعلم' ترجمۂ

---

۱ - آداب المتعلمین کی نصیر الدین طوسی کی طرف نسبت درست نہیں ہے - اس مسئلے کی توضیح میں نے اپنے ایک مقالے میں کی ہے جو 'فکر و نظر' علی‌گڑھ کے شمارہ جولائی (۱۹۶۱ع) میں شائع ہوا تھا اور زیر نظر مجموعے میں آئندہ نمبر پر آرہا ہے -

۲ - قلمی نسخوں کے لیے بروکلمان کی تاریخ آداب عربیہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۶۲ اور اس کا ضمیمہ جلد ۱ ، صفحہ ۸۳۷ . اور مطبوعہ کے لیے معجم المطبوعات، ۱۱ اور اکتفاء القنوع صفحہ ۱۹۰ ملاحظہ ہو -

۳ - ملاحظہ ہو معجم المطبوعات ، صفحہ ۹۶۹ -

تعلیم المتعلم کے نام سے مطبع آسی لکھنؤ میں مترجم کے برادر عمزاد مولوی محمد عبدالقادر کی تصحیح اور قاری محمد عبدالولی مالک مطبع کے اہتمام سے ۴۴ صفحوں پرمشتمل چھپ کر شایع ہوا ۔ رضا لائبریری میں اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے ۔

دیباچہ :

رسالے کے مباحث کا خلاصہ پیش کرکے زرنوجی کے اصول تعلیم و تعلّم پر نقد و تبصرہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے چند سطری دیباچے کا بامحاورہ ترجمہ لکھ دیا جائے تاکہ مصنف کی غرضِ تصنیف سے آیندہ مباحث کی اہمیت کا قدرے اندازہ لگایا جا سکے ۔ زرنوجی نے دیباچے میں لکھا ہے کہ :

"میں نے اپنے زمانے کے اکثر طلبا کو دیکھا ، بے چارے سعی و کوشش کے باوجود یا تو علم تک رسائی نہیں پاتے ، یا اُس کے پھل سے محروم رہ جاتے ہیں ۔ اس محرومی کا باعث یہ ہے کہ اُنھیں تحصیل علم کے شرائط و آداب سے آگاہی نہیں ۔ غلط راستے پر گام زن ہو کر گمراہ اور مقصد سے دور ہو جاتے ہیں ۔ یہ دیکھ کر میں نے ارادہ کیا کہ طریق تعلیم کے متعلق جو کچھ میں نے کتابوں میں پڑھا اور اپنے دانا استادوں سے سنا ہے ، اُسے کتابی صورت میں جمع کردوں ۔ چناں چہ اس مجموعے کا نام "تعلیم المتعلم طریق التعلم" (متعلم کو تحصیل علم کے طریقے کی تعلیم) رکھتا ہوں"[1] ۔

مباحثِ کتاب : علم کی حقیقت اور فضیلت :

علم اُس صفت کا نام ہے جس کے ذریعے سے ذکر و بیان میں آ سکنے والی اشیا منکشف ہوتی ہیں[2] ۔

انسان کی بیشتر صفات حیوان کی دوسری انواع میں بھی پائی جاتی ہیں ۔ صرف صفتِ علم انسان کے ساتھ خاص ہے[3] ۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ اپنی ذات اور اپنے گرد و پیش پر غور کرے اور جو چیزیں حال و مآل

---

۱ ۔ شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۵ ، ۶ ۔
۲ ۔ ایضاً ، صفحہ ۱۵ ۔
۳ ۔ ایضاً ، صفحہ ۸ ۔

دونوں میں اُس کے لیے مفید ہیں ، اُنھیں حاصل کرنے اور مضر اشیاء سے اجتناب کی کوشش کرے[1] ۔ اسی کا نام تقویٰ ہے جس پر دینی و دنیوی سر بلندی اور ابدی سعادت کا انحصار ہے[2] ۔

چوں کہ ابدی سعادت ہر انسان کی بلند ترین تمنا ہے ، اس لیے شریعتِ اسلامیہ نے ہر مسلم مرد اور عورت کے لیے طلب علم کو فرض قرار دیا ہے ۔ چناں چہ ارشاد نبوی ہے[3] ۔

''طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة'' (علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے) ۔ لیکن ہر فرد پر ہر علم کی تحصیل فرض نہیں ہے ، اس لیے کہ بہ اعتبار معلومات ، علم کی تین قسمیں ہیں :

(الف) اُن امور کا علم جن کی احتیاج ہر حالت میں ہر شخص کو ہوا کرتی ہے ۔

(ب) اُن امور کا علم جن کی حاجت کبھی کبھی یا کسی کسی کو ہوتی ہے ۔

(ج) اُن امور کا علم جن کی قوم کو کبھی ضرورت پیش نہیں آتی ۔

پہلی شق کی تحصیل ہر فردِ امت پر لازم ہے ، اس لیے کہ اس علم کی مثال غذا کی سی ہے ، جس کے حصول کے بغیر زندگی کی بقا ممکن نہیں ۔

دوسری شق کی طلب فرض کفایہ ہے ، یعنی آبادی کے مناسب افراد اُن علوم کو حاصل کرلیں تو ساری جماعت اُس فرض کی ادائی سے سبک دوش ہو جائے گی ، اور کوئی توجہ نہ کرے تو سب مجرم قرار پائیں گے ۔ اس علم کی تمثیل دوا سے دی جا سکتی ہے جس کی ضرورت کبھی کبھی پیش آتی ہے مگر بوقت ضرورت استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے ۔

تیسری شق کی تعلیم ممنوع ہے ۔ یہ وہ علوم ہیں جن کی تحصیل اخلاق و اعمالِ صالحہ پر برا اثر ڈالتی ہے ، اور اُن کی مثال مرض کی سی ہے جس سے بچنا ہر انسان کا فرض ہے ۔

---

۱ ۔ شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۱۶ ۔
۲ ۔ ایضاً ، صفحہ ۱۰ ۔
۳ ۔ ایضاً ، صفحہ ۱۶ ۔

حکومت کا فرض ہے کہ قسم اول کی تعلیم بہرحال جبری طور پر دے - دوسری قسم کی تعلیم پر موزوں افراد کو صرف اُس وقت مجبور کرے جب پوری جماعت اُس کی طرف سے غفلت برت رہی ہو ، اور تیسری قسم سے قوم کو بہرحال باز رکھے -

خالص مذہبی علوم : یعنی علم قرآن ، علم حدیث ، علم فقہ ، علم عقائد و کلام ، علم اخلاق وغیرہ - اور خالص دنیوی فنون : یعنی تجارت ، زراعت ، صنعت و حرفت ، فلسفہ ، منطق ، ہیئت ، ریاضی ، طب وغیرہ مذکورۂ بالا تقسیم میں شامل ہیں - یعنی ان میں سے کچھ علم یا کسی ایک علم کا کچھ حصہ جبری تعلیم میں اور بقیہ اختیاری میں شامل کیا جائے گا - اس لیے کہ علم کا فائدہ جلبِ نفع اور دفعِ ضرر ہے ، اور یہ دونوں باتیں مذکورۂ بالا فہرستِ علوم سے یکساں متعلق ہیں -

مقصدِ تعلیم :

عمل کے نفع و ضرر کا مدار نیت پر ہے - متعلم کا دلی منشاء تعلیم سے رضائے الٰہی کا حصول ، اپنی ذات اور دوسرے اَن پڑھوں سے جہالت کا ازالہ اور احیائے دین ہونا چاہیے[1] - دنیوی جاہ و منصب اور شہرت و عظمت وغیرہ کی خاطر تحصیل علم نازیبا ہے -

بہالفاظِ دیگر متعلم کا مقصد و مدعا خالص روحانی ہونا چاہیے ، مادی ہرگز نہ ہو ، ورنہ مادی جذبات کے اثر سے ایک طرف اُس کا افادہ محدود ہو جائے گا ، اور دوسری طرف دنیا کی ہر مادّی تکلیف راہِ علم میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جائے گی اور انسان اس راہ میں ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کے لیے بہ مشکل آمادہ ہو سکے گا -

اس بلند مقصد کے پیش نظر متعلم کے لیے لازم ہوگا کہ طمع ، مذلت اور تکبر سے پرہیز کرے ، اور تواضع اور عفت اختیار کرے ، جو تکبر اور مذلت کا درمیانی درجہ ہے[2] - ورنہ خود اُس کی اور اُس کے ساتھ علم اور اہل علم کی بھی ذلت ہو گی ، جو در اصل بلند ترین مقصد کی توہین و تذلیل

---

۱ - شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۱۷ -

۲ - ایضاً ، صفحہ ۲۰ ، ۲۲ -

کے مترادف ہے ۔

فن ، استاد اور ہم سبق کا انتخاب :

دینیات کی تعلیم کو پہلے جگہ دی جائے ، اور دینیات میں سے علم توحید کو مقدم رکھا جائے ۔ اس کے بعد حسبِ ضرورت درجہ بدرجہ دوسرے علم حاصل کیے جائیں[1] ۔

مناظرانہ علوم قابل ترک ہیں ۔ ان سے دانائی اور تفقہ گھٹتا اور عداوت و وحشت بڑھتی ہے ۔ اسی لیے متقدمین نے جدل و خلاف سے ہمیشہ احتراز کیا ہے ۔ اور اس قسم کے علوم کے رواج کو ''علم کے اٹھ جانے'' سے تعبیر کیا ہے[2] ۔

کتابوں کے انتخاب میں اس کا لحاظ رکھا جائے کہ پہلے مختصر کتابیں پڑھی جائیں ، بعد ازاں مطول ، نیز جو کتاب پڑھی جائے ، پوری پڑھی جائے ، ادھوری نہ چھوڑی جائے ۔ یہی صورت علم و فن میں بھی اختیار کی جائے گی ؛ یعنی ایک فن کی پوری تحصیل سے پہلے اسے چھوڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ نہ ہونا چاہیے ۔ کسی اسکول ، کالج یا یونیورسٹی کو اس وقت تک نہ چھوڑے ، جب تک وہاں تعلیم ختم نہ کرے ۔ نہ بلا ضرورت استاد بدلے ، اس سے استاد کو اذیت پہنچتی ہے ۔

مذکورۂ بالا صورتیں تضییع اوقات ، انتشار قلب اور تشتت امور کا موجب ہوتی ہیں[3] ۔ استاد کے انتخاب میں علم ، نیکو کاری اور سن کا لحاظ ضروری ہے ۔ کم عمر ، بد اخلاق ، بد کردار اور کم علم استاد مضر ہوتا ہے ۔

ہم سبق بناتے وقت یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ محنتی ، پاک دامن ، فہیم اور مستقیم الطبع ہے یا نہیں ۔ سست ، نکمے ، بکواسی اور مفسد ساتھی سے دور بھاگنا چاہیے[4] ۔

---

۱ ۔ شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۱۲ ۔
۲ ۔ ایضاً ، صفحہ ۲۳ ۔
۳ ۔ ایضاً ، صفحہ ۲۶ ۔
۴ ۔ ایضاً ، صفحہ ۲۷ ، ۳۲ ۔

تعظیمِ علم :

علم، علما اور استاد کی تعظم بہت ضروری ہے - جس طالب علم کے دل میں علم کی عظمت ، علما کا احترام اور استاد کی تعظیم و توقیر نہیں ، وہ یا تو مطلقاً علم سے محروم رہتا ہے ، یا اُس کی برکتوں سے نفع اندوز نہیں ہوتا[۱] -

استاد کی تعظیم دراصل علم کی تعظیم ہے - امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ :

"انا عبد من علمنی حرفاً واحداً - ان شاء باع ، و ان شاء اعتق ، و ان شاءٗ استرق -"

یعنی میں اُس شخص کا غلام ہوں ، جس نے مجھے ایک حرف سکھایا - اُسے پورا اختیار ہے کہ مجھے بیچ ڈالے یا آزاد کردے یا غلام بنائے رکھے[۲] -

ارشاد نبوی ہے کہ "خیرالآباء من علمک" یعنی معلم بہترین باپ ہوتا ہے -

اُستاد کی تعظیم کے سلسلے میں حسب ذیل آداب کا لحاظ رکھنا چاہیے :

۱ - استاد سے آگے نہ چلے -
۲ - استاد کی جگہ نہ بیٹھے ، نہ سبق کے وقت بے ضرورت استاد سے لگ کر بیٹھے ، بلکہ استاد اور شاگرد میں کہاں بھر فاصلہ مناسب ہے -
۳ - بے اجازت گفتگو نہ کرے -
۴ - زیادہ گفتگو نہ کرے -
۵ - ملال طبع کے وقت سوالات نہ کرے -
۶ - استاد کے مقرر کیے ہوئے وقت کی پابندی کرے -
۷ - استاد کے مکان پر جائے ، تو دروازہ نہ کھٹکھٹائے ، بلکہ استاد کے از خود برآمد ہونے کا منتظر رہے -
۸ - خوشنودیِ استاد کا متمنی رہے ، اور اُس کی خفگی سے بچے -
۹ - استاد کے تمام حکموں کی تعمیل کرے ، بجز اُن حکموں کے جو

---

۱ - شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۲۹ -
۲ - ایضاً ، صفحہ ۲۹ -

خدا کے احکام کے خلاف ہوں ، کیوں کہ ارشادِ نبوی یہ ہے کہ
''لا طاعة للمخلوق فی معصیة الخالق ۔'' یعنی خدا کی نافرمانی میں
بندوں کی اطاعت نہ کی جائے[1] ۔

۱۰ ۔ استاد کی اولاد اور متعلقین کی بھی توقیر کرے ۔

ہارون الرشید نے اپنے صاحب زادے کو اُس عہد کے مشہور فاضل أصمعی کے پاس تعلیم کے لیے بھیجنا شروع کیا تھا ۔ ایک دن ہارون درس گاہ میں خود تشریف لے گئے ۔ دیکھا کہ استاد وضو کر رہے ہیں اور خلیفہ زادہ پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے ۔ ہارون بہت ناراض ہوے، اور کہا: ''میں نے اس بچے کو علم و ادب سیکھنے کے لیے یہاں بھیجا تھا ۔ آپ نے اسے یہ حکم کیوں نہ دیا کہ ایک ہاتھ سے پانو دھوئے اور دوسرے سے اُس پر پانی ڈالتا رہے[2]''۔

کتاب کی تعظیم بھی علم کی تعظیم ہے ۔ اس لیے طالب علم کو چاہیے کہ بحالتِ طہارت کتاب کو ہاتھ لگائے ۔ کتاب کی طرف پانو پھیلا کر نہ بیٹھے اور نہ کتاب پر کچھ رکھے ۔ کتاب کی نقل کرے تو نہایت اچھے خط میں اور حاشیے خوب چھوڑ کر ۔ اسی طرح جلی قلم سے لکھے ، باریک باریک نہ لکھے ۔ حاشیوں پر توضیحات لکھنا ہوں ، تو اُنھیں حسب ضرورت باریک قلم سے بھی لکھا جا سکتا ہے[3] ۔

امام ابو حنیفہ رحمۃاللہ علیہ نے ایک کاتب کو خفی اور گھچ پچ لکھتے دیکھ کر فرمایا تھا کہ ایسا نہ لکھو ، ورنہ جیتے رہو گے تو ندامت ہوگی اور مرجاؤ گے تو مذمت کی جائے گی ۔

کتاب کی تقطیع مربع ہونا چاہیے ۔ اس کے اٹھانے ، رکھنے اور پڑھنے میں سہولت ہوتی ہے ۔ روشنائی کالی ہونا چاہیے ۔ لال رنگ کا استعمال سلف کو پسند نہ تھا ۔ یہ فلسفیوں کی اختراع ہے ۔

---

۱ ۔ شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۳۰ ، ۳۵ ۔
۲ ۔ ایضاً ، صفحہ ۳۲ ۔
۳ ۔ ایضاً ، صفحہ ۳۳ ۔

ہم سبقوں کا احترام بھی علم کی تعظیم ہے ۔ اُن کے ساتھ محبت اور لطف سے پیش آنا چاہیے۔ چاپلوسی ہر جگہ مذموم ہے سوائے راہِ علم کے ۔ استفادے کے خیال سے استاد اور ہم سبقوں کی چاپلوسی بہرحال مناسب ہے[۱] ۔

طالب علم کا یہ بھی فرض ہے کہ لکچر انتہائی عظمت و احترام سے سنے، خواہ مسائل زیر بحث کو ہزار بار سن چکا ہو ۔ جو متعلم بے پروائی سے لکچر سنتا ہے ، وہ علم کا اہل نہیں[۲] ۔

طالب علم کو یہ بھی لازم ہے کہ اپنے لیے مضامین کا انتخاب استاد سے کرائے ، خود رائی سے فیصلہ نہ کرے ۔ استاد کو اس نوع کا کافی تجربہ ہوتا ہے اور وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کس طالب علم کی طبیعت کس علم سے مناسبت رکھتی ہے اور کس شاگرد کو کون سا فن مفید ہوگا[۳] ۔ شیخ الاسلام مرغینانی کا قول ہے کہ سلف کا دستور تھا کہ تعلیمی امور یک سر استاد کے سپرد کر دیتے تھے ، جس کا نتیجہ حصول مراد ہوتا تھا ۔ اب خود مضامین کا انتخاب کرتے ہیں ، نتیجہ یہ ہے کہ نامراد رہ جاتے ہیں ۔

متعلم کو بد اخلاقیوں سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ علم روشنی ہے ، نور ہے ، الٰہی صفت و قوت ہے ، اور اخلاق ذمیمہ معنوی کتّے کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ جس گھر میں کتا موجود ہو ، وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے ۔ پس علم اور بداخلاق ان دونوں کا اجتماع بھی ناممکن ہے[۴] ۔

کوشش ، استقلال ، ہمت :

متعلم کے لیے کوشش ، استقلال اور بلند ہمتی لازمی صفات ہیں ۔ جب پیسہ کوڑی تک محنت مشقت بغیر ہاتھ نہیں آتا ، تو علم جیسی بیش بہا دولت کس طرح مل سکتی ہے ۔

کوشش میں طلبا ، اساتذہ اور سرپرستوں کا اتحاد عمل ضروری ہے ، ورنہ خاطر خواہ کامیابی نہ ہوگی[۵] ۔

---

۱ ۔ شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۳۳ ، ۳۴ ۔
۲ ۔ ایضاً ، صفحہ ۳۴ ۔
۳ ۔ ایضاً ، صفحہ ۳۴ ۔
۴ ۔ ایضاً ، صفحہ ۳۵ ۔
۵ ۔ ایضاً ، صفحہ ۳۷ ۔

کوشش کا بہترین زمانہ آغاز و عنفوان شباب ہے ۔ یہ زمانہ پایدار نہیں ہے ، اس لیے اسے غنیمت شمار کرنا چاہیے ۔

کوشش حد اعتدال تک رہے ، ورنہ طبیعت میں ضعف اور علم سے نفرت پیدا ہوجانے کا خطرہ ہے ۔ نرمی اور ملایمت عظیم‌الشان اصول ہے ۔ ارشاد نبوی ہے کہ ''نفس تمھاری سواری ہے ، اس کے ساتھ نرم سلوک کرو[1] ۔''

بلاناغہ پڑھنا اور آموختے کی تکرار اور اعادہ لازم ہے ۔ اوقات درس کے علاوہ پڑھنے کا بہترین وقت رات کا ابتدائی اور آخری حصہ ہے ۔ دانا لوگ رات کے مطالعے کو کامیابی کی کنجی بتاتے ہیں[2]۔

متعلم کو بلند ہمت بھی ہونا چاہیے ۔ انسان ہمت کے پروں سے اُڑتا ہے ۔ پست ہمت کے مقصد ہمیشہ پست ہوتے ہیں اور بلند ہمت کے بلند ۔ کوشش اور استقلال کے ساتھ ہمت کی مدد نہ ہو ، تو کمال علم میسر نہیں آسکتا[3] ۔

سستی سے پرہیز کرنا چاہیے ۔ یہ بڑی نحوست اور بلائے عظیم ہے ۔ سست ہمیشہ محروم اور پشیمان رہتا ہے ۔ جو متعلم راہ علم میں چست و چالاک نہیں وہ در اصل علم کی خوبیوں سے ناواقف ہے ۔ جاہل زندگی میں بھی مردہ اور عالم مر کر بھی زندہ رہتا ہے ۔

بیش تر اوقات سستی کا باعث پُر خوری ہوتی ہے ۔ متعلم کو تقلیل غذا پر کاربند رہنا چاہیے تاکہ کسل دور ہو اور صحت ، عفت اور ایثار ، یہ سب خوبیاں پیدا ہو جائیں ۔ یہ بڑے شرم کی بات ہے کہ آدمی غذا کی خاطر جسمانی امراض اور روحانی شقاوت و بدبختی میں مبتلا ہو[4]۔

تقلیل غذا کی ایک تدبیر یہ ہے کہ مرغن کھانا کھائے ، اور اگر دسترخوان پر اچھے کھانے بھی ہوں تو پہلے اُنھیں کھا لے ۔

لیکن تقلیل غذا ہر حالت میں مناسب نہیں ۔ قوت و طاقت پیدا کرنے کے

---

۱ ۔ شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۳۸ ۔
۲ ۔ ایضاً ، صفحہ ۴۰ ۔
۳ ۔ ایضاً ، صفحہ ۴۲ ۔
۴ ۔ ایضاً ، صفحہ ۴۴ ۔

لیے پیٹ بھر کر کھانا ہی بہتر ہے[1] -

سبق ، مقدار اور ترتیب :

سبق کی مقدار ، مبتدی کے لیے اتنی ہو کہ وہ اُسے دو بار پڑھ کر یاد کر سکے -

مقدار میں اضافہ تدریجی ہونا چاہیے -

اگر شروع میں سبق لمبا ہوا اور استاد نے دس مرتبہ پڑھا کر یاد بھی کرا دیا ، تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آخر تک متعلم کو یہی عادت پڑی رہے گی اور آزاد مطالعے کی بہ مشکل نوبت آئے گی -

سبق کا اعادہ اور تکرار بے حد ضروری ہے - ایک مشہور مقولہ ہے "السبق حرف والتکرار الف" - یعنی ایک حرف پڑھ کر ہزار بار دہرانا چاہیے -

شروع میں وہ علم پڑھایا جائے جو مبتدی کے عقل و فہم سے زیادہ قریب ہو -

ابتدائی کتابوں کو مختصر ہونا چاہیے - اُن کو سمجھنا اور یاد کر لینا آسان ہوتا ہے - سبق زبانی پڑھایا جائے اور متعلم استاد کے پڑھائے ہوئے سبق کو ضبط و اعادے کے بعد خود لکھے - اسے "تعلیق" کہتے ہیں اور یہ بہت مفید کام ہے -

متعلم وہی لکھے جسے خوب سمجھ چکا ہے - بے سمجھے بوجھے لکھ‌ لکھ لینے سے طبیعت کند ہو جاتی ہے ، ذکاوت گھٹتی ہے اور وقت اکارت جاتا ہے[2] -

سبق کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کرنا چاہیے - خواہ استاد سے سمجھے ، خواہ غور و فکر کرنے اور بار بار پڑھنے سے - دو حرف یاد کرنا سیکڑوں باتیں سن لینے سے ، اور دو حرفوں کا سمجھ لینا سیکڑوں کے یاد کر لینے سے بہتر مانا گیا ہے -

جو طالب علم شروع سے غور و فکر کی عادت نہیں ڈالتے ، وہ آیندہ معمولی باتیں بھی نہیں سمجھ سکتے -

---

۱ - شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۵۰ -

۲ - ایضاً ، صفحہ ۵۱ -

طلبا کے لیے یہ بھی مناسب ہے کہ باہم بحث و مباحثہ کرتے رہیں ۔ مگر یہ شرط ہے کہ انصاف ، طمانیت اور تامل و تفکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور شور و شر سے اجتناب رہے ۔ طلبا کا مذاکرہ و مباحثہ ایک قسم کا باہم مشورہ ہے ۔ مشورے میں شور و شر اور غم و غصہ مقصد سے دور کر دیتا ہے[1] ۔

مد مقابل کو قائل کرنے اور ہرا دینے کی نیت سے مباحثہ ممنوع ہے ۔ اسی طرح بحث میں فریب اور حیلہ بھی ناجائز ہے ۔ بحث کی خوبی یہ ہے کہ جہاں لاجواب ہو اقرار کرکے آیندہ سوچنے سمجھنے کی مہلت مانگ لے ۔

اس طالب علم سے مباحثہ جو منصف اور سلیم الطبع ہو ، معلومات میں اضافے کا باعث ہوتا ہے ۔ اور اس قسم کے گھڑی بھر کے مباحثے کو مہینا بھر کے اعادہ و تکرار سے بہتر تسلیم کیا گیا ہے[2]۔

دقیق مسائل میں غور و فکر کرنے کی عادت ڈالنا چاہیے ۔ تامل و تفکر گفتگو اور بحث سے پہلے ہونا چاہیے تاکہ رائے میں غلطی نہ ہو ۔ تیر جب تک سیدھا نہ ہو ، نشانے پر نہیں لگ سکتا ۔ تامل و وقار سے گفتگو کرنا اصل دانائی ہے[3] ۔

متعلم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر وقت اور ہر شخص سے علمی فائدہ اٹھانے کے درپے رہے ۔ ارشاد نبوی ہے کہ :

''الحکمة ضالة المومن ۔ اینما وجدھا اخذ ھا ۔''

یعنی دانائی مومن کی گم شدہ چیز ہے ۔ جہاں کہیں اسے پائے ، لے لے ۔ ہاں ''خذ ما صفا دع ما کدر'' (نتھرا لو ، گدلا چھوڑ دو) پر عمل کرتا رہے[4] ۔

امام ابو یوسف سے سوال کیا گیا تھا کہ آپ نے یہ علمی درجہ کیسے پایا ؟

---

۱ ۔ شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۵۲ ۔
۲ ۔ ایضاً ، صفحہ ۵۳ ۔
۳ ۔ ایضاً ، صفحہ ۵۴ ۔
۴ ۔ ایضاً ، صفحہ ۵۵ ۔

انہوں نے جواب میں کہا : ''میں نے کسی سے فائدہ اٹھانے میں شرم نہ کی ، اور فائدہ پہنچانے میں کنجوسی نہ برتی ۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مذکورۂ بالا سوال کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ''بلسان سئول و قلب عقول'' یعنی زیادہ پوچھ گچھ کرنے والی زبان اور سمجھ بوجھ رکھنے والے دل کی بدولت[1] ۔

کسبِ معاش اور تعلیم میں عداوت نہیں ۔ ضرورت کا تقاضا ہو تو تعلیم کے ساتھ کھانے کے وسیلے بھی اختیار کیے جا سکتے ہیں ۔ فقر و افلاس کو ترکِ تعلیم کا بہانہ نہیں بنایا جائے گا[2] ۔

تندرست اور عقل مند کو طلب علم سے معذور تسلیم نہیں کیا جا سکتا[3]۔

قدما پہلے صنعت و حرفت کی تعلیم دیتے تھے ، پھر نظری علوم پڑھاتے تھے تاکہ فقرو فاقے سے طبیعت میں لالچ نہ پیدا ہو ۔ تعلیم یافتہ لالچی ہو ، تو علم کی حرمت و عزت پر بٹا لگتا ہے اور حق گوئی کی جرأت زائل ہو جاتی ہے ۔

متعلم کو کنجوس بھی نہ ہونا چاہیے ۔ راہ علم میں اپنے اوپر اور دوسرے کم استطاعت طلبا پر خرچ کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے[4] ۔

پڑھنے اور دہرانے کے لیے سبق کی مقدار مقرر کرنا چاہیے ۔ مناسب یہ ہے کہ کل کا سبق ۵ بار ، پرسوں کا چار بار ، چار دن پہلے کا تین بار ، پانچ دن پہلے کا دو بار اور چھ دن قبل کا ایک بار دہرا لیا کرے ۔

تکرار سبق میں شرمانا نہ چاہیے ، بلکہ ذوق و شوق سے اس کام کو انجام دے ۔ ہاں ، زیادہ بلند آواز سے تقریر کرنا اور نفس کو تھکا دینا ٹھیک نہیں ہے[5] ۔

---

۱ ۔ شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۵۵ ۔
۲ ۔ ایضاً ، صفحہ ۵۶ ۔
۳ ۔ ایضاً ، صفحہ ۵۷ ۔
۴ ۔ ایضاً ، صفحہ ۵۸ ، ۵۹ ۔
۵ ۔ ایضاً ، صفحہ ۶۰ ۔

توکل :

طالب علم کو دوران تعلیم میں خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور امور معاش میں دل کو مشغول نہ کرنا چاہیے ۔ کھانے کپڑے کے اہتمام میں جو شخص لگ جاتا ہے ، اُسے اعلیٰ مقاصد کے لیے کبھی فراغت نصیب نہیں ہوتی[1] ۔

متعلم کو دنیوی تعلقات حتی الامکان گھٹانا چاہیے ۔ اس کی بہتر صورت تعلیمی سفر ہے ۔ لیکن یہ یاد رہے کہ پردیس میں اور قسم کی دشواریاں پیش آتی ہیں ۔ متعلم کو علم کی خاطر اُنھیں بہ خندہ پیشانی برداشت کرنا ہوگا[2] ۔

متعلم کو علم کے سوا کسی اور مشغلے میں مصروف نہ ہونا چاہیے[3] ۔

زمانۂ تعلیم :

تعلیم کا زمانہ گہوارے سے لحد تک ہے ؛ لیکن بہترین حصہ آغاز شباب مانا گیا ہے ۔

متعلم کا ہمہ وقت تعلیم ہی میں گزرنا چاہیے ، لیکن ایک مضمون سے دل گھبرا جائے تو دوسرا پڑھنے لگے ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ گفتگو سے اُکتا جاتے تو شعرا کے دواوین پڑھنے لگتے تھے ۔

مطالعے کا بہترین وقت اول و آخر شب ہے ۔ اگر دوران مطالعہ میں نیند آنے لگے ، تو آنکھوں پر پانی ڈال کر رفع کر لینا چاہیے[4] ۔

شفقت و نصیحت استاد :

استاد کو ناصح اور مشفق ہونا چاہیے، حاسد ہرگز نہ ہو، ورنہ شاگردوں کو نفع نہیں پہنچا سکتا ، اور خود نقصان اُٹھائے گا ۔ استاد کی تو یہ تمنا ہونا چاہیے کہ اپنے شاگرد کو دنیا بھر کے اہل علم سے آگے بڑھا سکوں ۔

متعلم کو نزاع اور خصومت سے احتراز کرنا چاہیے ۔ بھلا چاہنے والا

---

۱ ۔ شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ٦١ ۔
۲ ۔ ایضاً ، صفحہ ٦٢ ۔
۳ ۔ ایضاً ، صفحہ ٦٣ ۔
۴ ۔ ایضاً ، صفحہ ٦٤ ۔

اپنے کیے کی جزا اور برا چاہنے والا اپنے کرتوت کی سزا آپ پا لیتا ہے ، پھر خواہ مخواہ کیوں وقت ضائع کیا جائے۔

صبر و تحمل اور حسنِ ظن اختیار کرنا چاہیے ۔ سوء ظن ، خباثتِ نیت اور بد باطنی کی دلیل اور عداوت و دشمنی کی جڑ ہے[1] ۔

استفادہ :

طالب علم کو ہمہ وقت استفادے کے درپے رہنا چاہیے ۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ قلم دوات (پنسل یا فاؤنٹین پین) پاس رہے اور جو مفید علمی بات سنے ، لکھ لے ۔ ارشاد نبوی ہے کہ ''لا تفارق المحبرة ۔ فان الخير فيها و فی اهلها الی یوم القیامة ۔''

(قلم دوات کو اپنے سے جدا نہ کرو ۔ قیامت تک قلم دوات اور اس کے اہل میں بھلائی پائی جائے گی) ۔

دانا کہتے ہیں کہ کان پڑی بات بھاگ جاتی ہے اور لکھی ہوئی بات جم جاتی ہے ۔

عمر تھوڑی ہے اور علم زیادہ۔ جو وقت مل جائے ، اُسے غنیمت جانو اور اوقاتِ فرصت کو ضائع نہ کرو ۔

بزرگوں کی قدر کرو اور اُن سے بھلی باتیں سیکھو ۔ ارشاد نبوی ہے : ''البرکة مع اکابرکم ۔'' (برکت بزرگوں کے ساتھ ہے) ۔

طالب علم کو راہ علم میں محنت و مشقت برداشت کرنا چاہیے ۔ یاد رکھو چاپلوسی ہر جگہ مذموم ہے ، مگر طلب علم کی خاطر استاد اور شرکائے درس کی خوشامد سے چارہ نہیں[2] ۔

پرہیز گاری :

متعلم کو بد اخلاقیوں سے پرہیز کرنا چاہیے ۔ نیکو کار کو علم کی تحصیل بھی آسان ہوتی ہے اور فائدہ بھی زیادہ پہنچتا ہے ۔

یہ بھی پرہیز گاری ہے کہ نہ زیادہ کھائے ، نہ زیادہ سوئے اور نہ زیادہ بولے ۔ بازاری کھانا کھانا ، غیبت کرنا ، بکواسیوں کے پاس اُٹھنا بیٹھنا

---

١ ۔ شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ٦٦ ۔
٢ ۔ ایضاً ، صفحہ ٦٧ ۔

پرہیزگاری کے خلاف ہے ۔ بکواسی، تمھاری عمر چراتا اور وقت ضائع کرتا ہے ۔
مفسدوں ، بدکاروں اور نکمّوں سے بچنا بھی پرہیزگاری ہے ۔ صحبت اثر کرکے رہتی ہے ۔

درس اور تکرار کے وقت روبقبلہ بیٹھنا چاہیے ۔ صالحین کی دعا کا طلب‌گار اور مظلوموں کی بد دعا سے مجتنب رہنا چاہیے، اور اسلامی آداب میں سستی نہ برتنا چاہیے۔ جو آداب میں سستی کرتا ہے، سنن ِ نبوی سے محروم ہو جاتا ہے، اور جو سنن ِ نبوی میں سستی کرتا ہے ، فرائض سے محروم رہتا ہے، اور جو فرائض سے محروم ہوا ، اُس کا انجام خراب ہے ۔

متعلم کو نماز زیادہ پڑھنی چاہیے ۔ عبادت تحصیل ِ علم میں مدد کرتی ہے ۔

متعلم کی بغل میں ہمہ وقت مطالعے کے لیے کتاب رہنا چاہیے ۔ ایک مقولہ ہے : ''جس کی آستین میں کتاب نہیں ، اُس کے دل میں علم و حکمت کہاں[1]۔''

موجبات ِ حفظ و نسیان :

قوت ِ حافظہ بڑھنے کے اسباب یہ ہیں :

کوشش ، ثبات ، کمی ِ غذا ، نماز ِ آخر شب (یعنی عبادت اور سحر خیزی) تلاوت ِ قرآن ، گناہوں سے پرہیز ، استعمال ِ مسواک ، شہد اور شکر کے ساتھ گوند کا استعمال ، خالی معدے پر اکیس لال کشمشیں کھانا ۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بلغم پیدا کرنے والی ہر غذا حافظے کو گھٹاتی اور نسیان کو بڑھاتی ہے ، اور بلغم کی قاطع غذا ، حافظے کو قوی کرتی اور بھول کو کھوتی ہے ۔

ان امور سے بھول بڑھتی ہے :

گناہ گاری ، دنیوی افکار ، حزن و ملال ، کثرت ِ اشغال و تعلقات ، ہرا دھنیا اور کھٹے سیب کھانا[2] ۔

---

۱ - شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۶۹ ، ۷۳ ۔
۲ - ایضاً ، صفحہ ۷۳ ، ۷۶ ۔

رزق و عمر کی کمی بیشی :

طالب علم کو قُوت (روزی) اور اُس کے بڑھانے کے اسباب بہرحال درکار ہیں ، تاکہ فارغ البال ہو کر تحصیل علم کرے ۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ارتکاب گناہ ، خصوصاً جھوٹ ، رزق کو گھٹاتا ہے ۔ زیادہ سونا ، بے حیائی ، نجس و ناپاک رہنا، رزق کی بے ادبی اور ناقدری ، وقت پر کام نہ کرنا ، بزرگوں کا ادب نہ کرنا ، کپڑے ،کھانے کے برتن اور کمرے کو گندا رکھنا ، عبادت میں سستی ، بازاروں میں گھومنا ، لکھنے پڑھنے کے سامان کا خراب و خستہ ہونا ، کنجوسی ، اسراف یہ سب فقر و افلاس تک پہنچاتے ہیں ۔

غربا کی امداد ، حسنِ خط ، خوش کلامی ، صفائی ، خضوع و خشوع کے ساتھ عبادت ، خاموشی ، عورتوں سے کم میل جول سے رزق میں کشایش پیدا ہوتی ہے ۔

ارشاد نبوی ہے کہ ''نیکی اور حسن سلوک سے عمر بڑھتی ہے''۔ بزرگوں کی تعظیم و توقیر ، صلۂ رحم ، ترک ایذا ، صفائی اور حفظان صحت کے اصول کا علم اور اُن پر عمل بھی زیادتیِ عمر کا باعث ہوتے ہیں[1] ۔

یہاں تک زرنوجی کے بیان کا خلاصہ تھا ۔ بشرط فرصت اس کا تجزیہ کر کے جدید انداز پر ایک تعلیمی دستور العمل پیش کیا جائے گا اور اُس کے اجزا کی حسن و خوبی اور نقصان و ضرر سے مفصل بحث کی جائے گی ۔

[تعلیم جدید ، رام پور ، اپریل ۱۹۳۶ع]

---

۱ ۔ شرح تعلیم المتعلم ، صفحہ ۷۶ ۔ ۸۳ ۔

آداب المتعلمین اور محقق طوسی

ڈاکٹر یحییٰ الخشاب نے مجلہ معہد المخطوطات العربیۃ، جلد ۳، شمارہ ۲، بابت ماہ نومبر سنہ ۱۹۵۷ع میں 'آداب المتعلمین' کا متن شایع کیا ہے، جو بارہ فصلوں میں منقسم اور اتنے ہی صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ رسالہ تین بار ایران میں چھپ چکا ہے؛ پہلے سنہ ۱۲۸۶ھ میں، دوبارہ سنہ ۱۳۱۰ھ میں اور تبارہ ۱۳۱۵ھ میں، اور ہر بار مختلف چھوٹے چھوٹے رسالوں کے ساتھ اس کی اشاعت ہوئی ہے۔

ڈاکٹر خشاب نے اسے خواجہ نصیر الدین ابو جعفر محمد بن محمد بن الحسن الطوسی متوفیٰ سنہ ۶۷۲ھ (۱۲۷۴ع) مشہور بہ محقق طوسی کی تالیف قرار دیا ہے۔

اس انتساب کی متعدد دلیلیں قرار دی جا سکتی ہیں:

(۱) پہلی یہ کہ خشاب کے پاس جو مخطوطہ ہے اُس کے آخر میں کاتب نے محقق طوسی کو رسالے کا مؤلف ظاہر کیا ہے۔

(۲) دوسری یہ کہ مذکورۂ بالا ایرانی ایڈیشنوں میں سے آخری دو میں بھی اسے طوسی ہی کا مال قرار دیا گیا ہے۔

(۳) تیسری یہ کہ صاحب کشف الحجب (صفحہ ۳۲) نے بھی اسے طوسی کی تالیف قرار دیا ہے[1]۔

۱- کشف الحجب کے مطبوعہ نسخے میں مؤلف کا نام سہواً محمد بن الحسن الطوسی چھپ گیا ہے۔ رضا لائبریری کے مخطوطے میں محمد بن محمد بن الحسن ہی ہے۔ علاوہ ازیں مطبوعہ میں بھی مؤلف کا سال پیدائش و وفات جو لکھا ہے، وہ محقق طوسی ہی کا ہے۔ نہ اُس کے والد کا ہے اور نہ شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسی کا۔ یہ اس کا ثبوت ہے کہ مؤلف۔ ' محمد بن محمد بن الحسن لکھا تھا۔ چھاپے میں یہ غلطی ہو گئی کہ بجائے بیٹے کے باپ کا نام طبع ہو گیا۔

(۴) چوتھی یہ کہ ڈاکٹر بروکلمان نے اپنی تاریخ آداب عربیہ (تتمہ ۱/۹۲۸) میں متعدد کتاب خانوں کی فہرستوں کی شہادت پر اسے طوسی کی تصانیف میں شمار کیا ہے۔

حاجی خلیفہ نے بھی کشف الظنون میں اس کا ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے سامنے اس کا کوئی نسخہ نہ تھا، اس لیے اُس نے اس کے ابتدائی الفاظ نہیں لکھے۔ مگر اُس نے جس کتاب میں اس رسالے کا ذکر پڑھا تھا وہ کوئی پرانی تصنیف ہوگی، اس لیے اس نے اس کا مؤلف 'بعض المتقدمین' کو قرار دیا ہے۔

رضا لائبریری میں اس کا جو نسخہ محفوظ ہے، اُس کے خاتمے میں بھی اسے 'افضل العلما' خواجہ نصیر الدین طوسی' کا مؤلفہ لکھا ہے۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود میرا گمان ہے کہ یہ رسالہ محقق طوسی کی تالیف نہیں ہو سکتا۔ اس کے وجوہ حسب ذیل ہیں:

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کا سبک و انداز طوسی جیسا نہیں ہے۔ طوسی کی بہت سی کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں اور ان میں سے متعدد آج تک عربی مدارس کے نصاب میں بھی داخل ہیں، اس لیے صاحبان نظر بآسانی اس بات کا فیصلہ کرسکتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ڈاکٹر خشاب کو بھی کھٹکی ہے، اس لیے انھوں نے اس کی تاویل و توجیہ کی خاطر فرمایا ہے کہ:

''لعلها كانت فارسية و عربت۔'' (یعنی شاید یہ رسالہ فارسی میں تھا، کسی نے عربی میں ترجمہ کر دیا ہے)۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے آخر میں لکھا ہے کہ طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ تھوڑا بہت فنِ طب بھی سیکھے اور طب سے متعلق جو حدیثیں مروی ہیں، اُن سے برکت حاصل کرے۔ یہ حدیثیں ''الشیخ الامام ابو العباس المستغفری'' نے اپنی کتاب موسوم بہ ''طب النبی'' میں جمع کر دی ہیں۔

المستغفری کے متعلق شذرات الذہب (۲۴۹/۳) میں لکھا ہے کہ یہ اپنے عہد میں ماوراءالنہر کے یکتا محدث شمار کیے جاتے تھے اور ثقہ اور صاحبِ تصنیف حافظِ حدیث تھے۔ انھوں نے سنہ ۴۳۲ھ (۱۰۴۰ع) میں انتقال

کیا ہے ۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ محقق طوسیؒ اثنا عشری شیعی امامی تھے ، اور کشف الحجب سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ مصنفین نے بھی 'طب الائمۃ' اور 'طب النبی' کے نام سے اسلامی طب پر کتابیں لکھی تھیں ۔ نیز یہ مسلم ہے کہ محقق کے عہد تک ، بلکہ خود اُن کے اپنے پاس بھی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا ۔ اس صورت میں یہ ماننے کو جی نہیں چاہتا کہ وہ مذہبی یا نیم مذہبی معاملات میں کسی غیر شیعی کتاب کو دیکھنے کی سفارش کریں گے ۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ آداب المتعلمین میں دو جگہ ''محمد بن الحسن'' کا نام آتا ہے ۔ پہلے ''فصل فی التوکل'' میں اور پھر ''فصل فی التحصیل'' میں ۔ ڈاکٹر خشاب نے اس موقع پر حاشیے میں لکھا ہے کہ اس سے مراد حضرت امام مہدی ہیں جو دشمنوں کے خوف سے روپوش ہو گئے ہیں ۔

ان دو میں سے پہلی جگہ مؤلف نے لکھا ہے کہ محمد بن الحسن راتوں کو جاگتے رہتے تھے ، اور جب کوئی علمی مشکل حل کرلیتے ، تو فرماتے تھے کہ بادشاہوں کے فرزندوں کو یہ مزہ کہاں آ سکتا ہے ۔ دوسری جگہ نقل کیا ہے کہ محمد بن الحسن رات کو سوتے نہ تھے ، اور اپنے پاس کئی کتابیں رکھ لیتے تھے ، تاکہ ایک موضوع کی کتاب سے اُکتا جائیں ، تو دوسرے موضوع کی کتاب پڑھنے لگیں ۔ نیز اپنے پاس پانی رکھ لیا کرتے تھے اور اُس سے نیند کو بھگاتے اور کہتے تھے کہ نیند بھی ایک قسم کی حرارت اور سوزش ہے ، اسے پانی سے دبانا چاہیے ۔

جو اصحاب اس سے آگاہ ہیں کہ اہل تشیع اپنے ائمہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں ، وہ کبھی باور نہیں کر سکتے کہ کوئی صاحب علم شیعہ مصنف یہ بات کسی امام کے سلسلے میں لکھ سکتا ہے ۔ مشکل مسائل کے حل کرنے کے لیے رات رات بھر جاگنا اور جب نیند زیادہ ستائے تو چہرے اور آنکھوں پر پانی کے چھینٹے دینا امام مؤید من اللہ کا کام نہیں ہو سکتا ۔

ایرانی ایڈیشنوں میں سے آخری دو میں محمد بن الحسن الطوسی لکھ کر شاید اس الجھن کو دور کرنے کی سعی کی گئی ہے ، جس کا یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ یہاں شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسی متوفیٰ سنہ ۴۵۹ھ (۱۰۶۶ع) مراد ہیں ۔ لیکن یہ بات رد ہو جاتی ہے جب ہم ابن البزاز الکردری متوفیٰ

سنہ ٨٢٧ھ (١٤٢٤ع) کی کتاب مناقب الامام الاعظم (صفحہ ١٦٣ ، طبع حیدر آباد ، سنہ ١٣٢١ھ) میں دیکھتے ہیں کہ یہ باتیں امام اعظم کے شاگرد رشید امام محمد بن الحسن الشیبانی متوفی سنہ ١٨٩ھ (٨٠٥ع) کے تذکرے میں نقل کی گئی ہیں ۔

(٤) چوتھی وجہ جو سب سے اہم اور اس بحث میں حجت قاطع کی حیثیت رکھتی ہے ، یہ ہے کہ طریقِ تعلیم و تعلم پر ایک اور عربی رسالہ ''تعلیم المتعلم طریق التعلم'' کے نام سے مشہور ہے ۔ ہمارے پاس اُس کا جو مطبوعہ نسخہ موجود ہے ، وہ برہان الدین ابراہیم بن اسماعیل رومی کی شرح کے ساتھ سنہ ١٢٨٩ھ میں استنبول میں چھپا تھا ۔

آداب المتعلمین کا اس کتاب سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آداب اس کتاب کا خلاصہ ہے ، جس میں اشعار ، احادیث اور دیگر اقوال اور عبارتیں کم بھی کی گئی ہیں اور جگہ جگہ الفاظ اور فقرے ، بلکہ جملے تک بڑھائے بھی گئے ہیں ۔ ایک بات کا پورے رسالے میں التزام کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ تعلیم المتعلم کے کل عربی شعر اور اشخاص کے جس قدر نام آئے تھے ، وہ سب بجز ایک محمد بن الحسن کے ، حذف کر دیے گئے ہیں :

ان دونوں کے باہمی تعلق کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے آپ سب سے پہلے دونوں کی فہرست مضامین ملاحظہ فرمائیے[1] :

تعلیم المتعلم	آداب المتعلمین
١ ۔ فصل فی ماھیة العلم و الفقه و فضله ۔	١ ۔ فصل فی ماھیة العلم و فضله ۔
٢ ۔ فی النیة فی حال التعلم ۔	٢ ۔ فی النیة ۔
٣ ۔ فی اختیار العلم و الاستاذ و الشریک و الثبات ۔	٣ ۔ فی اختیار العلم و الاستاذ و الشریک و الثبات ۔
٤ ۔ فی تعظیم العلم و أهله ۔	٤ ۔ فی الجد و المواظبة و الهمة ۔

١ ۔ کشف الظنون میں تعلیم المتعلم کی ١٣ فصلیں لکھی ہیں ، اور ان کی گنتی یوں پوری کی گئی ہے کہ گیارھویں فصل کو مبحث ورع میں ، ١٢ ویں کو فیما یورث الحفظ اور ١٣ ویں کو فیما یجلب الرزق میں شمار کیا گیا ہے ۔

تعلیم المتعلم	آداب المتعلمین
۵ ۔ فی الجد و المواظبة و الهمة ۔	۵ ۔ فی بدایة السبق و قدرہ و ترتیبه ۔
٦ ۔ فی بدایة السبق و قدرہ و ترتیبه	٦ ۔ فی التوکل ۔
۷ ۔ فی التوکل ۔	۷ ۔ فی وقت التحصیل ۔
۸ ۔ فی وقت التحصیل ۔	۸ ۔ فی الشفقة و النصیحة ۔
۹ ۔ فی الشفقة و النصیحة ۔	۹ ۔ فی الاستفادۃ ۔
۱۰ ۔ فی الاستفادۃ ۔	۱۰ ۔ فی الورع فی التعلم ۔
۱۱ ۔ فی ما یورث الحفظ و النسیان ۔	۱۱ ۔ فی ما یورث الحفظ و النسیان ۔
۱۲ ۔ فی مایجلب الرزق و ما یمنع و ما یزید فی العمر و ما ینقص ۔	۱۲ ۔ فی ما یجلب الرزق و ما یمنع و ما بزید فی العمر و ما ینقص ۔

ان دونوں فہرستوں میں صرف اتنا بل ہے کہ تعلیم المتعلم کی چوتھی فصل ''فی تعظم العلم و اهله'' آداب المتعلمین میں نہیں ہے ، اور آداب کی دسویں فصل ''فی الورع فی التعلیم'' تعلیم المتعلم میں نظر نہیں آتی ۔ باقی رہے ان دونوں فصلوں کے مطالب و مضامین ، تو وہ دوسری فصل کے ضمن میں دونوں کے اندر موجود ہیں ۔

اس کے بعد دونوں کے دیباچے دیکھیے[۱] :

تعلیم المتعلم	آداب المتعلمین
و بعد فلما رأیت کثیرا من طلاب العلم فی زماننا یجدون الی العلم لا یصلون ، و من منافعه و ثمراته ، وهی العمل به و النشر ، یحرمون ، لما أنهم اخطأوا طرائقه ، و ترکوا شرائطه ۔ و کل من اخطأ الطریق ضل ، و لا ینال المقصود قل او جل ، اردت و احببت ان	و بعد فکثیر من الطلاب العلم لایتیسرلهم التحصیل و ان اجتهدوا ، ولا ینتفعون من ثمراته و ان اشتغلوا لانهم اخطأوا طریقه ، و ترکوا شرائطه ، و کل من اخطا الطریق ضل و اضل ، فلا ینال المقصود ۔ فاردت ان ابین طریق التعلم علی سبیل الاختصار علی مارأیت فی الکتب

۱ ۔ تعلیم المتعلم کی یہ عبارت اور اگلی عبارتیں بھی شرح تعلیم المتعلم از ابراہیم رومی ، مطبوعہ استنبول ۱۲۸۹ھ سے نقل کی گئی ہیں ۔

ابین لهم طریق التعلم علی مارایت فی الکتب و سمعت من اساتیذی اولی العلم و الحکم ـ

و سمعت من اساتیذی اولی العلم ـ

اس کے بعد دوسری فصل کی ابتدائی عبارتیں ملاحظہ کیجیے :

تعلیم المتعلم

فصل فی النیة : لابد من النیة فی زمان تعلم العلم ، اذ النیة هی الاصل خاصة فی جمیع الاحوال لقوله علیه السلام : انما الاعمال بالنیات ـ حدیث صحیح روی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم : کم من عمل یتصور بصورة اعمال الدنیا ، و یصیر بحسن النیة من اعمال الآخرة ـ و کم من عمل یتصور بصورة اعمال الآخرة ، ثم یصیر من اعمال الدنیا بسوء النیة ـ

و ینبغی ان ینوی المتعلم بطلب العلم رضاء الله تعالی و الدار الآخرة و ازالة الجهل عن نفسه و عن سائر الجهال و احیاء الدین و ابقاء الاسلام ـ

آداب المتعلمین

فصل فی النیة : لابد لطالب العلم من النیة فی تعلم العلم ، اذ النیة هی الاصل خاصة فی جمیع الاحوال لقوله علیه السلام : انما الاعمال بالنیات ـ

و ینبغی ان ینوی المتعلم بطلب العلم رضاء الله و ازالة الجهل عن نفسه و عن سائر الجهال و احیاء الدین و ابقاء الاسلام ـ

چوتھی فصل کی ابتدائی عبارت دونوں میں اس طرح ہے :

و لابد لطالب العلم من الهمة العالیة فی العلم ، فان المرء یطیر بهمة کالطیر یطیر بجناحیه ـ فمن کانت همته حفظ جمیع کتب محمد بن الحسن ، و اقترن بذلک الجد و المواظبة فالظاهر انه یحفظ اکثرها او نصفها ـ

و لابد لطالب العلم من الهمة العالیة فی العلم ، فان المرء یطیر بهمة کالطیر یطیر بجناحیه ـ فلابد ان یکون همته علی حفظ جمیع الکتب لیحصل البعض ـ

پانچویں[۱] فصل کا آغاز تعلیم المتعلم اور آداب میں یوں ہوا ہے :

کان استاذنا شیخ الاسلام برهان الدین یتوقف بدایة السبق علی یوم الاربعاء ۔ وکان یروی فی ذلک حدیثاً و یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ما من شئی بدیٔ یوم الاربعاء الا و قد تم۔ و هکذا کان یفعل ابو حنیفة ۔ و کان یروی هذا الحدیث عن استاذہ شیخ الاسلام الاجل قوام الدین احمد بن عبدالرشید ۔

ینبغی ان یکون بدایة السبق یوم الاربعاء کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : مامن شئی بدیٔ فی یوم الاربعاء الا و قد تم ۔

و سمعت ممن اثق ان الشیخ ابا یوسف الهمدانی کان یتوقف کل عمل من اعمال الخیر علی یوم الاربعاء ۔ و هذا لان یوم الاربعاء یوم خلق فیہ النور ، و هو یوم نحس فی حق الکفار ، فیکون مبارکا للمومنین ۔

و قیل : کل عمل من اعمال الخیر لابد ان یقع فی یوم الاربعاء ۔ و هذا لان یوم الاربعاء یوم خلق فیہ النور وهو یوم نحس فی حق الکفار فیکون مبارکا للمومنین ۔

اس سے اگلی عبارت دونوں میں یوں ہے :

و اما قدر السبق فی الابتداء فکان أبی یحکی عن الشیخ القاضی الامام محمد بن ابی بکر الزرنجی انہ قال : قال مشائخنا ینبغی ان یکون قدر السبق للمبتدی قدر ما یمکن ضبطه بالاعادة مرتین ۔

و اما قدر السبق فینبغی ان یکون قدر السبق للمبتدی قدر ما یمکن ضبطه بالاعادة ۔

فصل فی الاستفادة کے تحت حسب ذیل عبارت قابل غور ہے :

و وصی فقیہ من زهاد الفقهاء

وینبغی لطالب العلم ان یتحرز

---

۱ ۔ تعلیم المتعلم میں یہ چھٹی فصل ہے ۔

طالب العلم : علیک ان تتحرز عن الغیبة و عن مجالسة المکثار ۔ عن الغیبة و عن مجالسة المکثار ۔

آخر میں دو اور عبارتیں نقل کرنے کو جی چاہتا ہے ۔ یہ دونوں زیادہ وضاحت کے ساتھ ثابت کر دیتی ہیں کہ ''آداب المتعلمین'' ، زرنوجی کی ''تعلیم المتعلم'' کا خلاصہ ہے ۔ تعلیم المتعلم میں ایک جگہ (صفحہ ۳۵) لکھا ہے کہ ظہیر الدین مفتی الائمہ الحسن بن علی المرغینانی نے ہمیں یہ شعر سنایا تھا :

الجاہلون کموتی قبل موتہم و العالمون ، و ان ماتوا ، فاحیاء

(یعنی جاہل لوگ اپنی موت سے پہلے مُردوں جیسے ہوتے ہیں اور عالم مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں) ۔

آداب المتعلمین میں ایک مصرع کی نثر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

''قیل : المومنون العالمون و ان ماتوا فاحیاء''۔ یعنی کہا گیا ہے کہ عالم ایمان والے مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں ۔

ایک اور موقع پر تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ :

و رأی ابو حنیفة کاتبا یقرمط فی الکتابة فقال : لا تقرمط لانک ان عشت تندم ، و ان مت تشتم ۔ (صفحہ ۳۳)

(ابو حنیفہ نے ایک کاتب کو دیکھا کہ باریک اور گھچ پچ لکھ رہا ہے ، تو کہا کہ ایسا مت لکھ کیوں کہ جیتا رہا تو پشیمان ہوگا اور مر گیا تو تجھے برا کہا جائے گا) ۔

آداب المتعلمین میں امام ابو حنیفہ کا نام لیے بغیر اس مطلب کو یوں ادا کیا گیا ہے :

و ینبغی ان یجود کتابة الکتاب، و لا یقرمط ، و یترک الحاشیة الا عند الضرورة ، لانہ ان عاش ندم ، و ان مات شتم ۔

(مناسب ہے کہ کتاب کی لکھوائی اچھی کرے اور باریک اور گھچ پچ نہ لکھے اور حاشیہ چھوڑے ، الا یہ کہ کوئی ضرورت ہو ۔ کیوں کہ اگر جیے گا تو پچھتائے گا اور مرے گا تو اُسے برا کہا جائے گا)۔

ان عبارتوں کے تقابل سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ ان دونوں رسالوں میں گہرا علاقہ ہے ۔ اور یہ بھی بآسانی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ''تعلیم المتعلم'' اصل ہے اور ''آداب المتعلمین'' اُس کا خلاصہ ۔ یہ بات بھی نظر کے سامنے آ جاتی ہے کہ ''آداب'' میں جو باتیں بغیر حوالے کے مذکور ہیں ، ''تعلیم المتعلم'' میں اُن کے حوالے بھی دے گئے ہیں ۔

اس نتیجے کے تسلیم کر لینے کے بعد یہ دیکھنا ضروری قرار پاتا ہے کہ ''تعلیم المتعلم'' کا مؤلف کون ہے تا کہ یہ فیصلہ کیا جائے کہ اس کی کتاب کا خلاصہ محقق طوسی کر بھی سکتا ہے یا نہیں ۔

مؤرخوں نے اس رسالے کے مؤلف کا نام برہان الدین یا برہان الاسلام زرنوجی بتایا ہے ۔ زرنوج یا زرنوق ماوراء النہر (ترکستان) کا ایک شہر تھا ، جو ساتویں صدی ہجری تک شہرت و ناموری کا مالک رہ کر ناپید ہوگیا ۔

زرنوجی کے حالات پردۂ خفا میں مستور ہیں ، لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشہور حنفی فقیہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی متوفیٰ سنہ ۵۹۳ھ (۱۱۹۷ع) کا شاگرد ہے[1] ۔ یہ بزرگ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''الہدایۃ'' کے مصنف ہونے کی حیثیت سے عالم گیر شہرت کے مالک ہیں ۔

اُس کے دوسرے اُستاد فخر الدین حسین بن منصور بن محمود اوزجندی معروف بہ قاضی خان ہیں ، جو فقہ حنفی کی دوسری مشہور کتاب ''فتاوای قاضی خان'' کے مؤلف ہیں ، اور سنہ ۵۹۲ھ (۱۱۹۶ع) میں فوت ہوئے ہیں[2] ۔

رکن الدین محمد بن ابی‌بکر معروف بہ امام زادہ مؤلف ''شرعۃ الاسلام'' متوفیٰ سنہ ۵۷۳ھ (۱۱۷۷ع) اور قاضی عمر بن بکر الزرنجی متوفیٰ سنہ ۵۸۴ھ (۱۱۸۸ع) کے سامنے بھی اس نے زانوے شاگردی تہ کیا ہے[3]

زرنوجی کے سال وفات کا پتا نہیں چلتا ، لیکن اساتذہ کی تاریخہاے وفات

---

۱ ۔ معجم البلدان حموی ۳۸۷/۴ ، والجواہر المضیئۃ ۲۰۱/۲ ۔

۲ ۔ الجواہر ، ۳۱۲/۱ ، ۳۶۴ ، و اعلام‌الاخیار للکفوی ۲۵۱ الف ، و الفوائد البہیہ ۲۵ ، و شرح تعلیم المتعلم ۱۷ ، ۳۱ ، ۳۳ ، ۳۵ ، ۴۶ ، ۶۱ ، ۶۴ ، ۶۸ ۔

۳ ۔ الجواہر ، ۳۶/۲ ، ۳۶۲ ، و الفوائد ۶۶ ۔

سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ ساتویں صدی کا فاضل ہے اور اس طرح محقق طوسی کا معاصر قرار پاتا ہے۔

زرنوجی کا یہ رسالہ کم از کم آٹھویں صدی ہجری سے علم کے مطالعے میں ہے - ابن ابی الوفا متوفی سنہ ۷۷۵ھ (۱۳۷۳ع) نے تذکرۂ فقہاے احناف میں اس کا اپنے پاس ہونا بتایا ہے[۱] - طاش کوپریزادہ متوفی سنہ ۹۶۲ھ (۱۵۵۴-۵۵ع) نے اسے فنی حیثیت سے مسائل مہمہ پر حاوی قرار دیا ہے[۲] - محمود کفوی متوفی سنہ ۹۹۰ھ (۱۵۸۲ع) نے اعلام الاخیار میں اس کی نفاست کی تعریف کی ہے[۳] -

متعدد علما نے اس کی شرحیں بھی لکھی ہیں - غالباً سب سے پہلے نوعی نے اس پر شرح لکھی تھی ، مگر اس کی شرح اور وہ دونوں ہمارے لیے مجہول ہیں - اس کے بعد عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ (۱۵۶۵ع) نے اور ۹۹۶ھ (۱۵۸۸ع) میں ابراہیم بن اسماعیل رومی نے مراد خان ثالث والی قسطنطنیہ کے لیے شرح لکھی - یہ آخری شرح چھپ چکی ہے اور میرے سامنے ہے - ان کے علاوہ اسحاق بن ابراہیم رومی نے 'مرآۃالطالبین' کے نام سے اور عثمان بازاری نے 'تفہیم المتفہم' کے نام سے بھی شرحیں لکھی تھیں -

قاضی زکریا انصاری متوفی سنہ ۹۲۵ھ (۱۵۱۹ع) نے اس کا خلاصہ کر کے اس کا نام ''اللؤلؤ النظیم'' رکھا - یہ خلاصہ سنہ ۱۳۱۹ھ (۱۹۰۱ع) میں مصر سے شایع ہو چکا ہے - حسن بن علی الفقیر نے اس کے مباحث نظم کر دے تھے تاکہ طلبا آسانی کے ساتھ یاد کر سکیں -

علماے یورپ میں اس کا تعارف کب ہوا ، اس بارے میں صرف اتنا وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ سب سے پہلے ریلنڈس (H. Ralands) کے اہتمام سے سنہ ۱۷۰۹ع میں جرمنی سے اس کی اشاعت ہوئی تھی - بعد ازاں ۱۸۳۸ع میں کیسپری (Caspari) نے فلائیشر (H.L. Fleischer) کے مقدمے کے ساتھ لائپزگ سے شایع ہوا - اس ایڈیشن میں رسالے کا لاطینی ترجمہ

---

۱ - الجواہر ، ۳۶۴/۲ -
۲ - مفتاح السعادۃ ، ۲۵۰/۱ -
۳ - اعلام الاخیار ، ۲۵۱ الف -

اور ابراہیم رومی کی شرح بھی شامل تھی[1] ۔

مشرق میں اس رسالے کی طباعت سب سے پہلے مرشد آباد بنگالہ میں سنہ ۱۲۶۵ھ (۱۸۴۹ع) میں ہوئی ۔ بعد ازاں قازان میں ۱۹۰۱ع میں چھپا ۔ ایک مختصر شرح کے ساتھ ٹیونس میں ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ع) میں ، استنبول میں ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ع) میں ، قازان میں ۱۳۱۶ھ (۱۸۹۸ع) میں اور مصر میں ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۳ع) میں چھاپا گیا ۔ ان تاریخوں کے بعد بھی مصر وغیرہ میں کئی بار چھپ چکا ہے[2] ۔

شیخ عبدالمجید بن نصوح بن اسرائیل نے اس کا ترکی میں ترجمہ کیا[3] ، اور اُس ترجمے کا نام ''ارشاد الطالبین'' رکھا ۔ مولانا محمد اسلم فرنگی محلی نے ذی حجہ سنہ ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۵ع) میں العلم نام سے اس کا اردو ترجمہ چھاپا ۔ خود میں نے بھی اپنے ایک مقالے میں اس کا آزاد ترجمہ شائع کیا تھا جو زیر نظر مجموعے میں بھی شامل ہے اور اس مضمون سے پہلے نمبر پر ''زرنوجی کا نظام تعلیم و تعلم'' کے عنوان سے گزر چکا ہے ۔

غرض ، جب یہ بات طے ہوگئی کہ ''تعلیم المتعلم'' کا مؤلف سنی حنفی ہے ، تو اُس کے یہاں ''محمد بن الحسن'' نام آئے گا ، تو اُس سے امام محمد بن الحسن الشیبانی صاحب امام ابو حنفیہ مراد ہوں گے ۔ چناں چہ ''فصل فی ماهیة العلم'' میں زرنوجی نے لکھا ہے کہ کسی نے محمد بن الحسن سے پوچھا کہ آپ زہد پر کوئی کتاب کیوں نہیں لکھتے ، تو اُنھوں نے جواب میں کہا کہ میں نے ''کتاب البیوع'' لکھ جو دی ہے ۔ اس جگہ مؤلف کی مراد بالیقین امام محمد بن الحسن شیبانی ہیں ، جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی متوفٰی سنہ ۴۹۰ھ (۱۰۹۰ع) نے ''کتاب المبسوط فی الفقہ'' کی جلد ۱۲ ، صفحہ ۱۱۰ (طبع مصر، سنہ ۱۳۳۱ع) میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے ۔

زرنوجی نے ایک موقع پر (صفحہ ۱۰) محمد بن الحسن کے نام سے چند شعر نقل کیے ہیں ۔ شارح نے لکھا ہے کہ یہاں محمد بن الحسن بن عبداللہ بن طاؤس بن ہرمز بن نوشیرواں مراد ہیں ، جو عالم ربانی کہلاتے تھے ۔ اس کے بعد صفحہ ۳۵ پر اُن کا حوالہ ملتا ہے ۔ یہاں اُن کی ایک گفتگو امام بخاری سے

---

۱ ۔ تاریخ آداب عربیہ از بروکلمان ، تتمہ ۸۳۷/۱ ۔
۲ ۔ معجم المطبوعات ، ۹۶۹ ۔
۳ ۔ کشف الظنون ، ۴۲۵/۱ ، طبع استنبول ۔

نقل کی گئی ہے ۔

ابن البزاز الکردری نے مناقب الامام الاعظم (صفحہ ۱۴۷) میں امام محمد شیبانی کا یہی نسب لکھا ہے ، جس سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہاں بھی صاحب امام ابوحنفیہ ہی مراد ہیں ۔

اب یہ بھی سمجھ میں آ جاتا ہے کہ مؤلف نے المستغفری کی ''طب النبی'' کا حوالہ کیوں دیا اور کسی شیعہ مؤلف کی طب النبی یا طب الائمہ سے کس بنا پر قطع نظر کی ۔

ان سب وجوہ کی بنا پر مجھے یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ محقق طوسی جیسا علامہ اپنے ایسے معاصر کے کسی رسالے کا خلاصہ کرتا ، جو اس سے بہ مراتب شہرت و ناموری میں کم تھا، اور وہ بھی ایسے مضمون کے رسالے کا جو اُس کے دماغ کے سامنے بچوں کے کھیل سے زیادہ حیثیت کا مالک نہیں ۔ اور پھر اتنا بھی نہ کرتا کہ کم از کم علماے احناف کے حوالوں کی جگہ شیعی ائمہ اور علما کے حوالے مہیا کر دیتا ۔

اس رائے کو تقویت حاصل ہوتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ طوسی کے ایک قدیم تذکرے نے اُس کی مصنفات کی لمبی چوڑی فہرست میں اس رسالے کا ذکر نہیں کیا ہے ۔ یہ تذکرہ نگار محمد بن شاکر الکتبی متوفٰی سنہ ۷۶۴ھ (۱۳۶۲ع) ہے اور اُس کی کتاب کا نام ''فوات الوفیات'' ہے[1]۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ خلاصہ کس نے کیا ؟ سر دست اس کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں دیا جا سکتا کہ یہ کوئی متاخر سنی عالم ہے ۔ چناں چہ برلن کی فہرست میں اس رسالے کا ''طریق التعلم'' کے نام سے ذکر کرتے ہوئے آلورٹ نے اسے نامعلوم المؤلف قرار دیا ہے[2] ۔

آخر میں ایک اور دل چسپ بات کا تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے ؛ ''تعلیم المتعلم'' اور ''آداب المتعلمین'' دونوں میں ''الحکمۃ الفارسیہ'' کہہ کر دو شعر نقل کیے گئے ہیں ۔ اول الذکر میں اُن کا متن یہ ہے :

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو فوات ، ۱۸۶/۲ تا ۱۸۹ ۔
۲ ۔ فہرست مخطوطات عربیہ ، ۳۷/۱ ۔

یار بد بدتر بود از مار بد — حق ذات پاک اللہ الصمد
یار بد آرد ترا سوی جحیم — یار نیکو گیر تا یابی نعیم

'آداب المتعلمین' کے خشاب والے نسخے میں انھیں اس طرح لکھا ہے:

یار بد بدتر بود از مار بد — تا توانی، میگریز از یار بد
مار بد تنہا ہمیں بر جان زند — یار بد بر جان و بر ایمان زند

'آداب' کے ایرانی مطبوعہ نسخوں میں بھی یہی قرأت ملتی ہے۔ لیکن رضا لائبریری کے نسخۂ 'آداب' میں یوں ہے:

حق ذات پاک اللہ الصمد — یار بد بدتر بود از مار بد
مار بد جان را ستاند، ای سلیم — یار بد یکسر کشد سوی جحیم

یہ دونوں شعر مثنویٔ مولانا روم (طبع ایران سنہ ۱۳۷۶ھ مع کشف الابیات) کے صفحۂ ۳۸۸، سطر ۲۳ پر اس طرح منقول ہیں:

حق ذات پاک اللہ الصمد — کہ بود بہ مار بد از یار بد
مار بد جانی ستاند از سلیم — یار بد آرد سوی نار جحیم

ڈاکٹر نکلسن کے نسخۂ مثنوی (دفتر ۵، صفحہ ۱۶۹، طبع لیدن ۱۹۳۳ع) میں بھی ان شعروں کی یہی صورت نظر آتی ہے، صرف 'نار جحیم' کی جگہ 'نار مقیم' ہے۔

بہر حال یہ شعر مثنوی ہی کے ہیں۔ بدیع الزمان فروز انفر نے ''رسالہ در تحقیق احوال و زندگانی مولانا'' (صفحہ ۱۶۹، طبع ایران، ۱۳۱۵ھ) میں لکھا ہے کہ احمد دده کی صحیح روایت کے مطابق مثنوی کا اختتام ۶۶۶ھ (۱۲۶۷-۶۸ع) میں ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مثنوی کی شہرت بہت جلد پھیل گئی تھی اور مولانا کے معاصر اس درجہ اُس سے متاثر تھے کہ اُس کے اشعار کو 'حکمت فارسی' مان کر نقل کیا کرتے تھے۔ دوسرا نتیجہ یہ بھی نکالا جا سکتا ہے کہ 'تعلیم المتعلم' سب سے پرانی کتاب ہے جس میں مثنوی مولانا روم کا اقتباس لیا گیا ہے۔

نیز 'تعلیم المتعلم' میں ان اشعار کی موجودگی سے یہ بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ زرنوجی نے اپنا رسالہ سنۂ مذکور کے بعد مرتب کیا تھا، اور چوں کہ اُس کے ایک استاد 'امام زادہ' کا انتقال سنہ ۵۸۳ھ (۱۱۷۷ع) میں ہوا ہے اور یہ سنہ ۶۶۶ھ (۱۲۶۷ع) تک بقید حیات تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زرنوجی نے طویل عمر پائی تھی۔

[مجلّۂ فکر و نظر، علی گڑھ، جولائی ۱۹۶۱ع]

طبقات الفقہاء الشافعیة الوسطیٰ

تاج الدین ابو نصر عبدالوہاب بن تقی الدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی بن علی بن تمام الانصاری السبکی المصری اپنے عہد کے بہت بڑے عالم اور مملکتِ شام کے قاضی القضاۃ تھے۔ ۷ ذی‌حجہ سنہ ۷۷۱ھ (جولائی ۱۳۷۰ع) کو ۴۴ یا ۴۸ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا ہے۔

ان کی تصنیفات میں دیگر اہم کتابوں کے علاوہ فقہاے شافعیہ کے تین تذکرے بھی ہیں:

(۱) پہلا ''طبقات الفقہاء الشافعیة الکبریٰ'' کہلاتا ہے۔ یہ بہت مفصل اور جامع تذکرہ ہے، جس میں بہ قول مؤلف اُس عہد تک کے تمام شافعی فقیہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں سبکی نے قابل الروایت فقہا کی احادیث بھی اپنی سند سے نقل کی ہیں، دل چسپ حکایات درج کیے ہیں اور کسی فقیہ نے کوئی نادر مسئلہ بیان کیا ہے تو اسے بھی تحریر کیا ہے۔

یہ تذکرہ مصر سے سنہ ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۶ع) میں شایع ہو چکا ہے اور ۱۸۰۷ صفحوں کی ۶ جلدوں پر مشتمل ہے۔

اس کے دیباچے یا خاتمے میں سال آغاز و اتمام کا ذکر نہیں، لیکن یہ متحقق ہے کہ مؤلف اس کی تالیف کے بعد ''طبقات وسطیٰ'' کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ ''وسطیٰ'' کا جو مخطوطہ قاہرہ میں محفوظ ہے، اُس کے خاتمے کے مطابق ۲۳ ذیقعدہ ۷۵۴ھ (۱۳۵۳ع) میں مؤلف اس کی تالیف سے فارغ ہوا ہے۔ لہذا ''طبقات کبریٰ'' کو اس سال سے پہلے ختم ہو جانا چاہیے۔

''طبقات وسطیٰ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ''کبریٰ'' میں مؤلف نے وقتاً فوقتاً اضافے بھی کیے ہیں۔ مثلاً ''وسطیٰ'' میں احمد بن الحسین بن سہل الامام ابوبکر الفارسی کے ذیل میں لکھا ہے[1] کہ سردست مجھے اس فقیہ کا حال اس

۱۔ السبکی: طبقات الشافعیة الوسطیٰ، ورق ۲۹ الف، نسخۂ کتاب خانۂ رام پور۔

سے زیادہ نہیں ملا ۔ آیندہ کچھ ملا تو اسے ''طبقات کبریٰ'' میں درج کر دوں گا ۔

''کبریٰ'' میں لکھا ہے کہ میں نے ''وسطیٰ'' میں لکھا تھا کہ ابوبکر نے ابن سریج سے پہلے سنہ ۳۰۵ھ میں انتقال کیا ہے ، لیکن اب میری قطعی رائے یہ ہے کہ ابوبکر کی وفات ابن سریج کے بعد ہوئی ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ میں نے مدرسۂ باورانیہ کے کتب خانے میں ''عیون المسائل'' کا ایک نسخہ دیکھا جو یکم ذی‌حجہ سنہ ۳۳۹ھ کو لکھا گیا تھا ۔ اس کے کاتب نے مؤلف کے لیے دعائیہ جملہ ''مد اللہ فی عمرہ و ادام عزہ'' استعمال کیا ہے ، جو اس کا ثبوت ہے کہ اس تاریخ تک مؤلف بقید حیات تھا ۔

''کبریٰ'' میں اس بات کا اضافہ سنہ ۷۵۵ھ کے بعد کا معلوم ہوتا ہے ، ورنہ ''وسطیٰ'' کے ہمارے نسخے میں بھی یہ ترمیم ہوتی جو سال مذکور کا نوشتہ ہے ۔

''کبریٰ'' میں بہ مقابلۂ ''وسطیٰ'' کہاں کہاں اور کس قدر اضافے ہیں ، اس کی تعیین کے لیے دونوں کا بالاستیعاب تقابلی مطالعہ ضروری ہے جو اس وقت میرے لیے دشوار ہے ۔ تاہم آٹھویں صدی کے تراجم کا مقابلہ کرنے پر معلوم ہوا کہ ''کبریٰ'' میں اس صدی کے ۱۲۹ فقہا کا ذکر ہے جن میں سے صرف ۴۵ ''وسطیٰ'' میں مذکور ہوئے ہیں ۔

بقیہ میں سے ۲۱ وہ ہیں جو ''وسطیٰ'' کے ہمارے نسخے کی کتابت کے بعد فوت ہوئے ہیں ۔ باقی کے حالات اُس وقت تک مؤلف کے علم میں نہ آئے ہوں گے ، اس لیے ''وسطیٰ'' میں جگہ نہ پا سکے ۔

مؤلف نے یہ اضافے کب تک کیے ، اس بارے میں صرف اتنا پتا چل سکا ہے کہ ''کبریٰ'' میں محمد بن خالد الغزی متوفی ۱۴ رجب سنہ ۷۷۰ھ (۱۳۶۹ع) کا ترجمہ بقید تاریخ وفات مذکور ہوا ہے ۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس تاریخ کے بعد تک مؤلف نے ضرور اضافہ کیا ہے ۔

''کبریٰ'' کے متعدد قلمی نسخے ڈاکٹر بروکلمان کی تاریخ آداب عربیہ[1] میں مذکور ہیں ۔ ضرورت ہے کہ ایک دو اہل علم اُن کی مدد سے ایک صحیح تر

Brockelamann, *GAL* ii p. 90 and Suppl ii p. 106 - 1

سخہ شایع کر دیں تاکہ اُسے شوق اور اطمینان کے ساتھ استعمال کیا جا سکے ۔

(۲) ۔ دوسرے تذکرے کا نام ''طبقات الفقہاء الشافعیۃ الوسطیٰ'' ہے ۔ یہ تذکرہ اس لیے مرتب کیا گیا تھا کہ ''کبریٰ'' کی طوالت اُس کے بآسانی نقل اور استعمال میں سد راہ تھی ۔ نیز اُس کی ترتیب طبقات پر تھی ، جس کی وجہ سے کسی شخص کے حالات جاننے کے لیے پہلے یہ جاننا ضروری تھا کہ وہ کس صدی کا فقیہ ہے ۔ چونکہ یہ امر ہر شخص کے لیے ہر وقت سہل نہ تھا لہذا مؤلف نے ''کبریٰ'' کی اس طرح تلخیص کر دی کہ اُس کے قصے، خصوصی مسائل اور اشعار بجز بے حد ضروری حصے کے حذف کر دیے ، اور تراجم کی ترتیب طبقات کی جگہ حروف تہجی پر کردی ، جس کے باعث کتاب میں کسی معین فقیہ کا حال تلاش کرنا سہل ہو گیا ۔

دیباچے سے اس کے سال تالیف کا تعین نہیں ہوتا ۔ ہمارے نسخے کا خاتمہ ندارد ہے ، اس لیے اس سے بھی کسی تاریخ کے بارے میں مدد نہیں ملتی ، لیکن مکتبۂ دارالکتب المصریہ قاہرہ کی فہرست[1] میں جس نسخے کا ذکر ہے اُس کے خاتمے میں لکھا ہے کہ ۲۳ ذیقعدہ سنہ ۷۵۴ھ (دسمبر ۱۳۵۳ع) میں یہ اختتام کو پہنچا تھا ۔

بروکلمان نے اپنی تاریخ میں اس کے بھی متعدد مخطوطوں کا ذکر کیا ہے ۔ رضا لائبریری میں اس کا ایک نہایت عمدہ نسخہ محفوظ ہے ۔ یہ دبیز عرب کاغذ پر عربی نسخ میں نسبتاً جلی قلم سے لکھا گیا ہے ۔ روشنائی کالی ہے ، مگر ہر ترجمے کا معروف نام یا نسبت شنجرفی ۔ اکثر مقامات پر الفاظ کا صحیح تلفظ بنانے کے لیے حرکات لگائی گئی ہیں ۔ آب رسیدگی کے نشانات بھی پائے جاتے ہیں ۔ پشتہ اور جلد دونوں نئے ہیں ۔ پرانے ورق داغ اور پتسل سے ، نئے صفحہ داغ بھی موجود ہیں ۔ جگہ جگہ اضافۂ مطالب کے خیال سے بیاضیں چھوڑی گئی ہیں ۔ آخری چند ورق ضائع ہوگئے ہیں ۔ ان میں اُن احادیث کا انتخاب تھا جو ''کبریٰ'' میں مروی ہیں ۔

حواشی میں تصحیحات بھی مندرج ہیں ۔ اگر اصل میں خود مؤلف نے کوئی

---

۱ ۔ فہرست دارالکتب المصریہ ، جلد ۷ ، صفحہ ۹۷ ۔

حاشیہ لکھا تھا تو کاتب نے اُسے بھی نقل کیا ہے۔

نسخہ دو حصوں میں منقسم ہے؛ پہلا حرف "سین" پر ختم اور دوسرا حرف "شین" سے شروع ہوتا ہے۔ ہر حصے کے ساتھ سرورق ہے، جس میں یہ عبارت درج ہے:

"الاول من کتاب طبقات الفقہاء
الشافعیین
تصنیف الشیخ الإمام العلامة القدوة
الحافظ المتقن المحقق أقضی القضاة تاج الدین
مفتی المسلمین حجة المصنفین مفید الطالبین سید
المدرسین أبی‌نصر عبدالوہاب السبکی الانصاری
الخــزرجی الشافعی أطال الله بقاہ"

حصۂ ثانی میں 'الاول' کی جگہ 'الثانی' اور 'حجة المصنفین' کی جگہ 'حجة الاسلام' ہے۔ نیز عنوان بالا کی پہلی سطر دونوں میں بخط ثلث تحریر ہے۔ اس خط میں سنہری روشنائی سے دونوں حصوں کے عنوان کے نیچے لکھا گیا ہے: "ملکہ من فضل ربہ الحنان المنان، محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمن۔" اس نسخے کو محمد بن الحاج عبدالحمید البغدادی نے سنہ ۱۰۱۸ھ میں مکۂ معظمہ میں خریدا تھا۔ اس مضمون کی تحریردونوں حصوں کے سرورق پر مندرج ہے۔ پہلے سرورق پر مغل امرا کی مہریں بھی تھیں مگر کسی نے سب مٹا دی ہیں۔ ایک عرض دیدہ بھی ثبت ہے۔

پہلے حصے کے آخر میں کاتب نے لکھا ہے:

"تم الجزء الاول من کتاب الطبقات السبکیة بحمد الله و عونہ فی ثالث عشر شہر جمادی الاولی سنة خمس و خمسین و سبع مأیة بخط الفقیر الی رحمة الله و عفوہ، محمد بن محمد بن سرف الزرعی الشافعی عفا الله عنہ۔ الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد و آلہ و أصحابہ أجمعین۔"

اس کے نیچے تحریر ہے: "نقلہ کاملاً مملوکہ مؤلفہ و داعیہ محمد بن الشہرزوری عفاالله عنہ"۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ محمد الزرعی کے نسخے سے کوئی اور نسخہ بھی تیار کیا گیا تھا۔

پورے نسخے میں ۱۴۴ ورق ہیں اور ہر صفحے میں ۲۱ سطریں ہیں۔ کتاب کی تقطیع $10\frac{1}{2} \times 7\frac{1}{2}$ انچ اور کتابت کا ناپ $7\frac{1}{4} \times 5\frac{1}{4}$ انچ ہے۔ بعض ناموں پر شنجرف سے ''و ، ص ، ر'' بعض پر ''و ، ر'' بعض پر صرف ''ص'' یا صرف ''ر'' لکھی ہوئی ہے۔ یہ علامات کن کتابوں کی ہیں ، سردست میں اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں۔

حصۂ ثانی کے سرورق پر ایک تحریر اور ہے ، اس کے لفظ ہیں : ''أتحفنی به أعز الخلان فی الله ملا چلپی فی حجة ألف و ثلاث و عشرین علی مهاجرها أفضل التحیات والتسلیمات و أنا الفقیر الی ربه . . . '' اس شخص نے نام کی جگہ طغرا بنایا ہے، جو بظاہر ''محمد'' پڑھا جاتا ہے۔ صرف یہ دستخط حصۂ اولی کے خاتمے کے بائیں حاشیے میں بھی ثبت ہیں۔

اس مخطوطے کے حاشیوں میں ، اور دو جگہ متن کے اندر بھی ، کچھ مطالب کے اضافے ہیں۔ ان کا خط متن کے خط سے جدا اور باہم ملتا جلتا ہے۔ جہاں جہاں حاشیوں میں یہ عبارتیں بڑھائی گئی ہیں ، وہاں متن کے اندر سقوط کی علامت بھی بنائی گئی ہے۔ وہ عبارتیں حسبِ ذیل ہیں :

(۱) محمد بن اسحاق بن ابراہیم ابوالعباس السراج الثقفی النیسابوری کے تذکرے میں متن کے اندر سقوط کی علامت بنا کر حاشیے میں لکھا ہے[1] :

''وکان ذا مال ۔ قال ابو اسحاق ، سمعته یقول : ختمت عن رسول الله صلی (الله علیه) وسلم عشرة (الف) ختمة ۔ وضحیت (عنه) اثنتی عشرة الف أضحیة ۔''

(۲) اسی خط میں اسحاق بن احمد المغربی کمال الدین کا تذکرہ بڑھایا ہے ، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ابن الصلاح کا شاگرد اور اُس کا ''معید الروایة'' تھا ۔ وہ سنہ ۶۵۰ھ (۱۲۵۲ع) میں فوت ہو کر اپنے شیخ کے پاس مدفون ہوا[2] ۔

(۳) عبداللہ بن محمد ابو محمد الباقی البخاری کی تاریخ وفات وغیرہ کے لیے مخطوطے میں سادہ جگہ چھوڑی گئی تھی ۔ بعد میں متن کے اندر اُسی خط میں

---

۱ ۔ طبقات الوسطی ، ورق ۴۷ الف ۔
۲ ۔ ایضاً ، ورق ۱۶۵ الف ۔

تحریر کیا گیا ہے : ''مات الباقی فی المحرم سنۃ ثمان و تسعین و ثلثمایۃ[1] ۔''

(۴) عبدالرحمٰن بن عبدالعلی المصری الشیخ عماد الدین ابن السکری قاضی القضاۃ مصر کے حال[2] میں ایک عبارت بڑھائی ہے ، جو اُن کا ایک قابل نقل قول ہے ۔ ''کبریٰ'' میں[3] یہ قول مذکور نہیں ہوا ۔

(۵) الغزالی القدیم کے ترجمے کے آخر میں اضافہ کیا ہے[4] :

''ثم رأیت فی ما علقہ (شیخنا) شمس الدین ابن العماد مما نقلہ من خط
ابرا (ہیم) أنہ توفی بطابران فی سنۃ خمس و ثلاثین و (ثلاث مایۃ)
و أنہ عم الامام حجۃ (الاسلام) ابی حامد الغزالی و ابن الصلاح
نقل ذلک (عن) و سائل الالمعی فی فضائل أصحاب الشافعی من أبی
الحسن بن أبی القاسم البیہقی المعروف بفندق ۔ و رأیتہ منقولا عن مجموع
یشتمل علی جماعۃ من الشافعیۃ ، جمعہ الشیخ ابو النجیب
السہروردی رحمہ اللہ ، صح ۔''

(۶) نظام الملک طوسی کے حال میں بعضے مؤرخوں کا یہ قول نقل کیا ہے : ''سب سے پہلے اُنھیں نے مدرسہ جاری کیا تھا'' اور اس پر لکھا ہے کہ یہ خیال درست نہیں ہے ۔ نیشاپور میں اُن سے بہت پہلے مدارس قائم کیے جا چکے تھے ۔ ''وسطیٰ'' میں اس مبحث کی کچھ عبارت کاتب سے چھوٹ گئی تھی ۔ اُس نے حاشیے میں اسے نقل کیا ، تو اُس کے آخر میں سابق الذکر قلم سے یہ عبارت بڑھائی گئی[5] :

''و اما بغداد فقد . . . الوزیر ابونصرسابور بن ا(ردشیر) داراً بالکرخ و عمرھا
و سما(ھا دار)العلم و وقفھا علی العا . . . الیھا کتباً کثیرۃ و کان(ذلک)
سنۃ ثلاث و ثمانین و ثلاث [مایۃ] ۔''

---

۱ ۔ طبقات الوسطیٰ ، ورق ۲۴۸ الف ۔
۲ ۔ ایضاً ، ورق ۲۵۷ الف ۔
۳ ۔ طبقات الکبریٰ ، ۶۳/۵ ۔
۴ ۔ طبقات الوسطیٰ ، ورق ۱۲۴ الف ۔
۵ ۔ ایضاً ، ورق ۱۹۳ ب ۔

(۷) سبکی نے اپنے والد کا ایک قطعہ نقل کیا ہے[1] - اُس میں یہ ایک شعر ، جو ''کبریٰ'' میں نہیں ہے ، اُسی خط میں بڑھایا گیا ہے :

أمیر علیّ الملک المفدی و من سام العلا ثم اشتراہ

میں ان سب عبارتوں کو بخط سبکی خیال کرتا ہوں ، کیوں کہ دوسرا شخص یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ اپنی عبارتیں کسی کتاب کے متن میں داخل کر دے -

یہیں پر یہ بھی لکھتا چلوں کہ موسیٰ بن یونس بن محمد کمال الدین ابو الفتح الموصلی کے ذکر میں سبکی نے لکھا ہے کہ اُس کی مجلس میں اثیرالدین مفضل بن عمر الابہری جیسا فاضل کسب فیض کے لیے حاضر ہوا کرتا تھا - اس موقع پر کاتب نے حاشیے میں یہ شعر لکھے ہیں اور پہلے مصرع کے اوپر حرف 'ف' بنایا ہے :

أحسنت یا علم الهداة و بالاصابة قد نطقتا
و أتیت بالحق المبین فی تراجم من ذکرتا
و خصوصاً الرجلان باذان اللذان هنا وصفتا
أحیوا بکسب إلله العلوم فکل العالمین فقتا

اور ان کے نیچے لکھا ہے :

''قال ذلک و کتب العبد الفقیر محمد بن الشهرزوری[2]-''

جہاں تک ''وسطیٰ'' کے مندرجات کا علاقہ ہے ، یہ کبریٰ کے مقابلے میں خاصے کم ہیں - چنانچہ ''کبریٰ'' کے بیان میں لکھا جا چکا ہے کہ اس کے آٹھویں صدی کے ۱۲۹ رجال میں سے صرف ۳۵ ''وسطیٰ'' میں مذکور ہوئے ہیں - اس پر ابتدائی صدیوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے - لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ ''وسطیٰ'' کے بہت سے اشخاص اور اُس کے دوسرے مندرجات میں سے بھی بہت سی باتیں ''کبریٰ'' میں نہیں پائی جاتیں ، اس لیے یہ کتاب ''کبریٰ'' کی اشاعت کے باوجود اپنے اختصار ، حسن ترتیب اور مواد تینوں کے لحاظ سے قابل اشاعت ہے -

---

۱ - طبقات الوسطیٰ ، ورق ۳۴۰ ب -
۲ - ایضاً ، ورق ۳۸۸ الف -

ذیل میں ''وسطیٰ'' کے چند ایسے تراجم کا ذکر مناسب ہوگا جو یا تو ''کبریٰ'' میں مذکور ہی نہیں ، یا صرف نام کی حد تک اُن کا تذکرہ ہوا ہے ۔

۱۔ احمد بن میمون الفارسی أبو محمود کے بارے میں ''وسطیٰ'' میں لکھا ہے کہ ''مجھے ان صاحب کا زیادہ حال نہیں ملا ۔ اگر آئندہ کچھ ملا ، تو ''کبریٰ'' میں لکھ دوں گا''[1] ۔ ''کبریٰ'' میں ان کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے ۔

۲۔ سہل بن سہل بن بشر بن یحیٰی بن احمد أبوالفضل التمیمی کے بارے میں لکھا ہے[2] کہ یہ نظام الملک طوسی کے مخصوصین میں تھا ۔ سنہ ۴۸۶ھ میں پیدا ہوا تھا ۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہوسکی ۔ ''کبریٰ'' میں اس کا بھی ذکر نہیں ملتا ۔

۳۔ سہل بن محمود بن محمد البرانی ابوالمعالی متوفی سنہ ۵۱۴ھ کا ذکر بھی ''کبریٰ'' میں موجود نہیں ۔ ''وسطیٰ'' میں ۵ سطروں میں اس کا ترجمہ لکھا ہے[3] ۔

۴۔ محمد بن احمد بن یحیٰی الفقیہ ابو نصر کا صرف نام ''کبریٰ'' میں مذکور ہے ۔ ''وسطیٰ'' میں ان کو السرخسی بتایا ہے اور الحاکم کا یہ قول نقل کیا ہے[4] :

''کان من فقہاء الشافعیین و ممن یرجع الی أدب و کتابة و فضل ۔ قال : و جاء نعیہ سنة ثلاث و ثمانین و ثلاث مایة ۔''

۵۔ محمد بن أحمد بن محمد بن مت الا ستیخنی لکھ کر ''کبریٰ'' میں چھوڑ دیا گیا ہے ۔ ''وسطیٰ'' میں لکھا ہے[5] :

''محمد بن أحمد بن محمد بن مت الاشتیخنی من أھل اشتیخن ، بکسر الالف و سکون الشین المعجمة و کسر التاء المنقوطة بنقطتین من فوقہا بعدھا

---

۱ - طبقات الوسطیٰ ، ورق ۵۷ الف ۔
۲ - ایضاً ، ورق ۲۲۹ الف ۔
۳ - ایضاً ، ورق ۲۲۹ الف ۔
۴ - ایضاً ، ورق ۹۹ ب ۔
۵ - ایضاً ، ورق ۹۹ ب ۔

یاء معجمة بنقطتین من تحتہا ساکنة ثم خاء معجمة مفتوحة ثم نون ۔ و ھی قریة من قری السغد بسمرقند ۔ کان من ائمة الاصحاب ۔ و روی صحیح البخاری عن الفربری ۔ روی عنہ أبو نصر الداؤدی ۔ مات فی شہر رجب سنة ثمان و ثمانین و ثلاث مایة ۔''

۶۔ محمد بن أحمد المروزی ابو عبداللہ الخضری کے متعلق ''وسطیٰ''[1] میں دو باتیں ایسی مذکور ہیں جو ''کبریٰ'' میں نہیں ہیں ۔ پہلی یہ کہ الخضری کا صحیح تلفظ ، بفتح خا و کسر ضاد ہے ، لیکن از راہ تخفیف لوگوں نے بسکون ضاد بولنا شروع کر دیا ہے ۔ دوسری یہ کہ ان کا انتقال ''فی عشر الثمانین و الثلاث مایة'' ہوا ہے ۔

۷۔ احمد بن محمد بن حاتم الفقیہ ابو حاتم الحاتمی ، ''کبریٰ'' میں نام کی حد تک مذکور ہیں ، ''وسطیٰ'' میں چھ سطروں میں حال اور رجب سنہ ۳۷۳ھ میں انتقال بتایا ہے[2] ۔

۸۔ محمد بن زہیر بن أخطل ابوبکر النسائی امام نسا و خطیبہا ۔ ''کبریٰ'' میں بس اتنا ہی مذکور ہے ۔ ''وسطیٰ'' میں تین سطروں میں حال لکھ کر بتایا ہے کہ لیلة الفطر سنہ ۳۱۸ھ میں اُنہوں نے وفات پائی[3] ۔

۹۔ محمد بن علی بن عمر ابوبکر ابن الراعی کا حال او تاریخ وفات شعبان سنہ ۴۵۰ھ بھی صرف ''وسطیٰ'' میں مندرج ہے[4] ۔

۱۰۔ حسین بن عبدالعزیز بن محمد البوجردی الخبازی کا حال اور تاریخ وفات سنہ ۴۹۷ھ بھی ''وسطیٰ'' ہی میں مذکور ہیں[5] ۔

۱۱۔ نجم الدین ابوالجناب (بفتح الجیم ثم النون المشددة المفتوحة) أحمد بن عمر بن محمد الخیوقی ، من خیوق و یقال خیوق من قری خوارزم ، الصوفی المشہور بنجم الکبریٰ کا سال وفات بھی ''کبریٰ'' میں رہ گیا ہے ۔ ''وسطیٰ''

---

۱ ۔ طبقات الوسطیٰ ، ورق ۷۰ ب ۔
۲ ۔ ایضاً ، ورق ۷۴ ب ۔
۳ ۔ ایضاً ، ورق ۸۹ ب ۔
۴ ۔ ایضاً ، ورق ۱۱۴ ب ۔
۵ ۔ ایضاً ، ورق ۲۰۷ ب ۔

میں ان کے انتقال کا واقعہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے[1] :

''ومن مناقب نجم الکبریٰ انہ استشہد فی سبیل اللہ ۔ و ذلک أن التتار لما نزلت علی خوارزم فی ربیع الاول من سنة ثمان عشرة و ستمأیة خرج فی من خرج ، و معہ جماعة من مریدیہ ۔ فقاتلوا علی باب خوارزم ، حتی قتلوا مقبلین غیر مدبرین ۔''

۱۲- أبواللیث الشاشی نصر بن حاتم بن بکر کا ذکر بھی صرف ''وسطیٰ'' میں ہے ۔ یہ سنہ ۴۳۹ھ تک بقید حیات تھے[2] ۔

۱۳- امام شافعی کے نواسے ابوبکر احمد بن محمد بن عبداللہ ابن بنت الشافعی کا تذکرہ ''کبریٰ'' میں چھ سطروں میں اور ' وسطیٰ'' میں ۲۸ سطروں میں ہے[3] ۔

۱۴- ''وسطیٰ'' میں احمد بن عبدالوہاب المصری علاءالدین کی تاریخ وفات ربیع الآخر سنہ ۶۹۹ھ ملتی ہے[4] ۔

۱۵- محمد بن سلامة بن جعفر بن علی القاضی أبو عبداللہ القضاعی کے ذکر میں ''وسطیٰ'' میں ان کا سال وفات ذیحجہ سنہ ۴۵۴ھ اور تصنیفات میں ''تاریخ مختصر من مبتدأ الخلق الی زمانہ'' اور ''کتاب أخبار الشافعی'' کا بھی ذکر ہے[5] ۔

۱۶- عبیداللہ بن احمد بن عثمان الازہری ابوالقاسم کے متعلق ''کبریٰ'' میں لکھا ہے[6] : ''یعرف بابن السوادی''۔

''وسطیٰ'' میں اس کی وجہ بھی بتائی ہے[7] :

''ان جدہ عثمان من أھل اسکاف ۔ قدم بغداد ، و استوطنھا ، فعرف

---

۱ - طبقات الوسطیٰ ، ورق ۳۲۴ ب ۔
۲ - ایضاً ، ورق ۲۱۴ ب ۔
۳ - ایضاً ، ورق ۲۱۷ ب ۔
۴ - ایضاً ، ورق ۲۴ ب ۔
۵ - ایضاً ، ورق ۹۲ ب ۔
۶ - طبقات الکبریٰ ، ۳/۳۸۶ ۔
۷ - طبقات الوسطیٰ ، ورق ۲۱۳ الف ۔

بالسوادی ۔ و تاریخ الخطیب طافح بحکایات ھذا الشیخ و الروایة عنه ۔"

۱۷۔ موسیٰ بن ابی الفضل یونس بن محمد کمال الدین ابوالفتح الموصلی کا سال وفات ۱۵ شعبان سنہ ۶۳۹ھ بھی صرف "وسطیٰ" میں مذکور ہے[1] ۔

۱۸۔ "کبریٰ" میں فقیہ عورتوں کا ذکر میری نظر سے نہیں گزرا۔ "وسطیٰ" میں اُن کا مستقل باب ہے ، جس میں (۱) أخت الامام ابی اسمٰعیل المزنی (۲) امة الواحد بنت القاضی الحسین بن اسمٰعیل المحاملی متوفیہ سنہ ۳۷۹ھ (۳) بنت ابی علی الشبوی ، زوجۂ الخضری (۴) زلیخاء بنت القاضی اسمٰعیل بن یوسف کا ذکر کیا گیا ہے ۔

۱۹۔ نیز ان دونوں تذکروں میں سنین کے اختلافات بھی نظر آتے ہیں جو کاتب اور مؤلف دونوں میں سے کسی ایک کا نتیجۂ کار ہو سکتے ہیں ۔ مثلاً سعید بن عبدالعزیز ابو سہل النیلی کو "کبریٰ" میں سنہ ۴۱۰ھ میں اور 'وسطیٰ' میں سنہ ۴۳۰ھ میں متوفیٰ بتایا گیا ہے[2]۔ یا عبدالجبار بن احمد بن یوسف الرازی ابو القاسم کو "کبریٰ" میں لکھا ہے کہ ۴۷۲ھ میں شہید ہوئے ، "وسطیٰ" میں[3] اس کی جگہ سنہ ۴۹۲ھ درج ہے[3] ۔

(۳) سبکی کے تیسرے تذکرے کا نام "طبقات الفقہاء الشافعیة الصغریٰ" ہے ۔ اس تذکرے کا دیباچہ برٹش میوزیم کی فہرست مخطوطات کے ضمیمے میں نقل کیا گیا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے اپنی "طبقات کبریٰ" کے تمام اسماء اور بہت معمولی اطلاعات یک جا کر دی ہیں ۔

[مجلۂ علوم اسلامیہ ، علی گڑھ ، جون ۱۹۶۱ع]

---

۱ ۔ طبقات الوسطیٰ ، ورق ۳۳۸ الف ۔
۲ ۔ ایضاً ، ورق ۲۲۳ الف ۔
۳ ۔ ایضاً ، ورق ۲۵۲ الف ۔

ظہور الاسرار نامی اور مطہر کڑہ

خواجہ نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی 'مخزن اسرار' شہرۂ آفاق کتابوں میں شمار کی جاتی ہے ۔ چوں کہ اس میں سلوک و معرفت کے رموز و اسرار الفاظ فارسی کے پردے میں ظاہر کیے گئے ہیں ، اور سیدھے سادے لفظ اس بار گراں کو برداشت کرنے کا یارا نہیں رکھتے ، اس لیے خواجہ صاحب نے تشبیہ و استعارے سے جا بجا کام لیا ہے ۔

ہر شخص واقف ہے کہ استعارات و تشبیہات کی خوبی یہ ہے کہ سننے والے کا ذہن اصل مدعا کی طرف کم سے کم وقت میں منتقل ہو جائے ۔ لیکن یہ امر بھی محتاج بیان نہیں کہ بسا اوقات شاعر کی طبعی ذکاوت اور فطری نزاکتِ تخیل دو چیزوں کے بعید علاقے کو قریب دکھانے لگتی ہے ، اور اس سبب سے وہ بہ خیال خود سریع الفہم تشبیہ یا استعارہ استعمال کرتا ہے ۔ لیکن عام ذہن اُس تک جلد نہیں پہنچ سکتے ، اور اس لیے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ شاعر کا مقصد و مدعا سمجھنے کی خاطر غور و خوض اور تلاش و جستجو سے کام لیں ۔ اکثر ادبی کتابوں کی شرحیں اسی غور و خوض اور تلاش و جستجو کا نتیجہ ہیں ۔

خواجہ نظامی کی مذکورہ مثنوی کی اکثر تشبیہیں اور استعارے اسی قسم کے ہیں ۔ اس پر مستزاد اُس کا موضوع ہے جو نثر میں بھی ادا کیا جائے تو ہر شخص اُس کی کنہ تک پہنچ جانے کا دعویٰ نہیں کر سکتا ۔ اور چوں کہ سترِ دلبراں کا اظہار 'حدیث دیگراں' میں زیادہ بہتر خیال کیا گیا ہے ، اس لیے دوسرے معرفت نگاروں کی طرح خواجہ صاحب کے اشعار میں بھی جا بجا تلمیح اور قصہ طلب اشارات ہیں جن کا علم ہر شخص کو ہونا ضروری نہیں ؛ اس بنا پر متعدد اہل علم نے اس کی شرحیں لکھی ہیں ۔

ان شروح میں سے ایک کتاب ظہورالاسرار نامی ، مطبع منشی نولکشور لکھنو میں بھی طبع ہو چکی ہے ۔ میرے پیش نظر اس شرح کا جو مطبوعہ

نسخہ ہے ، وہ مطبع مذکور میں دوسری بار جولائی ۱۸۸۵ء مطابق رمضان ۱۳۰۲ھ میں چھپا تھا ۔

اس شرح کے دیباچے میں مصنف کا نام ظہور الحسن ظہوری بن محمد کاہم اللہ بن عظمت اللہ از اولاد سید ابوالحسن عریضی حسنی الحسینی ، ظاہر کیا گیا ہے ۔ کتاب کا نام دیباچے میں مذکور نہیں ۔ لیکن ٹائیٹل پیج اور خاتمے میں 'ظہورالاسرار' کے نام سے موسوم ہے ۔ نیز یہی نام کتاب کے ہر صفحے کے بالائی گوشے میں مندرج ہے ۔ اس نام کے پہلے جزو 'ظہور' سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ظہور الحسن کی تصنیف ہوگی ۔ لیکن سر ورق پر کتاب کے نام کے نیچے حسب ذیل عبارت لکھی گئی ہے :

''متن متین از کنز اسرار حضرت خواجہ نظامی گنجوی ست ، و این شرح از استاد قدیم و دیرین ۔''

بعد ازاں مصحح نے خاتمۃ الطبع میں شرح کو ظہور الحسن مذکور کی تالیف قرار دینے کے بعد تحریر کیا ہے :

''ہر چند نسخۂ منقول عنہ این شرح کہ خیلی کہنہ زمان بود ، و تاہم بمقامہا مخدوش ، لیکن تا امکان بشری بصحت پرداختہ شد ۔ و نیز در دیباچہ منقول عنہ بجاے نام مصنف دو سطر از آب رسیدگی بخط دیگر بود کہ از اصل خط تمام منقول عنہ تفاوتی بین داشت ۔ چون کہ منقول عنہ مرسلۂ مولوی محمد نورالحسن صاحب متخلص بذہین رئیس موضع کرن پور (؟) ضلع بجنور ، ہمان صورت بود ، لہذا بدان حالت گذاشتہ شد کہ حقیقتش مدرک نشدہ ، و نسخۂ دیگر ہم دستیاب نہ گردیدہ کہ بمقابلہ اش تحقیق نام مصنف می شد ، و بسبب تبدل خط و احتکاک و اثبات عبارت بجاے نام مصنف پردہ از روے راز می کشود ۔ اما این قدر بر زبان آوردن غیرمصلحت نبود کہ لاریب شرح منقول عنہ از تصنیفات یکے از قدماے کاملین است و بخیالات عالی بالا ترین ۔ مگر بباعث مشکوک بودن مقام نام مصنف احتمالی دارد کہ اظہارش قابل انتباہ و آگہی ناظرین است و بس ۔''

(خاتمۃ الطبع ، صفحہ ۲۸۶)

اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ کار پردازان مطبع کو شرح مذکور کا جو نسخہ مولوی نور الحسن صاحب سے دستیاب ہوا تھا ، اس میں دیباچے کے اندر مصنف کے نام کی جگہ سابق تحریر کو مٹا کر نئے خط سے پر کی گئی تھی۔ اور اگرچہ طرز عبارت و انداز بیان کے ماسوا روشنائی اور روش کتابت بھی اسی طرف اشارہ کر رہے تھے کہ شرح مذکور ظہور الحسن کے بجائے کسی چرانے استاذ کی تصنیف ہے ، مگر دوسرا نسخہ نہ ملنے کے باعث اس کی تصدیق نہ ہو سکی تھی ، اس لیے اہل مطبع نے جدید نام باقی رکھتے ہوئے اس شبہے کا اظہار مناسب خیال کیا۔

ظہور الاسرار کے اصل مصنف کا نام :

خاتمہ نگار کے اس شبہے کی صداقت حسن اتفاق سے گزشتہ ہفتے مجھ پر واضح ہوئی ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی تلاش اور تحقیق کے نتائج اہل علم کے روبرو پیش کر دوں تاکہ تواردکی ایک عظیم الشان مثال گوشۂ گم نامی میں پڑی رہنے سے بچ سکے ، اور ارباب ذوق ظہور الحسن مذکور کے حق میں ، جو کبھی کے مرحوم ہو چکے ہیں ، دعاے مغفرت فرمائیں۔

کتاب خانۂ ریاست رام پور میں مخزن اسرار نظامی کی شرح کے ۳ قلمی نسخے محفوظ ہیں ۔ ان میں سے ایک نسخہ کسی نامعلوم مصنف کی تالیف ہے ۔ بقیہ دو نسخے ایک ہی مصنف کے ہیں ، لیکن دیباچے میں مصنف کا نام دونوں میں مختلف ہے۔ میں نے یہ طے کرنے کے سلسلے میں کہ ان دونوں میں سے کس نسخے کا نام درست ہے ، یہ خیال کیا کہ مطبوعہ شرح کو دیکھوں ، تاکہ اس شارح نے اپنے پیش رو شارح کی عبارت کا کوئی ٹکڑا اس کا نام لے کر نقل کیا ہو ، تو کسی ایک کتاب کے بیان کی تائید ہو سکے۔ جب میں نے مطبوعہ نسخے کی عبارت کر پڑھنا شروع کیا ، تو ایسا معلوم ہوا کہ میں ابھی قلمی نسخے میں بعینہ یہی عبارت پڑھ رہا تھا ۔ اس خیال کے پیدا ہوتے ہی میں نے قلمی نسخے سے اس کا مقابلہ کیا تو ظاہر ہو گیا کہ حسب ذیل اختلاف سے قطع نظر کر لی جائے ، تو مطبوعہ اور قلمی شرح دونوں ایک ہی کتاب کے دو نسخے ہیں :

مذکورہ اختلاف حسب ذیل ہے :

مطبوعہ نسخے میں حمد و نعت کے بعد تحریر ہے :

"اما بعد چنین گوید ریزہ چین خانۂ علمائے دہر، جرعہ نوش ساغر فضلائے عصر، احقر زمن ظہور الحسن بٹھوری بن محمد کلیم اللہ بن عظمت اللہ از اولاد سید ابوالحسن عریضی حسنی الحسینی غفراللہ لہما و الیہ (کذا) چون دیدم کہ رغبت بیشتری فضلائے عصر و ابنائے دہر۔" الخ (صفحہ ۳)۔

یہی عبارت قلمی نسخے میں اس طرح ہے:

"اما بعد چنین گوید ریزہ چین خوان علمائے دہر و جرعہ نوش ساغر فضلائے عصر اضعف عباد اللہ القوی، محمد بن قوام الدین بن رستم بن احمد بن محمود بدر خزانۃ البلخی المعروف بکری غفراللہ لہ ولوالدیہ و احسن الیہما والیہ، کہ چون دیدم رغبت بیشتری از فضلائے دہر۔" الخ (ورق ۱ الف)۔

مصنف کے نام کے اختلاف کے علاوہ کتاب میں جا بجا بہت معمولی لفظی اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً مطبوعہ نسخے میں مندرج ہے:

"چنان کہ غواص لآلی نظم و نثر افضل العصر مولانا معین الدین پانسوی کہ درین علم و فضل بے نظیر و در معانی بیان بے بدیل بودہ و در بدائع الحکایات گفتہ۔" (صفحہ ۴)۔

مخطوطے میں یہ عبارت اس طرح ہے:

"چنان کہ غواص لآلی نظم و نثر، افضل العصر، مولانا مغیث الدین پانسوی کہ در عصر بعلم و فضل بےنظیر و در معانی و بیان بےبدیل بود، در بدائع الحکایات گفتہ۔" (ورق ۱ ب)۔

لیکن ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ اختلاف لفظی کا منشا کاتبوں کی بے توجہی یا سہو و نسیان ہوتا ہے، اور شاید ہی کسی کتاب کا کوئی قلمی نسخہ ایسا دست یاب ہو سکے، جو اسی کتاب کے دوسرے قلمی نسخے سے لفظ بہ لفظ مطابق ہو، اس لیے یہ امر قابل لحاظ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ پہلا اختلاف اہم ہے۔ لیکن اس کی حقیقت صرف اس امر کے بیان کر دینے سے ظاہر ہو جاتی ہے کہ ہمارا ایک قلمی نسخہ (نمبر ۶۰ فن پندو نصائح فارسی) ۱۰۵۵ھ کا نسخہ ہے، اور اس میں مصنف کا نام محمد بن قوام الدین البلخی تحریر ہے۔ دوسرا نسخہ (نمبر ۵۹ فن مذکور) بلا تاریخ ہے۔ لیکن کاغذ، روشنائی اور

خط کے انداز سے پتا چلتا ہے کہ نمبر ۶۰ سے پرانا ہے ۔ اس میں بھی کم از کم ظہور الحسن نام نہیں ملتا ، لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی ظہور الحسن نے اصل مصنف کا نام حک کرکے اس کی جگہ اپنا نام لکھ کر کتاب کو اپنانے کی کوشش کی ہے ، ورنہ فی الحقیقت یہ شرح بلخی کی تصنیف ہے ، اور اسی کے نام سے اس کا حوالہ مخزن اسرار کی دوسری نا معلوم المصنف شرح میں دیا گیا ہے ۔ مثلاً مولانا نظامی نعت مہتر عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں ارشاد فرماتے ہیں :

تختۂ اول کہ الف نقش بست　　　بر در محجوبۂ احمد نشست

محمد بلخی ، جس کی شرح ظہور الاسرار کے نام سے طبع ہوئی ہے اور اس وقت زیر بحث ہے ، ''تختۂ اول'' کی شرح کرتا ہے :

''تختہ'' لوح محفوظ را گویند ۔ 'اول کہ الف نقش بست' یعنی اول چیزے کہ قلم برلوح محفوظ نبشت الف بود ، (نسخۂ قلمی نمبر ۶۰ ، ورق ۲۲ الف) ۔

ظہور الاسرار میں بھی بعینہ یہی عبارت درج ہے ۔ صرف اس قدر فرق ہے کہ اس میں ''اول کہ الف نقش بست'' کی جگہ ''اول نقش بست'' ہے ، (نسخۂ مطبوعہ ، صفحہ ۳۵) ۔

نا معلوم المصنف شرح مخزن اسرار (نسخۂ قلمی نمبر ۶۱ ، فن پند و نصائح فارسی) میں یہ تشریح محمد بلخی کی طرف منسوب ہے ۔ اس شرح کے الفاظ یہ ہیں :

''وآنچہ در شرح محمد بلخی آوردہ کہ تختۂ اول لوح محفوظ را گویند ، یعنی اول قلم کہ بر لوح محفوظ نوشت الف بود ۔'' (شرح مذکور ورق ۹ ب) ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ عبارت شرح محمد بلخی کی ہے ۔ علاوہ ازیں مناجات دوم کے اس شعر کی شرح میں کہ :

ہم تو پذیری کہ ز باغ تو ایم　　　قمریِ طوقِ سگِ داغ تو ایم

شرح نا معلوم المصنف میں مندرج ہے :

''در شرح محمد بلخی دریں مقام آوردہ کہ خواجہ احمد معشوق سالہا در ریاضت مشغول بود ۔ از ہاتف آوازی شنید کہ تو سگ درگاہ مائی ۔ مسرور شد ، بر مادر رفت و گفت : مبارک باد کہ در چندین سال

مرا سگ درگاه خطاب شد ـ گفت : الحمد للہ ! اما مشغولی زیادہ کن کہ مرتبہ ازان عالی‌تر شود ـ ہم چنان کرد ، تا آوازے شنید کہ معشوق درگاہ مائی ـ بمجرد آنکہ از خلوت بیرون آمد او را احمد معشوق میخوانند‘‘۔ (شرح مذکور ، ورق ۱۹ الف)

یہی عبارت باختلاف یسیر ہمارے نسخۂ شرح بلخی میں (ورق ۲۱ ، الف) موجود ہے ، اور بعینہ ظہور الاسرار (صفحہ ۳۴) میں بھی پائی جاتی ہے ـ یہ اس بات کی دوسری روشن دلیل ہے کہ شرح اصل میں محمد بلخی کی تصنیف ہے ۔

شرح نا معلوم المصنف میں اور مقامات پر بھی بلخی کا حوالہ دیا گیا ہے ، لیکن طوالت کے خوف سے میں نقل نہیں کرنا چاہتا ـ حاصل کلام یہ ہے کہ جو شرح ظہور الاسرار کے نام سے شایع ہوئی ہے ، اُس کی عبارتیں دوسرے مصنف کی شرح میں محمد بلخی کے نام سے نقل کی گئی ہیں جو ہمارے نسخۂ نمبری ۶۰ کے دیباچے کی رو سے بھی محمد بلخی ہی کی طرف منسوب ہے ـ

شرح بلخی کا سال تالیف :

اب یہ مسئلہ زیر بحث آتا ہے کہ شرح محمد بلخی کس سنہ میں لکھی گئی ؟ اشپرنگر نے کتاب خانہ ہائے شاہ اودھ کی فہرست (جلد ۱ ، صفحہ ۵۲۱ ، ۵۲۲) میں لکھا ہے کہ زیر نظر نسخے کے آخر میں حسب ذیل بیت تاریخی درج ہے جس سے سنہ ۱۰۹۱ھ نکلتا ہے :

بفکر اندر شدم از بہر تار ؔ دلم گفتا : زہے شرح گلستان

ڈاکٹر ریو نے (فہرست کتب فارسی محفوظہ در برٹش میوزیم ، جلد ۲ ، صفحہ ۵۷۳ ب) بلخی کی شرح کے ایک نسخے کی کیفیت لکھتے ہوئے اشپرنگر کے مذکورۂ بالا بیان کا حوالہ دیا ہے ، مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ہمارے نسخے کے سرورق پر ایک نوٹ ہے ، جس میں کسی نے کتاب کی خرید کی تاریخ ثبت کی ہے ـ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۰۸۹ھ میں خرید ہوئی تھی ، اس لیے میرا خیال یہ ہے کہ ہمارا نسخہ بلخی کی شرح کا پہلا نسخہ (Recension) ہے ـ ریو کا مقصد یہ ہے کہ اشپرنگر کے نسخے کی تاریخ ہے تو صحیح ، لیکن وہ اس شرح کی پہلی ترتیب کی تاریخ ظاہر نہیں کرتی ، بلکہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ بلخی نے اسے ۱۰۹۱ھ سے قبل تالیف کیا تھا ـ بعد ازاں اس پر نظر ثانی ۱۰۹۱ھ میں کی ، اسی لیے برٹش

میوزیم کے نسخے کو ابتدائی نسخہ قرار دینا چاہیے ۔

ڈاکٹر ایٹے (فہرست کتب فارسی ، انڈیا آفس ، نمبر ۹۹۸) نے بھی اشپرنگر اور ریو کے نسخوں کے متعلق یہی طے کیا ہے کہ اول الذکر کا مخطوطہ نسخۂ ثانی کی تاریخِ تالیف ظاہر کرتا ہے ، اور ثانی الذکر کی تاریخِ خرید سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہے کہ شرحِ مذکور کی پہلی ترتیب ۱۰۸۹ھ سے قبل عمل میں آئی تھی ۔

مسٹر آئی وناف نے (فہرست کتاب خانۂ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ، صفحہ ۳۶۹ ، مطبوعہ ۱۹۲۴ع) ۱۰۹۱ھ تاریخ تالیف تسلیم کر کے دوسری فہرستوں کے حوالے پر اکتفا کیا ہے ۔

مجھے حیرت ہے کہ ڈاکٹر اشپرنگر جیسے خوردہ بین نقاد نے مذکورۂ بالا الفاظ تاریخ 'زہے شرح گلستان' کو شرح مخزن اسرار کی تاریخ تالیف کیوں قرار دیا ! اور اس سے زیادہ تعجب ہے ریو اور ایٹے کی اس خوش اعتقادی پر کہ ان دونوں نے اشپرنگر کے بیان کو کس طرح مان لیا ! ان میں سے کسی کی سمجھ میں یہ نہ آیا کہ یہ تو کسی شرح گلستان سعدی کی تالیف کی تاریخ ہے ۔ کسی شاعر نے صحیح کہا ہے :

خشت اول چون نہد معمار کج   تا ثریا می‌رود دیوار کج

اگر اشپرنگر کے متبعین اس کے قول کو نہ مانتے ، تو انہیں برٹش میوزیم کے نسخے کی تاریخ خرید کی موجودگی میں کسی تاویل کی ضرورت نہ پڑتی ۔ کاش یہ محققین یورپ جن کا قلم اسلامیات کی تنقید میں شمشیر بران کا کام کرتا ہے ، شرح کے اوراق میں تاریخ تلاش کرتے اور دیکھتے کہ خود شارح نے بھی اپنے زمانے کی طرف اشارہ کیا ہے یا نہیں ؟ اگر وہ ایسا کرتے تو پیہم غلطی میں مبتلا نہ رہتے ۔

شرح بلخی کے مطالعہ کرنے سے اس کی تالیف کا زمانہ ہی نہیں ، بلکہ سال بھی معلوم ہو جاتا ہے ، کیوں کہ دوران شرح میں بلخی نے جا بجا اپنے معاصرین کا تذکرہ ایسے لفظوں میں کیا ہے جن سے اُن کی معاصرت ظاہر ہوتی ہے ، نیز ایک جگہ سلیمانی سنہ میں اور دوسری جگہ ہجری سنہ کے ذریعے سال تصنیف بھی ظاہر کیا ہے ۔ سب سے پہلے ہم یہ چاہتے ہیں کہ بلخی کے عصر سے متعلق بیانات کا جائزہ لیں ۔

(۱) شرح کے دیباچے میں بلخی نے خواجہ نظامی کے کلام کے اشکال اور حسن قبول پر مولانا مغیث الدین ہانسوی کی کتاب بدائع الحکایات کے مندرجہ ذیل اشعار سے استدلال کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''چنان چہ غواص لآلی نظم و نثر ، افضل العصر مولانا مغیث (الدین) ہانسوی (ہانسہ) کہ درین عصر بعلم و فضل بے نظیر و در معانی و بیان بے بدل بودہ ، در بدائع الحکایات گفتہ:

بنزد شناسندۂ مثنوی — ازانہا ست این نکتۂ معنوی
کہ کس گام در رتبۂ سیر او — نزد ، نی نظامی ، و نی غیر او
نظامی کہ استاد این شیوہ بود — دلش طوبی فضل را میوہ بود
بہ بسیار گفتن مگر جہد داشت — کہ آمیزش موم با شہد داشت
سخن را تصفح بغایت نکرد — بسنجیدہ گفتن کفایت نہ کرد
ولی چون بمنطق قبولیش بود — ہمہ خارہایش رطب می نمود
خدا کردہ بودش قبولی عطا — کہ از زیر آن بر نیاید خطا
خدا پردہ پوش است در ہر دلی — نمود آنچہ بودش خطا مشکلی
ولی بعض ابیات یا نیمۂ — کہ عقل است در وی سراسیمۂ
ازان‌ہاست ، حقا کہ آب حیات — شود زندہ زو گر پزیرد ممات
اگر حجم دفتر نبودی مراد — سخن را ہمو دادہ بود ست داد

(صفحہ ۴ ، شرح مطبوع)[۱]

مولانا مغیث ہانسوی یا مغیث الدین ہانسہ ، شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی (متوفی سنہ ۷۵۷ھ) کے معاصر ہیں۔ یہ بہت تیز طبع شاعر تھے۔ ایک روز قوال سے یہ شعر سن کر شیخ نصیر الدین چراغ دہلی پر وجد طاری ہوگیا:

''جفا بر عاشقان'' گفتی ''نخواہم کرد'' ، ہم کردی
''قلم بر بے دلان'' گفتی ''نخواہم راند'' ، ہم راندی

۱۔ اس عبارت کی تصحیح میں مطبوعہ اور قلمی دونوں نسخوں سے کام لیا ہے۔ یہاں اس امر کا اظہار مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مطبوعہ میں شاعر کا نام مولانا معین الدین ہانسوی اور کتاب کا نام 'بدیع الحکایات' درج ہے اور پانچویں شعر میں بجائے ''تصفح'' کے ''تفحص'' لکھا گیا ہے۔

مولانا مغیث نے یہ قصہ سن کر ایک رسالہ لکھا ، جس میں اس شعر کے مطالب سے بحث تھی ، اور شیخ پر اعتراض کیا تھا کہ اُنھوں نے کیوں اس لغو شعر پر سر دھنا ۔

اخبار الاخیار (صفحہ ۹۳، مطبع احمدی دہلی ۱۲۷۰ھ) میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اور خزینۃ الاصفیاء (صفحہ ۳۴۳) میں مفتی غلام سرور لاہوری نے اس واقعے کو بتفصیل لکھا ہے ۔

تذکرۂ مصنفین دہلی (صفحہ ۱۸) میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے بالفاظِ ذیل مغیث کا ذکر کیا ہے :

''و در ہماں جزو زمان (عہد فیروز شاہ تغلق مراد ہے) مغیث ہانسوی نیز شخصے بود کہ بہ عالم فضیلت نسبتی داشت ۔ در بیان صنائع و بدائع رسالہٗ دارد ، اما مشہور نیست ۔ و ذکرِ ازین مرد نیز در ذکر شیخ نصیر الدین محمود رفتہ است ۔''

مولانا حکیم عبدالحی صاحب مرحوم نے نزہۃ الخواطر (صفحہ ۱۶۹) میں مغیث کو فیروز شاہ خلجی (متوفّی ۶۹۵ھ) کا معاصر قرار دیا ہے ۔ یہ سہو ہے ، اس لیے کہ انھوں نے اپنے بیان کی سند میں محدث دہلوی کے مذکورۂ بالا رسالے کا حوالہ دیا ہے اور اس میں مغیث کا تذکرہ مطہر کڑہ کے بعد آیا ہے ، جو بالاتفاق فیروز شاہ تغلق کے دربار کا شاعر ہے ۔

بہر حال بلخی اس کو افضل العصر کا خطاب دیتا ہے اور ''درین عصر'' بے نظیر بتاتا ہے ، جس سے یہ نتیجہ نکالنا درست ہے کہ بلخی کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری ہے ۔

(۲) مخزنِ اسرار کے شعر :

مرکب این بادیہ دین است و بس　　چارۂ این کار ہمین است و بس

کی شرح میں بلخی لکھتا ہے :

''وعزیزی از خدمتِ شیخ الاسلام رکن الحق والدین ابوالفتح قدس اللہ سرہ العزیز ، سماع دارد کہ الخ'' (صفحہ ۳۳۳ نسخہ نمبر ۶۰ ، و صفحہ ۳۰۳ نسخہ نمبر ۵۹ ، و صفحہ ۲۰۱ نسخۂ مطبوعہ) ۔

میری رائے میں یہ شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی نہیں ہیں ، جنھوں نے ۷۳۵ھ میں انتقال فرمایا ہے ، بلکہ خواجہ نظام الدین اولیا کے مرید

شیخ رکن الدین جعفر ہیں[1]۔ تذکروں میں ان کی کنیت مذکور نہیں ، اس لیے بعض بزرگوں کو رکن الدین ملتانی مکنی بابی الفتح کا گمان ہوگا ۔

بہر حال شارح اُن کا قول اپنے کسی دوست یا عزیز کی زبانی روایت کرتا ہے ، جس سے یہ خیال کرنا بے جا نہیں کہ خود شارح ابوالفتح کے عہد سے قریب ہے ۔ اور عادۃً ایسا کم دیکھا گیا ہے کہ جو شخص کسی صدی کی ابتدا میں فوت ہو چکا ہو ، اُس کے شاگرد دوسری آنے والی صدی میں ہوں ، اس لیے یہ نتیجہ بعید از قیاس نہیں کہ شارح آٹھویں صدی میں موجود تھا ۔

ان کے ماسوا شرح میں ضیاءالدین نخشبی (متوفٰی ۷۵۱ھ) ، مولانا حمیدالدین قلندر (متوفٰی ۷۶۸ھ) ، ملک احمد بن امیر خسرو اور مولانا خواجگی (متوفٰی ۸۱۹ھ) کا بھی ذکر ہے ۔ اور چوں کہ کتاب میں کسی ایسے شخص کا حوالہ نہیں ہے جو آٹھویں صدی میں موجود نہ ہو ، اس لیے ہمارے اس خیال کو مزید تقویت بہم پہنچتی ہے کہ بلخی آٹھویں صدی کا عالم ہے ۔

تذکرۂ معاصرین کے بعد ایسے بیانات کا جائزہ لینا چاہیے جن میں سنین کا ذکر آیا ہے ۔

مخزن کے شعر :

کیست درین دائرۂ دیر پای   کو لمن الملک زند جز خدای

کے تحت لکھا ہے :

''و این سال سنۃ خمس وتسعین و سبع مائۃ من الهجرۃ بود ۔'' (صفحہ ۱۳ نسخۂ مطبوعہ) ۔

نیز مخزن کے شعر :

ملک سلیمان مطلب ، کان کجا است   ملک ہمان است ، سلیمان کجا است

کی شرح میں لکھا ہے :

> ''از گاہ متہر سلیمان علیہ السلام تا این وقت دو ہزار و دویست وہفتاد و یک سال گذشتہ است''۔ (ورق ۱۲۳ ب نسخہ قلمی نمبری ۲۰٦ و ۱۲۲ الف نسخہ نمبری ۵۹) ۔

شعر مندرجۂ ذیل کی شرح میں سنہ ہجری لکھا ہے :

۱۔ اس خیال کی تائید آیندہ صفحات میں ملے گی ۔

در کف این ملک یساری نبود　　　　در ره این خاک غباری نبود

''بدانکه درین وقت که از ہجرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم ہفصد، نود و
پنج سال است۔''

(نمبر ۹۰۵، ورق ۱۳۰ ب، و نمبر ۹۰۶ ورق ۱۵۳ ب، و صفحہ ۱۸۵ نسخۂ
مطبوعہ)۔

اس سنہ سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے کہ شرح مخزن اسرار بلخی ۷۹۵ھ یا اس کے کچھ بعد اتمام کو پہنچی ہے۔

اب آپ ایک ستم ظریفی ظہورالحسن صاحب کی ملاحظہ فرمائیے۔ سابق اقتباس میں بلخی نے سلیمان علیہ السلام سے متعلق جو مدت ظاہر کی تھی، اُس میں آپ نے تغیر فرمایا ہے اور لکھتے ہیں :

''ازان گاہ سلیمان علیہ السلام تا این وقت یک ہزار و دویست وہفتاد و پنج سال گذشتہ است'' (صفحہ ۱۳۹)۔

اُن کو یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اگر سلیمانی سنہ کو وہ جوں کا توں چھوڑ دیں گے، تب بھی اتنا حسابی ہر جگہ کہاں ہے کہ اس غلطی کو پکڑے۔ انھیں تو دوسری عبارت کا سنہ ۷۹۵ھ بدلنا تھا، مگر سوء قسمت سے یہ بن نہ پڑا۔ چناں چہ مطبوعہ نسخے میں یہ مقام اُن کی غمازی کے لیے علیٰ حالہ باقی ہے، جس سے ایک طرف تو محققین یورپ کے بیانات کی غلطی ظاہر ہوتی ہے، اور دوسری طرف یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ کتاب ۱۲۷۵ھ میں نہیں، بلکہ اس سے صدیوں پہلے ۷۹۵ھ میں تالیف ہوئی تھی۔

بلخی کے نام کی تحقیق :

شرح کے عام نسخوں میں مصنف کا نام ''محمد بن قوام بن رستم بن احمد بن محمود بدر خزانۃ البلخی المعروف بکرئی'' ملتا ہے۔

صاحبِ کشف الظنون (جلد ۵، صفحہ ۴۶۶، طبع یورپ) نے صرف ''بدرالبلخی'' لکھا ہے۔ اشپرنگر نے مذکورۂ بالا مکمل نام درج کیا ہے۔ مگر ایک تو ''بدر خزانہ'' کو نہ سمجھ کر اُس کے محاذ میں علامتِ استفہام بڑھائی ہے، اور دوسرے ''المعروف بکرئی'' کو غلط سمجھے ہیں اور اس لیے شارح کا عرف بکرئی بتاتے ہیں۔ حالانکہ ایک ادنئی عربی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ 'ب' حرفِ جار کا کام کر رہا ہے، جزو کلمہ نہیں۔ اس لیے اس

کا عرف کرئی لکھنا چاہیے تھا -

ڈاکٹر ریو کے نسخے میں ''بدر حرانہ'' تھا ، اس کو انھوں نے قوسین میں صحیح کر دیا ہے ، علاوہ ازیں شارح کا عرف اُن کے خیال میں کرخی ہے جو غالباً اُن کی قراءت کی غلطی ہے ، اگر چہ امکان یہ بھی ہے کہ خود کاتب نے ایسا ہی لکھا ہو -

ڈاکٹر ایتھے کے نسخے میں ''المعروف بکرئی'' مندرج ہے ، اس لیے اُن کو بھی وہی دھوکا ہوا جو اشپرنگر نے کھایا تھا کہ شارح کا عرف بکرئی ہے - لیکن یہ اپنے پیش رو ڈاکٹر ریو کا بھی احترامِ علمی ملحوظ رکھنا چاہتے ہیں ، اس لیے اپنے اور اشپرنگر کے نسخے پر بھروسہ نہیں کرتے ، اور یہ بھی آگے چل کر لکھ دیتے ہیں کہ یا جیسا کہ ریو کے نسخے میں ہے ، اس کا عرف کرخی تھا -

روسی مستشرق ڈاکٹر آئیوناف نے اشپرنگر اور ایتھے کا ساتھ دے کر اس کو بکرئی لکھا ہے - فہرست کتاب خانۂ آصفیہ ، حیدرآباد (جلد ۳ ، صفحہ ۶۲۸) میں بھی مصنف کو ''معروف بہ کرخی'' تسلیم کیا گیا ہے -

کتاب خانۂ ریاست رام پور کے نسخوں میں سے جو نسخہ ۱۰۵۵ھ کا نوشتہ ہے ، اس میں مصنف کا نام اس طرح لکھا گیا ہے :

''محمد بن قوام الدین بن رستم بن احمد بن محمود بدر خزانة البلخی المعروف بکری الخ'' (ورق ۱ الف) -

نسخۂ نمبری ۵۹ میں یہ نام قدرے اختلاف کے ساتھ اس طرح ملتا ہے :

''مطہر بن قوام بن رستم (بن) احمد بن محمود البلخی المعروف بکری'' ، (ورق ۲ الف) -

عرف کی حقیقت :

میری ناقص رائے یہ ہے کہ شرح مخزن اسرار کے مصنف کا عرف کری یا کرئی ہے ، نہ بکرئی اور نہ کرخی ، اور یہ کڑہ کی طرف نسبت ہے - جہاں تک تاریخی ثبوت کا تعلق ہے اس سے آئندہ بحث ہوگی ، یہاں صرف لسانی حیثیت سے یہ دیکھنا ہے کہ کیا بکرئی درست ہے یا کرئی -

ہمارے دونوں نسخوں میں اس لفظ کی کتابت ہے بکری ، اس لیے یہ بھکر کی طرف نسبت ہو سکتی ہے ، اگر کاف کو مشدد پڑھا جائے ، اور

ہائے مخلوط کو بہ لہجۂ عربی ساقط کر دیا جائے ۔ لیکن دوسرے تمام نسخوں میں بکرنی تحریر ہے ، اس لیے یہ قیاس نا درست قرار پائے گا ۔ مزید برآں ہا کے اصلی ہونے کی صورت میں لازم ہوگا کہ ایک ہائے جارہ اور ہو ، اور وہ کسی نسخے میں بھی نہیں ، لہذا اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لفظ مذکور یائے نسبت اور ایسے اسم سے مرکب ہوا ہے ، جس میں ک اور ڑ ضرور ہیں ۔

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے ، میری دانست میں یہ کڑہ کی طرف منسوب ہے ، جو عام طور پر پرانی تاریخوں میں کڑہ مانک پور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ یہ الہ آباد کے قریب واقع ہے اور مغلوں کے عہد تک مشہور شہروں میں گنا جاتا تھا ۔

قاعدہ یہ ہے کہ ایسے اسما کے ساتھ 'ی' نسبت لگانے کی صورت میں جو 'ہ' پر ختم ہوتے ہیں ، 'ہ' کو ساقط کر کے اس کی بجائے 'و' لکھا جاتا ہے ، مثلاً امروہہ کی نسبت امروہوی ، ساماندہ کی سامانوی ، تتہ کی تتوی ۔ بعض اوقات 'ہ' حذف کر دی جاتی ہے ، مثلاً مکہ کی نسبت مکی ، مدینہ کی مدنی ، بنگالہ کی بنگالی ، سکندرہ کی سکندری ۔ لیکن پرانی کتابوں میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ آخر کی 'ہ' کو 'ئ' سے بدل دیتے ہیں ، جیسے گنگوہ سے گنگوئی ، بدایونی (جلد ۳ ، صفحہ ۵۰) کے یہاں نظر آتا ہے ، اور حکیم احمد تتوی کو طبقات اکبری (قلمی صفحہ ۲۵۳) میں تتئی لکھا گیا ہے ۔

مذکورۂ بالا قاعدے کے ماتحت لفظ کڑہ کی صحیح نسبت کڑوی ہونا چاہیے ۔ چنانچہ حکیم عبدالحی صاحب مرحوم نے نزهۃ الخواطر کے صفحات ۱۹ ، ۴۳ ، ۱۷۱ اور ۱۷۳ پر کڑہ کے رہنے والے علما کو الکروی ہی لکھا ہے ۔

لیکن پرانی تصنیفات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کڑہ کے رہنے والے عالم اپنی نسبت الکروی کے بجائے الکرئی لکھا کرتے تھے ۔ سردست اس بیان کی شہادت میں کتاب خانۂ ریاست رام پور کے دو قلمی نسخوں کو پیش کیا جا سکتا ہے ۔

(۱) کتاب ثمرۃ الفوائد فارسی (فن حدیث نمبر ۶۶) میں حمد و نعت کے بعد مصنف لکھتا ہے :

''اما بعد می گوید خاک پائے درویشان احمد محی‌الدین ابن سید محمد غوث

المدعو بسید جیو قدس اللہ سرہ العزیز الحسینی مجدا¹ و الکرئی مسکنا۔''

(۲) وسیلۃ الطالبین الی محبۃ رب العالمین فارسی (اوراد نمبر ۳) کا مصنف دیباچے میں تحریر کرتا ہے :

''و بعد می گوید متعلم فقیر خاکپاے صغیر و کبیر کمال عز کرئی۔''

مصنف کا پورا نام مخدوم کمال الدین عرف شیخ کالو ہے۔ دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیخ حسام الدین مانک‌پوری ، خلیفہ قطب‌العالم نورالدین احمد بن عمر بن اسعد لاہوری کا مرید ہے ، اس لیے یہ یقیناً کڑہ مانک پور کا باشندہ تھا ، جس کو اس نے الکرئی سے ظاہر کیا ہے۔

بنابریں اشپرنگر ، ایتھے اور آئیوناف کے نسخوں میں المعروف بکرئی اسی کڑہ مانک‌پور کی طرف نسبت قرار پائے گی۔ اور چونکہ یہ قدیم رواج کے مطابق ہے ، اس لیے اس کو غلط بھی نہیں کہا جا سکے گا۔ اب الکری رہ جاتا ہے ، جیسا کہ ہمارے کتاب خانے کے دونوں نسخوں میں ہے ! میری دانست میں کاتب اصل کی غلطی سے الکرئی کی جگہ الکری ثبت ہو گیا ہے ، اور یا کتاب کے کسی نسخے میں خود مصنف نے مکی ، سکندری وغیرہ کے ماتحت الکری بحذف ہاے آخر لکھا ہوگا۔

بہرحال یہ یقین ہے کہ شرح مخزن اسرار کا مصنف کرئی یعنی کڑہ مانک پور کا باشندہ ہے۔ مگر اس کے خاندان کا اصل وطن بلخ تھا ، اسی لیے وہ اپنے آپ کو ''البلخی'' بھی لکھتا ہے۔

لقب کی حقیقت :

بدر الخزانۃ کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ یہ شارح کا لقب ہے ، جو اصل میں بدرالدین تھا۔ موجودہ نسخوں کے منقول عنہ میں ''الدین'' کو خطی مشابہت کے باعث الخزانۃ یا الحرانۃ پڑھا گیا ہوگا ، اس کے بعد سے یہی لفظ مروج ہو گیا۔

صاحب کشف الظنون نے صرف بدرالبلخی لکھا ہے جس سے اس خیال کو تقویت ہوتی ہے کہ بدر مصنف کا لقب ہے اور چونکہ عربی مصنفین عام طور پر

---

۱ - غالباً جداً کو کاتب نے مجدا لکھا ہے۔

لقب ہے ''الدین'' کو حذف کر کے اس کا پہلا جز ذکر کر دیتے ہیں ؛ اس لیے ہم یہ مان لینے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے کہ صاحبِ کشف کا مقصد ''بدر الدین البلخی'' ہے -

اصل نام کی تحقیق :

اب ہمیں نسخۂ کتاب خانۂ رام پور نمبری ۹۵ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے - اس میں تمام دوسرے نسخوں کے خلاف مصنف کا نام مطہر بن قوام درج ہے - اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے تمام نسخوں سے یہ کہہ کر قطع نظر کر لیں کہ یہ سب ایک اصل سے منقول ہونے کے سبب سے ایک نسخے کے برابر ہیں ، اور اس لیے نسخۂ نمبری ۹۵ کے مقابلے میں اُن کے بیان کو ترجیح نہیں دی جا سکتی ، تو پھر ہم یہ جستجو کرنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ مطہر کرئی کون شخص ہے -

تذکرے کی کتابوں میں ایک صاحبِ علم و فضل شاعر مطہر کڑہ کا ذکر نظر آتا ہے - اورینٹل کالج میگزین ، ماہ مئی ۱۹۳۵ع میں پروفیسر محمد وحید مرزا صاحب نے اس کے دیوان کے ایک نسخے کے سلسلے میں ، جو حکیم آشفتہ صاحب لکھنوی کی مِلک ہے ، ایک مقالہ سپرد قلم فرمایا تھا - اس مقالے کے ساتھ فاضل محترم مولانا محمد شفیع صاحب پرنسپل اورینٹل کالج لاہور[1] نے تمام اُن کتابوں کے اقتباسات شامل کر دیے ہیں جن میں مطہر کڑہ کا تذکرہ ہے اور بتخانۂ ملا صوفی مازندرانی سے اُس کے قصائد و غزلیات کے اشعار بطور ضمیمہ نقل فرمائے ہیں -

جولائی ۱۹۳۵ع کے رسالۂ معارف ، اعظم گڑھ میں مخدومی نواب صدر یار جنگ بہادر مولٰنا حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی[1] نے ایک مضمون تحریر کیا ہے ، جس میں مطہر کے قصائد کے ایک جدید نسخے کی اطلاع دیتے ہوے اس کے حالات زندگی پر اُس کے کلام کی روشنی میں نظر ڈالی ہے - مذکورۂ بالا مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ :

''مطہر کڑہ مانک پور کا باشندہ تھا جو الہ آباد کے قریب اُس عہد میں صوبے کا صدر مقام تھا - باپ کا نام معلوم نہیں ، لیکن وہ بھی شاعر اور شاہ وقت کے دربار سے منسلک تھا - مطہر نے مختلف علوم و فنون کی باضابطہ تعلیم حاصل کی تھی ، اور شعرگوئی کے ساتھ ساتھ

۱- یہ دونوں بزرگ اب مرحوم ہو چکے ہیں -

علوم کا درس بھی دیتا تھا ۔ یہ فیروز شاہ تغلق اور اس کے امرا کی سرکاروں کا مداح تھا ۔ چنانچہ عین الملک کی طرف سے اس کو صلے میں جاگیر بھی عطا ہوئی تھی ۔

کہا جاتا ہے کہ خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی سے شرفِ ارادت حاصل تھا، اس لیے اُن کی وفات پر ایک مرثیہ بھی لکھا ہے ، جو دیوان میں موجود ہے ۔ لیکن شجرۂ منظومہ میں نظام الدین اولیا کے بعد رکنِ حقیقت نام ملتا ہے ، جو کسی رکن الدین کی طرف اشارہ ہے ۔ اس کا دیوان عرصے تک غیر مرتب پڑا رہا ۔ مولانا محمد صوفی مازندرانی نے گجرات میں اس غیر مرتب دیوان کا ایک نسخہ پایا اور اُس کو مرتب کر کے شائع کیا ۔ اس نسبت سے اس کو بعض تذکرہ نویسوں نے گجراتی لکھ دیا ہے ۔

سنہ وفات کا پتا نہیں چلتا ، لیکن اس کے ایک قصیدے میں ۷۷۰ھ کا ذکر آگیا ہے ، نیز دوسرے قصیدے سے جو محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق کی مدح میں ہے ، یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ ۷۸۹ھ تک ، جو شاہ مذکور کی تخت نشینی کا سال ہے ، بقید حیات تھا ۔

اس کی تصنیفات میں دیوان کے علاوہ ایک رسالہ ''نصیب اخوان'' ہے ، جو سنہ ۷۷۶ھ میں نصاب الصبیان فراہی کے جواب میں لکھا گیا تھا ۔

اس کے کلام میں جن شعرا کا تذکرہ ملتا ہے ، وہ سعدی ، جمال الدین ، نزاری ، کمال اصفہانی ، بدیع الہمدانی ، رضی نیشا پوری ، معزی ، عنصری ، فردوسی ، انوری ، خاقانی ، فرید ، عسجدی ، عمعق ، سنائی ، ہمام ، ظہیر وغیرہ ہیں ۔'' (انتہلی ملخصاً) ۔

مطہر کڑہ کے مذکورۂ بالا خلاصۂ حالات کو سامنے رکھ کر جب شرح میں مندرج سوانحی اشارات کو دیکھا جائے ، تو دونوں ایک شخصیت پر منطبق ہو جاتے ہیں ۔

(۱) اولاً یہ کہ مطہر کڑہ شاعر ، اور مطہر المعروف بکرئی کا زمانہ ایک ہے ۔ صرف یہ فرق ہے کہ قصائد سے معلوم ہوتا ہے کہ مطہر شاعر ۷۸۹ھ تک بہ قید حیات تھا ، جو محمد شاہ کی تخت نشینی کا سال ہے ، اور شرح سے

پتا چلتا ہے کہ مطہر کرئی ۷۹۵ھ تک زندہ تھا جو شرح کا سنہ تالیف ہے - ظاہر ہے کہ جو شخص ۷۸۹ھ میں زندہ ہو ، وہ چھ سال بعد تک زندہ رہ کر ۷۹۵ھ کو پا سکتا ہے -

(۲) دویم یہ کہ قصائد میں مطہر شاعر نے جن شعراء کا ذکر کیا ہے ، مطہر کرئی نے شرح میں اُن میں سے متعدد شعراء کے اشعار کو سند میں پیش کیا ہے ؛ مثلاً فردوسی ، انوری ، خاقانی ، ظہیر ، سعدی ، سنائی ، جلال الدین رومی ، مولانا جمال الدین - فرق یہ ہے کہ قصائد میں امیر خسرو اور حسن سنجری وغیرہ کا ذکر نہیں ، برخلاف اس کے شرح میں ان دونوں بزرگوں کا بارہا حوالہ ملتا ہے - شارح خسرو کو امیر خسرو ترک اللہ کہتا ہے - ایک مقام پر ملک احمد پسر امیر خسرو ترک اللہ کا ایک شعر بھی نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے - (صفحہ ۸۳ مطبوعہ ، و صفحہ ۱۲۰ نسخۂ قلمی نمبر ۶۰) :

از تیغِ آبدار بدہ آب در وغا از ہیبتِ تو خشک شود خصم را دہان

ان کے ماسوا ضیاء نخشبی ، (۷۵۱ھ) مغیث ہانسوی ، حمید قلندر (۷۶۸ھ) اور مولانا خواجگی (۸۱۹ھ) کا تذکرہ بھی قصائد میں نہیں ہے ، مگر استشہاد کے ذیل میں ملتا ہے -

لیکن یہ فرق بھی چنداں قابل لحاظ نہیں ، کیونکہ فخر کے موقع پر جن شعراء کا تذکرہ نہیں کیا جا سکتا ، استشہاد کے وقت وہ ذکر میں آ سکتے ہیں - بنا بریں ممکن ہے کہ مطہر نے ایک جگہ اہم مرتبے والے شعراء کو پیش کیا ہو ، اور اُسی نے شرح میں اپنے مطالب کے ثبوت میں اپنے پیش رو اور معاصرین میں نسبتاً کم رتبے والوں سے مدد لی ہو -

(۳) سویم یہ کہ مطہر کرئی نے ایک مقام پر دماغ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے :

''واین را در نصاب العقلاء شرح گفتہ ایم ، درین محل بتمامی نتوان گفت -''
(شرح مخزن ، نسخۂ مطبوعہ ، صفحہ ۵۲)

اسی قسم کی ایک کتاب نصیب اخوان ، جو فراہی کی نصاب الصبیان کا جواب ہے ، مطہر کڑہ کی تصنیف خیال کی گئی ہے - ممکن ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی کتاب کے متن اور شرح کے ہوں ؛ لیکن یہ تو اغلب ہے کہ یہ

ایک ہی موضوع کی دو کتابیں ہیں ۔

چونکہ مطہر کڑہ کی نصیب اخوان ۷۷۶ھ کی تصنیف ہے اور مطہر کرئی نے شرح میں نصاب العقلاء کا تذکرہ ۷۹۵ھ میں کیا ہے ، اس لیے دونوں کے ایک شخص کی تصنیف ہونے پر کوئی تاریخی اعتراض وارد نہیں ہوتا ۔

(۴) چہارم یہ کہ مطہر کڑہ نے اپنے ایک قصیدے میں نظام الدین اولیاء کے بعد کسی رکن حقیقت کا ذکر کیا ہے ۔ مطہر کری نے اپنی شرح میں شیخ رکن الدین ابوالفتح کا ذکر کیا ہے ۔ میرے نزدیک یہ رکن حقیقت اور رکن الدین ابوالفتح ، مولانا رکن الدین جعفر ہیں ، جو خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے ۔ مرآۃ الاسرار[1] میں لکھا ہے کہ صاحبِ ذوق و شوق اور مبتلاے سماع تھے ۔ خوش نویس بھی تھے ، اس لیے اکثر سلطان المشائخ کے لیے کتابیں نقل کیا کرتے تھے ۔

(۵) پنجم یہ کہ مطہر کڑہ شاعر بھی تھا اور صاحبِ علم و فضل بھی ۔ مطہر کرئی میں بھی یہ دونوں صفتیں موجود ہیں ۔ اس کے صاحبِ علم ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ شرح میں مصابیح ، صحاح جوہری ، تفسیر زاھدی ، تفسیر لباب ، تفسیر عمدہ ، شرح تلخیص المفتاح ، کتاب طبائع الحیوان ، تاج الاسامی ، دستور الافاضل ، جوامع الحکایات عوفی ، جامع الصنائع ، تہذیب المصادر ، امالی قالی اور تفسیر کشاف وغیرہ عربی و فارسی کتابوں کے حوالے و اقتباسات پیش کرتا ہے ۔ اس کی شاعری کی دلیل یہ ہے کہ کتاب کے دیباچے میں حسب ذیل حمدیہ اشعار بدون انتساب مذکور ہیں :

نحمداً لہ ثم حمداً لہ — علی ما کسانا رداء النعم
و شکراً لہ ثم شکراً لہ — علی ما ھدانا بشکر النعم
معرفت آموزِ شناسندگان — معصیت آمرزِ ہراسندگان
عقدہ کشاے دلِ ہر غم کشی — شادکنِ سینۂ ہر ناخوشی

ان کے بعد نعت میں بھی کچھ شعر بدون انتساب درج کیے ہیں ، جو تاوقتیکہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ کس شاعر کے ہیں ، خود شارح ہی کے

---

۱ ۔ مرآۃالاسرار قلمی ، ورق ۲۷۷ ، تصنیف شیخ عبدالرحمٰن چشتی ، جو ۱۰۶۵ھ میں تمام ہوئی ۔

خیال کیے جائیں گے ۔

ان اشعار کے ماسوا کتاب میں ایک شعر مطہر کے نام کے تحت بھی مذکور ہے ۔ خواجہ نظامی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر :

گنبد پوینده که پاینده نیست　　جز بخلاف تو گراینده نیست

کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ملک الکلام خاقانی بھی اس مضمون کو اس طرح ادا فرماتے ہیں :

آرزوے که از جهان خواهیم　　بدهد زانکه مست بے خبر است
لیکن آن داده را بهشیاری　　واستاند که نیک بد گهراست

اس کے بعد لکھا ہے کہ افضل العصر مولانا مطہر فرماید ، بیت :

در سخاوت بکودکان ماند　　بدهد زود ، زود بستاند

(نسخۂ رام پور نمبر ۵۹) ۔

ہمارے دوسرے نسخے نمبری ۶۰ (صفحہ ۲۸۹) میں مطہر کو مظہر لکھا ہے ، مگر اس کے ساتھ لفظ ''فرماید'' کی جگہ ''گوید'' ہے ۔ نسخۂ مطبوعہ میں (صفحہ ۱۵۰) ''افضل العصر مولانا ظہیر گوید'' مندرج ہے ۔ میری راے میں یہ لفظ مطہر ہے اور اصل نسخے میں عبارت ہوگی : ''بندۂ احقر مطہر گوید''۔ کسی ناقلِ کتاب نے از راہ تعظیم اس کو بدل کر ''افضل العصر مولانا فرماید'' کردیا اور کسی نے ''افضل العصر مولانا گوید'' رکھا ۔ جو اصحاب عربی زبان سے واقف ہیں ، انھوں نے اس قسم کا تغیر عربی کتابوں کے دیباچوں میں بارہا دیکھا ہوگا کہ مصنف نے جہاں اپنے لیے انکسار کے الفاظ لکھے تھے ، وہاں شاگردوں نے کتاب نقل کرتے وقت تعظیمی لفظ درج کیے ہیں ۔

اگر یہ قیاس صحیح ہو ، تو پھر مطہر کرئی شارح کتاب کے مطہر کڑہ شاعر ہونے میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہتا ۔ لیکن یہاں یہ امر واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ میں نے نسخۂ مطبوعہ کے ظہیر کے پیش نظر سرسری طور پر دیوانِ ظہیر فاریابی کو دیکھا تھا اور اس میں یہ شعر نہیں پایا ۔ اگر کسی وسیع النظر بزرگ کو دیوانِ ظہیر کے بالاستیعاب مطالعے سے یہ شعر مل جائے ، تو پھر میرا قیاس اس شعر پر مبنی نہ ہوگا ، بلکہ اس سے پہلے جو وجوہ میں لکھ چکا ہوں ، ان پر میری راے کی بنیاد قائم رہے گی ۔

نتیجۂ بحث :

نتیجۂ بحث یہ ہے کہ 'ظہورالاسرار' نامی ظہور الحسن بجنوری کی تصنیف نہیں ہے ، بلکہ یہ بدرالدین مطہر بن قوام بن رستم بن محمود البلخی الکرنی نے ۷۹۵ھ میں تالیف کی تھی ۔ مختلف وجوہ کی بنا پر میرا قیاس یہ ہے کہ یہ مطہر کرنی وہی شخص ہے جو فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں بہ نام مطہر کڑہ شعرگوئی کے وصف سے موصوف تھا، اور جس کا دیوانِ قصائد حال ہی میں دو جگہ دستیاب ہوا ہے ۔ یہ اصلاً بلخ کا ہے ، لیکن اس کا باپ کڑہ مانک پور میں آباد ہو گیا تھا ، اس لیے یہ اپنے آپ کو ''البلخی الکرنی'' لکھتا ہے ۔ اس نے حسبِ ذیل کتابیں یادگار چھوڑی تھیں :

(۱) دیوان اشعار ۔
(۲) شرح سکندر نامۂ بری و بحری ۔
(۳) شرح مخزن اسرار ۔
(۴) نصیب اخوان ۔
(۵) نصاب العقلاء ۔

ان میں سے نمبر ۱ ، ۳ ، ۴ اب بھی دست یاب ہوتی ہیں ۔ بقیہ کا پتا نہیں۔

شرح مخزن کے بعض فوائد :

قیاس در قیاس کی اُلجھنوں میں پڑنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شرح کے بعض دل چسپ اور مفید بیانوں کو ذیل میں درج کیا جائے۔ مولانا نظامی کے شعر :

شیشہ ز گل آب شکر می‌فشاند　　شمع بدستار چہ زر می فشاند

کے تحت میں شارح لکھتا ہے کہ ''می ہر چند تلخ است ، باعتبار تلذیذ شیرین بود ، و نیز در ہند می از شکر و گل می سازند و آن را عرقِ گل گویند ، چنانکہ مولانا جمال الدین استباجی (؟) گوید :''

بنوشم از کفِ خوبانِ دہلی　　شرابی آنچنان کز گل چکد خوی
(صفحہ ۱۷۳ ، نسخہ نمبر ۵۹)

(۲) زلیخا کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ''در مصر پادشاہ را عزیز گویند ، چنانکہ در روم قیصر و در چین خاقان و فغفور و در شیراز اتابک و در عراق

کسریٰ و در عرب "ملیک و سلطان و در ہند سلطان خوانند"۔

(صفحہ ۱۴۸ ، نسخۂ مذکور)

(۳) ایک مقام پر لفظ "منشور" کی تشریح میں لکھا ہے : "و منشور در اصطلاح و عرف دو جعد سادات و مثال و فرمانِ پادشاہ و خلیفہ را ہم گویند ، و این جا فرمان مراد است و "منشور نویس" دبیر را گویند کہ مثال پادشاہ و خلیفہ را بنویسد" (نسخۂ مذکور صفحہ ۱۶۰) ۔

اس بیان سے اُن لوگوں کی تائید ہوتی ہے جو لفظ مثل (بمعنی فائل) کو حرف ثا کے ساتھ لکھتے ہیں ، کیوں کہ اگرچہ مثل صحیح لفظ نہیں ، لیکن بہر نوع ہے تو اسی لفظ کا مخفف جو ث کے ساتھ لکھا جاتا ہے ۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اس کو مسل (سین کے ساتھ) لکھ کر اصل سے دور کیا جائے ۔

(۴) سمن سپید کو لکھا ہے کہ "در ہند سپید را جنبہ (چنبہ) گویند" (صفحہ ۱۶۲ نسخہ مذکور) ۔ اور عود کے متعلق لکھا ہے کہ "از عودش عود قاری مراد است کہ آنرا ہندوی تیلیہ گویند ، در غایت بوے خوش و سیاہ می باشد" (ایضاً صفحہ ۱۶۶) ۔ شقاقل کے بارے میں لکھا ہے کہ "شقاقل بیخ گزر دشتی است کہ بہ ہندوی سیالی و دہالی گویند" (ایضاً صفحہ ۳۰۲) ۔

ان اقتباسوں سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ شارح ہندوستان کا رہنے والا تھا ، ورنہ فارسی الفاظ کے لیے ٹھیٹ ہندی مترادف الفاظ نہ وہ تلاش کرتا اور نہ اُسے سہولت کے ساتھ یہ الفاظ ملتے ۔

(۵) شارح نے شیخ سعدی شیرازی کا حوالہ بارہا دیا ہے ۔ ان مقامات میں سے صرف ایک جگہ تو مصلح الدین سعدی لکھا ہے ، باقی تمام مقامات پر "مشرف الدین سعدی" تحریر کیا ہے ۔ اس سے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ آٹھویں صدی ہجری میں ہندوستان کے اندر شیخ کا لقب مشرف الدین زبان زد تھا ؛ اور اسی لیے مجھے شبہہ ہے کہ جہاں کتاب میں مصلح الدین ملتا ہے ، وہ خود شارح ہی کا لکھا ہوا ہے ، کاتب کی تحریر نہیں ہے ۔

(۶) امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے بھی بہت سے اشعار جا بجا ملتے ہیں ۔ ان کے نام کے ساتھ تقریباً ہر جگہ 'ترک اللہ' لقب ضرور لکھا گیا ہے ۔ یہ لقب حضرت نظام الدین اولیا نے اپنے ترکی النسل مرید کو عطا فرمایا تھا ۔ چنانچہ ایک قصیدے میں خود خسرو نے اس کا اظہار کیا ہے ۔ فرماتے ہیں :

بر زبانت چون خطابِ بندہ ترک اللہ رفت
دستِ ترک اللہ بگیر و ہم بانتہ اش سپار

معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں صدی میں یہ لقب اُن کے نام کا جزء لاینفک بن گیا تھا ، اور ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا کہ امیر خسرو کا نام بلا ترک اللہ کے لیا جائے۔

اس ضمن میں یہ تذکرہ بھی بے جا نہ ہوگا کہ شارح نے ایک مقام پر امیر خسرو مرحوم کی مثنوی ''دولرانی خضر خاں'' کے اشعار نقل کیے ہیں۔ مگر اس کتاب کو ''عشق نامۂ خضر خان'' کے نام سے یاد کیا ہے۔

(۷) شارح نے ایک مقام پر سنہ ہجریہ کے ساتھ چند اور سنین بھی ذکر کیے ہیں ، جن کا تذکرہ یہاں مناسب ہوگا۔ وہ لکھتا ہے :

''بدانک دریں وقت کہ از ہجرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم ہفصد ، نود ، پنج سال است ، از خلقتِ آدم صلٰوۃ اللہ علیہ تا امروز شش ہزار ہفصد و نود و پنج سال گذشتہ است۔ اما از خلقتِ جہان تا وقتِ طوفان بر قومِ نوح علیہ السلام یک لکھ ہشتاد ہزار سال گذشتہ بود۔ و این تاریخ علائی و ناصری و غوری است۔ و از طوفان نوح پیغامبر علیہ السلام تا این وقت چہار ہزار ، چہار صد ، نود و شش سال شدہ'' (نسخہ نمبر ۵۹ ، صفحہ ۲۸۰)۔

اس عبارت میں تاریخ علائی و ناصری و غوری قابلِ غور ہے۔

(۸) ایک مقام پر شارح نے لفظ خرگاہ کے متعلق بڑا دلچسپ تاریخی نکتہ لکھا ہے۔ کہتا ہے :

''و خرگاہ را سلطان محمد شاہ بن تغلق شاہ نور اللہ مرقدہ خرم گاہ نام کردہ سبب کراہیتِ لفظِ خرگہ۔ ازاں روز باز در دیار دہلی خرم گاہ می‌گویند'' (ایضاً صفحہ ۳۱۰ و صفحہ ۶۰ و صفحہ ۳۵۳)۔

میں نے عہد محمد تغلق کی تاریخوں پر سرسری نظر ڈالی ، مگر یہ واقعہ نہیں ملا۔ اگر حقیقتاً تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں آیا ہے ، تو محمد تغلق کی خوش ذوق کی ایک اہم شہادت دست‌یاب ہوتی ہے۔ اور اگر مذکور ہے ، گو میری نظر نہیں پڑی ، تو یہ تاریخ کے بیان کی مزید شہادت قرار پاتی ہے۔

[معارف اعظم گڑھ ، جولائی و اگست ۱۹۴۱ع]

تاریخِ محمدی

اور اُس کے مؤلف کے احوال و آثار

رضا لائبریری رام پور میں تاریخِ محمدی کا ایک مخطوطہ محفوظ ہے جو میری تحقیق کے مطابق خود مصنف کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔

مخطوطاتِ عربیہ کی فہرست مرتب کرنے کے دوران میں مجھے اس کتاب کی افادی حیثیت کا عملی تجربہ ہوا۔ اس کی وسعتِ معلومات سے میں اس درجہ متاثر ہوا کہ اُسی وقت سے یہ عزم کر لیا تھا کہ اس کی پہلی جلد کا نسخہ تلاش کرکے دونوں کو کتاب خانے کی طرف سے شائع کرنے کی کوشش کروں گا۔ برٹش میوزیم کی فہرستِ مخطوطاتِ فارسی میں ڈاکٹر ریو نے اس کے ایک قلمی نسخے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ پورے دیباچے، اور جلد اول و دوم کے انتخاب پر مشتمل ہے۔

اس اطلاعِ جاں فزا کو دیکھ کر میں نے فوراً اُس کا عکس طلب کیا۔ مگر یہ انتخاب خود ہمارے نسخے ہی پر مبنی نکلا، اور اس بنا پر ترتیب و تصحیحِ متن میں اس سے زیادہ فائدہ پہنچنے کی امید جاتی رہی۔ تاہم اشاعت کے ارادے میں وہی پختگی موجود رہی۔ مولانا سید مقبول احمد صمدنی مرحوم کے ایک مضمون[1] سے یہ معلوم کر کے بے حد خوشی ہوئی تھی کہ اس کتاب کا مکمل نسخہ سید محمود علی صاحب رضوی رئیس چھپرہ مئو کے کتاب خانے میں موجود ہے، اور موصوف اس معاملے میں اس درجہ دریا دل ہیں کہ مولانا کی فرمائش پر ایک انگریز کو اُس کی نقل بھی عطا فرما چکے ہیں۔ چونکہ ہم ہندوستانیوں کا حق ترجیح طلب ہے، اس لیے یقین ہو گیا کہ اگر موصوف سے استدعائے نقل کی گئی، تو وہ ضرور نوازش و کرم سے کام لیں گے اور ہمیں پوری کتاب شائع کرنے کا موقع مل جائے گا۔

سوء اتفاق سے مولانا صمدنی کی حیات میں یہ تجویز بر روے کار نہ آ سکی

---

۱ - یہ مضمون ''یاد پاستاں'' کے عنوان سے رسالۂ ''معارف'' اعظم گڑھ جنوری ۱۹۳۲ع میں شائع ہوا تھا۔

اور اُن کے انتقال کے بعد مجھے سید محمود علی صاحب کا پتا نہ چل سکا ۔ آخرکار اس کتاب کا وہ حصہ جو بارھویں صدی کے وفیات پر مشتمل تھا ، ایک اور نسخے کی مدد سے مرتب کرکے شعبۂ تاریخ یونیورسٹی علی گڑھ کے مصارف پر چھپوا دیا گیا جو ابھی تک بازار میں نہیں آ سکا ہے ۔ ذیل میں اس کتاب کے مؤلف کے بارے میں حاصل شدہ معلومات پیش کی جاتی ہیں تاکہ یہ اہل علم کو تعارف کا کام دیں ۔

مصنف کا نام و نسب :

مصنف کا نام محمد بن رستم بن قباد بن عبدالجلیل بن عبدالکریم بن طوغان حارثی بدخشی ہے ۔ اس کا خاندان اصلاً بدخشاں کا رہنے والا ہے ، اسی لیے یہ لوگ اپنے آپ کو بدخشی کہتے رہے ہیں ۔ سب سے پہلے اس کے پردادا عبدالجلیل حارثی قندھار ہوتے ہوئے ہندوستان آئے اور کشمیر میں فوت ہوئے ۔ اس کے دادا قباد بیگ قندھاری المولد ہیں اور دہلی میں رحلت کی ہے ۔ باپ کی پیدائش راندیر کی ہے ، اور وانکنکیرا میں عالمگیر کی چھاؤنی کے اندر انتقال کیا ہے ۔

حارثی نسبت سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ عربی خاندان کا آدمی ہے ۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر ناموں میں عجمیت ترکستان کی بود و باش کا نتیجہ ہوگی جس کی مثالیں اور نظیریں کم نہیں ہیں ۔

اس خاندان کے متعدد افراد کا تذکرہ کتاب میں ملتا ہے ۔ ان تمام افراد کے مشاغلِ زندگی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ تیغ و قلم دونوں سے کام لیتے رہے ہیں ۔ چناں چہ حارثی کا پردادا فقیہ حنفی ہے ، دادا بڑا معقولی اور خصوصاً ریاضی دان ہے ، باپ مختلف علوم قرأۃ ، تفسیر، حدیث ، فقہ ، اصول، کلام ، شعر اور ادب کا ماہر ہے ۔ حکمیات و ریاضیات پر بھی اچھی نظر ہے ۔ یونانی زبان پر اتنی قدرت ہے کہ علمی کتابوں کا عربی اور فارسی میں بلا تکلف ترجمہ کرتا ہے ۔

مصنف کی پرورش اسی بیت‌السیف و القلم میں ہوئی ہے ، اس لیے اُس نے بھی تمام مروجہ علوم کی تحصیل کی ہے ۔ کتاب میں اپنے ایک استاد حدیث کا ذکر بھی کیا ہے ، مگر برخلاف آباء ، مصنف کو ابتدا سے تاریخ سے دل‌چسپی تھی ؛ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اُس نے اپنی عمر کے ۲۶ ویں سال میں اس

انسائیکلو پیڈیا کی ترتیب پر قلم اٹھایا ہے۔

مصنف کی پیدائش :

حارثی کی پیدائش ۲۱ جمادی الاولی سنہ ۳۰ عالم گیری مطابق ۱۰۹۸ھ (۱۶۸۷ع) کو جلال آباد میں واقع ہوئی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر ۲۵ جمادی الآخرہ ۱۱۱۵ھ (نومبر ۱۷۰۳ع) کو سترھویں سال کی عمر میں شاہی ملازمت میں داخل ہوا۔ دوران ملازمت کے واقعات اور اُس کی زندگی کے دوسرے کوائف کا پتا نہیں چلتا، بجز اس کے کہ ۱۹ برس کی عمر میں باپ کا سایہ اُس کے سر سے اٹھا تھا۔ ''عبرت نامہ'' کے نام سے اُس نے ایک کتاب لکھی تھی، جس کے دو نسخے انڈیا آفس کے کتاب خانے میں اور ایک پٹنے میں موجود ہے۔ اس کتاب کے آغاز میں مؤلف نے خود اپنے حالات بھی درج کیے تھے۔ افسوس کہ یہ کتاب ہمارے کتاب خانے میں نہیں، ورنہ اُس کی زندگی پر مزید روشنی ڈالی جا سکتی تھی۔ ہاں فہرستوں وغیرہ سے اُس کی تصنیفات کے بارے میں کچھ باتیں معلوم ہوتی ہیں، جنھیں تصنیفات کے عنوان کے ماتحت لکھا جائے گا۔

افراد خاندان :

حارثی نے تاریخ محمدی میں اپنے متعدد عزیزوں کا ذکر کیا ہے، مگر اس کتاب کی ترتیب سنہ وار ہے، اس بنا پر ان لوگوں کے حالات ایک جگہ نہیں ملتے۔ میں آیندہ سطروں میں وہ ٹکڑے خود حارثی کے لفظوں میں نقل کیے دیتا ہوں۔

(۱) ۱۱۱۷ھ کے ماتحت اپنے والد کے متعلق لکھتا ہے :

''رستم المخاطب بمعتمد خان بن قباد الملقب بدیانت خان بن عبدالجلیل الحارثی البدخشی الاصل الهندی المولد، کان جامعاً للعلوم، لاسیما الحکمیات، خصوصاً الریاضیات، فانه کان فیه فرید عصره۔ وکان له باع طویل فی اللغة والعربیة۔ و کان ذا مناسبة تامة بالقراءة والتفسیر والحدیث والفقه والاصول و الکلام و الشعر و الآداب۔ و کان عارفاً باللسان الیونانیة۔ وکان یترجم کتبهم بالعربیة و الفارسیة۔

و هو والد محرر هذه الارقام، غفرالله لهما و احسن الیهما۔ وکانت ولادته فی شوال سنة ثمان و اربعین و الف ببلدة راندیر من بلاد الدکن۔ و مات یوم الاثنین الثامن عشر من جمادی الاولی وقت الضحی بقرب

قلعة وانکنکیرا من بلاد الدکن فی معسکر سلطان العصر بالارث والاستحقاق ، ابی المظفر محی‌الدین محمد اورنگ زیب بهادر عالمگیر بادشاه الغازی ، اسکنه الله الجنان ۔ ثم نقل‌الی بلدة دهلی ، و کان لراقم‌السطور یومئذ تسع عشر سنة کاملة ، هزاری ، صد سوار ۔"

اس بیان سے حارثی کے باپ کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا معقولی تھا ۔ منقولات پر بھی اچھی نظر تھی ۔ یونانی کا ایسا عالم تھا کہ یونانی کتابوں کے عربی اور فارسی میں ترجمے کرتا تھا ۔ ۱۰۴۸ھ (۱۶۳۸ع) میں راندیر میں پیدا ہوا تھا ۔ عالمگیر کے دربار میں ہزاری ذات اور سو سواروں کا منصب دار تھا ۔ دکن کی جنگ میں لشکر سلطانی کے ہمراہ تھا ۔ وہیں ۱۱۱۷ھ (۱۷۰۵ع) میں فوت ہوا اور دہلی میں نعش لا کر دفن کی گئی ۔

(۲) ۱۰۸۳ھ (۱۶۷۲ع) کے وفیات میں اپنے دادا کے متعلق لکھتا ہے :

"قباد بیگ المخاطب بدیانت خان بن عبدالجلیل بن عبدالکریم الحارثی البدخشی ولد بقندهار ، و نشاء بالهند ، و صار ذا منزلة عند السلطان الکبیر عالمگیر بادشاه الغازی ۔ وکان من علماء المعقول لاسیما الریاضیات ، فانه کان فیه وحید دهره و فرید عصره ۔ مات فی رمضان بدهلی ، و له ۷۱ سنة ۔

وهو جد محرر هذه الارقام ۔ و قد مر ابوه فی ۱۰۲۰ھ ، هزار و پانصدی ، (ساع و مآثر عالمگیری) ۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حارثی کا دادا بھی بڑا معقولی اور ریاضی داں تھا ۔ عالمگیر کے دربار میں اس کی منزلت تھی اور ہزار و پانصدی کا منصب رکھتا تھا ۔ قندھار میں پیدائش اور دہلی میں وفات ہوئی ۔ وقت انتقال ۷۱ برس کی عمر تھی ۔ گویا ۱۰۱۲ھ (۱۶۰۳ع) میں پیدا ہوا تھا ۔ اس کی عمر اپنے باپ کے انتقال کے وقت صرف آٹھ سال کی تھی ۔

(۳) سنہ ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ع) کے وفیات میں اپنے پردادا کے بارے میں کہتا ہے :

"عبدالجلیل بن عبدالکریم بن المولی طوغان‌الحارثی‌البدخشی ، نزیل‌الهند ، العالم‌الفقیه الحنفی ، مات بکشمیر فی هذه السنة تقریباً ۔ و سیاتی ابناه : قبادبیگ المخاطب بدیانت خان فی ۱۰۸۳ھ ، و حسن بیگ فی ۱۰۷۴ھ

(کذا سمعت من بعض رجال قومی) ۔"

اس سے پتا چلتا ہے کہ حارثی خاندان کا پہلا شخص جو وارد ہندوستان ہوا ، عبدالجلیل تھا - یہ حنفی فقیہ تھا ۔ غالباً دنیوی جاہ و منزلات نصیب نہیں ہوئی ۔ اس کا سنہ وفات بھی حارثی کو صرف تخمینی طور پر خاندان کے کسی بڑے بوڑھے سے معلوم ہوا ہے ۔ کتاب میں عبدالجلیل کے باپ دادا کا ذکر نہیں ملتا ۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے بہت سے غیر ہندی خاندانوں کی طرح اس خاندان کے تعلقات بھی بدخشاں سے بالکل ٹوٹ گئے تھے اور پس ماندوں کو صرف عبدالجلیل اور اُس کے اخلاف کا علم تھا ۔

(۴) عبدالجلیل کے ایک بیٹے کا ذکر کیا جا چکا ہے ، دوسرے بیٹے حسن بیگ کے متعلق ۱۰۷۴ھ (۱۶۶۳ع) کے ماتحت لکھا ہے :

"حسن بیگ المتخلص بہ آگہی ، بن عبدالجلیل بن عبدالکریم الحارثی البدخشی ، در اوائل سال فوت شد ۔ عمرش ۵۷ سال ۔ و وے بجودت نظم و نثر مشہور بود ، و عم پدر مسود اوراق است ۔ و پدرش در ۱۰۲۰ھ گذشت ، (سماع) ۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بیگ سنہ ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ع) میں پیدا ہوا ، اور ۳ برس کی عمر میں یتیم ہو گیا ۔ یہ بڑا ادیب تھا ۔ نظم و نثر دونوں پر قدرت رکھتا تھا ، اور "آگہی" تخلص کرتا تھا ۔

میں نے خان آرزو کے تذکرے مجمع النفائس ، اور عاشقی کے تذکرے ، نشترعشق میں آگہی کو تلاش کیا ، مگر ان دونوں میں اس کا ذکر نہیں ہے ۔

(۵) سنہ ۱۰۹۹ھ (۱۶۸۷ع) کے ماتحت اپنے دادا کے چچا زاد بھائی کا ان لفظوں میں ذکر کیا ہے :

"ابوتراب بن عبدالعزیز بن عبدالکریم الحارثی البدخشی من عرفاء العصر ، مات بدکن و لہ ۶۵ سنۃ ۔ و ہو ابن عم جد مسود الاوراق ۔"

(۶) سنہ ۱۱۰۱ھ (۱۶۸۹ع) کے ذیل میں اپنے چچا کے بارے میں لکھتا ہے :

"دیو افکن مخاطب بمعتمد خان بن قباد مخاطب بدیانت خان از امرای عالمگیری ، در ماہ جمادی الاولیٰ در دکن فوت شد ۔ و وے عم مسود این اوراق است ۔ عمرش ۶۳ سال بود ۔ پدرش در ۱۰۸۳ھ گذشت ۔ ہزار و پانصدی ۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حارثی کا چچا سنہ ۱۰۳۸ھ (۱۶۲۸ع) میں پیدا ہوا تھا ۔ وہ اُس کے باپ کا بڑا بھائی تھا ، اسی لیے اپنے باپ کے منصب ہزار و پانصدی پر فائز بھی ہوا ۔ ۶۳ سال کی عمر میں دکن کے اندر غالباً لشکر عالمگیری میں ۱۱۰۱ھ میں اُس کا انتقال ہوا ۔

(۷) باپ کے ایک چچا زاد بھائی کا ذکر سنہ ۱۱۲۴ھ (۱۷۱۲ع) کے ماتحت کرتے ہوئے کہتا ہے :

''محمد بیگ مخاطب بہ مخلص خان بہادر بن احمد بیگ حارثی بدخشی ، از کبار امرائے شاہ عالمی ، نہم روز سہ شنبہ ۲۱ صفر بحکم جہاندار شاہ بقتل رسید ، سنش ۵۲ سال ۔ و وے ابن عم والد محرر این ارقام بود و اخلاق کریمہ بسیار داشت ۔ چہار ہزاری ۔''

حارثی کا یہ رشتے کا چچا سنہ ۱۰۷۲ھ (۱۶۶۱ع) میں پیدا ہوا تھا ۔ یہ شاہ عالم بہادر شاہ اول کے دربار کا بہت بڑا سردار اور چہار ہزاری منصب اور خطاب مخلص خان بہادر سے سرفراز تھا ۔

(۸) اپنے حقیقی چچا کے بیٹے کا ذکر سنہ ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۸ع) میں اس طرح کیا ہے :

''محمد فغفور خان بن دیو افگن مخاطب بمعتمد خان بن دیانت خان حارثی بدخشی ، از امرائے عصر ، ۷ رمضان در شاہجہان آباد فوت شد ۔ عمرش ۶۵ سال ۔ و گاہے شعر ہم می گفت ۔ و وے ابن عم مسود اوراق ست ۔ و پدرش در ۱۱۰۱ھ گذشت ۔''

یہ سنہ ۱۰۶۶ھ (۱۶۵۵ع) میں پیدا ہوا ۔ دہلی کے امرا میں سے تھا ۔ شعر بھی کہہ لیتا تھا ۔ ۶۵ برس کی عمر میں مر گیا ۔

(۹) حارثی نے اپنے ایک حقیقی بھائی کا بھی ذکر کیا ہے ، چناں چہ سنہ ۱۱۳۵ھ (۱۷۲۲ع) کے ماتحت لکھتا ہے :

''میرزا عبدالرحمٰن متخلص بہ غیرت بن رستم مخاطب بمعتمد خان بن قباد مخاطب بدیانت خان حارثی بدخشی ، جوان مستعد طالب علم شاعر بود ۔ او بمحاسن اخلاق اتصاف داشت ۔ روز شنبہ ۵ ذی القعدہ در شاہجہان آباد فوت شد ، یک پہر روز ماندہ ۔ عمرش...سال و ۳ ماہ ۔ و وے برادر اعیانی جامع این اوراق بود ۔''

حارثی کا بھائی اس خاندان کا تیسرا شاعر ہے ۔ کتاب کے رام پوری نسخے میں اس کی عمر کے ہندسے پڑھنے میں نہیں آئے ، اس لیے یہ بتانا ممکن نہیں کہ یہ حارثی سے بڑا تھا یا چھوٹا ۔ البتہ عبارت سے یہ ضرور مترشح ہے کہ اس نے جوانی میں انتقال کیا ۔ محولۂ بالا دونوں تذکروں میں اس کا بھی ذکر نہیں ہے ۔

(۱۰) سنہ ۱۱۵۴ھ (۱۷۴۱ع) میں اپنی والدہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے :

''زاہدہ خانم بنت میرک بیگ بن خواجہ بیگ الحارثیہ ، زوجۂ محمد رستم المخاطب بمعتمد خان بن قباد بیگ الحارثی ، و والدة جامع هذه الاوراق میرزا محمد بن معتمد خان ، توفیت غرة جمادی الاولی بشاهجهان آباد و لها ۸۳ سنة الا اشهر ۔ وکانت جامعة لخصال الخیر من الورع و العفاف و السخاء و محاسن الاخلاق ، کثیرالبر و الاحسان الی الاقارب و الاباعد ۔ و قدس زوجها فی ۱۱۱۷ھ ۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حارثی کی والدہ تقریباً سنہ ۱۰۷۱ھ (۱۶۶۰ع) میں پیدا ہوئی تھی ، اور اپنے شوہر سے ۲۳ سال چھوٹی تھی ۔ خود حارثی کی والدہ کا خاندان بھی حارثی بدخشی ہے ، اور اس لیے بعید نہیں کہ اوپر جا کر یہ سب عبدالجلیل کے کسی بزرگ سے مل جاتے ہوں ۔

(۱۱) اپنے ماموں کے متعلق سنہ ۱۱۲۰ (۱۷۰۸ع) میں لکھتا ہے :

''محمد خواجہ مخاطب بہ مختص خان بن میرک بیگ بن خواجہ بیگ حارثی بدخشی ، از امرائے عصر ، در ماہ صفر بشاہجہان آباد فوت شد ۔ عمرش ۴۳ سال ۔ و وے خال حقیقی جامع این اوراق بود ۔''

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ محمد خواجہ سنہ ۱۰۷۷ھ (۱۶۶۶ع) میں پیدا ہوا تھا ، اور اپنی بہن سے عمر میں چھوٹا تھا - حارثی نے اسے بھی امرائے عصر میں ظاہر کیا ہے اور مختص خان خطاب بتایا ہے ۔

(۱۲) حارثی کے دوسرے ماموں کا نام نعمان بیگ بن میرک بیگ تھا ۔ ان کے پوتے کا تذکرہ سنہ ۱۱۵۴ھ (۱۷۴۱ع) کے ماتحت ان لفظوں میں کیا ہے :

''مظفر حسین متخلص بہ حسین بن محمد غیاث بن نعمان بیگ بن میرک بیگ حارثی بدخشی ، شاعر خوش کلام ، ۲۱ یا ۲۲ شوال در ہمراہی

حبیب علی خان....فوجدار اٹاوہ در جنگ.... ۔"

باقی عبارت حاشیے کے ساتھ کٹ گئی ہے ۔ یہ اس خاندان کا چوتھا ادیب ہے ۔

(۱۳) اسی خاندان کے ایک فرد کا تذکرہ سنہ ۱۱۳۹ھ (۱۷۲۶ع) کے ماتحت کیا ہے ۔ مجلد نے حاشیے کے ساتھ کچھ عبارت کاٹ دی ہے ، اس لیے مصنف سے اس کے رشتے کا پتا نہیں چلتا ۔ مولف اس کے متعلق کہتا ہے :

"میرزا محمد افلاطون بن جعفر بیگ الحارثی البدخشی ثم الدهلوی ، الزاهد العالم الفقیه الحنفی ۔ وکان کامل العقل وافر الدهاء ۔ مات بشاهجهان آباد یوم الاثنین ، ۲۲ ربیع الاول ، و له ۷۳ سنة ۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص سنہ ۱۰۶۶ھ (۱۶۵۵ع) میں پیدا ہوا تھا اور دہلی میں فوت ہوا ۔ یہ زاہد اور فقیہ تھا ۔

(۱۴) ایک اور فرد اسی خاندان کا سنہ ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) میں مذکور ہے ۔ اس کے متعلق کہتا ہے :

"جمیل بیگ بن ابوتراب حارثی ، از امرائے اکبر شاہی و جہانگیر شاہی در کشمیر فوت شد ۔ و وے بصلاح و تقویٰ و علم و فضل اختصاص داشت ۔ و عبدالجلیل کہ جد والد راقم...مومی الیہ بود ، (ھکذا رایت فی بعض مسودات قدماء قومی ، عرفات العاشقین) ۔"

اصل کتاب میں چند لفظ کسی نے مٹا دیے ہیں ، اس لیے رشتہ معلوم نہ ہو سکا ۔ بظاہر یہ ابو تراب حارثی مصنف کے پردادا عبدالجلیل کے بھائی عبدالعزیز کا بیٹا ہے ۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر جمیل بیگ اس کے دادا کا چچا زاد بھائی ہوا ۔

مطالعہ کرنے والوں کی سہولت کے خیال سے میں حارثی کے والدین کے خاندان کا شجرہ علیحدہ علیحدہ لکھے دیتا ہوں ، جو حسب ذیل ہے :

دادھیال کا شجرہ

عبدالکریم بن طوغان حارثی بدخشی

عبدالجلیل م ۱۰۲۰ھ — عبدالعزیز

قباد بیگ م ۱۰۸۳ھ — احمد بیگ — حسن بیگ م ۱۰۴۳ھ — ابو تراب م ۱۰۹۹ھ

محمد بیگ م ۱۱۲۳ھ — جمیل بیگ

دیو افگن م ۱۱۰۱ھ — رستم م ۱۱۱۷ھ

محمد فغفور م ۱۱۳۱ھ — دختر — مرزا محمد مصنف تاریخ محمدی — عبدالرحمٰن غیرت م ۱۱۳۵ھ

قباد خان م ۱۱۳۲ھ — محمد ارشد م ۱۱۳۳ھ

نالھیال کا شجرہ

خواجہ بیگ حارثی

میرک بیگ

زاہدہ خانم م ۱۱۵۳ھ — محمد خواجہ م ۱۱۲۰ھ — نعمان بیگ — عنایت اللہ م ۱۱۳۰ھ

محمد مصنف تاریخ محمدی — عبدالرحمٰن غیرت — محمد غیاث

مظفر حسین م ۱۱۵۳ھ

تعلیم و تصنیف :

مصنف کے خاندان میں علم و دولت دونوں کی برکتیں پائی جاتی تھیں۔ اس بنا پر یقین ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت میں خاصی کوشش کی گئی ہوگی۔ علومِ آلیہ کے متعلق خود اس کا کوئی بیان ہمارے سامنے نہیں ہے۔ البتہ

۱۱۱۳ھ (۱۷۰۱ع) کے ماتحت اپنے حدیث کے ایک استاد کا ان لفظوں میں تذکرہ کیا ہے :

''الشیخ مقرب اللہ بن جار اللہ بن نور اللہ بن نور الحق بن الشیخ المحدث عبدالحق بن سیف الدین الترک الدھلوی العلامۃ المتفنن الحنفی مات فی رمضان بدھلی ، و لہ نحوستین سنہ ۔ و ھو اول من قرات علیہ الحدیث ۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حارثی نے سب سے پہلے دہلی کے مشہور محدث خاندان کے بزرگ شیخ مقرب اللہ سے حدیث پڑھی ۔

ہمارے کتب خانے میں مختلف علوم و فنون کی متعدد قلمی کتابوں پر مصنف کے دستخط اور مہریں ہیں ، چناں چہ ابن الہیثم کی شرح مصادرات کے پہلے صفحے پر جو الفاظ اس نے لکھے ہیں ، وہ حسب ذیل ہیں :

''اللہ اکبر

من عواری الزمان عند العبد الضعیف الراجی رحمۃ ربہ المنان میرزا محمد بن معتمد خان ختم اللہ لہ بالامن و الایمان ۔''

اس عبارت کے اوپر بیضوی شکل کی چھوٹی سی مہر ہے ، جس میں ''یا محمد'' لکھا ہوا ہے ۔ حیدر آباد کے کتاب خانے میں بھی متعدد کتابوں پر یہی عبارت اور مہر میں نے دیکھی ہے ۔ تذکرۂ صوفیہ کی ایک کتاب موسوم بہ ''مختصر مجمع الاحباب'' کتاب خانۂ عالیہ رام پور میں محفوظ ہے ۔ اس کے پہلے صفحے پر حارثی نے اپنے قلم سے ۲۰ سطروں کا ایک نوٹ لکھا ہے جس میں بتایا ہے کہ یہ کتاب 'حلیۃ الاولیا' ابو نعیم اصفہانی اور 'صفوۃ الصفوہ' ابن الجوزی کا اختصار ہے اور اس کا مصنف محمد بن الحسن ، علامہ نووی متوفی ۶۷۶ھ (۱۲۷۷ع) کے شاگرد کا شاگرد ہے ۔ کتاب کے حاشیوں پر جا بجا تصحیحات اور ذیلی عنوانات اپنے قلم سے لکھے ہیں ، اور کتابوں پر بھی اس کی تصحیحیں پائی جاتی ہیں ۔

ان امور سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس نے تمام مروجہ علوم پڑھے تھے ، اور مختلف علوم کی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا تھا ۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اسے زیادہ دل چسپی تاریخ و تذکرہ سے رہی ہے ، چناں چہ اس نے سب سے بڑی کتاب تاریخ ہی پر تصنیف کی اور اس کا نام تاریخ محمدی رکھا ۔

میں پہلے اس کی دوسری کتابوں کا تذکرہ کرتا ہوں ۔

رد البدعة :

ان میں کی پہلی کتاب "ردالبدعہ فی معتقد اهل السنۃ" ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی ہے ۔ شاہ محمد حمزہ صاحب مارہروی نے ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ع) میں اس کتاب کا مطالعہ کیا تھا ۔ تاریخ محمدی کے ورق ۱۵۵ الف کے حاشیے پر شاہ صاحب لکھتے ہیں :

"رسالۂ ردالبدعہ از تالیفات مؤلف این تاریخ ، مرزا محمد حارثی بدخشی در سنہ ۱۱۸۴ھ نزد این فقیر رسید ۔ فوت والد خود محمد رستم ہفتدہم جمادی الاولی سنۂ مسطورہ نوشتہ است ۔ و این رسالۂ مذکورہ در عنفوان شباب بعمر بست سالہ ارقام ساختہ ، تحقیقات خوب بکار بردہ ۔"

اس تحریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رسالۂ ردالبدعہ ۱۱۱۸ھ (۱۷۰۶ع) کے قریب لکھا گیا تھا اور یہ مصنف کی ابتدائی تصنیفات میں سے ہے ۔ کتاب خانۂ رام پور میں اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے ۔ اس میں بھی سنۂ تالیف ۱۱۱۸ھ ہی درج ہے ، اور مؤلف کی حیات میں میرجمال الدین پسر ہدایت اللہ بن میر اسداللہ حسینی نے اس کی کتابت کی ہے ۔

مفتاح النجا :

دوسری تصنیف "مفتاح النجا فی مناقب آل عبا" ہے ۔ یہ کتاب عربی زبان میں اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب پر لکھی گئی ہے ۔ آنے والی دونوں کتابوں "نزل الابرار" اور "تحفہ المحبین" میں اس کا حوالہ ملتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان دونوں سے پہلے مصنف نے اسے تصنیف کیا تھا ۔

تحفة المحبين :

تیسری تالیف "تحفة المحبين بمناقب الخلفاء الراشدين" ہے جو عربی زبان میں خلفائے راشدین کے فضائل پر لکھی گئی ہے ۔ اس کتاب کے خاتمے سے پتا چلتا ہے کہ جمعے کے دن ۷ رمضان ۱۱۲۵ھ (۱۷۱۳ع) کو فرخ سیر کے عہد حکومت میں مصنف نے اسے ختم کیا ہے ۔

کتاب خانۂ عالیہ رام پور میں اس کا ایک مخطوطہ ہے جسے سید رحم علی کاتب نے ۱۳۶ صفحوں پر نستعلیق خط میں لکھا ہے ۔ اس کا انداز تحریر عمدہ ہے

نسخے ملتا جلتا ہے جو ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ع) کی نوشتہ ہے ، اس لیے بعید نہیں کہ یہ بھی اسی سال کے قریب لکھی گئی ہو ۔

نزل الابرار :

چوتھی کتاب ''نزل الابرار فی فضائل الائمۃ الاطہار'' ہے ۔ یہ بھی عربی زبان میں لکھی گئی ہے ۔ اس کا آغاز ۱۷ رمضان ۱۱۲۶ھ (۱۷۱۴ع) کو ہوا تھا اور دہلی کے کسی امیر کے نام معنون تھی ۔ کتاب خانۂ عالیہ رام پور میں اس کا ایک قلمی نسخہ محفوظ ہے ، جو بخط نستعلیق معمولی ، اوسط سائز کے ۲۰۷ صفحوں پر ۱۳ ذیقعدہ ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ع) میں لکھا گیا ہے ۔ اس کا خط نمبر ۳ کے مشابہ ہے ، جس سے میں یہ قیاس کرتا ہوں کہ سید رحم علی ہی نے اسے بھی لکھا ہے ۔ دیباچے میں مصنف نے کہا ہے کہ چونکہ مفتاح النجا میں مناقب کی ہر طرح کی حدیثیں جمع کی گئی تھیں ، اس لیے بعض احباب نے صرف صحیح حدیثوں پر مشتمل کتاب کی تالیف کی فرمایش کی ۔ یہ کتاب اس فرمایش کی تعمیل میں مرتب ہوئی ہے ۔

عبرت نامہ :

پانچویں تالیف ''عبرت نامہ'' ہے ۔ یہ فارسی زبان میں لکھی گئی ہے ۔ شروع میں مصنف نے اپنے حالات لکھے ہیں ۔ ان کے بعد عالم گیر کی حکومت کے آخری تین سالوں کے مجمل حالات اور بعد ازاں وفات عالم گیر ۱۱۱۸ھ (۱۷۰۷ع) سے فرخ سیر کی وفات ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۹ع) تک کے واقعات درج کیے ہیں ۔

ڈاکٹر ایتھے نے انڈیا آفس لائبریری کی فہرست مخطوطات فارسی میں نمبرہائے ۳۹۲ و ۲۸۳۴ پر اس کتاب کا ذکر کیا ہے ، مگر پہلے نمبر پر اس کا نام عبرت نامہ اور دوسرے پر تاریخ محمد بن معتمد خاں لکھا ہے ۔ ڈاکٹر ریو نے برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات کی فہرست (جلد ۳ ، صفحہ ۹۴۴) میں محمد بخش آشوب کی ''تاریخ محمد شاہی'' کے ضمن میں اس کتاب کا اس لیے تذکرہ کیا ہے کہ آشوب اپنی تاریخ میں جا بجا اس کے حوالے دیتا ہے اور اس پر اعتماد ظاہر کرتا ہے ۔ ڈاکٹر ریو اسے ''یاد داشتہائے میرزا محمد صاحب'' کہتا ہے ۔ ایتھے کا خیال ہے کہ ان یاد داشتوں سے بھی ''عبرت نامہ'' مراد ہے ۔

اس کا ایک نسخہ پٹنے میں بھی محفوظ ہے ۔ مرتب فہرست (جلد ۷ ،

صفحہ ۱٦۲) نے اس کے عنوانات جوں کے توں نقل کر دیے ہیں ۔ ان کی مدد سے کتاب کے مطالب کا اجمالی علم حاصل ہوجاتا ہے ۔

تاریخ محمدی :

حارثی کی سب سے بڑی اور قابل قدر کتاب تاریخ محمدی ہے ۔ ہمارے پاس اس کا جو نسخہ بخط مصنف موجود ہے ، اُس کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ یہ صرف وفیات کا سنہ وار تذکرہ ہے ۔ مگر دیباچے میں مصنف نے لکھا ہے کہ اس میں ملتِ محمدیہ کے واقعات بھی بالاجمال بیان کیے گئے ہیں ۔ مولانا صمدنی مرحوم نے بھی چھپرا مئو کے نسخے میں واقعات کا مذکور ہونا ظاہر فرمایا ہے ۔

کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں سیرت محمدی بعد ازان سنۂ ہجریہ کی ایجاد کا قصہ اور پھر سنہ وار وفیات درج ہیں ۔ اس کتاب کے نام کے متعلق مصنف لکھتا ہے :

"از آنجا کہ این کتاب مستطاب محتوی بر احوال اکابر امت مرحومۂ محمدیہ و زمان ظہور دولت یافتۂ آنحضرت است و ذکر امم دیگر را شامل نیست ، و جامع این اوراق پریشان نیز باسم سامی حضرت خیرالانامی تسمی دارد ، این کتاب والا انتساب را بدین دو مناسبت تاریخ محمدی نام نہادہ شد ۔"

کتاب کی ترتیب و تالیف میں جن پچھلی تصنیفات سے مدد لی ہے ، دیباچے میں اُن کی فہرست دے دی ہے ۔ اور چوں کہ ہر بار پورا نام لکھنے میں ہرج ہوتا ہے ، اس لیے دیباچے میں اُن کے مخففات بتا کر اصل کتاب میں ہر شخص کے نام کے اوپر یہ مخففات شنگرف سے لکھ دیے ہیں ۔ اپنے معاصرین کے ناموں کے اوپر لفظ عصری لکھ دیا ہے ۔ دوسری جلد کے شروع میں بھی ایک دیباچہ لکھا ہے ، جس میں کتابوں کے رموز و علامات کا اعادہ کیا ہے ۔

سنۂ تصنیف :

مصنف دیباچے میں آغاز تصنیف کے متعلق کہتا ہے :

"بنابرین امور ، روز دو شنبہ بیست و ہفتم جمادی الآخرہ سال یک ہزار و یک صد و بیست و چہار ہجری درین مہم اہم شروع نمودم ۔"

۱۱۲۴ھ (۱۷۱۲ع) میں کتاب کے آغاز سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مصنف نے ، جس کی پیدائش ۱۰۵۸ھ (۱٦۴۸ع) میں واقع ہوئی تھی ، اپنی عمر کے

چھبیسویں سال میں اس انسائیکلو پیڈیا کو شروع کیا۔

کتاب خانۂ عالیہ رام پور کے نسخے میں مصنف کے قلم کی تحریر ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۷ع) میں ختم ہو جاتی ہے، یعنی یہ آخری سنہ ہے جس کے ماتحت اس نے وفیات درج کیے ہیں۔ اس کے بعد چند سنین کے عنوان تو اس کے قلم کے نوشتہ ہیں، لیکن اندراجات دوسرے خط اور دوسرے انداز تحریر میں ہیں۔ بنابریں میرا قیاس یہ ہے کہ ۳۷ سال کی مدت اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں صرف ہوئی ہے۔

ڈاکٹر ریو اپنی فہرست (جلد ۳، صفحہ ۸۹۵) میں ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ع) کو اس کا سال اختتام قرار دیتے ہیں، اور باقی آیندہ سالوں کے اندراجات کو کسی دوسرے کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مگر میں اسے غلط فہمی پر محمول کرتا ہوں، اور اس کا منشا برٹش میوزیم کے نسخے کو قرار دیتا ہوں، جس میں سنۂ مذکور تک مسلسل ایک ہی قلم سے متوفّی اصحاب کا تذکرہ لکھا گیا ہے۔ چوں کہ میں ریو کے نسخے کو رام پور کے نسخے پر مبنی مانتا ہوں اس لیے تاریخ اختتام کے فیصلے کے لیے نسخۂ رام پور کو شہادت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ للہذا پہلے ریو کے نسخے کے بارے میں دو چار اہم باتیں لکھ دینا مناسب ہوگا۔ برٹش میوزیم کے نسخے کے سر ورق پر حسب ذیل نوٹ مندرج ہے:

"منتخبات از جلد اول و دوم تاریخ محمدی مملوکۂ سید آل رسول مارہرہ والا۔ کتاب ھذا از کتابیکہ بذریعۂ محمد نصر اللہ خان ڈپٹی کلکٹر ضلع علی گڑھ دست یاب شد، بطور انتخاب ازو نقل گرفتہ شد، از جلد اول از سنہ ۱ ۳۴ لغایۃ سنہ ۵۹۹ دہ ورق، جلد دوم از سنہ ۶۰۷ لغایۃ سنہ ۱۲۰۸ھ۔"

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈپٹی نصراللہ خاں کی معرفت تاریخ محمدی کا کوئی نسخہ سید آل رسول صاحب مارہروی نے حاصل کر کے اس کے منتخبات[1] جدا نقل کرائے تھے۔ نیز یہ کہ اس نسخے میں جلد دوم کا آغاز

۱۔ سید آل رسول صاحب نے تاریخ محمدی میں سے صرف ہندوستانی اشخاص کے تراجم انتخاب کیے ہیں۔

۹۰۷ھ سے اور اختتام ۱۲۰۸ھ پر ہوا تھا۔ سید آل رسول صاحب کے لیے یہ منتخب نسخہ ایک خوش نویس نے نقل کیا۔ چوں کہ اصل میں ۱۱۹۰ھ سے عنوانات پر سنہ لکھ کر ہر سنہ کے نیچے وفیات لکھے تھے، اس لیے کاتب نے بھی نقل میں اس کا اتباع کیا؛ بعد ازاں بلاعنوان متعدد وفیات کا اصل میں اندراج تھا۔ اس حصے کو منتخب کرکے کاتب نے بھی یوں ہی نقل کردیا۔ ڈاکٹر ریو کے سامنے یہ نقل تھی۔ انھوں نے ۱۱۹۰ھ تک کے تسلسل کو پیش نظر رکھ کر یہ نتیجہ نکال لیا کہ اس سنہ تک اصل مصنف کا کام ہے؛ لہٰذا یہی سال اختتام ہوگا۔

اب ہمیں نسخۂ رام پور کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ یہ نسخہ سید مہدی میاں صاحب نے جو مارہرے کے مشہور برکاتی خاندان کے ایک فرد تھے، نواب حامد علی خاں بہادر کے حضور میں پیش کیا تھا۔ یہ اول سے ناقص ہونے کے باعث ورق ۹ سے شروع ہوتا ہے، جس کے حصۂ الف پر ۹۰۶ھ کے بقیہ وفیات ہیں اور حصۂ ب سے ۹۰۷ھ کے وفیات شروع ہوتے ہیں۔ ۱۱۶۱ھ تک جو ورق ۵۹۹ الف پر ختم ہوتا ہے، ایک ہی قلم کی تحریر ہے، صرف دس پانچ جگہ دوسرے قلم سے سادہ جگھوں میں ایک دو ایسے نام بڑھائے گئے ہیں جو اصل مصنف سے رہ گئے تھے۔ ۱۱۶۲ھ سے مذکورۂ بالا دوسرے قلم کے اندراجات شروع ہوتے ہیں۔ ۱۱۹۰ھ تک کتاب سنہ وار ہے۔ مگر ورق ۶۱۸ ب پر ۱۱۹۱ھ سے ۱۱۹۶ھ تک متوفی اصحاب کو ایک ہی صفحے پر لکھا ہے۔ اس کے بعد کا ورق ضائع ہوگیا ہے۔ ۱۱۶۴ھ کے ماتحت استاذالمحققین سید آل محمد قادری مارہروی کا نام لکھا ہے۔ اس نام کے ختم پر کسی اور شخص نے لکھا ہے: ”و سیاقی ابنہ شاہ حمزہ ف ۱۱۹۸ھ“ گویا یہ تیسرا قلم ہے جو اس کتاب پر چلا ہے۔ ایک دو جگہ اور بھی اس خط میں اضافے نظر آتے ہیں۔

دیکھنا یہ ہے کہ یہ دونوں خط کس کے معلوم ہوتے ہیں؟ کتاب خانۂ رام پور میں اس خاندان کے ایک بزرگ سید شاہ آل احمد بن سید شاہ محمد حمزہ مارہروی کی دو کتابیں ”آئینۂ محمدی“ جلد پنجم اور ”کشکول“ محفوظ ہیں۔ ان دونوں کتابوں کی کتابت دو کاتبوں نے کی ہے۔ بلکہ ایک دو جگہ ایسا شبہہ گزرا ہے کہ تیسرا شخص بھی شریک تھا۔ تاریخ محمدی میں آخری دو خطوں

میں سے جو خط زیادہ پایا جاتا ہے ، وہ ان دونوں کتابوں میں بھی موجود ہے - نیز دوسرے خط کی عبارتیں بھی مذکورۂ بالا دونوں کتابوں میں پائی جاتی ہیں -

خط اول کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ یہ شاہ آل احمد صاحب مارہروی کا ہے - چوں کہ ''آئینۂ ہدی'' اور ''کشکول'' مسودے کی شکل میں ہیں ، اس بنا پر یہ قرین قیاس ہے کہ ہم اسے بخط مصنف و بخط دیگر قرار دیں - اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ مصنف نے دوسرے کاتبوں کو کیوں شریک کتابت کیا ، تو اس کے جواب میں ان دونوں کی ضخامت کے عذر کو پیش کریں - ریو کے نسخے کے سرورق پر جو تحریر ہے اُس کا انداز بھی کسی قدر اس شاہ آل احمد والی تحریر کے انداز سے ملتا جلتا ہے -

ان تمام امور کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے ، تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ''تاریخ ہدی'' کا لندنی نسخہ مارہرہ میں شاہ آل رسول صاحب کے لیے تیار ہوا - رام پور کا نسخہ مارہرے کے اُسی خاندان کے ایک بزرگ نے دربار رام پور میں پیش کیا تھا - اس نسخے کے اندر جن دو خطوں میں اضافے نظر آتے ہیں اُن میں سے ایک خط شاہ آل احمد صاحب کی کتاب آئینۂ ہدی اور کشکول کے ایک خط کے مشابہ ہے - آئینۂ ہدی کے اس خط کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ خود شاہ آل احمد صاحب کا ہے - اگر یہ درست ہے ، تو پھر تاریخ ہدی کے اندراجات بھی اُنھیں کے ہوں گے - اور چوں کہ لندنی نسخے کے سر ورق کی تحریر بھی انھیں کی معلوم ہوتی ہے - اس بنا پر یہ قیاس درست ہوگا کہ لندنی نسخہ رام پور کے نسخے کی نقل ہے -

یہ قیاس حدِ یقین تک پہنچ جاتا ہے ، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لندنی نسخے کی جلد ثانی میں انھیں لفظوں اور فقروں کے لیے سادی جگہیں چھوڑی گئی ہیں جو رام پور کے نسخے میں یا تو حاشیے کے ساتھ کٹ چکے ہیں یا کاغذ کے گل جانے کے باعث پڑھنے میں نہیں آتے ، کیوں کہ اگر وہ کسی دوسرے نسخے کی نقل ہوتا ، تو دشوار تھا کہ دونوں نسخوں میں الفاظ و فقرات کا فقدان بالکل یکساں ہوتا -

مذکورۂ بالا دعوے کے ثبوت کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تاریخ ہدی ۱۱ شوال ۱۱۶۰ھ کے بعد ختم ہو گئی ، اور ڈاکٹر ریو نے جو

۱۱۹۰ھ تک اس کے زمانۂ تالیف کو دراز کیا ہے ، درست نہیں ہے ، کیوں کہ ۱۱۶۱ھ کے بعد کے اندراجات مارہرے کے مشہور خاندان برکاتیہ کے بزرگوں نے اپنے قلم سے کیے ہیں۔

مولانا صمدنی مرحوم نے تاریخ محمدی میں واقعات تاریخی کا مجمل بیان بھی دیکھا تھا ۔ ہمارے نسخے میں بہ جز دس پانچ مقامات کے صرف وفیات درج ہیں ۔ ارباب تاریخ کی دل چسپی کی خاطر اس کے ایک سال کے اندراجات کا اعادہ مناسب معلوم ہوتا ہے ، مگر خوف طوالت سے ایسے سنہ کو چنا گیا ہے جس میں بہت کم اندراجات ہیں ۔

۱۱۲۳ھ کے ماتحت لکھتا ہے :

''سنۃ الف و ثلث و عشرین و مائۃ ، متوفیان این سال :''

(عصری ، رسالۂ سید نصرت اللہ احراری) ۔

''محمد منعم الملقب بمنعم خان ثم بمعظم خان خانخانان بہادر ظفرجنگ وفادار ، وزیرشاہ عالم بادشاہ روز دو شنبہ ۱۲ یا ۱۱ محرم در نزدیکی بوریہ بہ مرض ناسور قدیم فوت شد ۔ عمرش شصت سال و چند ماہ ، ہفت ہزاری ۔''

(کذا سمعت من اولادہ) ۔

عاقبت محمود مخاطب بسزاوار خان بن نعمت اللہ مخاطب بہ سہراب خان بن حسام الدین خان بن نظام الدین خان بن غیاث الدین علی مخاطب بآصف خان از امراے عالم گیر شاہی در برہان پور فوت شد ۔''

(عصری) ۔

''میرزا شکر اللہ حسینی مخاطب بہ مرتضیٰ خان از کبار امراے شاہ عالمی ۔ و پسرش حفظ اللہ خان در ۱۱۶۱ھ خواہد آمد ۔''

(عصری) ۔

''الشیخ عبدالباقی بن الشیخ محمد وارث الترک القرلغ الدھلوی جامع العلم و العمل صاحب السجایا الرضیۃ و الاخلاق المرضیۃ ، مات بدھلی ۱۲ صفر بمرض حجرالمثانۃ ، و کان قد جاوز الخمسین :''

نسخۂ رام پور کی کیفیت :

یہ نسخہ قلمی کیپ سائز کے ۶۱۰ اوراق پر مشتمل ہے ۔ کاغذ بادامی

کشمیری ہے۔ عبارت کی روشنائی سیاہ اور عنوانوں کی شنگرفی ہے۔ پرانے صفحہ داغ سے پتا چلتا ہے کہ شروع کے ۸ ورق گم ہو گئے ہیں۔ کتاب پر آب رسیدگی، کرم خوردگی اور پیوندکاری کے نشان جا بجا نظر آتے ہیں، خصوصاً پہلے ورق کی کچھ عبارت بھی ضائع ہو چکی ہے۔ کہیں کہیں مجلدِ کتاب نے حاشیوں کے ساتھ الفاظ بھی تراش ڈالے ہیں۔ متعدد مقامات پر لکھا ہے "در مسودۂ اول باید دید" یا "تحقیق باید کرد"۔ متعدد جگہوں پر ایک دو لفظ کے بقدر بیاضیں بھی چھوڑی ہیں۔ ان باتوں سے مترشح ہے کہ یہ نسخہ خود مصنف کا لکھا ہوا ہے۔ چوں کہ اس کا خط میرزا محمد بن معتمد خاں کے ان خطوط جیسا ہے جو مختلف کتابوں پر ثبت ہیں، اس لیے مجھے اس کتاب کے بخط مصنف ہونے میں کوئی شبہہ نہیں ہے۔

وفات مصنف :

حارثی کے سال وفات کے متعلق ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ کتاب خانۂ رام پور کے ایک مخطوطے پر حارثی نے ۱۱۶۳ھ درج کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اس سال تک بقید حیات تھا۔ بہر حال جس شخص نے ہزاروں انسانوں کے سنینِ وفات تحقیق کرکے لکھے، خود اس کا سنہ انتقال معلوم نہ ہونا کتنا عبرت ناک ہے۔ مگر یہ دنیا کی کوئی نئی رسم نہیں ہے۔ لاکھوں انسان آج اس زمین کے اندر دبے پڑے ہیں جن کے بارے میں کوئی یہ بتانے والا تک نہیں کہ کون تھے اور کیا تھے۔ ان میں جلیل القدر عالم بھی ہیں، جہاں کشا بادشاہ بھی اور خدا رسیدہ صوفی بھی۔ مگر روح و مادے کی کوئی طاقت گم نامی کی تاریکی کو دور نہ کر سکی۔ ہمیشہ رہے نام اللہ کا!

[معارف، اعظم گڑھ، اگست ۱۹۴۲ع]

مولانا آصفی اور اُن کی شاعری

آصفی ، گرچہ نمانیم بہ گیتی بسیار
لیکن از عشق بماند سخنِ ما باقی

۱۴ھ میں عربوں نے ایران پر حملہ کیا ، اور ۲۲ھ میں کشاد و بست کے مالک ہو گئے ۔ جب تک ایران عرب کا حریف رہا ، اُس کے پاس سب کچھ موجود تھا ، لیکن جس روز میدان کارزار میں ہتھیار ڈالے ، نہ صرف ملک و دولت ہی ضایع کی ، بلکہ علوم و فنون میں بھی پسپا ہو گئے ، اور فارس کے کیانی تخت اور کاویانی صنائع کو چند بادیہ نشینوں کی نگاہ رحم و کرم پر چھوڑ دینا پڑا ۔

دنیا واقف ہے کہ مغلوب کو غالب کی پذیرائی کرنی ہی پڑتی ہے ۔ مگر درحقیقت یہ خیرمقدم با دل ناخواستہ ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ غیر معمولی مدت کی تاثیر اور تاثر کے باوجود بھی حاکم اور محکوم قوتیں ، علم و عمل کے ہر ہر گوشے میں متحدالخیال نہیں ہوجاتیں ۔ لیکن دنیا کے علی الرغم ، عرب کو خزینۂ فطرت سے کچھ ایسی جاذبیت عطا ہوئی تھی کہ جہاں گیا آنکھوں پر چلا اور دلوں میں جگہ کی ۔

ایران ان نیم وحشی قبائل سے ابتداءً نفرت کرتا رہا ، کیوں کہ ابھی تک زخم تازہ تھا ، اور عربی تلواریں ، زرتشتی مذہب کے خون سے رنگین نظر آ رہی تھیں ۔ مگر جس قدر اُن کے حقیقی اوصاف و خصائص سے آگاہ ہوتا گیا اُن کی جنسیت قبول کرتا گیا ، تاآنکہ بہت ہی تھوڑے عرصے میں اپنی جداگانہ ہستی گم کرکے سر تا پا عرب ہو گیا ۔

یہ ایران کی وہ خصوصیت تھی ، جس کی نظیر پیش کرنے سے واقعات و حوادث کا ذخیرہ ابھی تک قاصر ہے ۔ تکبیر کی صدائیں بلند ہوتے ہی دنیا بدل گئی ۔ آتش پرست پیشانیاں ، نمرودی سجدہ گاہوں سے منحرف ہو کر ابراہیمی گھر کی طرف جھک گئیں اور مادے کو روحانیت نے شکست دے دی ۔

ادھر اسلام کی یہ خصوصیت کہ جہاں پہنچا ، ذہن و فکر میں انقلاب پیدا کر دیا ۔ ایران اس اثر سے کس طرح متاثر نہ ہوتا ۔ عرب فاتحانہ درآئے گھس پڑے ، اور ایران نے ملک و دولت کے ساتھ ساتھ مذہب ، ملت اور علم و فن سے بھی کنارہ کر لیا ۔ حکومت و مذہب دونوں کی زبان عربی تھی چند روز میں ''بندۂ ایرانی ہستم'' کے بجائے ''انا مسلم'' کی صدائیں آنے لگیں ۔

مذہب نے لایعنی شعر و شاعری کو گمراہی قرار دیا تھا ۔ ایران مذہبی جوش سے دیوانہ تھا ۔ اس لیے اور علوم کے ساتھ اپنا سرمایۂ ادب بھی نذر آتش کر بیٹھا ۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ ابھی نصف صدی بھی اسلام پر نہ گزرنے پائی تھی کہ اندرونی مناقشات شروع ہو گئے ۔ خدا کی قدرت دیکھیے یہی ایران عرب کا حریف بن کر میدان جنگ میں آترا ۔ ان مناقشات سے مذہب و سیاست کو جو کچھ نقصان پہنچا ، اُس کا تذکرہ یہاں بے محل ہے ، مگر مطلع ادب بھی ایسا غبار آلود ہوا کہ تیسری صدی ہجری تک صاف نہ ہو سکا ۔

چونکہ قانونِ فطرت نے صنعت کو حکومت کا تابع بنایا ہے ، اس لیے جب کسی قوم میں ملک گیری کا جذبہ نشو و نما پاتا ہے ، تو علوم و فنون کی بھی جستجو شروع ہوتی ہے ۔ بہ الفاظ دیگر دولت و حکومت سے تمدن ، اور تمدن و تہذیب سے صنائع پیدا ہوتے ہیں ، اور جوں جوں تمدن و تہذیب کا دائرہ وسیع ہوتا ہے ، علوم و فنون کی کثرت ہوتی جاتی ہے ۔

عرب میں بھی یہی ہوا ۔ ملک گیری سے فراغت پاتے ہی صنعت و حرفت کا چرچہ شروع ہو گیا ۔ آغازِ طلب میں ذوق کی وسعت ، مذہب اور اُس کے متعلقات تک محدود رہی ، لیکن رفتہ رفتہ صحرا نوردی نے تشنگی بڑھا دی ، جو آگے چل کر اس قدر بڑھی کہ فضل و کمال کے سمندر بھی اسے سیراب نہ کر سکے ۔

ایران عرب کا مقلد تھا ۔ جب تک یہاں خاموشی طاری رہی ، دنیائے ایران بھی خواب غفلت میں پڑی رہی ، مگر عرب کا کروٹ بدلنا تھا کہ عجم بھی بیدار ہو گیا ۔ اٹھا ، قدم بڑھایا اور چشم زدن میں عرب حریف سے آگے نکل گیا ۔ دنیا نے دیکھا اور دیکھ کر انگشت بدندان رہ گئی ۔ فقہ و اجتہاد

میں ابوحنیفہ کوفی ، حدیث و رجال میں بخاری و مسلم ، فلسفے میں فارابی و ابن سینا ، کلام میں رازی و جاحظ ، ادب و متعلقات ِ ادب میں سیبویہ اور ابوعلی فارسی وغیرہ وہ لافانی ہستیاں متمکن نظر آئیں کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں ۔

خیر ، عجم نے عرب اور عربی علم و ادب کی تو خوب نقالی کی ۔ مگر خود اپنے ادب و شعر کو بھلا دیا ۔ جب ذوق کو نئے میدان کی تلاش ہوئی ، تو یہ از یاد رفتہ گوشہ یاد آیا ۔ مشغلہ دلچسپ تھا ، ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ۔ ذوق نے پذیرائی کی اور دل میں جگہ دی ۔ مگر اس عرصے میں ایران اپنی شاعری کے پارینہ اجزائے ترکیبی سب فراموش کر چکا تھا ۔ نیا نقشہ تیار کرتے وقت ، عربی بنیادوں پر داغ بیل ڈالی گئی ۔ چنانچہ وہی بحور ، وہی زحافات ، وہی صنائع بدائع ، وہی تخیل ، حتی کہ خط بھی وہی استعمال کیا گیا ۔

چند سال میں فارسی شاعری نے مرتّب و مہذّب شکل اختیار کر لی ۔ گزشتہ دو ڈھائی صدی کے مسلسل جمودِ خیال نے تخیل سے بیگانہ کر دیا تھا ۔ اُدھر استاد عرب بھی سادگی پسند تھا ۔ نوزائیدہ بچے نے ، سادے ، سچے اور پاکیزہ جذبات ہی سے دامن بھرے ۔ لیکن ہوش سنبھال کر ، حکومت کے دوش بدوش چلنا پڑا ، جو معنوی حیثیت سے عجم میں منتقل ہو گئی تھی ۔ اس لیے جھوٹی تعریف ، بے جا مدح سرائی اور جوشِ مسابقت نے اصلی روح فنا کر دی ۔ البتہ تخیل میں وسعت ہوئی اور چھ سو سال کے اندر گوشہ مکمل ہو گیا ۔

کسی حکیم کا قول ہے : ''اگر پدر نتواند پسر تمام کند''۔ فارسی شاعری اس کا آئینہ ہے ۔ اس نے آنکھیں کھول کر عربی شعر کو دیکھا تھا ، جو قدیم خصوصیات کو خیر باد کہہ کر خلفاء ، وزرائے سلطنت اور اراکین حکومت کا کاسہ لیس بن چکا تھا ۔ دماغ پر اگلے خصائص کے کچھ دھندلے سے نقوش ابھی تک باقی تھے ، اس لیے اتنی آن ضروری تھی کہ ذرا سی بات پر بگڑ جاتا اور ہجو کے پل باندھ دیتا ۔ مگر یہ جو پروان چڑھی ، تو نئی نئی امنگیں ساتھ تھیں ۔ آن کی آن میں کچھ سے کچھ ہو گئی ۔ پہلے جو کچھ نشۂ نخوت و غرور تھا تو ایک مرتبہ بگڑ کر بول اٹھی تھی :

الوری

دو شعر رسم بود شاعران طامع را یکے مدیح دوم قطعۂ تقاضائی
اگر بداد ، سوم شکر، ور نداد ، هجا من این دو گفته ام اکنون چه حکم فرمائی

لیکن آخر کار یہ سبق فراموش کر دیا ۔ عرب نے زیادہ سے زیادہ کچھ کہا ، تو دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ بنا دیا ۔ مرجع مخلوقات اور ملجاے انام کہہ دیا ۔ مگر اس نے بسم اللہ کی تو اس شعر پر کہ :

انوری :

"نہ کرسی فلک نہد اندیشه زیر پاے تا بوسه بر رکاب قزل ارسلان دهد

جس کا آغاز یہ ہو ، اس کا انجام اور کیا ہو سکتا ہے ۔ شریف جذبات کو یک قلم خیرباد کہہ دیا اور مدح سرائی شروع کر دی ۔ مدح کے لیے قصیدے سے بہتر جامہ ممکن نہ تھا ۔ اس لیے فارسی دماغ نے اسی میدان کو اپنا جولان گاہ بنایا ، اور انوری ، ظہیر فاریابی ، حسّان العجم خاقانی وغیرہ شعرا پیدا ہوے ۔ چونکہ یہ عہد اپنے مبدے سے قریب تھا ، اُدھر قومی زندگی بھی سپاہیانہ تھی اور تمدن و تہذیب کے تعلقات نے تخیل میں گم راہی نہ پیدا کی تھی ، اس لیے اس عہد کی زبان صاف ، خیالات بڑی حد تک سادہ ، تصنع سے پاک ، اور فطرت سے قریب رہے ۔ تشبیہات قریب الفہم اور سوجھ استعمال کی گئیں اور استعاروں میں بھی بال کی کھال نہ نکلی ۔ البتہ لفظی صنائع کا زیادہ لحاظ تھا ۔ وہی نظم بہتر شمار ہوتی جو الفاظ کی صنعت سے زیادہ مالا مال نظر آتی ۔

اس کے بعد زمانے نے تاریخ کا دوسرا ورق الٹا ۔ خلفا کے بجے گداگر ، اور سلاطین کے محل خاک کا ڈھیر ہو گئے ۔ دنیا کی بے ثباتی کا اس سے زیادہ صاف اور مؤثر منظر کیا ہو سکتا تھا ۔ شعرا کی تخیلی دنیا میں بھی زبردست انقلاب ہوا ۔ دنیا اور اُس کے حکم رانوں کے بجائے آخرت اور اس کے مالک کا خیال دماغ نشین ہوا ، اور مدحیہ خیالات کی جگہ صوفیانہ واردات و جذبات نے لے لی ۔ ان اسرار و رموز کی تشریح کے لیے ایسے وسیع صنف کلام کی ضرورت پیش آئی جو دریاے مواج کی طرح ہر غیر ضروری پابندی سے آزاد ہو ۔ جستجو شروع ہوئی ، اور دقیقی و فردوسی کا ساز ہاتھ آگیا ۔ لکھنے والوں نے لکھنا شروع کیا اور دنیا خداے سخن نظامی ، جامی ، خسرو ، عطار اور مولاناے روم

جیسی باجبروت ہستیاں دیکھ کر دنگ ہو گئی۔ اس زمانے میں الفاظ میں جوش ، بندش میں چستی اور معانی میں بلندی پیدا ہوئی ۔ مدح میں اغراق ، فخر میں تعلی ، عشق و محبت میں جذبات لطیفہ اور واردات قلبی کی چھلک نظر آنے لگی ۔ گو یہ دور مثنوی کا کہلاتا ہے لیکن قصائد و غزل کی ترقی بھی اسی کی پروردۂ احسان ہے ۔ قصائد میں تخیل آفرینی ، غزلوں میں جذبات نگاری اور تشبیہ و استعارے میں لطافت داخل ہوئی ۔ اس عہد کے ممتاز شعرا خواجو ، حافظ شیرازی وغیرہ ہیں ، جو اپنی خصوصیات غزل کے باعث قبولیت عام کے مالک بنے ۔

لیکن ارتقاے شعر کی آخری کڑی باقی تھی ۔ زمانے نے ایک اور کروٹ بدلی ۔ نویں صدی ہجری میں ایران میں طوائف الملوکی کا خاتمہ ہوا اور مرکزی حکومت قائم ہوئی ۔ ادھر ہندوستان میں مغلیہ ستارہ اوج اقبال پر چمکا ۔ تمدن و تہذیب نے مختلف زاویوں میں ترقی کی اور اکبر و عباس صفوی کے عہد حکومت تک عالم سرسبز ہو گیا ۔ فطرت جو ابھی تک محو خواب تھی ، نئے انداز سے انگڑائی لے کر اٹھی ۔ عشق پیشہ دماغ پہلے ہی مخمور تھا ۔ فطرت کے بے نقاب نظاروں نے اور آگ لگا دی اور جب کہ : ''نغمہ عشق تھا بیتاب نکلنے کے لیے'' ایک ایسا ساز درکار ہوا جو محبت کی دبی ہوئی آگ کو سلگائے ، جلائے ، بھڑکائے اور بھڑکا کر عالم کو تودۂ خاک بنا دے ۔ متقدمین نے عرب محسن سے ایک ساز پایا تھا جسے غزل یا تشبیب کہتے تھے ۔ متوسطین تک تو اس میں سامان ذوق ہی نہ تھا ۔ لیکن حافظ و خواجو اور حسن و خسرو نے جو سرگروہ عہد متوسط ہیں ، اسے استعمال کیا تھا ، اور اپنی خوشنوائی سے عالم کو مسحور کر دیا تھا ۔ امتداد زمانہ نے جب اس کی صدائیں بے کیف کر دیں تو ان حسن پرست حریفوں کی باری آئی ۔ یہ اٹھے ، بجایا اور گوناگوں نغمات سے عالم کو مدہوش کردیا ۔ اس عہد کے باوا آدم فغانی ہیں ۔ گو فغانی سے بہت پہلے ، حافظ وغیرہ کی بدولت غزل کی زبان شیریں ہو چکی تھی ، لیکن جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں ، امتداد زمانہ کے ہاتھوں شیرینی غائب ہو کر خالص الفاظ کے داؤ پیچ پر مدار رہ گیا تھا ۔ تناسب لفظی اور ایہام کی حکومت تھی ۔ فغانی نے تجدید کرنی چاہی ، تو چاروں طرف سے نفرت کی صدائیں بلند ہوئیں اور مہملیت کا خطاب ملا ، جو یہاں تک زبان زد

ہوا کہ مہمل کلام کا نام ہی ''فغانیہ'' رکھ دیا گیا ۔ مگر فطرت کی مقاومتِ مجہول دیکھیے کہ کچھ ہی دنوں کے بعد فغانیت غالب آ گئی ، اور غزالی ، عراقی ، وحشی ، عرفی ، نظیری وغیرہ پیدا ہوئے ۔ انھوں نے کرخت اور عشقیہ جذبات کے لیے ناموزوں الفاظ بالکل خارج کر دیے ۔ نازک ترین تخیلات ادا کرنے کے لیے ویسی ہی نازک اور لطیف ترکیبیں وضع کیں ؛ دقتِ معنی اور رقتِ جذبات نے استعارات اور تشبیہوں میں ندرت پیدا کی اور تصوف ، فلسفے اور اخلاق کے موتیوں سے غزل کا دامن بھر دیا ۔

مدت تک یہ دل سوز نوائیں سامانِ گرمیِ محفل رہیں ۔ لیکن رفتار کی بے اعتدالی نے ایک اور راستہ پیدا کردیا ۔ اُس کے مالک کچھ ایسے بے خود اور ناآشنائے منزل تھے کہ راستے ہی میں گم ہو کر رہ گئے ۔ ان میں شوکت بخاری ، علی سرہندی اور مرزا عبدالقادر بیدل ممتاز ہستیاں ہیں ۔

دراصل یہ لوگ متاخرین کا تتمہ ہیں ۔ بعض بعض شاعر اس زمانے میں بدمذاق کی طرف قدم اٹھا چکے تھے ۔ مذاق عام سلیم تھا ، اصلاح ہوگئی ۔ لیکن آنے والا گروہ تباہ ہو گیا ۔ ان نو واردوں نے اپنے سامنے کچھ نشان ہائے قدم دیکھے ، اور آب و سراب میں امتیاز کیے بغیر چل کھڑے ہوئے ۔ سامنے بدمذاق کے عمیق غار تھے ، اوندھے منہ جا رہے ۔ غزلیں پڑھتے چلے جاؤ ، مبالغہ ، غلو ، استعارے ، گورکھ دھندے اور تشبیہات کی بھول بھلیاں نظر آئیں گی ، جن میں جنون جولانی کے سوا بس خدا کا نام ہے ۔

مگر رفعت و عروج کی انتہا نئے انقلاب کا مادہ تیار کرتی ہے ۔ گزشتہ چھ سات سو سال میں ، فارسی تخیل بلند ہو کر فلک پیما ہو چکا تھا ۔ انقلاب ہوا اور زبردست ہوا ۔ مرزا غالب اپنے شکستہ ساز کے بے کیف نغموں میں گم تھے ، کہ ایران میں ایک دماغ نے نظم کی کایا پلٹ دی ۔ یہ شخص زبردست فاضل اور متعدد مغربی زبانوں سے بھی واقف تھا ۔ فطرت نے مذاق سلیم سے بہرہ مند کیا تھا ، اس لیے معمے اور پہیلیاں ابتدا سے گراں گزرتی تھیں ۔ آخر طبیعت نے ابھار کر قدما کی روش پر ڈال دیا ۔ اس نے ہمت کی اور قصائد میں سلاست و روانی کے دریا بہا دیے ۔ فلک پیما دماغ خستہ ہوچکے تھے ۔ سب نے یہی سادہ روش اختیار کرلی ۔ ایران کی ہوا بدل جانے کی خبر ہندوستان پہنچی تو غالب زندہ تھے ۔ سنا اور عش عش کرنے لگے ، مگر وقت نکل چکا تھا

اور تیر کمان سے باہر تھا۔

برسرِ مطلب :

گو میرزا حبیب قاآنی اور اسد اللہ خاں غالب ہم عصر تھے ، مگر دونوں کے مسلک میں نمایاں فرق تھا۔ ایرانی متقدمین کے راستے پر گامزن تھا اور ہندی ، نظیری و عرفی کی مسخ شدہ صورت کا والہ و شیدا ۔ منزل قابل جادہ پیمائی تھی اس لیے پہنچ سکتا تھا ، مگر افسوس صرف نشان ہائے راہ کو منزل سمجھ کر رہ گیا ۔ عبدالقادر بیدل ، علی سرہندی ، بدرچاچ ، شوکت بخاری وغیرہ داخل درس تھے ، بے چارہ برسوں اسی آئینہ خانہ میں محو حیرت رہا ۔

لیکن یہ انقلاب ایران ہی میں نہ ہوا ، ہندوستان میں بھی ہوا ۔ مذاق کی ہستی کے عالم گیر اثر کو صرف قاآنی کیوں محسوس کرتا ۔ ہندوستان کی ہوا وہاں سے زیادہ مسموم تھی ۔ غالب کو بھی انقلاب شعری کی ضرورت نے ابھارا مگر کیا کرتا ۔ یہ فخر اُس ہستی کے لیے ودیعت ہو چکا تھا جو یوپی کے مردم خیز خطۂ رام پور میں پیدا ہونے والی تھی ۔ یہ شخص جو آگے چل کر ''علامہ آصفی نظامی'' کہلایا ، اُس وقت پیدا ہوا جب قاآنی و غالب دنیائے شعر کو خیرباد کہہ چکے تھے اور ایران و ہند میں فارسی شاعری کا چراغ گل ہو رہا تھا ۔ قاآنی نے تو اپنے بعد کوئی ممتاز ہستی چھوڑی ہی نہیں ۔ البتہ ہندوستان میں دوچار شخصیتیں ایسی موجود تھیں جن کی طرف نگاہیں اٹھتی تھیں ۔ مگر اچانک مغربی ذوق کا طوفان آیا اور ایشیائیت بہتی چلی گئی ۔ قدامت پسندوں نے بند باندھے مگر بے سود ۔ دریا راستہ بنا چکا تھا ، رہی سہی امیدیں بھی نذر آب ہوگئیں ۔

فطرت انقلابِ ذوق و اختلافِ طبائع کا سرچشمہ ہے ۔ اُٹھی اور اس رام پوری بچے کو گود لے لیا ۔ یہ جب مکتب میں گیا تو درسیات فارسی ، دیوانہ شوکت بخاری ، غزلیات ناصر علی سرہندی ، نکات میرزا بیدل اور قصائد بدرچاچ سے عبارت تھے ۔ مروج مذاق نے حافظ و نظیری وغیرہ کو شرف قبولیت نہ بخشا تھا ۔ جذبات قلبی اور وارداتِ روحانی کے بجائے ، چیستانوں پرسر دھنا جاتا تھا ۔ اس بچے نے یہی کتابیں پڑھیں ، انھی کے مطالب کو دماغ میں جگہ دی اور حیدر آباد گیا ، تو انھی کو ہمراہ لے گیا ۔ مگر اہل زبان کی صحبتوں نے رہنمائی کی اور حقیقت کا دامن ہاتھ آ گیا ۔ نابردہ راہ

دماغوں کی جگہ ، نظیری ، عرفی اور قاآنی نے لی ، اور قصائد و غزلیات دونوں میں اساتذہ کی تصویریں جھلکتی نظر آنے لگیں ۔

(۲)

آصفی از نسبت آباء و اجدادم مپرس	اسبتے با دودمان عالی عشقم بس است

نام ، نسب ، مولد :

محمد عبدالجبار خاں نام ، آصفی تخلص اور نظامی لقب تھا ۔ والد کا نام حافظ عبدالرزاق خاں اور دادا کا حافظ عبداللہ خاں عرف حافظ کلاں تھا ۔

جناب حافظ احمد علی خاں شوق مرحوم[1] نے ، جو رام پور اسٹیٹ لائبریری کے مہتمم اور سردار ڈیوڑھی تھے ؛ رام پور کے علما ، صلحا اور فقرا کا تذکرہ مرتب کیا ہے ، جو ''تذکرۂ کاملان رام پور'' کے نام سے طبع ہو چکا ہے ۔ انھوں نے آصفی مرحوم کو بھی خط لکھا تھا ۔ جواب میں انھوں نے اپنے مختصر حالات اور کتابوں کی فہرست لکھ بھیجی تھی ۔ میرا ماخذ وہی خط ہے ۔ وہ فرماتے ہیں :

''کرم نامہ بہ طلب احوال خاکسار و تصانیف و تالیفات صادر ہوا ۔ ممنون کرم کیا ۔ بہ تعمیل حکم شریف حالات لکھ دیے گئے ۔ کمی و زیادتی کا اختیار ہے ۔ اہل رام پور کے تذکرے میں شریک ہونے کا شرف بہ طفیل ذات ہمایوں ہوگا ، ورنہ میں کہاں اور رام پور کا تعلق کہاں ۔ چالیس سال سے سرکار نظام کے سایۂ عاطفت میں بسر ہو رہی ہے ۔ جو کچھ اکتساب علوم ہوا وہ اسی سرزمین میں ہوا ۔ بہرکیف تھوڑا تعلق بھی دنیوی اعتبارات سے کافی ہے ۔''

حضرت آصفی نسلاً افغانی تھے ۔ غالباً ان کے دادا حافظ کلاں افغانستان سے ترک سکونت کرکے رام پور میں اقامت گزیں ہوئے تھے ۔ آصفی یہیں پیدا ہوئے اور یہیں عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی ۔ حافظ محمد عبداللہ خاں کو علوم دینیہ میں بڑی دست گاہ تھی ۔ جیّد قاری اور ریاضت و مجاہدہ میں اکابر زمانہ میں شمار ہوتے تھے ۔ حضرت آصفی نے اپنے تذکرے میں ان کے متعلق لکھا ہے :

''فقیر کے دادا عالم متبحر ، حافظ اور قاری جید تھے ۔ ریاضت و مجاہدہ میں اکابر زمانہ سے تھے ۔ بڑے بڑے علما اور صلحا ان سے استفادہ

۱۔ ان کی تاریخ انتقال ۲۰ دسمبر ۱۹۳۳ء مطابق ۲ رمضان ۱۳۵۲ھ ہے ۔

معنوی کہا کرتے تھے ۔ سید حسن شاہ صاحب محدث ، جو رام پور کے اعلیٰ درجے کے علمائے اسلامی سے تھے ، خاکسار سے فرماتے تھے کہ تمھارے دادا عزیز الوجود تھے ۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا ۔ مولوی مختصر صاحب ان کے فیض یافتوں سے تھے ۔ علی ھذا ، اکثر نامور علما اور اصحاب طریقت ان سے مستفید ہوتے تھے ۔ اُس زمانے میں کہ راستے پُر خطر اور اسباب سفر دشواری سے بہم ہوتے تھے ، سات بار زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے ۔ روضۂ منورہ سے بہت کچھ انوار و برکات حاصل کیے ۔ تقویٰ اس درجہ تھا کہ بے نماز آدمی کے ہاتھ کی چیز کا کبھی استعمال نہیں کیا ۔ ریاست ٹونک اور جاورہ سے سالانہ معقول طور پر امداد ہوتی تھی ۔ کسی رئیس کے مکان پر نہیں جاتے تھے ۔ نواب احمد علی خان فرماں روائے رام پور کے عہد میں رحلت کی ۔''

علم ، میراثِ اب و جد نہیں ، ایک دینی فضیلت ہے ۔ حافظ عبدالرزاق صاحب وہ دل و دماغ لے کر نہیں آئے تھے جس کی علم کو ضرورت تھی ۔ ایسے متبحر اور شیخ العصر باپ کے فیض صحبت سے حفظِ کلام اللہ اور قرأت کے سوا کچھ نہ پایا ۔ آصفی نے جہاں ان کی علمیت کا تذکرہ کیا ہے ، صرف ''حافظ اور جید قاری تھے'' لکھا ہے ۔ شورش ۱۸۵۷ع سے پہلے حافظ عبدالرزاق خاں تجارت کے ذریعے بسر اوقات کرتے تھے ۔ شورش کی آگ فرو ہو جانے کے بعد طلبِ معاش کے لیے ہرات و قندھار کا طویل سفر کیا ۔ مقصد تو یہ تھا کہ اس سفر سے ہند و افغانستان کے درمیان ایک مستحکم سلسلۂ تجارت قائم کریں مگر اثنائے راہ میں امیر خدا داد خاں والیِ قلات نے روک لیا ۔ اور اپنے ہاں فوج میں جمعدارِ رسالہ مقرر کر دیا ۔ مثل مشہور ہے : ''عشق اور مشک کبھی نہیں چھپتے'' ۔ اس میں ''علم و فضل'' کے اضافے کی اور ضرورت ہے ۔ استعداد اور علمیت بھی اپنی غماز ہیں ۔ چند روز میں والیِ قلات کو علم ہوگیا کہ یہ نیم ہندی جید حافظ اور زبردست قاری ہے ۔ چنانچہ اپنے لڑکوں کی تعلیم ان کے سپرد کرکے عہدۂ رسالداری اور تین سو سوار عنایت کیے ۔ تقریباً بیس سال امیر موصوف کے موردِ عنایات رہے ۔ اس کے بعد ترکِ روزگار کرکے ہندوستان چلے آئے ، اور شاہ جہاں پور کے علاقے میں ایک موضع خرید کر

از سر نو تجارت پیشہ کیا ۔ کچھ دنوں کے بعد مع اہل و عیال چندوسی چلے گئے اور کھنڈسار سے وجہِ معیشت پیدا کرتے رہے ۔ آخر عمر میں اس سے بھی دست کش ہو گئے اور ۱۳۳۱ھ میں وہیں انتقال کیا ۔

آصفی ۱۲۶۱ھ میں پیدا ہوئے ۔ ''سہ نثر'' کے خاتمے میں لکھا ہے : ''دریں نزدیکی کہ سروِ آزاد عمرم از جوی چمن عشرہ سوم آب درباقتہ'' (سہ نثر آصفی صفحہ ۱۶۷) سہ نثر ۱۲۹۱ھ کی تصنیف ہے ۔ نثر سوم کے صفحہ ۱۸۰ پر مادۂ تاریخ تحریر کیا ہے ۔ فرماتے ہیں :

آمدہ سالش ز نظام سخن نامۂ اقبالِ نظامِ دکن

دوسرا مصرع مادہ ہے جس سے ۱۲۹۱ھ سال تصنیف نکلتا ہے ۔ اس وقت آصفی کی عمر ۳۰ سال تھی ۔ تیس کو ۱۲۹۱ھ میں سے گھٹانے پر ۱۲۶۱ھ باقی رہ جاتے ہیں ۔ صاحبِ ''تذکرۂ کاملان رام پور'' نے تقریباً ۱۲۷۷ھ سالِ پیدائش بتایا ہے ، لیکن وہ کسی طرح درست نہیں ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حافظ عبدالرزاق خاں قلات میں ملازم تھے ۔ آصفی کی پرورش ان کی غیبت میں ہوئی ۔ جب یہ سن شعور کو پہنچے تو گھر میں عورتوں اور بچوں کے سوا کوئی ان کا سرپرست نہ تھا ۔

آصفی عام طفلانہ دماغ لے کر آتے تو حشرات الارض کی طرح خاک ہو کر صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے ۔ مگر انہیں فطرت نے وہ دماغ عطا کیا تھا جس میں علم کی طلب کا جنون اور فضل و کمال کی تحصیل کا سودا تھا ۔ اس لیے فطری ذوق و شوق، طفلانہ لہوو لعب پر غالب آیا اور ثابت ہوگیا کہ ''السعید من سعد فی بطن أمہ'' (نیک ، ماں کے پیٹ سے نیک ہوتا ہے) ۔ آصفی اٹھارہ سال کی عمر تک رام پور میں مقیم رہے ۔ مختلف مکتبی ملاؤں سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں ، اور جب چل نکلے تو مولوی ولی محمد خاں صاحب بسمل رام پوری کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے ۔ یہ صاحب فارسی کے زبردست فاضل تھے ۔ مولانا ان کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :

''صاحب ممدوح اعلیٰ درجے کے فارسی دان تھے ۔ دیگر علوم پر بھی حاوی تھے ۔ ان کی عمر طلبِ علم ہی میں بسر ہوئی ۔ انشا اور شعر ان کا طبیعی مشغلہ تھا ۔ اساتذہ کا تتبع کم کرتے تھے ۔اور نازک خیال

تھے ۔ مجھ کو ان سے اصلاحِ سخن کا موقع نہ ہوا ، صرف درس کا
استفادہ ہوا ۔"

یہ خلد آشیاں نواب کلب علی خاں بہادر کا عہد تھا ۔ رام پور، فضلا و شعرا کا مجمع تھا ۔ اسی زمانے میں آصفی کو عربی پڑھنے کا شوق دامن گیر ہوا ۔ مولانا عبدالقادر خاں صاحب مفتی عدالت دیوانی ریاست رام پور سے "کنز الدقائق" پڑھی ۔ مفتی صاحب افغانستان کے باشندے تھے ۔ ترک وطن کر کے رام پور میں اقامت گزیں ہو گئے تھے اور ہندوستان میں اپنے عہد کے یکتا فقیہ تھے[۱] ۔ آصفی کا مفتی صاحب سے فقہی استفادہ اس امر کی کافی ضمانت ہے کہ وہ فقہ میں معقول دسترس رکھتے تھے ۔ والدین کی ناعاقبت اندیشی سے فارسی درسیات ختم ہوتے ہی ازدواجی زندگی کا دور شروع ہوگیا ۔ آصفی نے ترکِ وطن کی ٹھان لی ۔ اس زمانے میں بھوپال ، علم کا دوسرا مرکز تھا ۔ "اشرف نوع انسانی علامۂ روزگار ، صدر کبار نواب سید صدیق حسن خاں بہادر مرحوم صدر آرائے علوم و فنون تھے" ۔ اور ایک عالم اس طرف کھنچا جا رہا تھا ۔ وطن کی ناقدردانی نے انھیں مجبور کیا اور آصفی بھوپال چلے گئے ۔ نواب صاحب اُن سے بہت شفقت و محبت سے پیش آئے اور اپنا موردِ عنایات بنایا ۔ آصفی کچھ مدت تک بھوپال میں مقیم رہ کر وہاں کے علما کی درس گاہوں میں حاضر ہوتے رہے ۔ لیکن جہاں تک پتا چلتا ہے ، ملازمت نہ کی ۔ دہلی و لکھنو کے تباہ ہو جانے کے بعد ، اربابِ فضل و کمال کا ماویٰ و ملجا رام پور یا حیدر آباد تھا ۔ مرحوم نظام کے عہد نے سرزمین دکن کو اہل علم سے مالا مال کردیا تھا ۔ فنون لطیفہ سے حضور نظام دکن کو خاص دلچسپی تھی اور کرسیِ وزارت پر سالار جنگ اول جیسی علم دوست ہستی متمکن تھی ۔ اس لیے علی الخصوص عربی و فارسی علم ادب اوج شباب پر تھا ۔ آصفی کو ذوق شعر و ادب فطرت سے ودیعت ہوا تھا ۔ اتفاق سے کسی عزیز نے حیدر آباد کے حالات لکھے اور ادب کی ترقی کا خاص طور پر تذکرہ کیا ۔ مولانا کے ذوق ادب کے لیے اس خط نے تازیانے کا کام دیا ۔ یہ بھوپال کو خیرباد کہہ کر حیدر آباد جا پہنچے ۔ عربی کی ابتدائی درسیات رام پور اور بھوپال ہی میں ختم کرچکے تھے ۔ وہاں

---

۱ ۔ مفتی صاحب کا ۱۹۲۰ع کے بعد انتقال ہوگیا ۔

پہنچ کر دواوینِ عرب اور کتبِ اہلِ ادب کے مطالعے میں مصروف ہو گئے۔

اُس وقت حیدر آباد میں ایک زبردست فاضل مقیم تھے۔ آقا سید علی طوبی اُن کا نام تھا اور جیسا کہ آصفی نے اپنے خط میں لکھا ہے، ادبائے عراق میں ممتاز پایہ رکھتے تھے۔ یہ علامہ سید نعمت اللہ جزائری کے خاندان اور ساداتِ نوریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مذہب امامیہ تھا۔ بدرجۂ کمال مہذب تھے۔ ان کے فضل و کمال کو آصفی نے ان الفاظ میں سراہا ہے:

"یہ سید عالی نسب، والا حسب، اہلِ عراق کے مشہور ادبا میں اعلیٰ پایہ رکھتے تھے۔ واللہ باللہ ان کی معلومات لغوی اور شواہد کلام عرب قیاس سے باہر تھے۔ قریحہ ایسا تھا کہ قلم برداشتہ سیکڑوں اشعار عربیہ لکھ دیتے تھے۔ اور یہی حال نثر عربی اور فارسی کا تھا۔"

حیدر آباد میں آصفی نے اس علامہ کا حلقۂ درس انتخاب کیا اور بہ صد خلوص و شوق ان کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا۔ علامہ کی مجلس اہلِ عجم و عرب کا مرکز تھی۔ اہلِ عجم کے اس اختلاط اور میل جول نے آصفی کی استعدادِ فارسی میں بھی غیر معمولی اضافہ کر دیا۔

شعر گوئی کی مشق آصفی نے رام پور ہی میں شروع کر دی تھی۔ حامی تخلص کرتے تھے۔ نواب خلد آشیاں کی ایما سے امیر مینائی مرحوم نے رام پور کے شعرا کا تذکرہ مرتب کیا تھا، جو "انتخاب یادگار" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ اس میں آصفی کا تذکرہ اسی تخلص کے تحت ہے۔ صاحبِ تذکرہ لکھتے ہیں: "اس وقت اٹھارہ سال کی عمر ہے"۔ نمونے کے طور پر یہ دو شعر بھی لکھے ہیں:

سرو شکل شیشہ و گل صورت ساغر گرفت
مے کشی، اے همنشیناں، درچمن خواهیم کرد
کے کشاید خاطر من از تماشای بهشت
بهر آسائش بکوی او وطن خواهیم کرد

لیکن اُس وقت تک کسی کو اصلاحِ سخن کے لیے پسند نہ کیا تھا۔ یہاں علامہ کے فضل و کمال نے ایسا مبہوت کیا کہ اُنھوں نے استفادۂ عربیت کے ساتھ ساتھ اپنا کلام بھی انھیں سنانا شروع کر دیا۔ ایک تو اس علامہ کی

نکتہ چینی ، دوسرے اہل عجم کے مجالس اور محافل ، ان باتوں نے مل کر آصفی کو تہرانی یا شیرازی بنا دیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ تربیت کے بعد ہندی دماغ بھی نظیری ، عرفی ، طالب ، حزیں اور قاآنی کی صف میں جگہ پا سکتا ہے ۔

بعض احباب کے مشورے سے آصفی نے حضور نظام دکن مرحوم کی مدح میں سہ نثر لکھ کر بارگاہ ہمایوں میں پیش کی ۔ اس زمانے میں پیشی کا موجودہ منظم طریقہ نہ تھا ۔ مہینوں اور برسوں انتظار کرنا پڑتا ، تب کہیں کوئی عرضی حضور کی نظر سے گزرتی تھی ۔ آصفی جن صاحب کے ہاں مقیم تھے ، وہ رام پور کے باشندے تھے ، حیدرآباد میں وکالت کیا کرتے تھے ۔ نہایت شریف النفس اور دوست پرور آدمی تھے ۔ سوء اتفاق کہ محلّے میں ایک بدمعاش شیخ چاند نامی رہتا تھا ، جس کا رویّہ شریف آزاری تھا ۔ وہ کسی بات پر وکیل صاحب سے بگڑ بیٹھا اور انھیں جا و بے جا پریشان کرنا شروع کر دیا ۔ جب معاملہ برداشت سے آگے نکل گیا تو انھوں نے مجبوراً آصفی سے تذکرہ کیا ، اور ساتھ ہی زندگی سے بیزاری بھی ظاہر کی ۔ آصفی غیور طبیعت تھے ۔ پھر معاملہ تھا ایک محسن دوست کا ۔ انھیں تسلی دی اور شیخ چاند کو باز رکھنے کا وعدہ کیا ۔ شیخ صاحب بادۂ سرکشی میں چُور اور جہاں دیدہ تھے ۔ ایک نوجوان کو کب خیال میں لانے والے تھے ۔ ان کے سمجھانے بجھانے کے بعد بھی وکیل صاحب کو تنگ کیا ۔ ایک بار آصفی نے پھر فہمایش کی مگر بے سود ۔ سہ بارہ اس نے تنگ کیا تو یہ آپے سے باہر ہو گئے ۔ شیخ صاحب بازار میں کسی دوکان پر بیٹھا کرتے تھے ۔ آصفی تلوار لے کر ان کے اڈے ہی پر جا پہنچے ۔ شیخ نے معمولی باتوں کا جواب تندی اور غصے سے دیا ۔ اس پر تلوار چلنے لگی ۔ آصفی نہایت قوی الجثہ ، جری اور شمشیر باز تھے ۔ دو چار ہاتھوں کے رد و بدل کے بعد شیخ جی زمین پر آ رہے اور جان بحق تسلیم ہو گئے ۔ یہ گرفتار کر لیے گئے اور مقدمے میں وکیل صاحب کی جان توڑ کوشش کے باعث ، پھانسی تو نہ ہوئی مگر حبس دوام ہو گیا ۔ اس واقعے پر تقریباً دو سال گزرے ہوں گے کہ ناگاہ بخت نے یاوری کی اور ''سہ نثر'' حضور نظام کے سامنے پیش ہوئی ۔ نظام مرحوم نقاد سخن تھے ، اس جواں سال شاعر کی نظم و نثر سے اس کی استعدادِ ذاتی کے جوہر تاڑ گئے ۔ حکم دیا کہ

پلاؤ ۔ اراکین دولت نے عرض کیا : ''شاعر قید خانے میں اپنے بقیہ سالہاے حیات گزار رہا ہے'' ۔ استفسار ہوا ''کیوں ؟'' بیان کرنے والوں نے حقیقت حال کا اظہار کیا ۔ ترحمِ خسروی نے برداشت نہ کیا کہ ایک شریف آزار اوباش کے عوض ، ایک جوان سال و پیرانہ فہم شاعر ایسی ذلیل زندگی بسر کرے ۔ رہائی کا حکم دیا اور نواب افسرالملک کمانڈر انچیف افواجِ قاہرہ نظام کے بریگیڈ آفس میں میر منشی مقرر فرمایا ۔ حسن خدمت اور لیاقت ذاتی کے باعث آصفی برابر ترقی کرتے رہے تا آنکہ مددگار معتمد صرفِ خاصِ شاہی ہو گئے ۔ میر عثمان علی خان بہادر سریر آراے ملک دکن ہوے ، تو آصفی کو خاص طور پر مورد عنایات خسروانہ بنایا ، اور ایک تصنیف کے صلے میں ایک سو پچاس روپیہ کا منصب دار مقرر کیا ۔

آصفی کی عربی قابلیت بھی ہندوستانیوں کے لیے قابل رشک تھی ۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی کے بعد صرف دو ہستیاں نظر آتی ہیں جو عربی زبان میں مشغلۂ شعر و سخن رکھتی تھیں ۔ ایک مولانا فیض‌الحسن سہارنپوری اور دوسرے علامہ آصفی ۔ اپنے مذکورہ بالا خط میں لکھا ہے کہ عربیت میں سید علی خان موسوی صاحبِ ''سلافة العصر'' و ''انوار الربیع'' کے متبع ہیں ۔ بعض قصائد آزاد بلگرامی کے تتبع میں بھی لکھے ہیں ۔ ایک قصیدہ بوفراس کے قصیدے پر ہے ۔ فارسی کے ساتھ ساتھ عربی سے اس قدر شغف حیرت انگیز ہے۔ آخر عمر تک طلبا کو عربی ادب کی انتہائی کتابوں کا درس دیتے رہے ۔ مگر آخر میں شعر و سخن سے نفرت ہو گئی تھی اور کتب سیر وغیرہ کے ترجمہ و تالیف میں مشغول رہنے لگے تھے ۔ اپنے خط میں اس بات پر افسوس ظاہر کیا ہے کہ امرا کی مداحی میں عمر عزیز کا گراں مایہ حصۂ شباب رایگاں گیا ۔ کاش یہ آخرت کے کام آتا ۔ چنانچہ آخری بیس پچیس سال مذہب و متعلقاتِ مذہب پر صرف ہوئے ۔

تاریخ پیدائش و وفات :

اصلی سال پیدائش ۱۲۶۱ھ ہے ۔ ''سہ نثر'' کے خاتمے میں لکھا ہے کہ اسے تیس سال کی عمر میں تصنیف کیا ہے ۔ چونکہ یہ ۱۲۹۱ھ میں تمام ہوئی تھی اس لیے اس سے مذکورہ بالا سنہ کی تائید ہوتی ہے ۔ مولانا بڑے تنومند اور قوی‌الجثہ آدمی تھے لیکن حیدر آباد کی آب و ہوا ناموافق تھی ۔ آخر عمر میں

مختلف امراض ستاتے رہے ۔ درد گردہ بالخصوص حملے کرتا رہتا تھا ۔ ایک بار کسی تیز دوا کا استعمال کیا ۔ گردوں میں پیپ پڑ گئی ۔ ہر چند علاج کیا لیکن جاں بر نہ ہو سکے اور ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ (٦ جون ۱۹۲٦ع) کو تقریباً ۸۳ سال کی عمر میں انتقال کر گئے ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

اخلاق مخصوصہ و احوال عامہ :

آصفی ، متقی اور پرہیزگار انسان تھے ۔ رواسم مذہب کی سختی سے پابندی کرتے ، موجودہ مذہبی سہولت پسندی اور ناروا معنی آزادی ناپسند فرماتے تھے ۔ چنانچہ ایک مطلع میں کہتے ہیں :

چنان کردند برہم آصفی این نیچران دین را
کہ شد ہند و دکن شورش کدہ از تا مسلمانی

روحی فداہ صلی اللہ علیہ و سلم سے عشق تھا ۔ قصائد کا بڑا حصہ نعتیہ ہے اور اُن میں بڑا زور نظر آتا ہے ۔ جو لفظ منہ سے نکلتا ہے محبت و خلوص میں ڈوبا معلوم ہوتا ہے ۔ فرماتے ہیں :

اے مہر تو شیرازۂ جمعیت امکان
وز قہر تو مجموعۂ کونین مجزا

یک برگ بود نخل ترا ، زندگیِ خضر
یک ریشۂ گلزار ترا ، عمر مسیحا

مشتاق ترا ، بزم ازل ، میکدۂ ذوق
مجنون ترا ، عہد ابد ، عرصۂ صحرا

مخمور ترا ، خون جگر ، چشمۂ حیوان
رنجور ترا ، مرگ ابد ، فیض مسیحا

یک نالۂ شوریدۂ تو شورش محشر
یک داغ جگر سوختہ ات دوزخ فردا

اے ذات ترا ، عزت کونین ، زمین گیر
بر عرش برین ، شان تو افراخت علم را

تا نام ترا ، نقش سر لوح نہ بستند
از چشم قلم جلوہ نشد حرف و رقم را

تا ذات ترا مقصد ہستی نہ شمردند
مفہوم نشد فائدۂ امکان و عدم را

تا عدل تو شد علت امنیت دوران
در عہد تو امکان نہ پسندید ستم را

از مہر تو تبدیل شدہ کینہ بالفت
پروردہ در آغوش نیظر، گرگ غنم را

آن روز کہ فیضت در انوار کشادہ
از تربیت باطنی، اصناف امم را

قدسی نفسان با دل روشن نہ گرفتند
آئینۂ اسکندر و جام شہ جم را

ز نقش بستن ہستی او، قلم بخشید
طراز صورت ایجاد، لوح امکان را

دمے کہ نامۂ اقبال او رقم گردید
بچشم خویش، قضا مہر کرد عنوان را

دمے کہ سایۂ کہسار حلم او افتد
دہد سکون چو زمین، آسمان گردان را

بخویش برد سکندر ز عالم فانی
بسینہ داغ تمنائے آب حیوان را

اگر ز چشمۂ مہرش کشیدے آب بقا
نمی گرفت بیک جرعہ، عالم جان را

بدور اسنہت او اگر خضر میزاد
چو گرد باد، نہ پیمودے، این بیابان را

حوادثات زمانہ برداشت کرنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ ہجوم غم طاقت ضبط کو نذر آتش کر دیتا ہے تو سردار دو عالم سے اس طرح داد خواہ ہوتے ہیں :

داورا ! در جگر آصفی خستہ دورن
تا بکے حادثۂ غم، سر خنجر شکند ؟

در محیطے کہ ز خوناب جگر موج زند
زورقم رفتہ بگردابہ و لنگر شکند

چارۂ رنج دل خستہ ، ز چرخ است محال
کہ بہراس ستم ، صورت گوہر شکند

در دل خون شدۂ من نبود تاثیرے
کہ بہ نیروے فغان گنبد بے دز شکند

شحنۂ عدل تو خواہم کہ کند داد گری
دل پُر کینۂ این چرخ ستمگر شکند

این سر پستیم از مہر بہ اوجی بردار
کہ کلہ گوشہ باوج شہ خاور شکند

پنجۂ بخت مرا نیروے اقبال افزا !
کہ ہمہ سلسلۂ خواری اختر شکند

تا غزالان حرم را نبرد دام کمین
تا ز حسرت دل صیاد ستمگر شکند

چرخ ہر دام جفائے کہ نہد در راہم
نیروے عدل تو ہر حلقۂ چنبر شکند

یہ خرمن میں سے چند دانے ہیں ۔ انصاف کرو ، کیا صرف یہی چند اشعار حسان الہند ہونے کی سند نہیں ؟ ان سے جیسی والہانہ محبت و شوق کا اظہار ہوتا ہے ، وہ ابدی زندگی کا لازوال پروانہ ہے ۔

آصفی اہل اللہ سے بہت محبت کرتے تھے ۔ اگر کسی کو اہل دل سے بہ سختی پیش آتے دیکھتے تو ناراض ہوتے ۔ فرماتے ہیں :

کسے با اہل دل گر آصفی الفت نمی دارد
یقین می‌دان کہ حیوانے بود در شکل انسانی

دنیاے اسلام عموماً اور ہندوستان کے مسلمان خصوصاً جس ذلت و خواری میں مبتلا ہیں ، خدا کی پناہ ۔ رہنمایان ملت کا خیال ہے کہ اس انحطاط کا سبب ان کا ترک اسلام ہے ۔ بجاے خود یہ خیال درست ہے ، لیکن حقیقت کچھ اور ہے ۔ رواسم مذہب کی قید سے ہمیشہ دنیا نے آزادی حاصل کرنا چاہی ہے ، اور ہمیشہ مذہبی جماعت نے سہل پسند گروہ کی شکایت کی ہے ۔ پھر مسلمان کیوں

ترقی کرتے رہے ۔ کیا صرف دو صدی پیشتر بھی مسلمان ایسے ہی خوار تھے ؟ پھر کیوں ؟ آصفی اس کی وجہ بتاتے ہیں :

ننگ اسلام کہ از خواری دنیا شدہ ایم
آصفی عزت دینی ز خدا می‌خواہیم

اور پھر خواری سے نجات پانے کا راستہ بھی بتاتے ہیں :

باز است بر رخ تو در می کدہ ہنوز
ساقی صلہ دہد بتو ، جام شراب دیر
ساقیت گر ز ساغر صہبا کند دریغ
در جام ذوق ، خون جگر را شراب گیر

آصفی ، گر ہمہ شب خواب گران می داری
چشم بیدار بہ ہنگام سحر می باید

بگزر از اوہام غفلت ، صید مطلب را بگیر
خواب صیادے بود ، در دیدہ ہاے دام ، تلخ

قدرتے ہست اگر ، دست بگردان کوتاہ
دامن مقصد کونین ، بچنگ است این جا

مزاج بہت نازک تھا ۔ معمولی سی بات بھی خلاف طبیعت پاتے تو برہم ہو جاتے ۔ ایک بار دفتر میں افسر متعلق نے اُن سے کچھ خفگی کا اظہار کیا ۔ مولانا ایسا موقع کہاں آنے دیتے تھے ۔ ہمیشہ اپنے فرائض خدمت تن دہی سے انجام دیتے تھے اس لیے ہرگز اس کے لیے تیار نہ تھے کہ خواہ مخواہ نا رضا مندی اٹھائیں ۔ چنانچہ اُنھوں نے اس موقع پر بھی بحث کیا ۔ اُس حاکم کا دماغ بادۂ حکومت سے سرشار تھا ۔ مولانا کے جواب پر برہم ہوگیا ۔ اب آگے معاملہ ضبط کی حد سے گزر چکا تھا ۔ آصفی نے فوراً پستول نکال لیا ۔ بے چارے نے بصد مشکل جان بچائی اور معاملہ رفت و گزشت ہوا ۔ مولانا کو حیدر آباد میں خدمت کا پورا صلہ نہ ملا ۔ اس کی وجہ تقریباً اُن کی یہی خود داری تھی ۔ چاپلوسی اور خوشامد امرا کو ہمیشہ سے پسند آتی ہے ۔ یہ اس سے کوسوں دور تھے ۔ طبیعت غیور پائی تھی اس لیے منت پذیری کو ناقابل عفو جرم خیال کرتے تھے ۔

فرماتے ہیں :

دانہ دانہ می کند خرمن بہ سعی خویشتن
بار احسان سلیمان برنتابد مور ما
چون مسیحا از سبکروحی بگردون رہ بریم
اوج دارے ، لنگ داند ہمت منصور ما

دماغ اہل جوہر منت منعم نہ برتابد
نمی گیرد تری از آب دریا مغز گوہرہا

نرفتہ ایم بدریوزہ بر در دیگر
ہر آنچہ داشتہ ایم ، آصفی ، خدا داد است

بہ پیش ارباب جاہ و دولت خجل نیم آصفی زحاجت
ز شان ہمت ، غنا ز دنیا ، بہ طبع کردہ کریم پیدا

آصفی از منعمان دہر می باشم سبک
بر دل بے مدعا از منت شان بار نیست

ز چرخ سفلہ مکش ننگ احتیاج سؤال
کہ دست ہمت او کوتہ است و حوصلہ تنگ

تواضع اور ہمدردی کا مجسمہ تھے ۔ کوئی ہم وطن جا پہنچتا ، تو بڑی مدارات سے پیش آتے تھے ۔ حتی‌الامکان ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچاتے اور حاجت روائی میں کبھی دریغ نہ ہوتا ۔ دسترخوان[1] ہمیشہ وسیع رہا ۔ علامہ محمد طیب مکی مرحوم بھی اتفاق سے حیدر آباد پہنچ گئے تھے ۔ عربوں کی مہمان نوازی مشہور ہے ، مگر وہ بھی مولانا کے مہمان داری کے بدرجہ غایت شکر گزار تھے ۔

علوے ہمت ، صفائے باطن اور تسلیم و رضا وغیرہ اوصاف ان میں کوٹ کوٹ

۱۔ تذکرۂ کاملان رام پور ، صفحہ ۹ ۔

کو بھرے تھے ۔ خوشامد اور چاپلوسی سے گریز کرتے ۔ سگِ دنیا بن کر زندگی گزارنے پر موت کو ترجیح دیا کرتے تھے ۔ فرماتے ہیں :

علوِ ہمت :

رسد بر پایگاہے آصفی از ہمت عالی
عروج پایۂ از پستی فطرت نمی باشد

آصفی از ہمت مردانہ با ما یار باش
ما بجان و دل ، فدائے ہمت مردانہ ایم

صفائے قلب :

بسکہ پرواز گرفتہ ز صفا سینۂ ما
پاک از کلفت اغیار شد آئینۂ ما
آصفی ، صاف دلان رفع کدورت خواہند
در دل خویش چو آئینہ صفا می جویند

توکل :

اے آصفی ! مخور غم روزی بعمر خویش
تا زندگی ست رزق خدا کم نمی شود

تسلیم و رضا :

شادمانم کز کشاکشہای خواہش فارغم
یک دل بے مدعا در روزگارم دادہ اند
در رہِ تسلیم ، ہمچو آبلہ داریم سر
نیست غیر عجز دل ، در سعیِ دل ، مقدور ما

اے آصفی ! از جور فلک رنجہ نباشی
زین شیوۂ تسلیم و رضائے کہ تو داری

نیک نہادی کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی کو نقصان نہ پہنچایا ۔ ہمیشہ نفع رسانی کے لیے کوشاں رہتے ۔ خیر مجسم تھے ۔ فرماتے ہیں :

بد نہ کردم بہ کسے آصفی از حیلۂ نفس
بکار افتاد مرا گرچہ بہر نیکب و بدے

''خودداری ، فضل و کمال کا زیور ہے'' ۔ لیکن خوددار ہمیشہ اربابِ دولت

سے کنارہ کش رہتا ہے ۔ اس لیے فضل و کمال کے باوجود دنیوی جاہ و مرتبت سے وہ بہرہ‌یاب نہیں ہوتا ۔ اس کے مقابلے میں کم مایہ اپنی دنائت طبع سے کامیاب ہو جاتے ہیں ۔ بجائے خود یہی کچھ کم غم انگیز نہیں ، پھر اس پر طرہ یہ کہ تنگ ظرف سے یہ لوگ مقابلے پر آمادہ ہو جاتے ہیں ۔ یہ اہل فضل کی جراحتِ دل پر نمک پاشی کا کام کرتا ہے ۔ ابتداءً صبر کرتے ہیں ، لیکن تا بکے ، آخر کار ناقدرشناسی ، سفلہ پروری اور جوہر کشی کی شکایت کا آغاز ہوتا ہے ۔ پہلے پہل استعارات اور کنایات استعمال ہوتے ہیں ۔ اس پر جب کوئی کان ہی نہیں دھرتا تو کھلم کھلا مدعی کی قلعی کھول کر مقابلۃً اپنے ہنر نمایاں کیے جاتے ہیں ۔ ظاہر میں اسے غرور و حسد خیال کر کے نکتہ چینی کرتے ہیں ، لیکن علم‌النفس کے ماہر جانتے ہیں ، یہ غرور نہیں ، خودداری ہے ، حسد نہیں ، رشک ہے ، و شتان ما بینہما ۔

چونکہ اکثر اہل علم کے سوانح حیات کا اہم ترین واقعہ ناقدرشناسی رہا ہے ، اس لیے فخریہ عام ہے جس میں فیضی ، عرفی اور غالب پیش پیش ہیں کہ وہ خود داری کی سلطنت کے خود مختار بادشاہ تھے ۔

آصفی بھی صاحب فضل و کمال ہونے کے باعث انتہائی قدر و منزلت کے مستحق تھے ۔ لیکن زمانے کی نامساعدت سے ابتداءً انہیں بھی بہت کچھ دکھ اٹھانا پڑے ۔ پھر خدا خدا کر کے کچھ قدر و منزلت ہوئی بھی تو ظرف بادہ خوار کا لحاظ نہ رکھا گیا ۔ نتیجۃً جاہل حریف کی حقیقت اور اپنی دنیائے کمال کی وسعت دکھانا لابد تھا ۔ فرماتے ہیں :

چہ پرسی آصفی از بے مذاق اندرین گلشن
بشاخی ، زاغ نالد ، عندلیبانِ نوازن هم

از شرم جاہلان سخن ، آصفی ! مپرس
چون رشحہ ہائے کلک سخندان فروچکم

حیدر آباد کے کم مایہ شعرا کے متعلق ، جو وہاں کی فضا پر چھائے ہو۔ٔ تھے ، فرماتے ہیں :

در دکن انجمن تازہ خیالان دیدم
شعر شان مضحکۂ بزم ز ہذیان گردد

نے بود پایۂ علمی و نہ تعلیم سخن
نے بود طبع رسائے کہ سخن ران گردد
مبتذل شیوہ دریں عہد بود ذوق سخن
تنگ عالم شود آن کس کہ سخندان گردد

قدر ناشناس کے متعلق فرمایا ہے :

کارم بناکسان زمانہ فتادہ است
ہر یک ز جہل ، دشمن عز ہنر ورست
قدر سخن نماندہ ، نماندہ سخن شناس
خر مہرہ ایست ، گو ہمہ ، ارزندہ گوہر است
با سنگریزہ کس نہ پذیرد دریں دیار
گو گوہرم بہ گوہر عاں برابر است

رفت عہد شاعری و روزگار قدر شعر
چو نمی ارزد کسے گر عرض حسّانی کند
وائے بر شعرے کہ باشد در صفات ابلہان
وائے بر نثرے کہ مدح اہل نادانی کند

اپنی تعریف نہایت پُر معنی الفاظ میں کی ہے ، اور حق یہ ہے کہ ذرہ بھر مبالغہ نہیں ۔ فرماتے ہیں :

ز اعجاز سخن ، اے آصفی ، دارم مسیحائی
خموشی را زبان بخشم ، بہ ہنگام شنیدن ہا

آصفی گوہر شہوار معانی ریزد
قلم ما دم ریزش رگ نیسانی ہست

بدریائے معانی ، آصفی ، آن ابر نیسانم
فشانم رشحۂ از خامہ و شکل گہر بندد

آصفی ! در شوکت آبادِ سخن
تکیہ بر تختِ سلیمان کردۂ

بعہد میر عثمان علی خان از سخن سنجی
چو ایران گرمیِ گفتار در ملکِ دکن دارم

آصفی ! ملکِ سخن زیر نگین طبع است
دل ندارد ہوسِ ملکِ سلیمان از من

ز نیرنگِ خیالم آصفی طاؤس من کلک است
دو صد آئینہ می آراید از نقش پر و بالے

مرحوم نظام کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ تعریف کرتے کرتے قلم رکتا ہے اور لکھ دیتا ہے :

امروز ہمہ عرفی عہدِ تو ، غلط نیست
از ملکِ دکن فخر بود ملکِ عجم را
زان دولت و اجلال نماندہ ست خلالے
آوازہ بلند است مگر جاہ و حشم را
دارم طمع از نسبت ذات تو بماند
بر صفحۂ جاوید ، نشان حرف و رقم را

دوسرے قصیدے میں علی الاعلان پکار اٹھے ہیں کہ :

بہ بزم چون تو سلطانے ، نیامد یک سخندانے
چو بندہ معجز البیانے ، چہ در نظم و چہ در انشا

چو عزم مدح تو سازم ، شود بر اوج پروازم
عطاردِ وار اندازم بہ چرخ آوازہ از معنی

صدف آسا دہان دارم ، ز مدح تو گہر بارم
ز معنی ہائے بسیارم ، بابرِ آذری مانا

بکشور ہر زبان آور ، بود گو اختر انور
نماید از سہا کم تر ، منم چون نیّر بیضا

سخن جامے ست در دستم ، ز اوصاف تو سرمستم
ہمانا آصفی ہستم ، بعہد آصف یکتا

حب وطن ایمان کی نشانی ہے ، آصفی کو بھی وطن محبوب تھا ۔ گو قسمت نے حیدر آباد جا بسایا مگر وہاں کی قدر و منزلت اس محبت کو دل سے دور نہ کر سکی ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

دل در بر غربت زدہ آسودہ نماند
یا رب چہ بود جذبہ نہان خاک وطن را ؟

شوق سفر آوارہ کند لیک چو سوزن
پیچیدہ بپا ، رشتۂ حب وطن ما

آصفی کو رام پور کی ہر شے اچھی معلوم ہوتی تھی ۔ بستی یہاں کی اچھی تھی ، دوست احباب یہاں کے اچھے تھے ۔ اور حق بھی یہی ہے کہ بھلے کیوں نہ معلوم ہوتے ، وطن تھا ۔ یہاں کی دوستی بے غرض ، دشمنی بے ضرر ، شناسائی مفید اور اجنبیت منفعت رساں تھی ۔ امیر مینائی گو وطناً لکھنوی تھے لیکن ملازمت کے سلسلے میں ایک عرصے تک رام پور رہ چکے تھے ۔ علاوہ ازیں خلد آشیاں کے استاد تھے ، اس لیے سارا شہر (اور کسی لیے نہیں ، تو) سرکار کا استاد بھائی بننے کے لیے شاگرد ہوگیا تھا ۔ اس نے رام پور سے موصوف کا زیادہ گہرا اور پائدار تعلق قائم کر دیا تھا - رام پور کی بزم منتشر ہو جانے کے بعد ، حضور نظام غفراللہ لہ کے بلاوے پر جب امیر مینائی حیدر آباد تشریف لے گئے ، تو آصفی وہاں موجود تھے ۔ امیر کی تشریف آوری کی خبر نے یوں تو تمام حیدر آباد کو چشم براہ کر رکھا تھا ، لیکن اتفاق

سے منتظرین میں سے وطنی تعلق والا کوئی بھی نہ تھا۔ ہزارہا[1] آدمیوں کے مجمع میں سے صرف دو آدمی سب سے پہلے آگے بڑھے، اور عقیدت کے ہونٹ علم و شعر کے ہاتھوں سے مس کیے۔ وہ دونوں کون تھے؟ ایک مینائی مرحوم کے شاگرد پنڈت رتن ناتھ سرشار صاحب ''فسانۂ آزاد'' اور دوسرے عبدالجبار خاں آصفی نظامی رام پوری۔

آصفی اکثر رام پور آتے اور کئی کئی ماہ یہاں قیام کرتے۔ ایک مرتبہ جنرل اعظم الدین خاں مرحوم مدار المہام ریاست نے مستقل اقامت اختیار کرنے کی دعوت دی تھی۔ مولانا حیدر آباد کی قدر و منزلت کے خوگر ہو چکے تھے۔ جواباً ایک قصیدہ لکھ کر بلطائف الحیل معاملے کو رفت و گزشت کیا۔ قصیدے میں رام پور کی مختصر تاریخ اور جوانان رام پور کی تعریف و توصیف ہے۔ ہر ہر شعر سے محبت ٹپکتی ہے۔ فرماتے ہیں:

گرچہ وضع رام پور از دل نشین ہیشت نہ بود
لیک دل کش بود وضع و سیرت جملہ رجال

از جلادت وز تہور وز شجاعت در جہان
بود ہریک نامور بر خوی و طبع پور زال

جملہ در پیکار و کین جستن بسان ِ نرہ شیر
می شمردندے عدوے پیل تن را چون شغال

از حیا و مردمی و شیوۂ خلق ِ حسن
بود خالی جاے شان در محفل عز و جلال

آن قدر می داشتندے از محارم اجتناب
می نمودندے بارباب مناہی صد نکال

اتباع ِ سنت پیغمبر و اصحاب دین
فطرۃً بودہ بفرمان خداے ذوالجلال

شہرت ایشان بہر کشور ز نام نیک رفت
خوبی شان نقش بستہ در دل و طبع رجال

۱۔ سوانح امیر مینائی، صفحہ ۹۰۔ مؤلفہ نواب فصاحت جنگ جلیل، جانشین امیر مینائی۔

جنرل صاحب سے خطاب کرتے ہیں :

اے جہان مردمی و عالم ہوش و خرد
آنچہ فرمودی رقم با بندہ از فیض و نوال

شکر این الطاف بیرون ست ز امکان خرد
شکر این احسان زبان عقل من داند محال

در دکن عیش مہنّا آن چنان دارم کہ نیست
در وطن امکان آن در عالم وہم و خیال

سر بگردون می رسد از عزت قدر ہنر
از نشان مندی استغنا ، نہ از وضع سوال

گرچہ دورم ، لیک نزدیکی بہ اخلاصم بود
از دکن تا رام پورم خطوہ باشد در خیال

مصلحت نبود کہ خواہم خدمتے من در وطن
در دکن بر خدمتم چون رفت چندین ماہ و سال

بہ قول علامہ شبلی ، حسد اور تنگ نظری شعرا کا خاصہ ہے - پوری تاریخ شعر و شاعری میں گنتی کے آدمی مستثنٰی نکلتے ہیں - مگر سواد اعظم کے برخلاف ، آصفی اپنے معاصرین سے محبت ، خلوص اور ہمدردی کا برتاؤ کرتے تھے - بہ خندہ پیشانی ملتے ، بہ نرمی و الفت گفتگو کرتے - ان کے مصرعوں پر غزلیں لکھتے اور مقطعوں میں سراہتے - کئی جگہ اپنے ہم‌وطن اور مخلص دوست احمد علی خاں بے خود رام پوری کا بھی ذکر کیا ہے - ایک جگہ فرماتے ہیں :

کلام بیخود ما ، آصفی چندان بود دلکش
کہ تحسین بیخود از طبع سخن سنجان برون آید

بہ صہبائے مذاق شعر بیخود آصفی مستم
ز ہر لغزش بکام دل ، شراب ناب می‌آید

علامہ شبلی دکن تشریف لے گئے ہیں - مولانا سے بھی راہ و رسم ہے - علامۂ موصوف کی مدح میں قصیدہ لکھ کر دوستی و محبت کا حق ادا کیا ہے -

فرماتے ہیں :

مژدہ یاران ! بدکن تازہ بہاران آمد
بخت گل‌ریز و طرب خیز و گل افشان آمد

آمدنِ شبلیِ علامہ سوے ملک دکن
یا یکہ از علم و حکم خطۂ یونان آمد

ذرہ ذرہ شود از نور کمالش روشن
آفتابے بسوے خاک اشیئان آمد

غافلان گر ہوس فطرت روشن دارید
اینک آن روشنیِ فطرت انسان آمد

گوہر حکمت یونان بفشاند بہ دکن
آن فلاطون گران کیسہ ز یونان آمد

فیلسوفے ست کہ از فترۂ رائے عالی
افتخار ابد از وے بہ حکیمان آمد

بہر سنجیدن آرائے حکیمان سلف
پلّۂ دانش او پلّۂ میزان آمد

جائے زاغ و زغن امروز نباشد بدکن
عندلیبِ چمنِ ذوق و غزل خوان آمد

منطق و فلسفہ را پایۂ دیگر بنہاد
شیخ و فارابی ازان در صف ماچان آمد

از فصاحت چو فصیحان عرب حرف زنید
وز بلاغت بہ سخن ، ثانی سحبان آمد

ایک بار آصفی رام پور آئے تو جناب بیخود نے اس تقریب میں ایک فارسی بزمِ مشاعرہ کے انعقاد کا اعلان کیا ۔ اُس زمانے میں یہاں ایک ایرانی آغا سنجر نامی مقیم تھا ۔ یہ شخص اپنی زبان کا جیّد شاعر بھی تھا ۔ صاحبِ مشاعرہ نے اسے بھی مدعو کیا ۔ وہ مولانا کی شہرت سن چکا تھا ۔ غلط فہمی سے اس کو مقابلے کا اعلان سمجھا اور شرکت سے انکار کر دیا ۔ مولانا کو خبر ہوئی تو بہت تاسف کیا اور بیخود کو ہمراہ لے کر خود اُن کی قیام‌گاہ پر پہنچے ۔ رسمی گفتگو کے بعد حرف مطلب زبان پر لائے اور کنایۃً اُن پر یہ ۔

امر واضح کر دیا کہ اس بزم کا مقصد صرف یہ ہے کہ چند لمحے یارانِ نجد کی خوش آیند صحبت میں گزر جائیں اور بس ۔ مقابلہ مقصود نہیں ۔ آغا سنجر نے شرکت کا وعدہ تو کر لیا ، مگر پھر بھی غزل نہیں پڑھی ۔ مولانا کی حساس طبیعت نے اس سے بہت اثر لیا ۔

جیسا کہ مذکور ہوا ، آصفی جسیم ، توانا اور قوی الجثہ تھے ۔ خدا نے حسنِ سیرت کے ساتھ ساتھ حسنِ صورت سے بھی مالا مال کیا تھا ۔ حیدر آباد کی آب و ہوا نا موافق تھی ۔ عمر کا آخری حصہ شکایات میں گزرا ۔ قلب کمزور ہو گیا تھا ۔ اختلاج کا بہت زور رہتا ۔ کئی بار دہلی تشریف لائے اور مسیحِ دوراں حکیم واصل خاں اور مسیح الملک حکیم اجمل خاں رحمہما اللہ سے رجوع کیا ، مگر بے سود ۔ حکیم واصل خاں کی تعریف میں قصیدہ لکھا ہے ۔ خاتمے میں فرماتے ہیں :

اے حکیم علت جانہائے اربابِ حکم
ہر کہالت نسخۂ شافیِ تو برہان بود

بازوے شیرانۂ من از عوارض کرد پست
آسمان را گرچہ صد رنج در انبان بود

پیش ازین گنج حقائق بود اکنون از ہجوم
سینۂ من جائیگاہ یک دل ویران بود

از عوارض جسم تعلیمی درین ملک دکن
تختۂ مشق طبیبان جہان چندان بود

از سراپایش اگر بینند ارباب نظر
نیست ممکن نقطۂ صحت درو گنجان بود

دوسرے قصیدے میں مسیح الملک سے خطاب کرتے ہیں :

ایا اے عیسیِ دوران کہ لطف تو بود درمان
چہ درمانے کہ بخشد جان ، چو جان خضر پیغمبر
دلے دارم چو گوہر ، موج خیز شان استغنا
نہ پیچیدہ ہوایم از کدامی آرزو در سر
ولے از ضعف قلب و ہم ز بیماریِ گوناگون
تنم فرسودہ ، جان کاہیدہ ، مغزم خشک شد یکسر

ضرورت زمانہ نے آصفی سے امرا کی مدح کرائی ، لیکن خودداری و استغنا نے کہیں دامن نہ چھوڑا ۔ اپنی آن ہر جگہ قائم رکھی اور عام شعرا کی طرح دریوزہ گری سے پرہیز کیا ۔ فرماتے ہیں :

این زمان از رگ اندیشہ چو ابر نیسان
می فشانم بمدیح تو گزیدہ گوہر
صلۂ شعر نخواہم ، کہ گدائی باشد
مبتذل شیوہ شناسم کہ بود ننگ ہنر
صلۂ خاص مناصب کہ ز شاہان باشد
بہر اصحاب علوم ست ، ہمانا ، درخور
می شناسی کہ بود پائیگہ علم رفیع
منصب علم شد از جملہ مناصب برتر
لیک از خواہش این بندہ نباشد زر و سیم
کردہ است از صلۂ عام عطا قطع نظر

چونکہ آصفی کبھی کسی کے دست نگر نہیں ہوئے اس لیے عرفی کی طرح مدحیہ قصائد میں خود ستائی سے باز نہیں رہتے ۔ نواب سرورالملک بہادر معتمد پیشی کی مدح کرتے کرتے فرماتے ہیں :

داورا ! از گہر افشانی معنی چو سحاب
بمعیت قلم من گہر آسا بینند
نیستم شاعر دریوزہ گر قلزم و کان
از معانی بدلم معدن و دریا بینند
می توانم کہ بہر شیوہ زبان بکشایم
تا مرا اہل سخن شیوہ شناسا بینند
نامۂ را کہ طرازد قلمم از ایجاز
از مطالب ہمہ مجموعۂ انشا بینند
طفل نطقم کہ ز روح القدس آمد بوجود
نفس معجز او چون دم عیسیٰ بینند
قلم دعوی من در کف اعجاز عصاست
کہ بہ میدان فسون در کف موسیٰ بینند

نالائقوں کو کرسیِ امارت پر متمکن دیکھ کر ضبط نہیں کر سکتے ۔ آج سے چند سو سال پیشتر حافظ نے کہا تھا :

اسپ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالان
طوق زرین ہمہ در گردنِ خر می‌بینم
ابلہان را ہمہ شربت ز گلاب و قنداست
قوت دانا ہمہ از خون جگر می بینم

آصفی بھی حیران ہیں کہ گدھے کس طرح عالی مرتبہ ہو گئے ۔ نواب وقارالملک مرحوم کی مدح میں ایک قصیدہ تحریر کیا ہے ۔ خاتمے میں زمانے کی سفلہ پروری اور کمینہ نوازی کی شکایت میں فرماتے ہیں :

میکنم اندیشہ در احوال عمالِ دکن
ہیچ سترِ آن نمی گردد بدانش آشکار

این قدر دانم کہ بہرِ عبرت اہل خرد
ناکسان را پائیگاہے می دہد پروردگار

شکلِ انسانند لیکن ز آدمیت خارجند
سیرت نسناس می‌دارند و بوزینہ شعار

از ستیزِ طبع برخیزند با چنگال و ناب
سخت آویزند باہم ، چو سگان جیفہ خوار

سکونت :

رام پور میں محلہ لال قبر پر بزرگوں کے مکانات تھے ۔ حیدر آباد میں ۵۴ سال تک محلہ مغلپورہ میں سکونت رہی ۔ مکانات وہاں بھی ذاتی تھے ۔

ملازمت :

سب سے پہلے آصفی کا تقرر کرنل نواب افسرالملک کمانڈر انچیف افواجِ باقاعدۂ سرکار عالی کے بریگیڈ آفس میں میر منشی کی حیثیت سے ہوا تھا ۔ اس کے بعد کرنل مارشل صاحب سیکریٹری سرکار نظام کے دفتر میں دو سال سر رشتہ دار رہے ، یہاں سے دفتر معتمد صرفِ خاص میں تبادلہ ہو گیا اور نواب آصف نوازالملک کی ماتحتی میں پانچ سال تک کام کیا ۔ دو سال تک نواب سرور جنگ معتمدِ پیشیِ سرکارِ نظام کے دفتر میں سررشتہ دار رہے ۔ سرور جنگ بہادر کے

بعد ، مولوی احمد حسین صاحب بی ۔ اے ، ایل ۔ ایل ۔ بی ۔ کی خدمت میں آٹھ دس سال تک رہے ۔ یہ غفران مکان نواب میر محبوب علی خاں فرماں‌روائے دکن کے پیش کار تھے ۔ ان کے عہدے بدلتے رہے ۔ کبھی پرسنل سیکریٹری رہے ، کبھی انڈر سیکریٹری ہوئے اور آخر میں صدر المہام پیشی نواب میر عثمان علی خاں بہادر فرمانروائے حیدر آباد ہو گئے تھے ۔

یہاں دس سال خدمت کرنے کے بعد غفران مکان کے عہد میں ، صدر محاسبی صرف خاص میں منتظمی کا کام انجام دینے لگے ۔ ڈیڑھ سال کے بعد ، محکمۂ معتمدی صرف خاص میں لے لیے گئے ۔ اُس وقت رائے مرلی دھر بہادر صدرالمہام تھے ۔ یہ محکمہ معتمدی و صدر المہامی میں منتظم بنا دیے گئے ۔ حافظ احمد علی خاں صاحب کو لکھا ہے :

"نہایت فارغ البالی سے زندگی بسر کر رہا ہوں ، والحمدللہ علی کل حال ۔"

یہ خط ۱۳۳۳ھ میں لکھا ہے ۔ اس کے بعد تقریباً دس سال مولانا نے اور خدمت کی ۔ درمیان میں جن جن حکام سے تعلق رہا ان کا پتا نہ چل سکا ۔ لیکن مولانا کے نواسے نبی نواب شبیر خاں صاحب فرماتے تھے کہ آخر میں مددگار معتمد صرف خاص شاہی ہوگئے تھے ۔

مولانا کو ایک سو پچاس روپے منصب کے اور چار سو پچاس روپیہ دفتر سے ملتے تھے ۔

اولاد :

رام پور میں فیاض خاں جمعدار برادر سالار خاں کی نواسی سے شادی ہوئی تھی ۔ یہ بی بی میجر دولہ خاں ، اور عباس خاں مشہور چوگان باز کی ہمشیرہ زادی ، اور رام پور کے ایک نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھیں ۔ ان کے بطن سے چار لڑکیاں اور ایک لڑکا پیدا ہوا ۔ لڑکا عنفوان شباب میں راہی ملک عدم ہو گیا ۔ ایک لڑکی شادی کے قبل فوت ہوگئی تھی ۔ دو لڑکیوں کی شادیاں نبی شبیرخاں ساکن شاہ آباد کے دو فرزندوں کے ساتھ ہوئی تھیں ۔ اب صرف بڑی لڑکی زندہ ہیں ۔ ان کے شوہر بعارضۂ طاعون انتقال کر گئے ۔ دو لڑکے چھوڑنے ہیں ، جو رام پور میں تجارت کرتے ہیں ۔ چونکہ یہ جوانی میں بیوہ ہو گئی تھیں ، اس لیے مولانا ان کی ہمیشہ امداد کرتے رہتے تھے ۔ چنانچہ یہ زیادہ تر رام پور میں رہا کرتی تھیں ۔ ماہوار خرچ

حیدر آباد سے آ جاتا ۔ کبھی کبھی حیدر آباد بھی چلی جاتی تھیں ۔

پہلی بی بی کے انتقال کے بعد مولانا نے عقد ثانی کیا تھا ۔ یہ بی بی نواب بہرام الدولہ بزبر جنگ کی نواسی تھیں ۔ نواب صاحب فرخ آباد مئو کے رئیس تھے اور حیدر آباد میں بہت معزز شمار ہوتے تھے ۔ ان کے بطن سے دو لڑکیاں اور تین لڑکے پیدا ہوئے ۔ لڑکوں کے نام علی الترتیب عبد الوہاب خاں ، عبد السلام خاں اور عبد اللہ خاں ہیں ۔ یہ تینوں بقید حیات ہیں اور حیدر آباد ہی میں قیام ہے ۔ مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر نے مولانا کے انتقال کے بعد ان کی ساری اولادوں کے وظیفے مقرر کر دیے تھے ۔ رام پوری لڑکی کو کسی وجہ سے یہ وظیفہ نہ پہنچ سکا ۔ لیکن ان لڑکوں کو برابر مل رہا ہے ۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ایک لڑکا بھی اس علامہ باپ کا خلف الصدق نہیں ۔ سب کے سب معمولی خواندہ ہیں ، مولانا کو اس کا بہت رنج تھا ۔ ہرچند کوشش کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا ۔ انتقال سے دو تین ماہ قبل ایک جوان عورت سے اور نکاح کیا تھا ۔

تلامذہ

یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر شاد ، وزیر سلطنت آصفیہ ، مولانا سے فارسی میں مشورۂ سخن کیا کرتے تھے ۔ چونکہ مہاراجہ بہادر کو مولانا سے دلی عقیدت تھی ، مولانا بھی ان سے بہت محبت سے پیش آتے تھے ۔ بعض مواقع پر مولانا نے تہنیت نامے لکھے ہیں ۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی ماتحت کسی افسر کو مبارک باد دے رہا ہے ، بلکہ یہ پتا چلتا ہے کہ ایک بزرگ اپنے اطاعت شعار چھوٹے کو پیار کر رہا ہے اور دعا دیتا ہے ۔ مہاراجہ بہادر نے مولانا کے انتقال کے بعد مولانا کی اولاد کے ساتھ مربیانہ سلوک کیا ۔ البتہ ان کی بڑی صاحب زادی اس منبع فیض و کرم کے جود و سخا سے محروم رہیں ۔ کاش اس ذات ہمایوں تک کوئی آواز پہنچ جاتی اور مولانا کی اس نور چشم کے مصائب کچھ کم ہوتے ۔

مولانا آصفی حیدر آباد میں فارسی کی سند تھے ۔ اکثر لوگ فارسی میں اصلاح لیتے تھے ۔ مگر یہاں رام پور میں ذرائع معلومات اس قدر محدود ہیں کہ مہاراجہ بہادر کے علاوہ کسی شخص کا نام معلوم نہ ہو سکا ۔

لیاقتِ علمی :

مولانا آصفی عربی اور فارسی ادب میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے ۔ ترجمۂ ''خصائص کبریٰ'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں :

''میں ایک معمولی مترجم ہوں ۔ عربی الفاظ کے معنی ہندی زبان میں عوام الناس کے سمجھانے کے واسطے کر دیتا ہوں ۔ مجھ کو آرائش کلام ، تکلف بیان اور دنیوی شہرت منظور نہیں ، ورنہ بہت سے خیالی قصہ جات ، قالبِ تکلف میں گڑھ سکتا اور زبان آوروں کی روش پر خیال بندی کے مراتب میں اغراق کر سکتا ہوں ۔ چنانچہ میری دست گاہ سخن فارسی زبان میں مسلمۂ اہل ہند و عجم ہے ۔''

''اس کے سوا عربی ادب میں عمر کا جس قدر عزیز حصہ صرف ہوا ، وہ عظیم نعمائے الٰہی سے ہے ۔''

مولانا کو فارسی شاعری سے طبعی شوق تھا ۔ عمر کا بڑا حصہ اسی کی تکمیل میں صرف کیا ۔ ابتداءً قدیم طرز انشا سے زائد شغف رہا جس کا نتیجہ ''سہ نثر آصفی'' کی صورت میں نکلا ہے ۔ یہ ظہوری کی سہ نثر کا جواب ہے اور حق یہ ہے کہ نقشِ ثانی نقشِ اول سے کم نہیں ۔

مولانا کو امید تھی کہ اس کی قدر ہوگی ۔ مگر زمانے کی ہوا بدل چکی تھی ۔ مولانا انصاف طلب رہے ۔ لیکن انصاف کون کرتا ۔ وہ سمجھنے والے اور داد دینے والے ہی نہ رہے تھے ۔ حافظ صاحب کو لکھتے ہیں :

''سہ نثر میں جو کچھ جدت مطالب و مضامین ہوئی ہے ، وہ انصاف کی محتاج ہے ۔''

عربیت کا اندازہ مولانا کے عربی قصائد سے ہو سکتا ہے ۔ دو چار قصیدے فارسی کلیات میں طبع ہو گئے ہیں ۔ رقعات غیر مطبوعہ رہے ، ورنہ خدا جانے حریری و بدیعی پر کیا گزرتی ۔

معقول و منقول میں بھی ان کو کافی دست گاہ حاصل تھی ۔ ''نورالانوار'' اصولِ فقہِ حنفی کی مشہور کتاب ہے جو شہنشاہ عالمگیر کے استاد مُلا جیون کی تصنیف ہے ۔ مولانا نے نہایت حسن و خوبی سے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے ۔ علامۂ زماں قدوۃ العلماء الراسخین مولانا مولوی انواراللہ خان بہادر معین المہام امور مذہبی ممالک محروسۂ سرکار عالی نے ''حقیقۃ الفقہ'' نامی کتاب تصنیف کی تھی ۔ اس میں امام ہمام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے حالات اور فقہ کی اصل اور

تدریجی ترقی سے بحث کی گئی تھی ۔ مولانا نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے، جو غالباً طبع ہو چکا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آصفی علوم معقولہ و منقولہ کے بھی زبردست فاضل تھے ۔ ذہانت و طباعی کا یہ عالم تھا کہ خاقانی و عرفی کی بحروں میں تین تین اور چار چار سو اشعار کے قصیدے لکھے ہیں ۔ طبیعت دریائے مواج معلوم ہوتی ہے جس کے سامنے اشکال و صعوبت کی پہاڑیاں پر کاہ سے زائد با وقعت نہیں ۔

ایک بار ، صرف دو گھنٹے میں سو شعروں کا قصیدہ لکھ ڈالا تھا ۔ اس کے خاتمے میں فرماتے ہیں :

میداشت بندہ طبع روانے بسان بحر
چون آب جا گرفتہ ز عمرے مکدر است
دیروز این چگامہ بدو پاس نقش بست
مانی کلک من کہ طرازندہ دفتر ست
بنگر کہ از فروغ معانی بمدح تو
این سلک نظم من بہ ثریّا برابر ست

تصنیفات :

تصنیفات کی صحیح تعداد معلوم نہ ہو سکی ۔ اپنے خط میں جن کتابوں کا مولانا نے تذکرہ کیا ہے ، وہ یہ ہیں :

(۱) **وسائل الوصول علیٰ شمائل الرسول** : رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے اعمال و اقوال وغیرہ کا مجموعہ اور مرد ، عورت ، بوڑھے ، بچے ہر ایک کے لیے سنت نبوی کا آئینہ ہے ۔ کتب سیر و احادیث سے رسول اللہ ؐ کی عام طرز معاشرت کو واضح کیا ہے اور آپ کے صفات ہمایونی کو ایک ایک کرکے بتایا ہے ۔ یہ ۱۳۱۹ھ سے قبل کی تصنیف ہے ۔

(۲) **جلاء الابصار** : اصول فقہ حنفی کی ایک مشہور و معروف کتاب ''نور الانوار'' کا اردو ترجمہ ہے ۔ دو جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہوا تھا ۔ جا بجا حل کتاب ، اور مطالب شرح و متن سمجھانے کے لیے حواشی لکھے گئے ہیں ۔ ابتدا میں ۲۲ صفحوں کا دیباچہ ہے جس میں مسلمانوں کی پستی کے اسباب اور مختلف علوم و فنون کی کتابوں کے ترجمے کی ضرورت سے بحث کی گئی ہے ۔ اردو کی عبارت مولویانہ ہے ۔

ترجمے کا کام ۱۳۱۷ھ کو ختم ہوا اور ۱۳۱۹ھ میں یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہوئی ۔کل مدت ترجمہ ایک سال ہے ۔ یہ ترجمہ میر مجلس عدالت عالیہ کے ایما سے وکلاے ریاست حیدرآباد کے مطالعے کےلیے کیا گیا تھا ۔ مجلس مذکور کے صیغۂ انتظامی نے طباعت کے انتظام کا فرمان لکھ کر مولانا آصفی کو امید دلائی تھی کہ اُن کی جاں کاہ کوششیں رائگاں نہیں جائیں گی ۔ مگر اثناے ترجمہ ہی میں کسی فتنہ پرداز کی انسانیت سوز سعی نے تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا ۔ بعد اختتام کتاب اپنے صرف سے طبع کرانا پڑی ۔ مولانا کا خیال تھا کہ طباعت کے بعد عدالت عالیہ سے کافی معاوضہ ملےگا مگر یہ خیال بھی خام نکلا ۔

فخرالملک بہادر وزیر تعلیم کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے ۔ اس میں یہ واقعہ بالتفصیل مذکور ہے ۔ فرماتے ہیں :

لیک یک نابلد کوچۂ فرہنگ و تمیز
از خدا غافل و از دین پیمبر بیزار
کرد آہنگ بہ پرخاش من و یاور من
فرس فتنہ جہانید بشورش مضمار

خاتمے میں ممدوح سے سارا واقعہ بیان کرتے ہیں :

اے سپہر شرف و عز و معالی و جلال
گوش کن قصۂ من ، نغز بود این گفتار

از اصول فقہ[1] آن کحل جواہر سودم
کہ بہر چشم خرد داد جلاے ابصار

تا بیک سال بدل دشنۂ محنت خوردم
دادم از خون جگر ترجمہ را نقش ونگار

تا بدو سال دگر رنج کشیدم از طبع
طاقتم طاق شد و کشت دماغم بیکار

حسب فرمان گرامیِ گرامی حکام
از پے ترجمہ بستم کمر خود یکبار

---

۱ ۔ اس لفظ کو آصفی نے غلط باندھا ہے ۔ اس کا صحیح تلفظ بفتح اول و سکون ثانی ہے ۔

در پس زانوے حیرت بہ نشستند ہمہ
آن کسانے کہ پئے ترجمہ کردند اصرار
وعدۂ مجلس عالیتہ[1] عدالت نکشود
بر رخ محنت من ، باب مراعات کبار
پئے تبییض و بہ تصحیح و بہ طبعش شد صرف
نقد سرمایۂ ذاتم کہ شمردم دو ہزار
کس زیانے نکشیدہ چو من از خدمت علم
بر نگردید تہی دست چو من از سرکار
اعتمادے نہ کنم بعد ازین بر حکام
خواہم از وعدۂ مستقبل شان استغفار

اس کے بعد اُس فتنہ پرداز کی ہجو ہے اور خوب خوب دل کی بھڑاس نکالی ہے -

(۳) معجزات نبی خیرالوریٰ : علامہ سیوطی کی مشہور و معروف کتاب ''خصائص کبریٰ'' کا اردو ترجمہ ہے - ابتدا میں پچاس صفحات کا پُر معنی دیباچہ ہے - ترجمہ نہایت سلیس اور سادہ ہے - دو جلدوں میں طبع ہوا ہے - تقریباً ۱۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے - تین سال کی شبانہ روز محنت سے ۱۳۳۰ھ کو تمام ہوا -

کتاب ضخیم تھی - مولانا اس کی طباعت کا صرف خود برداشت نہیں کر سکتے تھے - ایک مدحیہ قصیدے کے ذریعے حیدر آباد کے امیر کبیر نواب لطف الدین خان بہادر سے طباعت کے اخراجات برداشت کر لینے کی درخواست کی - فرماتے ہیں :

اندرین عہد کہ این بندہ رسیدہ بحضور
ہست یک مقصد دینی کہ نمودش مضطر
میکنم خدمت قومی ز علوم و ز فنون
نبود خدمتی از خدمت دینی بہتر

---

۱ - اس لفظ کو بھی بتشدید لکھنا درست نہیں ہے -

آن کسانے کہ ندارند سواد علمی
جانب دقت عامی نکشایند نظر
نبود تا کہ تراجم بزبان ملکی
از علوم عربیہ نبود ہیچ خبر
بہ خصائص بود این نسخۂ کبریٰ مشحون
ہمچو یک قلزم بے ساحل مشحون بہ دُرر
آن چنان رائے زدند اہل صفا و خُلت
کہ دہد ترجمہ اش نفع باہل کشور
بہوا خواہیِ قومی و رضاے باری
بندہ سہ سال پئے ترجمہ اش بست کمر
بار طبعش نتوانم کہ بخود بردارم
اندرین کار نشد طالع و بختم یاور
گر کنی ہمت مردانہ بہ طبعش ز کرم
از تو خوشنود شود خالق و ہم پیغمبر
نامِ نامیِ تو تا روز جزا خواہد ماند
ثبت در دفتر اخلاص بدیوان قدر

غالباً امیر ممدوح نے صرف برداشت کر لیا تھا اور مولانا کو دماغی محنت کے ساتھ روپیہ صرف کرنے کی زحمت گوارا کرنا نہ پڑی ۔ ادھر نواب ہمایوں، دریا دل ، میر عثمان علی خاں بہادر فرمانروائے دکن نے ۱۵۰ روپیہ کا منصب صلے میں جاری کرکے مولانا کی اشک شوئی کردی ۔

(م) **ترجمہ مواہب لدنیہ** : ترجمے کا کام ختم ہو چکا تھا ، طباعت جاری تھی ۔ کچھ حصہ چھپ چکا تھا ، کچھ باقی تھا کہ مولانا راہی ملک عدم ہو گئے۔

(د) **حقیقۃ الفقہ** : علامۂ زمان مولانا مولوی انوار اللہ خان صاحب بہادر معین المہام امور مذہبی ممالک نظام نے عربی میں ایک کتاب لکھی تھی جس میں امام اعظم کے حالات اور فقہ کی تاریخ سے بحث کی گئی تھی ۔ مولانا نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا ۔ ۳۲ جز میں تمام ہوئی تھی ۔ صفر ۱۳۳۳ھ میں مولانا نے لکھا ہے کہ عنقریب طبع ہونے والی ہے ۔ غالباً شائع ہو گئی ہوگی ۔

(۹) رسالة فی الاختلاف بین الاشاعرة و الماتریدیہ : اسلام کے دو نامور فرقوں کے اختلافی مسائل سے بحث کی ہے۔

یہ مولانا آصفی کا مذہبی کام ہے اور اس پر اُنھیں فخر تھا۔ آخر میں انھوں نے شعر و شاعری کو بیہودہ خیالی تصور کر کے بقیہ عمر کو مذہبی تصنیف و تالیف میں صرف کرنے کا عزم کر لیا تھا۔ خط میں اس کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ مذکورہ کتب و تالیفات کے ماسوا اور علوم و فنون میں بھی چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے تھے، جن میں بعض نا مکمل رہے اور بعض پایۂ تکمیل کو پہنچے، مگر طبع نہ ہو سکے۔

(۷) مرآت العروس : ''حسن و عشق'' نعمت خان عالی کے طرز میں لکھی ہے۔ پندرہ جز میں تمام ہوئی تھی۔ طباعت کی نوبت نہ آئی۔

(۸) سہ نثر آصفی : مُلا نور الدین ظہوری کی سہ نثر کا جواب ہے۔ خوب خوب استعارات، تشبیہات اور صنائع و بدائع استعمال کیے ہیں۔ غفران مکان حضور نظام مرحوم و مغفور اور اعیان ریاست کا مدحت نامہ ہے، جوانی کی تصنیف ہے۔ سر بادۂ فخر و غرور سے مست تھا۔ ہر ہر جملے سے جوش مسابقت ہویدا ہے۔ حافظ صاحب کو تحریر فرماتے ہیں :

''سہ نثر آصفی بمدح غفران مکان طبع ہو کر پچیس تیس سال سے انصاف طلب ہے۔ اس میں جو کچھ جدت مطالب و مضامین ہوئی ہے، زیادہ انصاف کی محتاج ہے۔''

ایک قصیدے میں سہ نثر کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے :

آن کتابے کہ شدہ پیش کش حضرت تو
از ثناہاے نظام است گزیدہ دفتر

محسن الملک بہادر کہ بود معدن عقل
پیش تو دوش بیفشاند بسایما گوہر

طرز ''سہ نثر ظہوری'' ست بانداز شگرف
کہ مضامینش کشد دل ز بر اہل ہنر

وصف اعیان گرامئ دکن بست طراز
قلم سحر نگارم چو بُتانِ آزر

(۹) آثار الاقبال : اس میں دکن کی عمارات کے حالات لکھے ہیں۔ سات آٹھ

جز کا رسالہ ہے۔

(۱۰) **تاریخ دکن** : نا مکمل رہی۔

(۱۱) **سلک گوہر تاریخ خاندان مرلی دھر** : اس کتاب میں آفرینش آسمان و زمین اور ضرورت تمدن سے بحث کرکے معتمدین صرف خاص سرکار نظام کے نادر واقعات درج کیے ہیں۔ رائے مرلی دھر معتمد صرف خاص، قوم کے کایستھ اور اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ صرف خاص کے صدر المہام تھے۔ مولانا کا اُن سے تعلق خدمت تھا۔ چنانچہ یہ کتاب اُن کے خاندان کی تاریخ ہے۔

(۱۲) **نظام سروری** : صرف خاص اور عدالت دیوانی کے حکام کی مختصر منظوم تاریخ ہے، طبع نہیں ہوئی۔

(۱۳) **شواهد النحو** : علم نحو کا ایک مختصر رسالہ ہے۔

(۱۴) **قول فیصل** : یمین السلطنۃ وزیر دکن نے حضور نظام کا ایک سجع کہا تھا :

سکہ زد از فضل یزدان زمن　　میر محبوب علی شاہ دکن

سید مرتضٰی فلسفی بلگرامی نے ''یزدان زمن'' کی ترکیب پر اعتراض کیا، اور ''آب زر'' نام رسالہ میں اس پر استدلال قائم کیا۔ یمین السلطنۃ کی ایما سے مولانا نے اس کے جواب میں یہ رسالہ فارسی زبان میں لکھا تھا، مگر باہم صلح ہو جانے کے باعث طبع نہ کرایا۔

(۱۵) **کلیات نظم آصفی** : قصائد، قطعات، ترکیب بند، مثنوی، مخمسات وغیرہ کا مجموعہ ہے۔ مولانا نے اسے طبع کرانا شروع کر دیا تھا لیکن ناتمام رہا۔ ردیف نون تک طبع ہونے پایا تھا کہ بعض وجوہ مانع آگئے۔ اس میں ۴۹ قصائد مکمل اور ایک نا تمام ہے۔ یہ ۴۹ قصائد ۲۶۸ صفحات میں ہیں۔

بیشتر وہی طرحیں اختیار کی ہیں جن پر خاقانی، انوری، عرفی، طالب، حزین اور قاآنی قلم اٹھا چکے ہیں۔ حق یہ ہے کہ ان نامور شعرا کے دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ سر مو فرق نہیں معلوم ہوتا۔ ابھی تک مولانا کا کلام اہل نظر سے پوشیدہ ہے۔ جب یہ جواہر ریزے اہل ادب کے سامنے آئیں گے، تو انہیں فیصلہ کرنا پڑے گا کہ :

''قاآنی اور غالب کے بعد ایران و ہند میں ان جیسا قادر الکلام شاعر

پیدا نہ ہوا ۔''

(۱۶) دیوان آصفی : فارسی غزلیات اور مخمسات کا مجموعہ ہے ۔ ۵۶۸ صفحات میں غزلیں ہیں ، اس کے بعد مخمس ہیں ، لیکن یہ بھی نا تمام ہے ۔

(۱۷) رباعیات و قطعات : مولانا نے اپنی تمام رباعیاں اور قطعے یک جا جمع کیے تھے لیکن طباعت کی نوبت نہیں آئی ۔

ارادہ یہ تھا کہ تمام اشعار کی تعداد تیس ہزار سے متجاوز نہ ہو ۔ حافظ صاحب کو لکھتے ہیں :

''ارادہ ہے کہ ۳۰ ہزار اشعار سے زیادہ کلیات نظم نہ رکھا جائے بلکہ اور بھی مختصر رہے ۔ کون دیکھتا ہے ۔''

(۱۸) قصائد عربی : بعض قصائد فارسی کلیات میں طبع ہو گئے ہیں ۔ باقی آغوش بیاض میں رہے ۔ عربی قصائد سید علی خاں موسوی ، میر غلام علی آزاد اور بوفراس کے تتبع میں لکھے ہیں ۔ چونکہ متنبی و حماسہ زیر تدریس رہتے تھے اس لیے عربی قصائد میں قدیم سادگی پر ایرانی تخئیل غالب ہے ۔

(۱۹) مکاتیب عربی : مکاتیب غیر مرتب رہے ۔ چند اجزا کا مبیضہ موجود تھا ۔ طبع ہونے کا موقع نہیں آیا ۔

یہ ہیں مولانا کی وہ مصنفات جن کو مولانا ''محض درد سر اور دنیا کی نمود کا سرمایہ'' تصور کرتے رہے ، کیونکہ ان کے نزدیک ''اس وقت میں ایسے خیالات لاطائل تصور کیے جاتے ہیں ۔''

مولانا کو اپنے ادبی سرمایے پر نہ ناز تھا اور نہ اسے کچھ اہم خدمت شمار کرتے تھے ۔ دینی خدمت اور سیر و احادیث کے تراجم سے شغف ہو گیا تھا ۔ خود ان کے الفاظ ہیں :

''فارسی سرمایے پر فخر کا موقع نہیں ۔ البتہ دینی خدمات جو عام مسلمانوں کے لیے ہیں ، قابل وقعت ہیں ۔''

مولانا کا ایک مجموعہ قصائد اور ایک دیوان تلف ہو گیا تھا ۔ مولانا نے خود اس پر افسوس کیا ہے ۔ یہ قصائد اور غزلیں جو طبع ہو چکی ہیں ، اس کے بعد جمع کی تھیں ۔ چونکہ کلام جمع کرنے کی طرف نہ رغبت تھی اور نہ کوئی اس بحو کہ ، اس لیے بہت سا کلام ضائع ہو گیا ۔

کلام پر رائے :

شاعری کی ابتدا قصائد سے ہوئی نیز شاعر کے زور کلام ، قدرت تخیل ،

جدت طرز ادا اور چستیِ بندش کا اندازہ بھی قصائد سے واضح تر کسی اور صنف کلام میں نہیں ہو سکتا ، اس لیے ہم سب سے پہلے مولانا کے قصائد کے خصائص سے بحث کریں گے ۔

انوری ، عرفی ، فیضی اور قاآنی وہ خداوندانِ قصائد ہیں جن کے طرحوں پر آصفی نے طبع آزمائی کی ہے ۔ چوں کہ یہ ہستیاں اپنی مخصوص روشوں کی مالک ہیں ، اس لیے دیکھنا یہ ہے کہ آصفی نے ان مختلف روشوں کی کس حد تک پابندی کی؟ نیز طبیعت پر کس رنگ کا غلبہ رہا ؟ اس امر کے طے کرنے کے لیے پہلے بالاختصار ان اساتذہ کی خصوصیات کا تذکرہ ضروری ہے ۔

انوری کے کلام میں سادگی و سلاست کے ساتھ ساتھ قدرے مضمون آفرینی پائی جاتی ہے ۔ عرفی کے ہاں رفعت تخئیل ، جدت تراکیب اور ندرت استعارات نمایاں ہیں ۔ فیضی میں زور کلام ، چستی اور شوکت الفاظ اور قاآنی میں سلاست و روانی ، بحور کی نغمہ آفرینی ، الفاظ کی ہم آہنگی اور تراکیب کا زیر و بم مخصوص اوصاف ہیں ۔

خصوصیات مذکورہ میں سے ہر ایک بجاے خود مستقل اور مکمل ہے ، جس تک پہنچنے کے لیے نہایت پیچ دار راستوں سے گزرنا پڑتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی قصیدہ گو ان سب خصوصیات کا جامع نہیں ہوا ۔ جو کسی روش پر چلا ، عمر بھر چلتا رہا مگر تمام نہ کر سکا ، چہ جائیکہ کسی دوسری روش پر گام زن ہوتا ۔

مگر اس کلیے میں صرف ایک استثنا ہے اور وہ ہیں مولانا آصفی ۔ انھوں نے گامزنی شروع کی ، تو ان چاروں راستوں کو پامال کر دیا ۔ جس کے طرز میں قصیدہ لکھا اُس کا ایسا چربہ اتارا کہ دیکھنے اور سننے والے کو کبھی شک نہیں گزرتا کہ یہ صاحب طرز کا کلام نہیں ہے ۔ جو لوگ ان روشوں سے ناواقف ہیں ، اُن کو صحیح اندازہ کرنا دشوار ہے ۔ پھر اُن کے نزدیک یہ امر لایق تحسین بھی نہیں ۔ مگر واقف کار جانتے ہیں کہ بیک وقت و بیک دماغ ہر روش میں درجۂ اجتہاد حاصل کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے ، اور اشکال بھی ایسا جو امتناع کے قریب قریب ہے ۔

مگر ہمارے نزدیک یہ آصفی کے لیے حقیقی عزت نہیں ۔ یہ امر بجائے خود کتنا ہی قابل تحسین و ستائش ہو ، حیرت انگیز نہیں ہے ۔ دوسرے کا تتبع

خصوصیت قرار نہیں دیا جا سکتا ، تقلید ہے ۔ ہمیں اُن کے کلام میں یہ غور کرنا چاہیے کہ خود اُن کی اپنی روش کیا ہے ۔

جب چشم انصاف سے اُن کے قصائد کا مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اُن کی اپنی روش مذکورہ خصوصیات کی معتدل ترکیب ہے ۔ طبی اصطلاح میں اخلاط اربعہ کی اعتدالی آمیزش کا نام مزاج ہے ۔ جب تک یہ چاروں ارکان اپنے مقررہ اعمال و فرائض بہ صلح و آشتی انجام دیتے رہتے ہیں ، انسان تندرست رہتا ہے ۔ لیکن جہاں کوئی ایک اپنے حدود سے متجاوز ہوا ، کسی نہ کسی مرض کا حملہ شروع ہو جاتا ہے ۔ یہی مثال شاعری کی ہے ۔ قصائد کے اوصاف وہ ہیں ، جو اوپر بیان ہوئے ۔ لیکن صرف دو چار باتوں کا پایا جانا قصیدے کو ''تندرست'' نہیں بنا سکتا ۔ اسی طرح یہ حالت ان اوصاف میں سے کسی ایک کے غلبے سے بھی پیدا نہیں ہوسکتی ۔ قصیدہ صرف وہ بہتر یا ''تندرست'' کہلایا جا سکتا ہے جس میں یہ اوصاف بالاعتدال پائے جائیں ۔

چونکہ آصفی نے ان تمام اساتذہ کا اتباع کیا ہے ، جن کے خصوصیات اوپر مذکور ہوئے ہیں ، اس لیے قصائد میں یہ سب اوصاف موجود ہیں ۔ البتہ سلامتِ طبع کے باعث اُن کی ترکیب غیر معتدل نہیں ہوئی ، اور اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آصفی کی روش ''مزاج'' ہے ۔ قاآنی کی سلامت و روانی ، عرفی کی نازک خیالی ، اور فیضی کے زور قلم اور شکوہ الفاظ کو انہوں نے اپنے ہاں سمو دیا ہے ۔

علامہ شبلی نے ''شعر العجم'' میں لکھا ہے کہ ''عموماً قصیدہ گو شعرا کی غزلیں اور غزل نگار شعرا کے قصائد بے مزہ ہوتے ہیں ۔ اس کی وجہ ان دونوں اصناف کلام کے خصوصیات کا تضاد ہے ، مگر آصفی اس کلیے سے بھی بڑی حد تک مستثنیٰ ہیں ۔ تفصیل کا محل نہیں ، مجملاً یہ کہ آصفی کو میدان تغزل میں بھی صحت ذوق اور سلامت طبع نے بے راہ روی سے باز رکھا ۔ ابتداء بیدل و شوکت ان کے ہمدم و انیس رہے ۔ اس لیے کلام ''آئینہ ہی آئینہ'' ہے ۔ لیکن آخر میں حافظ ، طالب ، حزین اور نظیری سے شغف ہوگیا تھا ۔ بنا بریں پچھلا کلام سادہ ، پُر معنی اور چاشنیِ زبان سے لبریز ہے ۔ طبیعت کی جدت پسندی نے یہاں بھی نئی روش پیدا کی ہے ۔

''نظیری کا تغزل ، حافظ کا جوش بیان اور سادگی ، طالب کی تخئیل اور

صائب کا مثالیہ گھل مل کر ایک ہوگئے ہیں جس میں حافظ ، طالب اور نظیری کا رنگ غالب ہے ۔"

قصائد میں آصفی کا دعویٰ ہے :

ہمنوا گشتہ ام بخاقانی ذوق آہنگ برتر اندازد
پیش از عرفی و حزین رفتم انوری در رہم سر اندازد

ہمرہ عرفی و فیضی و حزین و شوکت
اندرین مرحلہ چون برق شتابان رفتم
سعی اندیشہ درین عرصہ قدم پیش گزاشت
گرچہ در وادیِ ہستی پس ایشان رفتم
عادت خلق بود مردہ ستائی ز قدیم
کس نگوید ببلاغت رہ سحبان رفتم

غزل میں فرماتے ہیں :

چہ نظیری و چہ غالب ، گل و لالہ چیدہ رفتند
چو تو آصفی ندیدم چمنے طراز کردن

با سنائی و حزیں طرح سخن افگندیم
آصفی خواستہ دل دعوت یاران کردن

قصائد :

ہم بیان کر چکے ہیں کہ فارسی شعر کی ابتدا قصائد سے ہوئی ، اس لیے سب سے پہلے یہی صنعت پایۂ تکمیل کو پہنچی ۔ ابو الشعر رودکی سے پیغمبر سخن انوری تک قصائد نے اپنے ابتدائی مدارجِ ارتقا طے کیے ۔ انوری پہلا شاعر ہے جس نے عمارتِ نظم کی آخری اینٹ رکھ کر تعمیر کا کام ختم کیا تھا ۔

عربی قصائد کے اجزائے ترکیبی تین تھے : تشبیب ، مخلص اور خاتمہ ۔ فارسی قصائد کے اجزا بھی یہی قرار پائے اور جو شاعر ان تینوں کے لوازمات اور محاسن سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہوا وہی کامیاب قصیدہ گو مانا گیا ۔

لیکن عمارت کی تکمیل ، اجزا کے ہیئت تالیفی اختیار کر لینے کا نام نہیں ۔ اس کے لیے ضروری نقوش اور خط و خال کی آراستگی بھی درکار ہوتی ہے ۔

خط و خال کا تعلق ہر ملک کی آب و ہوا اور ذوق حسن کی پسندیدگی کے اختلاف کی بنا پر مختلف ہوتا ہے۔ ایران کا مذاقِ حسن عرب سے بالاتر تھا۔ اس لیے عربی کے برخلاف فارسی قصائد کے نقش و نگار رفعت تخئیل، شکوہ الفاظ، جدت ادا، جوش تالیف اور ندرت تشبیہ و استعارہ قرار پائے۔

آصفی نے قصائد میں اجزائے ترکیبی، صورت اور خط و خال سب کا لحاظ رکھا ہے۔ اب ہم قصیدے کے اجزا کی علیحدہ علیحدہ تحلیل کرکے آصفی کا پایۂ سخن بتاتے ہیں۔ چونکہ آصفی سے پیشتر، مضامین کی ہر نوعیت ضبط تحریر میں آ چکی ہے، اس لیے سلسلۂ کلام میں اساتذہ سے تقابل لابد ہے۔ ممکن ہے بعض قدامت پسند چیں بجبیں ہوں مگر:

تو اے کہ محو سخن گستران پیشینی   مباش منکر غالب کہ در زمانۂ تست

تشبیب:

تشبیب کا عربی مفہوم، معشوقہ سے مخاطبہ اور جذبات عشقیہ کا تذکرہ تھا۔ ابتداءً فارسی میں بھی معشوق کے حسن و جمال اور وصل و ہجر کی داستان کا نام تشبیب رہا مگر رفتہ رفتہ بہار و خزاں، اخلاق و تصوف، شکایت دہر اور مناظرۂ اشیا وغیرہ بھی تشبیب میں جگہ پانے لگے۔ آصفی نے ان تمام مضامین پر طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن شاعر کے زور طبیعت کا صحیح اندازہ عشقیہ جذبات و واردات کے بیان سے ہوتا ہے اس لیے ہم پہلے اسی کو معرض بحث میں لاتے ہیں۔

عشقیہ:

عشقیہ تشبیب کے مخصوص مضامین یہ ہیں: عشق کی آمد، جذبات محبت کی تحریک، معشوقہ کے حسن و جمال کا تذکرہ، اس کے ایک ایک عضو اور ایک ایک انداز کی تعریف، بے وفائی کا گلہ، رشک و رقابت وغیرہ۔

اس صنف میں عرفی سباق الغایات ہے۔ وہ اس جوش و خروش سے سلطان عشق کی آمد کا تذکرہ کرتا ہے کہ دنیائے قلب میں تہلکہ پڑ جاتا ہے۔ بقول علامہ شبلی عرفی حسین بھی تھا اور حسن پرست بھی۔ اس لیے اسرار عشق کے بیان اور کنایات الفت کی ادا میں کوئی شاعر اس کا ہمسر نہیں ہے۔ جن رموز کو اس کا قلم ادا کر جاتا ہے، دوسروں کا خیال بھی وہاں تک نہیں پہنچتا۔

عرفی کے بعد غالب نے بھی انھی نقوش پر چلنے کی کوشش کی۔ مگر آصفی نے جس بلند آہنگی سے یہ نغمہ الاپا ہے، باید و شاید۔ خاقانی کا مشہور قصیدہ ہے:

صبح چون زلف شب بر اندازد   مرغ صبح از طرب سر اندازد

تشبیب میں شب کا کوچ، صبح کی آمد، طلوع آفتاب، ساقی کی جستجو اور طلب صبوحی کا بیان ہے۔ آمد صبح اور طلوع آفتاب کے متعلق فرماتے ہیں:

صبح چون زلف شب بر اندازد   مرغ صبح از طرب شر اندازد
کرگس شب، غراب وار، از حلق   بیضۂ آتشین، بسر اندازد
برشگافند صبا مشیمۂ شب   طفل خونین بخاور اندازد
زخمۂ مطربان صدائے صبوح   در زبان ہائے مزمر اندازد
ہر قدحہائے آسمان ز نثار   مشتری طیلسان در اندازد

عرفی نے بھی اسی زمین میں قصیدہ لکھا ہے مگر تشبیب میں تلاش عشق، جستجوئے شاہد، آرزوئے شراب اور خواہش مغنی کا بیان ہے۔ ابتدا عشق اور شراب سے کی ہے۔ لکھتا ہے:

عشق کو؟ تا خرد بر اندازد   عود شوقے بہ مجمر اندازد
درد را در دلم بیالاید   عافیت را بہ بستر اندازد
مرغ جان را برد بہ باغ گلے   کہ اگر پر زند، پر اندازد
صید دل را کشد بہ بند کسے   کہ اگر سر کشد، سر اندازد

آصفی نے عرفی کا تتبع کیا ہے، چنانچہ ان کی تشبیب بھی از سر تا پا عشقیہ ہے۔ عرفی کو جس عشق کی تلاش تھی، اس میں صرف مندرجہ ذیل صفات درکار تھے:

(۱) عقل و خرد سے بیگانہ کر دے۔
(۲) آتش شوق سے سینے میں آگ لگا دے۔
(۳) دل کو درد سے بھر دے۔
(۴) عافیت و سلامتی کو بیمار ڈال دے۔
(۵) ایسی بزم میں لے جائے جہاں زبان قلم ہوتی ہو۔
(۶) اور ایسے ظالم کے دام میں پھنسا دے جہاں سر اٹھاتے ہی سر قلم ہو جائے۔

مگر آصفی کے خیال میں یہ عشق کی معمولی سطح تھی۔ انہیں جس شراب الفت کی تلاش تھی، اُسے ایسا تیز و تند اور برہم زن عقل و ہوش ہونا چاہیے کہ ساغر میں انڈیلتے ہی فتنہ ہائے حشر برپا کر دے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

عشق چون مے بساغر اندازد   فتنۂ حشر در سر اندازد

"ساقی عشق ساغر دل میں مئے محبت انڈیل دے تو دماغ قیامت خیز فتنوں سے درہم برہم ہو جائے۔"

جوش سودا، جحیم افروزد   مغز سر را، بآذر اندازد

"جنون کا یہ عالم کہ ہر ہر گوشۂ دل جہنمی آگ سے بھرا نظر آتا ہے اور دماغ دہکتے ہوئے کوئلوں پر لوٹنے لگے۔"

آتشین نالہ قیامت کار   شعلہ در چرخ اخضر اندازد

"نالوں کی سوزش اور گرمی سے آسمان جل بھن کر خاک ہو جائے اور دنیا آنے والے دن کا دھوکا کھائے۔"

بھوائے سواد چشم غزال   طرح صحرا ز کشور اندازد

"دل میں آہو نگہ حسین کی کالی کالی آنکھوں کی محبت کروٹ لے اٹھے اور دنیا ویران نظر آئے۔"

اضطراب رگ دل بے تاب   رعشہ در برق مضطر اندازد

"دل مچلنے لگے، اضطراب اور بے چینی چٹکیاں لیں مگر آہ وہ اضطراب جس کو دیکھ کر بجلیاں کانپ اٹھتی ہیں۔"

دیدہ از خون دل زند طوفان   دل ز آہ، طرح محشر اندازد

"آنکھوں سے خون کا طوفان امنڈ پڑے، آہیں دلوں کو بے چین کر دیں اور آہوں سے سننے والوں کا دل لرز جائے۔"

ہوش بہر وداع بر خیزد   بے خودی، طرح بستر اندازد

"ہوش و حواس رخصت ہو جائیں اور ایک خوش آیند بےخودی آپے سے باہر کر دے۔"

ہر سرشکے کہ از مژہ غلطد   جوش در بحر خون در اندازد

"آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جائیں اور ہر قطرۂ اشک ہر خون جوش مارنے

لگے ۔ کاش ! ایک ہی آنسو میں سب کا سب نکل جاتا ۔"

دم طوفان چشم دجلہ کشا ۔۔۔ کشتیِ چرخ لنگر اندازد

"گریہ وزاری کے وقت ڈوب جانے کے خوف سے کشتی چرخ لنگر انداز ہو جائے ۔"

ان اشعار کے معانی پر غور کرو ۔ دل خون ہوتا ہے ۔ تراکیب دیکھو "نالہ قیامت کار" اور "چشم دجلہ کشا" پر سر دھننے کو جی چاہتا ہے ۔ پھر کلام کا زور ، معانی کی دقت اور الفاظ کی برجستگی عرفی کو شرماتی ہے ۔ شاہد و شراب کی تعریف میں عرفی نے زیادہ سے زیادہ جو کہا ہے ، یہ ہے :

شاہدے کو کہ یک نفس گوشے ۔۔۔ بدل درد بسرور اندازد
آن کہ از ناز و غمزہ بر جانم ۔۔۔ گہ سنان گاہ خنجر اندازد
وز متاع وفا ، بجیب دلم ۔۔۔ نہ اقل و نہ اکثر اندازد
ہر شکستے کہ از دلم خیزد ۔۔۔ بدو زلف معنبر اندازد
آسمان رنگ شیشہ طلبید ۔۔۔ کافتابے بساغر اندازد
در شراب افکند دل گرمم ۔۔۔ دوزخے را بکوثر اندازد

مگر آصفی نے جس بلند آہنگی سے ماجرائے عشق اور انداز حسن بیان کیا ہے ، اسے محال نہیں تو ممکن بھی نہیں کہا جا سکتا ۔ فرماتے ہیں :

تابکے ، چشم خون فشان ، ساقی ۔۔۔ آب احمر ، بساغر اندازد"
چشم مخمور را اشارت کن ۔۔۔ تا ز مے طرح دیگر اندازد

"ساقی ! کب تک خون جگر پیتا رہوں ۔ برائے خدا اپنی مخمور آنکھوں کی مستانہ نگاہ سے میرے دنیائے قلب میں انقلاب برپا کر دے ۔"

مغز افسردہ را دہد گرمی ۔۔۔ چون سمندر باذر اندازد

"متواتر ناکامیوں نے یا (بالفاظ دیگر) تیرے بے جا تغافل نے دل کے سارے ولولے مٹا دیے ۔ آج تو اپنی شراب عشوہ سے اس کو از سر نو بے قرار کر دے ۔"

آبلہ پائیم بہ منزل عشق ۔۔۔ خار در راہ رہبر اندازد

''میری بیقراری ، ناکام سعی میں روح پھونک دے ، اور میں ایسے مست
ذوق قدموں سے تیری مہربانی کی تلاش کروں کہ راہبر بھی
تھک کر بیٹھ جائے ۔''

دل دوزخ شرارۂ دارم که بکونین آذر اندازد
''دل میں محبت کی آگ بھڑک اٹھے اور ساری تمناؤں اور آرزوؤں کو
جلا کر راکھ کر دے ۔ صرف تیری یاد ہو ، اور دل ہو ۔''

گرمی نالۂ شب آہنگم شور در مغز محشر اندازد
''رات کی تاریکیوں میں میرے پر سوز نالے ، سننے والوں کو پانی پانی
کر دیں اور وہ اپنے دماغوں میں محشر نما انقلاب محسوس کرنے
لگیں ۔''

ہر نفس صبر رخت بر بندد در جگر نالہ بستر اندازد
''منٹ منٹ میں صبر و قرار کا دامن ہاتھ سے چھوٹے اور لمحے لمحے میں
جگر سے نالے نکلیں ۔''

آہ گرمم ، چنان بسر گرمیست که شررها به کوثر اندازد
''میری گرم آہیں اس قدر سامان سوزش رکھتی ہیں کہ اگر کوثر کو
ایک لپٹ بھی لگ جائے ، تو ساری نہر شعلہ بن کر اڑ جائے ۔
بالفاظ دیگر میری دل کی لگی کو کوئی لذت ، کوئی ذوق اور
کوئی سعی نہیں بجھا سکتی ، گو وہ آسمانی اثرات ہی کیوں نہ
رکھتی ہو ۔''

در جہان خوار گشتہ‌ام ازعشق وائے گر چشم دلبر اندازد
''ظالم یہ تو سوچ کہ صرف تیری محبت کے باعث ، اس قدر رسوا ہوا
ہوں ۔ اور پھر اپنی بے مروتی سے آنکھ پھیرے لیتا ہے ۔ افسوس
میرے حال پر ! اگر میں تیرے دل میں جگہ نہ پا سکوں ۔''

عرفی کا دلبر ، ناز و غمزہ سے خنجر و سناں کا کام لیتا تھا اور متاع وفا کا
سخت دشمن تھا ، مگر آصفی کا دلبر وہ تھا کہ :

کافرین غمزہ‌اش بکشور دین انقلابے چو کافر اندازد
''جس کا غمزہ دشمن ایمان ہے اور جس کی مست نگاہوں کے سامنے
سارا زہد و تقوی کافور ہو جاتا ہے ، ادھر اس نے ترچھی نظر سے

دیکھا اور اُدھر خشک فلسفے پر بجلی گری ۔"

ناز او چون شکست دل خواهد　　چین بزلف معنبر اندازد

"اس کی عنبر جیسی کالی اور خوشبودار زلف کی شکن پر دل لوٹ جاتا ہے ۔ جہاں اُسے چھیڑنا مقصود ہوا ، زلفوں کو شکن در شکن بنا کر عاشق کے دل کو بے قرار کر دیا ۔"

فتنه هاے نگه بیمارش / ناتوانم به بستر اندازد

"اس کی بیمار نگاہیں اس قدر فتنہ گر ہیں کہ اپنی خوش ادائی سے ، عاشق کو امید و یاس کے پنجے سے چھڑاتی بھی ہیں اور پھنساتی بھی ہیں ۔"

یاد سوداے زلف او بسرم　　طرح آشوب حشر اندازد

"جس کی زلفوں کی محبت نے میرے سر کو میدان محشر بنا دیا ہے ۔ دن رات یاد کرتا ہوں اور پریشان ہوتا ہوں ۔"

به تبسم ز تابش پروین　　شعله در هفت اختر اندازد

"جب وہ مسکراتا ہے تو اُس کی دانتوں کی چمک پر آسمان کے ستاروں کو رشک آتا ہے ۔"

قامتش سرو را ز رعنائی　　در گلستان ز پا در اندازد

"جو اس قدر موزوں قامت ہے کہ سرو باوجود ہمہ موزوں قامتی ، اس کے سامنے باغ میں کھڑا نہیں ہو سکتا ۔"

یہ تھی پروردۂ عشق عرفی کی کائنات تخیل ، جس پر آج تک لوگ سر دھنتے ہیں ۔ ایک شخص دوسرے شخص کو زبان سے اجنبی ہونے کا طعنہ دے سکتا ہے ، مگر پست تخیل نہیں کہہ سکتا ۔ عرفی اہل زبان تھا ، مسلّم ، لیکن تخیل فارسی کا پابند نہیں ۔ وہ عشق پیشہ تھا ، درست ، مگر عشق پر کسی کا زور نہیں ۔ اس کا معشوق قیامت تھا ، صحیح ، لیکن حسن کی کائنات ختم نہیں ہوتی ہے ۔ آصفی اہل زبان نہ تھے ، مگر زبان دان تھے ۔ پھر مبتلاے عشق دل اور ایسا معشوق پایا تھا جس کا مثل "لا عین رأت و لا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر ۔" تخیل بلند تھا ، جو کچھ کہا ہے ، اس حسن و خوبی سے کہا ہے کہ عش عش کرنا پڑتا ہے ۔ تراکیب کا زور ، الفاظ کی برجستگی ، معانی کی بلندی اور جذبات کی رقت ، کیا چیز ہے جو اُن کے ہاں نہیں ۔

(۲) انوری کا ایک مدحیہ قصیدہ ''خنجر آفتاب'' اور ''اخگر آفتاب'' کی زمین میں ہے - اس کی تشبیب عشقیہ ہے ، لیکن متعلقات عشق میں سے صرف معشوق کی مدح سرائی پر ختم ہو جاتی ہے - اس قافیے اور ردیف کے لیے تشبیہ و استعارے کا نازک اور قریب الفہم ہونا لازم ہے - اس لیے وہی شعر کامیاب کہلانے کا جس میں استعارہ نازک و سہل اور تشبیہ لطیف ہوگی -

انوری متقدمین میں سے ہے ، اس لیے اس کے ہاں استعارات کی نزاکت اور تخیل کے نقش و نگار مفقود ہیں - مگر آصفی نے اس زمین میں استعارات کے رنگا رنگ گل کھلائے ہیں - انوری کا پورا قصیدہ ۹۴ شعر کا ہے - آصفی کی تشبیب میں ۳۴ شعر ہیں - ہم پہلے انوری کی تشبیب کے اشعار لکھتے ہیں - پڑھو اور غور سے پڑھو ! انوری کو صرف تقدم کا شرف ہے ورنہ آصفی آصفی ہے -

اے از کمال حسن تو ، جزوے در آفتاب
خطت کشیدہ دائرۂ شب بسر آفتاب

زلف چو مشک ناب ترا بندہ مشک ناب
روے چو آفتاب ترا چاکر آفتاب

آنجا کہ زلف تست ، ہمہ یکسرہ شب است
وانجا کہ روے تست ، ہمہ یکسر آفتاب

باغیست عارض تو کہ دارد ستارہ برگ
سرویست قامت تو کہ دارد بر آفتاب

بر ماہ مشک داری و بر سرو گلستان
در لالہ نوش داری و در عنبر آفتاب

سبحان اللہ !! : گر حور و آفتاب ہم نام تو ، رواست
کاندر کنار حوری ، و اندر بسر آفتاب

از چہرہ آفتابی ، و از بوسہ شکّری
بس لایق است با شکرت ہم بر آفتاب

انگیختہ است حسن توگل با سمن تمام
وامیختہ است لعل تو با شکّر آفتاب

انوری خداے قصائد ہے - اپنی سادہ روش میں کس خوبی سے حسن کی

صفت و ثنا کرتا ہے ۔ اشعار نمبر ۲ ، ۳ ، ۶ سادگی ادا کا بہترین نمونہ ہیں ۔ مگر آصفی فغانیہ اسکول سے تعلق رکھتے ہیں ۔ انوری کی ہم نوائی اختیار کی ۔ لیکن فکر پست نہیں ہو سکتی ۔ سادہ تخئیل میں بلندی فکر کی رنگ آمیزی ہے اور بے حد لطیف ہے ۔ دنیائے شعر ''آفتابی'' نظر آتی ہے ۔ فرماتے ہیں :

اے یک رخ تو ماہ و رخ دیگر آفتاب
ہم چہرۂ تو مہ نشود ، ہمسر آفتاب

''چاند اور سورج تیرے پیارے پیارے رخساروں کی ہمسری نہیں کر سکتے ۔ تیرا ایک رخسارہ چاند اور دوسرا سورج ہے ۔ پھر وہ دونوں فرداً فرداً ایک مجمع حسن و جمال کے مقابل کیسے ہوسکتے ہیں ۔''

از زلف مشک سای تو یک نفحہ مشک ناب
وز سنبل سیاہ تو ، یک اخگر آفتاب

''خالص مشک ، تیری کالی کالی خوشبو دار زلف کی ایک لپٹ ہے اور سورج تیرے سیاہ کاکل کا ایک شرارہ ۔''

در طرہ حلقہ داری ، و در حلقہ مہر و ماہ
در مہ ہلال داری ، و پروین در آفتاب

''تیرے طرّے میں حلقے اور حلقوں میں چاند سورج نظر آتے ہیں ۔ تیرے چاند سے مکھڑے میں، خم‌دار ابروؤں کے ہلال اور آفتابی چہرے میں ستارے جگمگا رہے ہیں ۔''

از خط تیرہ نوش ، لب تو بہ مشک ناب
وز سنبل سیاہ تو ، در عنبر آفتاب
بر روے آتشین تو خال سیاہ نیست
دود دل شب ست کہ پیچد بر آفتاب

یہ اشعار سادہ قدیم تخیل کا نمونہ ہیں ۔ انوری کے اشعار سے مقابلہ کرو ، کس قدر مشابہت ہے ۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی متقدم شاعر انوری کا ہمنوا ہے ۔ لیکن یہاں سے فغانیہ رنگینی شروع ہوتی ہے ۔

گر سایہ افگند سر زلف تو بر سپہر
گردد کبود چہرہ چو نیلوفر آفتاب

''اگر کبھی تیرے مہ پارہ کاکلوں کا سایہ آسمان پر پڑ جائے تو سورج کا
چہرہ نیلوفر کے پھولوں کی طرح نیلا ہو جائے۔''

چون مے کشان مست شبینہ ، دم سحر
بر طاق ابروے تو کشد ساغر آفتاب

سبحان اللہ ! حسن تعلیل کا خاتمہ کر دیا۔ صبح کو سورج نکلتا ہے تو مست شرابی کی طرح آہستہ آہستہ ابھرتا ہے۔ چہرہ سرخ ، شعاعوں کے سہارے آسمانی میدان میں گامزن۔ شاعر دیکھتا ہے اور مست مے حسن خیال کرتا ہے۔

''جب آفتاب افق سے سر نکالتا ہے تو خمار شکنی کے لیے ، رات بھر کے
مدہوش مے کی طرح دو چار جام تیری شرابی آنکھوں کی یاد میں
ضرور پی لیتا ہے ، ورنہ یہ چمک دمک اور یہ حسن کی گرمی نہیں
آ سکتی تھی۔''

گردد بسان دیدۂ شبنم نگاہ او — بیند بہ آفتاب رخ تو گر آفتاب

''تیرا حسن نظر سوز ہے ، چنانچہ تیرے آفتابی چہرے پر سورج کی نگاہ
بھی نہیں ٹھہر سکتی۔ پہلی نظر اوس کے قطرے کی مانند تھرتھرا
اٹھتی ہے۔''

گر افگنی نقاب جمال جہاں فروز — گردد نہاں بہ پیش تو چون شپّر آفتاب

یہ شعر تقریباً گزشتہ شعر کا ہم معنی ہے۔ یہاں آفتاب کو چمگادڑ اور
معشوقہ کے حسن کو آفتاب قرار دیا ہے۔

دارد سحر ز قطرۂ شبنم بباغ دہر
از اشتیاق روے تو چشم تر آفتاب

''یہ شعر بھی حسن تعلیل پر مبنی ہے۔ شاعر باغ میں پھولوں پر اوس
کے قطرے دیکھتا ہے ، علی الصباح پانی کے قطرے پتوں پر
کہاں سے آ سکتے ہیں۔ یہ تو بالکل آنسو سے نظر آتے ہیں۔ شاعر
فوراً تاڑ جاتا ہے کہ ہو نہ ہو سورج اس کے حسن و جمال پر فریفتہ
ہو گیا ہے ، اس لیے اشتیاق میں گریہ و زاری کیا کرتا ہے۔ یہ
اس کی آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں ہیں۔ اوس کے قطروں کو
سورج کی آنکھ قرار دینے میں اشتیاقِ دید کا ایک عالم نظر کے
سامنے آجاتا ہے۔ اللہ ، اللہ ! سورج کی لاکھوں آنکھیں ہیں ، مگر

اس پر بھی دیدار سے محروم ہے ۔''

از اضطراب جلوہ ، نہد دست پیش چشم
بر حسن تو نگاہ کشاید گر آفتاب
حیرت نظر شود ، چو حباب شراب ناب
بیند دمے کہ عکس تو در ساغر آفتاب

دونوں شعر ہم معنی ہیں اور دونوں کا مطلب یہ ہے کہ سورج بھی تیری تجلی حسن کی تاب نہیں لاسکتا ۔ مگر دوسرا شعر قیامت ہے ۔ ساغر شراب میں معشوق کا حسن عکس فگن ہے ۔ عکس وہ چمک دمک کھو بیٹھتا ہے جو اصل میں ہوتی ہے ۔ لیکن یہاں یہ عالم ہے کہ عکس پر نظر پڑتے ہی حیرت طاری ہو جاتی ہے ۔ آفتاب کی تمثیل ، حباب شراب ناب سے خوب ہے ۔

گاہے بود ، ز برگ بنفشہ گشت بمشک
گاہے بود ز قیر تو ، در عنبر آفتاب
شاید خیال روے تو آید بخواب او
پہلو نہد بہ شب ، بہ سر بستر آفتاب

حسن تعلیل کی یہ تیسری نادر مثال ہے ۔ غروب آفتاب کی علت کیا ہے ۔ علمائے ہیئت کا خیال ہے کہ زمین کی گردش ، سورج کو ہماری آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیتی ہے ۔ یہ خشک دماغ فلسفہ ہے ۔ شاعر کی لطافت خیال اس بار کو نہیں اٹھا سکتی ۔ اس کے نزدیک علت کچھ اور ہی ہے ۔ یعنی :

''روزانہ رات کو ، سورج صرف اس لیے بستر پر جا لیٹتا ہے کہ شاید خواب ہی میں تیرے خیال کا دیدار ہو جائے ۔'' نزاکت حس کی حد ہوگئی ۔ ''خیال رو'' ''بخواب'' اور پھر ''شاید'' کی لطافت ۔ مفہوم کو دیکھو بے نظیر جدت ادا ہے ۔

از حیرت خیال تو ہمرنگ آئینہ   در شش جہت مدام بود ششدر آفتاب

''تیرا خیال اس درجہ حیرت فزا ہے کہ آئینے کی طرح سورج بھی حیران و ششدر ہے ۔''

(۳) انوری نے ایک قصیدے میں ''مرجان آمدہ است'' اور ''نمکدان آمدہ ،

است" زمین اختیار کی ہے ۔ تشبیب عشقیہ ہے ۔ لکھتا ہے :"

بے دلان را روے تو آئینۂ جان آمدہ ست
وز لب و دندان تو لولو و مرجان آمدہ ست

چون نسیم زلف تو بویند ، گویند از فرح
مژدہ اے گیہان کہ ملرا مژدۂ جان آمدہ ست

گرچہ خوان حسن روے تست بہر ملح را
زان لب شکرفشان برق نمکدان آمدہ ست

از گل رخسار تو ، اے خار عشقت سینہ را
خار خارے در دل گلہاے بستان آمدہ ست

روی تو ماہ ست و دل از مہر خاک کوی تو
ہمچو عکس مہر و مہ در آب لرزان آمدہ ست

خون دل برخاک می افشانم از دولاب چشم
تا مرا سودای آن چاہ زنخدان آمدہ ست

کعبۂ دل بیت معمور فلک را طعنہ زد
تا خیالت اندران ویرانہ مہمان آمدہ ست

آصفی نے بھی اس زمین میں ایک نعتیہ قصیدہ لکھا ہے ۔ چونکہ نعت میں ممدوح وہ ذات ہوتی ہے ، جو مسلمانوں کے عقیدے کے موافق "بعد از خدا بزرگ" ہے ، اس لیے کلام میں خود بخود زور پیدا ہو جاتا ہے ۔ اس قصیدے کی تشبیب بھی عشقیہ ہے ۔ چند شعر لکھے جاتے ہیں ۔ دیکھیے کہ شوکت الفاظ ، رفعت تخیل ، حسن بندش اور جدت ادا کا مکمل نمونہ ہیں یا نہیں ۔ فرماتے ہیں :

نوش لعل جان فزایش ، آب حیوان آمدہ ست
در گفتار دل بذوقش عالم جان آمدہ ست

کہنا یہ تھا کہ معشوق کے منہ سے جو بات نکلتی ہے ، دل میں گھر کر لیتی ہے ۔ طرز ادا کی جدت دیکھیے کہ اس مضمون کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ۔ یعنی "ہو نہ ہو" اس کے جاں فزا لب چشمۂ حیوان اور اس کی باتیں آب حیات ہیں جس کا قطرہ قطرہ دنیاے عشق کے لیے زندگی اور روحوں کے لیے تازگی ہے ۔

ورنہ ''عالم جاں'' اور دنیائے کیفیات اُس کے ذوق میں ، دل میں سمٹ کر نہ آ جاتی ۔''

نرگس مستش مگر مے زد ز خون آفتاب
موے مژگانش رگ لعل بدخشان آمدہ ست

آنکھ کی خوبصورتی صرف یہی نہیں ہے کہ بڑی اور اُبھری ہو ، اُس کے ساتھ چمک دمک بھی ہونا چاہیے ، ورنہ ''بیل کے دیدوں'' کی پھبتی راست آتی ہے ۔ دنیا میں جس قدر چمک دار چیزیں موجود ہیں ، اُن میں روشن تر آفتاب ہے ۔ شاعر کو معشوق کی آنکھ کی چمک کی تمثیل اس سے زیادہ مکمل اور موزوں کہاں مل سکتی ہے ۔ اس لیے وہ فوراً کہہ اُٹھتا ہے کہ اُس کی آنکھ سورج کی طرح چمک دار ہے ۔ لیکن یہ ایک سیدھی سادی بات ہے اور پھر بلادلیل اس پر یقین کون کرے گا اس لیے اس کو مدلل بیان میں ادا کرتا ہے ۔ یعنی ''اُس کے پلک لعل بدخشاں کی طرح دمک رہے ہیں ۔ غالباً مست و سرشار نرگسی اور آنکھوں نے سورج کے خون کی شراب پی ہے ۔ ورنہ اس قدر چمک دمک آب و تاب خاکی مخلوق میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی ۔''

یہ شعر جدت اور حسن تعلیل میں بے نظیر ہے ۔ ''نرگس مست'' ہی کیا کم صفت تھی کہ اُس پر ''خون آفتاب'' کی مے سے مستی اور سرشاری کا طوفان برپا کر دیا ۔ پھر بہ ظاہر اُسے مست کہا ، لیکن بہ باطن ''آب دار'' بھی کہہ دیا ۔ سبحان اللہ !

اس کے علاوہ ایک لطیف پہلو یہ بھی ہے کہ ''مئے خون آفتاب'' چشم فتنہ خیز کی ہمہ گیری پر مُہر ہے ۔ جب اُس کی نگاہ ناز کی عالم گیری کا یہ عالم ہے کہ آفتاب بھی ، بایں ہمہ آب و تاب اور شکوہ حسن و جمال اُس کی دست برد سے محفوظ نہیں رہا ، تو پھر اور کون تاب لا سکتا ہے ۔

از ہوائے زلف مشکینش ، نفس خواہد بمشک
وز خیال روے او در دل گلستان آمدہ ست

''اُس کی مشکیں زلفوں کی ہوا ، سانس کو مشک کے خوشبو دار پردوں میں سلاتی ہے ، اور چہرے کا تصور دل کو چمن بنا دیتا ہے ۔''

رنگ رخسارش چمن را غوطہ در خون می دہد
تیغ حسن او ، بخون ریز بہاران آمدہ است

کہنا یہ تھا کہ اُس کا چہرہ کندن کی طرح دمکتا ہے یا گلاب کے پھول کی طرح روشن ہے ۔ اس کو اس طور سے ادا کرتے ہیں :

''چمن میں سرخ سرخ پھولوں کی چادر بچھی ہے ۔ در اصل یہ خون کی چادر ہے اس لیے کہ اس کے رخساروں کے رنگ نے حسن کی تلوار سے طفلان بہار کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور یہ ان کا خون ہے جس میں چمن ڈوبا ہوا نظر آتا ہے ۔''

تا چہ می دارد تطاول کاکل او در چمن
سنبل از آشوب او بر خویش لرزان آمدہ ست
شور لذت جوشد از ہر پارۂ زخم جگر
از شکر خندش در آغوشش نمکدان آمدہ ست

کہنا یہ ہے کہ اُس کی ہنسی سے ہماری مردہ تمناؤں میں جان آجاتی ہے ۔ مگر اس کو ادا کرنے کے لیے کیسا موثر طرز ادا اختیار کرتے ہیں ۔ فرماتے ہیں : ''اُس کے خندے سے ہمارے زخمی جگر کو نمک پاشی کا لطف آتا ہے ۔ جب وہ ہنستا ہے ، جگر کا ہر ہر زخم چلّا اٹھتا ہے کہ ہاں تھوڑا سا اور : عمرت دراز باد کہ من تشنہ ام ہنوز''

نالۂ حسرت در آغوش دلم گردید خون
تا کہ درد جان گسل از عشق درمان آمدہ است

''عشق کا علاج یہ ہے کہ درد حد سے گزر جائے اس لیے میں نے اپنے پُر حسرت نالوں کو گھونٹ گھونٹ کر دل میں فنا کر دیا ہے''۔ یعنی عشق و محبت کی بے چینیوں میں تسکین صرف اس سے ہوتی ہے کہ انسان آہ و زاری کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر لے ، لیکن میرا دردِ الفت عام حالت سے برتر ہے ۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اپنی تمناؤں پر پانی پھیر کر عالم سے بے خبر ہو جاؤں اور بوالہوسوں کے خلاف حسرت و یاس کی بندشوں سے آزاد رہوں ۔

یک دلم در حلقۂ زلفش نہ شد وحشت فروش
از فشارش یک جہان دل پریشان آمدہ ست

زلف شعرا کے خیال میں پریشانی اثر ہوتی ہے - مضمون عام ہے اور تقریباً ہر شاعر نے مختلف صورتوں سے اس کو باندھا ہے - آصفی نے بھی لکھا مگر "وحشت فروش" اور "یک جہان دل" کی پاکیزہ ترکیبوں سے نزاکت کو دوبالا کر دیا - "صرف شاعر ہی کا دل وحشی زلف نہیں ہے - اس کی زلف کی وحشت اس قدر محیط ہے کہ سارا جہان اس کے اثر سے پریشان ہے -"

صد جنون شوخی ، ز نقش پا سیاہی می کند
گرد راہش ، سرمۂ چشم غزالان آمدہ ست

"سیاہی کردن" کے معنی نمودار ہونا یا ظاہر ہونا ہیں - شعرا نقش پا کو شوخ لکھتے ہیں - آصفی نے "صد جنون شوخی" کہہ کر مضمون کو فلک پر پہنچا دیا - معشوق کی شوخی و شنگی کا یہ عالم ہے کہ صرف اس کے قدموں کے مرغ نشان دیکھ کر دنیا دیوانی ہو رہی ہے ، اور ہرن کی آنکھیں اس کے راستے کی خاک سرمے کے بجائے استعمال کرتی ہیں ، اسی لیے اس درجہ سرخ اور سیاہ ہیں -

دوسرا مصرع "سیاہی" سے پیدا کیا ہے - بعض مرتبہ اشارات دماغ کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں - شاعر کہہ رہا تھا : "صد جنون شوخی ز نقش پا سیاہی می کند" کہ یکایک شوخی نقش پا اور سیاہی نے ہرن کی سرمہ آلود آنکھ کی طرف ذہن منتقل کر دیا اور شاعر نے فوراً اس کی سیاہی چشم کی تاویل کر کے دل کو تسکین دے لی -

(۴) غالباً سب سے پہلے منوچہری نے عشقیہ تشبیب میں چاند کا ذکر کیا تھا ، مگر منظر عام اور دل فریب تھا - دوسرے منچلوں کو کیسے قرار آتا - متعدد شعرا نے یہ مضمون لکھا اور خوب لکھا - آصفی کی باری آئی تو انھوں نے بھی ایک تشبیب میں ماہتاب اور اس کی تشبیہات بیان کیں - تشبیہ کی خوبی نادر اور قریب الفہم ہونا ہے - آصفی نے جس قدر تشبیہات اختراع کی ہیں ، نزاکت ، ندرت اور قرب فہم سے ہم آغوش ہیں - رہی روش بیان کی دلکشی تو وہ مستزاد ہے -

چاند اُفق مغرب پر نمودار ہوتا ہے - لوگوں کی نگاہیں اسے دیکھ کر متحیر ہو جاتی ہیں - کس قدر حسین ، کیسا دل کش اور کتنا جاذب نظر ہے - روشنی ، خم ، شان اور ادا کی یکتائی بغیر مشابہات اور نظائر کے سمجھ میں نہیں آ سکتی -

دیکھنے والے امثلہ تلاش کرتے ہیں ۔ ''دستینۂ لیلیِ شام'' اور ''طوق زریں'' وغیرہ مثالیں چاند کے مختلف اوصاف کو نمایاں کرتی ہیں ۔ چنانچہ ان اوصاف کو آصفی اس طرح ادا کرتے ہیں :

ماہ نو بنمود رخ چون از زمرد گون نقاب
چشم مردم اوفتاد از پرتوش در ارتیاب
ہر کہ دیدش گفت باشد غبغب سیمیں ماہ
یوسف زریں رسن را افگنند در چاہ آب

لوگ پہلی تاریخ کا چاند دیکھ کر شبہے میں پڑ گئے کہ یہ کیا ہے ؟ جس نے دیکھا وہ یہ سمجھا کہ (۱) چاند کی ٹھوڑی کا گڑھا ہے (۲) یا حسین یوسف نے کنویں سے پانی بھرنے کے لیے چمک دار رسی کنویں میں ڈالی ہے :

یا کہ باشد ، نیمۂ دستینۂ لیلیِ شام
یاکہ زرین طوق افتاد از گلوی ماہتاب

(۳) یا ملکۂ شام کے دستانے کا آدھا ٹکڑا ہے ۔ (۴) یا چاند کے گلے سے سونے کا طوق گر پڑا ہے ۔

یا ز بحر اخضر گردون ، بہنگام شنا
ماہی زریں بر آوردہ سرے از زیر آب

(۵) یا یہ سونے کی مچھلی ہے جو آسمان کے نیلے سمندر میں تیر رہی تھی اور یکایک پانی کی چادر سے باہر نکل آئی ہے ۔

(۶) مشہور ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی پڑی رہتی تھی، تمام جن و انس اُس کے باعث سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان تھے ۔ ایک بار کسی دیو نے حیلے سے انگوٹھی اُڑا لی اور اُس کے اثر سے بھیس بدل کر خود سلیمان علیہ السلام کی جگہ تخت پر متمکن ہو گیا ۔ خود حضرت سلیمان آوارہ و سرگرداں پھرنے لگے ۔ مگر آپ کی بی بی نے حضرت کے مخصوص خصائل نہ پا کر اُس دیو کی شخصیت میں شبہہ کیا اور معاملے کی تہ تک پہنچ کر کسی صورت سے اُسے دفع کر دیا ۔ انگوٹھی سلیمان علیہ السلام کو واپس مل گئی اور آپ پھر بادشاہ ہو گئے ۔ آصفی نے چاند کو دیکھا کہ کالے کالے دیو جیسے آسمان میں نمودار ہوا ہے ، لہذا فوراً انہیں اس قصے کا خیال آ گیا ۔ فرماتے ہیں :

یا کہ عفریت فلک دارد بکف انگشتری
کز طراز آن سلیمان داشتے صد فر و تاب
یا بہ چرخ لاجوردی شام گاہاں اوفتاد
نیمۂ از عکس مرآت سکندر بے حجاب

(۷) یا شام کے وقت سکندر نے غلاف سے اپنا آئینہ نکالا تھا ، اس کے عکس کا کچھ حصہ آسمان پر پڑ گیا اور دنیا سمجھی کہ چاند ہے ۔

یا بزر بگرفتہ بال خویش را ورقاے شام
یا پر عنقاے مغرب بردمیدہ از غراب

(۸) شام کے وقت نہ دن کا اُجالا ہوتا ہے اور نہ رات کی سی تاریکی ۔ یہ وقت روشنی اور ظلمت کا سنگھم ہے ۔ اس لیے آصفی اسے جنگلی کبوتر سے تشبیہ دیتے ہیں جو ہلکا سبز سا ہوتا ہے ۔ فرماتے ہیں یہ چاند نہیں ہے ، شام نامی کبوتر کا پر ہے جس پر سونے کا پانی چڑھا دیا گیا ہے ۔

(۹) یا عنقاے مغرب کا پر کوّے (شب یا شام) کے نکل آیا ہے ۔

یا فتاد از بازوے سیمرغ سبز آسمان
شہپر یاقوت رنگے ، در فضاے مشک ناب

(۱۰) جھٹپٹے کے وقت فضا تاریک ہو جاتی ہے ۔ شاعر اس کو مشک کی فضا کہتا ہے ، اس لیے کہ مشک کا رنگ سیاہ ہوتا ہے ۔ اور اس وقت آسمان کا رنگ بھی نیلا سیاہی مائل ہو جاتا ہے ۔ دوسرے یہ کہ مشک کی خوشبو دل کو لبھاتی ہے ۔ شام کا سماں بھی خوش آیند ہوتا ہے ۔ جب نور و ظلمت دن بھر کی جدائی کے بعد ہم آغوش ہوتے ہیں تو روح کو بڑا کیف حاصل ہوتا ہے ۔ پرندوں کا رنگ عموماً گھرا سبز ہوتا ہے ، اس لیے نگاہ کو آسمان پر عظیم‌الشان پرند سیمرغ کا دھوکا ہوتا ہے ۔ چنانچہ لوگ چاند کو دیکھ کر یہ خیال کرتے ہیں کہ سیمرغِ آسمان کے بازو سے ایک یاقوت جیسا سرخ پر ٹوٹ کر اس مشک جیسی فضا میں گر پڑا ہے ۔

یا کمان زال زر را ، کرد پرکش روزگار
بہر صید نسر عشرت ، شد خدنگ آن شہاب

(۱۱) یا یہ زال زر کی کمان ہے جسے زمانے نے اس لیے چڑھایا ہے کہ شہاب کے تیر سے عیش و عشرت کو شکار کر لے ۔ یہ رات کا وقت عیش کا اصلی وقت ہے ۔ شاعر کے خیال میں زمانے نے چاند کی خمیدہ کمان سے عیش و

عشرت کے پرندے کو شکار کر کے دنیا والوں کے لیے مہیا کیا ہے - چاند کو کمان ، شہاب کو اس کا تیر ، عیش و عشرت کو شکار اور زمانے کو شکاری یا کماندار کہہ کر آصفی نے ایک تصویر کھینچ دی ہے جس کا ایک ایک خط واقعیت سے دست و گریبان ہے -

یا فتادہ از رکاب توسن او نیمہ
شاہ خاور راند چون در عرصۂ گردون شتاب

(۱۲) یا آفتاب آسمان کے وسیع میدان میں گھوڑا دوڑاتا جا رہا تھا - یہ اس کی رکاب کا ٹکڑا ہے جو ٹوٹ کر گر پڑا ہے -

یا کہ نعلے بست امشب مرزبان باختر
در سُم خنگ شموس آسمان از زر ناب

(۱۳) مرزبان : بفتح میم ، زمیندار ، مالک ، بادشاہ - باختر : مشرق یا مغرب - شموس : بفتح شین ، سرکش ، بد خو ، منہ زور - آصفی فرماتے ہیں کہ یا یہ چاند سونے کا نعل ہے جو شاہ مشرق نے آسمان نامی سرکش گھوڑے کے سُم میں لگوایا ہے :

یا بود یک تیغ سیمین درکف زنگیِ شام
سرخ چہرہ گشت از خونخواریِ رنج و عذاب

(۱۴) یا یہ چاندی کی تلوار ہے ، جو زنگی کے ہاتھ میں علم ہے - شام کے وقت شفق پھولتی ہے اور دنیا خون کا ایک دریا نظر آتی ہے - اس کو آصفی نے اس زنگیِ شام کے چہرے کی سرخی قرار دیا ہے جو مصائب و تکالیف کی خون خواری پر غصے میں لال ہے - سچ ہے دن بھر درد دکھ جھیل کر شام کے وقت انسان ذرا دم لیتا ہے تو مصیبت پر غور کرکے غصے میں پیچ و تاب کھاتا ہے -

یاکہ باشد ”خنجر الماس گون روزگار“
کز دل گردون کشاید خون چندین انقلاب

(۱۵) ”یا یہ ہیرے جیسا روشن خنجر ہے جو آسمان کے دل سے انقلابوں کا خون نکالتا ہے“ - الماس گون صفت ، خنجر کے کام میں خوف ناک اضافہ کرتی ہے ، اس لیے کہ ہیرے کی کنی زہر قاتل ہے - پھر انقلاب کا باعث چاند کو قرار دیا ہے ، یہ بھی کس قدر لطیف تعلیل ہے - قمری سال و ماہ کا حساب اور تغیر و تبدل ، چاند سے ہوتا ہے - چونکہ شب و روز

کی آمد و رفت کا نام انقلاب ہے اور دنیا کے تمام حوادث اسی کا نتیجہ ہیں ، اس لیے چاند کو خنجر کہنا بجا تشبیہ ہے ۔

یا کہ باشد "رشتۂ شمع شب عشرت نوید"
کز فروغش ، نور در یابد دل ہر شیخ و شاب

(۱٦) یا یہ اُس شمع کا ڈورا ہے جو خوشی کا پیام لاتی ہے ، تو جوان ہو یا بوڑھا ، خوشی میں پھولا نہیں سماتا ۔

یا کہ زرین جام جمشید از خم چرخ کبود
ساقیِ دوران برون می آرد از ذوق شراب

(۱۷) یا یہ جمشید کا زرین پیالہ ہے جسے ساقیِ دوراں نے اس نیلے شراب کے مٹکے سے بھر کر پینے کے لیے نکالا ہے ۔

یا بود شاخ غزال مرتع خضراے چرخ
شعلہ ور ، از آتش رنگ شفق شد چون شہاب

(۱۸) یا آسمان کے سبزہ زار میں کوئی ہرن چر رہا ہے ۔ یہ اُس کا سینگ ہے جس میں شفق سے آگ لگ گئی ہے اور شہاب کی طرح بھڑک اٹھا ہے ۔ ہرن کے سینگ کو فارسی میں شاخ کہتے ہیں ۔ شاخ درخت کی بھی ہوتی ہے ۔ لکڑی میں یہ مادۂ ذاتی ہے کہ آگ میں ڈال دی جائے تو جل اٹھے ۔ آسمان پر شفق پھولتی ہے تو آگ سی لگی معلوم ہوتی ہے ۔ تخیل کی نزاکت نے رنگ شفق سے شاخ غزال کو شعلہ ور بنا دیا ۔ سبحان اللہ !

یا بود چوگانِ سیمینِ شہِ بہرام چرخ
گوی زرین را زدہ از عرصۂ گردوں بر آب

(۱۹) جس وقت چاند نکلتا ہے ، سورج چھپ جاتا ہے ۔ سورج کی شکل گیند کی سی اور چاند بلّے کی طرح خم دار ہوتا ہے ۔ فرماتے ہیں :

یا یہ بہرام شاہ چرخ کا چاندی کا بلا ہے جس سے اُس نے سونے کی گیند (سورج) کو آسمان کے میدان سے پانی میں پھینک دیا ہے ۔

یا کلید قفل باب آرزوے صائم ست
ابروش دارد اشارت بر فلک از فتح باب

(۲۰) یا یہ روزہ دار کی آرزو کے دروازے کے قفل کی کنجی ہے جو آسمان سے اشاروں میں کہتی ہے کہ ہاں اب دروازہ کھول دے ۔

قصیدہ عید کی تہنیت میں لکھا گیا تھا جس پر ہزارہا قصائد اور قطعے لکھے گئے ہیں - فارسی تو فارسی ، اردو میں بھی ہر شاعر نے خامہ فرسائی کی ہے - سال میں ایک مرتبہ عیدالفطر ضرور آتی ہے - مداح کے لیے اس سے موزوں‌تر موقع کہاں سے میسر آ سکتا ہے - غالب نے بھی بہادر شاہ کی تعریف میں تہنیت عید پر ایک مختصر سا قصیدہ لکھا ہے - یہ قصیدہ اردو میں بے نظیر ہے - نیا اسلوب اختیار کیا ہے - لیکن یہ تشبیہات کی رنگا رنگی کہاں - آصفی نے تشبیہوں میں اعجاز دکھایا ہے - غرابت کا نام نہیں - ندرت کے ساتھ ساتھ قریب الفہم بھی ہیں - ہر ایک تشبیہ کو پڑھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ بس اب اور تشبیہ ممکن نہیں ، لیکن جوں ہی دوسرے شعر پر نظر جاتی ہے ، انگلیاں دانتوں میں دینا پڑتی ہیں - جس نے پہلی تاریخ کا چاند دیکھا ہے ، اُسے چاند کو (۱) غبغب سیمیں (۲) نیمۂ دستینۂ لیلیٰ شام (۳) طوق زریں (۴) ماہی زریں (۵) انگشتری سلیماں (۶) نیمۂ عکس مرأت سکندر (۷) پر عنقائے مغرب (۸) شہپر یاقوت رنگ (۹) کمان زال زر (۱۰) نیمۂ رکاب (۱۱) نعل زریں (۱۲) خنجرالماس گوں (۱۳) تیغ سیمیں (۱۴) رشتۂ شمع شب عشرت نوید (۱۵) زریں جام (۱۶) چوگان سیمیں (۱۷) شاخ غزال (۱۸) بال ورقائے شام (۱۹) اور کلید قفل باب صائم وغیرہ سے تعبیر کرنے میں کبھی غرابت نظر نہ آئے گی - یہ ہے انشاد کا وہ مرتبۂ بلند جس پر صرف وہ دماغ فائز ہوتا ہے ، جو آسمانی ملکۂ انشا و انشاد لے کر آیا ہو - تخیل کی باریکی پر اہل فارس کا اجارہ نہیں - اہل ذوق دیکھیں ، کیا ان مقامات تک صرف عرفی و نظیری کی رسائی ہے ؟

اس کے بعد معشوق کی ستائش ہے - فرماتے ہیں :

آمد آن کبک خرامان صورت طاؤس مست
ہم بط مے درکف و ہم در بغل چنگ و رباب
در ہلال نوش خندش داشت پروین برق طور
شعلہ می زد لمعۂ نورش بہ لولوے خوشاب
ہم عقیقش خفتہ از سبزہ ، میان عنبرے
ہم گلش بنہفتہ از سنبل ، بزیر مشکناب

مطلع

مشک گل بوشش سیہ همچون پر و بال غراب
آفتاب لالہ رنگش تازہ همچون گل در آب
بود رنگیں پنجہ اش چون پنجۂ مرجان دے
رنگ این از خون دل ها رنگ آن از آفتاب
زیر پایش سر شکستہ زنگی دامن کشان
کز نهیبش شاہ خاور داشت تیغ اندر قراب
سرمہ را کردہ سپیدہ شام گاهان از سحر
مشک را کافور بنمود از فروغ ماہتاب
خیرہ شد چشمم ز ماهش، چهرہ شد حسرت بدل
چون هلالم رنگ بشکست از فروغ آفتاب

ذیل میں عشقیہ تشابیب کے دو چار اشعار لکھے جاتے ہیں جو مولانا کے پایۂ سخن کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے کافی ہیں لیکن سمجھ لو کہ گو لزاکت تخیل صنعت ہے ، لیکن شیرینی اسی وقت تک ذائقے کو بھاتی ہے جب تک تمخی نہ پیدا ہو - جہاں تلخی یا پیک پیدا ہوئی ، خوبی غائب ہوگئی - یہی حال تخیل کا ہے - جہاں اس پر ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' کی مثل صادق آئی ، حسن ذوق کی پیشانی پر بل پڑے - متاخرین کے ہاں یہ عیب موجود ہے - لیکن مرحوم آصفی کے ہاں یہ خاص بات ہے کہ اگرچہ وہ متاخرین اسکول کے ہیں ، تاہم اُن کا تخیل بامزہ ہوتا ہے - وہ جو کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں ، اُسے ایسے موزوں الفاظ میں ادا کرتے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے ایک تصویر کھنچ جاتی ہے - فرماتے ہیں :

بہ سخن ، گر لب تو شین تو شکر شکند
ذوق ، در دست ہوس ساغر کوثر شکند

کہنا یہ تھا کہ تیری باتیں شہد سے زائد شیریں ہوتی ہیں - اسے ادا اس طرح ادا کیا کہ : ''اگر تیرے شیریں لب باتوں سے شکر برسائیں ، تو ذوق اس قدر مست و سرشار ہو جائے کہ ہوس و ہوا کے ہاتھ سے آب کوثر کا پیالہ لے کر زمیں پر دے مارے'' - اس سے پہلے ''مرجان آمدہ ست'' قصیدے کا مطلع گزر چکا ہے - اُس میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے ، لیکن دونوں کی روش اور ادا جدا ہے - ''شکر شکستن'' محاورے سے زبان کی چاشنی بھی پیدا

ہو گئی ہے۔

لب مے گون تو رنگ رخ یاقوت برد زلف مشکین تو صد طبلۂ عنبر شکند

تیرے شراب جیسے ہونٹ دیکھ کر یاقوت کا منہ فق ہوتا ہے اور تیری مشکیں زلف کے سامنے عنبر کے سیکڑوں ڈبے ناکارہ ہو جاتے ہیں۔

لالہ را رنگ رخ تو بنشاند در خون قامت تو ہوس سرو و صنوبر شکند

تیرے چہرے کا سرخ و سپید رنگ دیکھ کر گل لالہ حسد سے مرا جاتا ہے اور تیرے خوبصورت قد نے سرو اور صنوبر کی ہوسِ موزوں قامتی خاک میں ملا دی۔"

شوخیِ نرگس مست تو ، دم نظارہ در چمن ، ساغر مخموری عبہر شکند

"تو چمن میں اپنی مست شراب نگاہیں شوخی سے ادھر اُدھر ڈالتا ہے ، تو نرگس کا سارا نشہ ہرن ہو جاتا ہے۔ اس کی خمار آلودہ آنکھیں اپنا سارا حسن کھو بیٹھتی ہیں اور شرما کر رہ جاتی ہے۔"

معشوق کی آنکھیں شعرا کی اصطلاح میں نرگس کہلاتی ہیں۔ دنیا یہی کہتی چلی آئی ہے۔ بعض شعرا نے نرگس سے فوقیت بھی دی ہے۔ لیکن آصفی نے جدت ادا سے نئی راہ پیدا کی ہے۔ فرماتے ہیں :

"نظارے کے وقت ، چمن میں ، تیری مست نرگسی آنکھ کی شوخی نرگس کا ساغرِ خمار چور چور کر دے گی۔"

ناوک انداز نگاہ تو ، قدر اندازے مست کہ ہدف می کند ، ار نالہ بدل پر شکند

"ظالم مارے اور رونے نہ دے" سادی نثر ہے جس کی شاعرانہ صورت یہ ہے۔ تیری تیر انداز نگاہ ، ایسی نشانہ باز ہے کہ اُدھر دل میں نالہ نے پر تولے اور اُدھر پھڑپھڑا کر زمین پر آ رہا۔"

سرو قدّ تو کہ انداز قیامت دارد آہ حسرت بدل فتنۂ محشر شکند

تیرے سرو جیسے قد میں ، قیامت کے انداز ہیں۔ حشر کا فتنہ افسوس کرتا ہے کہ تیرے قد کے سامنے ہیچ ہے۔

چہ بلا غمزہ و ناز ، اے بت کافر داری وضع سنگین دلی تو ، دل آزر شکند

کہنا یہ تھا کہ تیرے سامنے بات نہیں ہو سکتی۔ کہوں تو کیا کہوں۔ اس کو شاعرانہ انداز میں یوں فرماتے ہیں : "تیرے شوخ اور شریر پلک ، عشاق کی محفل میں ، ہوس کی آنکھ میں نشتر بھونک دیتے ہیں"۔

یا مفہوم یہ ہے کہ تیرے سامنے بوالہوس کی دال نہیں گلتی۔ جہاں تو نے دیکھا، ہوس کی آنکھیں نہ معلوم ہوا کہ پلک تیر بن کر گھس گئے اور انہیں اندھا کر دیا۔"

حیرتِ آئینہ، گر شوخیِ چشمت نگرد
سنگ آشوبِ جنون، شیشۂ جوہر شکند

"تیری آنکھ اس قدر شوخ ہے کہ آئینہ، با این ہمہ حیرت و خاموشی اگر آنکھ کی وہ شوخی دیکھ پائے تو پاگل ہو جائے۔ یا مولانا کے الفاظ میں "اس پر دیوانگی کے اس قدر پتھر پڑیں کہ سارا شیشۂ جوہر چکنا چور ہو کر رہ جائے۔"

حسنِ تو، آئنہ را داد فروغے چندان | کہ عرض بعد ازیں رونق جوہر شکند

تیرا حسن آئینے کی شفافی کو دوبالا کر دیتا ہے۔ تو نے منہ دیکھا اور آئینہ کچھ سے کچھ ہوا۔ جوہر آئینے کی آب و تاب کو کہتے ہیں۔

فلسفے کی اصطلاح میں، جو چیز آپ سے (بذاتہ) موجود ہو، اور وہ اپنے وجود میں دوسرے کی محتاج نہ ہو، وہ جوہر کہلاتی ہے۔ اس کا مقابل عرض ہے، جو اپنے ہونے میں دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ حسن، رنگ، چمک، دمک، سب اعراض ہیں، جو کسی دوسرے میں پائے جاتے ہیں۔ آج تک حسن رنگ، یا چمک دمک وغیرہ علیحدہ نہیں دیکھے گئے۔ مولانا نے معشوق کے حسن سے آئینے کو روشن تر کہا ہے۔ فروغ یا روشنی عرض ہے۔ عرض جوہر کو فنا نہیں کر سکتا، لیکن یہاں آئینے کے جوہر کو اس عرض (یعنی حسن) نے مٹا دیا ہے۔ گو یہ اصطلاحی جوہر نہ تھا لیکن شاعر ایہاماً کہتا ہے کہ اب عرض اصطلاحی جوہر پر بھی غالب آ جائے گا، کیوں کہ اس نے معشوق سے فروغ پایا ہے۔

ترمتم ز خم سلسلۂ ناز رسایش | پیچاک کمندش، کشد آہوے حرم را
ہم مستی او، چاک زن دامن تقویٰ | ہم زور شرابش، شکند ساغر جم را

دوش آمد ز درم شاہد حورا منظر | برخ خلد نظیر و قد طوبیٰ ہمسر
بود در زیر لبش چشمۂ آب حیوان | خضر می‌داشت بسر چشمۂ حیوانش مقر
صورت عقد ثریا کہ بود در شفقے | بود در حقۂ یاقوت لبش سلک گہر۔

دانتوں کی تمثیل و تشبیہ میں شعرا نے بڑے زور طبع سے کام لیا ہے ، لیکن مولانا آصفی نے کمال کر دیا - مرکب تشبیہ کی بہترین مثال ہے - فرماتے ہیں : ''اس کے یاقوتی ہونٹوں کے اندر موتی جیسے دانت ایسے نظر آتے ہیں ، گویا شفق میں ثریا کا گچھا نمودار ہے'' - اس ایک شعر میں دانت اور ہونٹوں کو سب کچھ کہہ دیا ہے - خاکی اشیاء میں یاقوت اور موتی سے زائد سرخ اور آب دار کوئی شے نہیں ہے - آسمانی مخلوق میں شفق اور ثریا سے موزوں تر شبیہ نہیں مل سکتی - گویا زمین سے لے کر آسمان تک راہیں بند ہو چکی ہیں -

کاکلش بود برخسار برنگ شب گل
عارضش بود ز انوار صباح کشمر

بود از پرتو رخسارۂ او شب کافور
بود کافور ہم از سایۂ شب چون عنبر

ذوق از لعل لبش ، در شکرستان آمد
لذتش برد ز دل ، لذت قند و شکّر

سنبل غالیہ گونش بدماغم افگند
شور سودائے جنونے بہ ھوائے دیگر

شوق ، آغوش دل من بکشادہ چندان
کہ بر او تنگ شود عرصۂ اھل محشر

غمزہ و عشوہ و نازش ز دلم تاب ربود
گاہ جا کرد در آغوش و گہے جست ز بر

شوخ آہوئے حرم بود کہ از حرمت شان
نشدہ صید کمند ہوس اہل نظر

ماہ دو ہفتۂ من ، کوفت در بستۂ من
داد آواز ز مستی ، بنوای دف و چنگ

نرگس او ز مئے فتنۂ محشر مخمور
نگہش از مئے خود کامی ترکانہ ملنگ

غازۂ عشوہ زدہ بر رخ او پرکاری
سرمۂ غمزہ کشیدہ بنگاہش نیرنگ

چشمش از نشۂ صہبائے جنون عربدہ ساز
نگہش از مئے مستی فسون بر سر جنگ

ساحری نگہش ، فتنہ گر از جادوئے
مژۂ او ، قلم نسخ طراز ارژنگ

چہرہ‌اش بود ، و یا بود مہ دو ہفتہ
ابروش بود و یا بود ہلال شبہ رنگ

ابرو کو سارا جہان کمان کہتا ہے ۔ آصفی اسے ہلال یا پہلی تاریخ کا چاند کہتے ہیں ، نئی اور مکمل تشبیہ ہے ۔

شاہدے ، عشوہ گرے ، ناز فسون پردازے
شوخے و فتنہ طرازے بادائے نیرنگ

بہاریہ :

بہاریہ تشبیب میں ابر کا امنڈ امنڈ کر آنا ، گھٹاؤں کا عالم پر چھا جانا ، ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کا چلنا ، بہار کی آمد ، خزاں کا کوچ ، قوت نامیہ کی بیداری ، موالید ثلاثہ کی بالیدگی ، مزاج عالم کی اعتدال آشنائی ، بہار کی وسعت دستگاہ ، سلطان گل کی قوت و حکومت ، چمن کی مشاطگی ، دشت و صحرا کی گلبن و بوستاں سے حریف پیشگی ، مئے مرد افگن کا دور اور کسی گوشۂ باغ میں معشوق سیمیں تن کی صحبت وغیرہ کا تذکرہ ہوا کرتا ہے ۔

انسان فطرتاً مناظر قدرت کا گرویدہ ہے ۔ یہ مناظر اس قدر دلچسپ اور باعث مسرت ہوتے ہیں کہ شاید ہی کوئی طبیعت لطف نہ اٹھاتی ہو ۔ چمن کا پھول بوڑھے سے لے کر بچے تک ، اور مینہ کی پھوار مرد سے لے کر عورت تک ، ہر طبقے ، ہر ملک اور ہر ذوق کے انسان کے لیے رحمت خداوندی ہے ۔ چونکہ مضمون ہر دل عزیز ہے اور وسیع بھی ، اس لیے یہ متعدد اسلوب سے ادا ہو سکتا ہے ۔ قدما نے اپنی تشابیب میں بہاریہ خوب دل کھول کر لکھا ہے ۔ صرف یہی ایک وہ عنوان ہے ، جو سب سے کم تخیل اور سب سے زائد محاکات کا محتاج ہے ۔ محاکات کے لیے قدما کا زور قلم ممتاز خصوصیت رکھتا ہے ۔ اس لیے انوری وغیرہ کے قصائد ''بہار'' سے پُر نظر آتے ہیں ۔ تفصیل کا

محل نہیں ، صرف انوری کے دو چار شعروں سے اندازہ کر لیجیے :

نوبہار آمد و ہنگام طرب در گلزار
چه بهارے که ز دلها ببرد صبر و قرار

ساقیا! خیز که گل رشک رخ حورا شد
بوستان جنت و مے کوثر و طوبیٰ ست چنار

مرده خواہد که بجنبد بچنین فصل از جا
کشته خواہد که زخون لاله کند یا گلنار

باد نو روز ، سحرگه چو به بستان بگذشت
گل صد برگ برون رست ز پیرامن خار

چرب دستی فلک بین تو که بے خامه و رنگ
کرده اطراف چمن را همه پر نقش و نگار

نقشبندی ہوا باز نگه کن بر گل
که دو صد دائره بر دائره زد بے پرکار

باد شبگیری ، نسیم آورد باز از جوئبار
ابر نوروزی علم بفراخت باز از کوہسار
این چو پیکان بشارت بر شتابان در ہوا
وان چو پیلان جواہر کش ،خرامان در قطار

''پیکان بشارت بر'' اور ''پیلان جواہر کش'' کی ترکیبیں بہت پاکیزہ استعمال کی ہیں -

که معطر خاک دشت از باد کافوری نسیم
که مرصع سنگ کوه از ابر مروارید بار
بوے خاک از نرگس و سوسن چو مشک تبتی
روے باغ از لاله و نسرین چو نقش قندهار

یہی حال ظہیر فاریابی اور کمال اصفہانی وغیرہ کا ہے - حسان العجم خاقانی بھی بہار کی ہمہ گیری سے محفوظ نہ رہ سکے ، مگر تھے مغلق گو ، بہار بھی مغلق ہی رہی - اگر شوق ہو تو یہ قصائد پڑھو :

(۱) جام طرب کش که صبح کام برآمد

(۲) دوش برون شد ز دلو ، یوسف زرین نقاب
(۳) تا نفحات ربیع صور دمید از جہان
(۴) دست صبا بر فروخت مشعلۂ نوبہار

عرفی کی عاشقانہ طبیعت فطرت کے مظہراتم (انسان) ہی کا نظارہ کرتی رہی۔ بیچارہ گل و بلبل کے فسانے کے لیے کہاں سے وقت نکالتا ۔ اُس کے ہاں صرف دو بہاریہ تشبیبیں ہیں ۔ حسن یار گل اور حمل و اکحل ۔

خیر ، اس میں بھی کچھ ہرج نہ تھا ۔ اُس کی اُفتاد طبع ہی عاشقانہ تھی ۔ مگر یہ ستم ہوا کہ دماغ بادۂ تخیل سے سرشار تھا ۔ اُس نے بہاریہ کو کوہ قاف کی خیالی دنیا بنانے کی سعی کی ۔ اس کشمکش میں حقیقت دامن چھڑا کر غائب ہو گئی ۔

ابتداً آصفی بھی اسی روش کے دل دادہ تھے ۔ چنانچہ عرفی کی دونوں طرحوں پر انھوں نے طبع آزمائی کی ہے ۔ ہم چاہتے ہیں کہ سردست عرفی سے توازن کرتے چلیں ، ورنہ قاآنی کی زمین میں داخل ہو کر یہ دنیا ہمیں ہیچ نظر آئے گی ۔

عرفی کی طبیعت مشکل پسند واقع ہوئی تھی ۔ وہ محاکات کی جگہ تخیل کا بادشاہ تھا ۔ ہمیشہ سخت اور دشوار گزار زمین انتخاب کیا کرتا تھا ، کیونکہ اس میں تخیل کی زیادہ سے زیادہ گنجایش ممکن ہوتی ہے ۔ گو بہاریہ میں یہ امر دشوار ہے مگر دماغ کی ساخت نے یہاں بھی راہ نکال لی ۔

سب سے پہلے کاتبی نے ''حسن یار گل'' ردیف و قافیہ میں قصیدہ لکھا تھا ۔ امیدی اور ہلالی کو یہ زمین بھائی اور وہ بھی ہم نوا ہوگئے۔ مولانا عرفی نے بھی یہی طرح اختیار کی ۔

جب آصفی نے اس طرح پر قلم اُٹھایا تو اپنے سامنے پانچ قصائد پائے ، جو بہ ترتیب زمانہ ، کاتبی ، امیدی ، ہلالی ، عرفی اور بیدل نے لکھے تھے ۔ میرے سامنے صرف عرفی ہے ۔ چونکہ مولانا آصفی نے اُس کے تمام قوافی لکھے ہیں ، اس لیے صرف ہم قافیہ اشعار کا توازن کافی ہے ۔

عرفی کا مطلع ہے :

نو بہار آمد کہ افشاند چو حسن یار گل
چون وصال یار ریزد بر خس و بر خار گل

مقصد تو یہ ہے کہ ''جس طرف نظر ڈالیے بہار ہی بہار ہے'' مگر عرفی کا مذاق عاشقانہ تھا ، اس لیے اُس نے اسلوب ادا عشقیہ اختیار کیا اور ستایش بہار بھی حسن یار اور وصال یار کی زنجیر سے نہ چھوٹ سکی ۔

یہ طرزِ بیان بجائے خود ، کیسا ہی دل کش کیوں نہ ہو ، مگر حسن فطرت کے جویا کے لیے دلچسپ نہیں ہے ۔ آصفی نے عرفی کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور کوشش کی کہ جدت ادا سے گل کی ہمہ گیری پر مُہر لگا دیں ۔ فرماتے ہیں :

بساز فیض نوبہاران ، می کند ایثار گل
گلستان گل ، دارو دشت و دامن کہسار گل

عرفی : گل فروشی بود مخصوص دلِ افگار را
کرد بے عزت بہار آخر بہر بازار گل

آصفی : از زلیخائیِ دلہا ، قدر او افزون شود
سر نہد گو ، مثل یوسف ، برسر بازار گل

عرفی کو آمد بہار اور فیضِ نامیہ میں گل کی بے عزتی اور گلشن کی گل فروشی میں دل افگار کی حریف پیشگی نظر آتی ہے ۔ اُسے حیرت ہے کہ ''بہار کو یہ دست گاہ کہاں سے ہوئی جو آج یوں پھول برسا رہی ہے ۔ یہ تو صرف میرے دل کا شیوہ تھا ۔'' یہ مضمون بہاریہ تشبیب کو محاسن سے محروم کرتا ہے ۔ ستایش و مدح میں منقصت کا پہلو نکلنا عیب ہے ۔ شعر پڑھنے سے صاف پتا چلتا ہے کہ شاعر کو بہار اور سرمایۂ بہار سے لطف نہیں آتا ، بلکہ اُس کی طبیعت اور منقبض ہوتی ہے ۔

آصفی فطرت کا دل دادہ اور جلوۂ گل کا جویا ہے ۔ اُس کا خیال ہے کہ ہر شے کی قدر و منزلت اُس کے اوصاف کے مشاہدے پر موقوف ہے ۔ جب تک یوسف بازار میں نہ پہنچے تھے ، چند کھوٹے درہم قیمت اٹھی تھی ۔ مگر بازار میں آنا تھا کہ زلیخا نے دل نذر کر دیا ۔ پھر سر بازار جلوۂ گل کیوں تلاش نہ کرے ۔ اس سے گل کی منزلت پہچانی جا سکے گی ۔

عرفی پر حیرت ہے ! بہاریہ لکھنے بیٹھا ہے مگر موسم گل کی منقصت کرتا ہے ۔ علاوہ ازیں اُس کے پہلے مصرع کی بندش بھی کچھ سست ہے ۔ آصفی کا شعر اس عیب سے پاک ہے ۔ رہی زلیخا اور یوسف کی تلمیح جس نے شعر کو

ایک اہم صنعت سے مالا مال کر دیا ہے، وہ سراسر مزید ہے :

عرفی : بعد ازین از فیض رنگ آمیزیِ فصل بہار
خامۂ بے رنگ ریزد ہر در و دیوار گل

آصفی : جوش دارد رنگ و بو، از جنبش باد نسیم
گر مصور نقش بندد، ہر در و دیوار گل

مبالغہ کلام کی جان ہے، مگر اس کی خوبی یہ ہے کہ حقیقت پر محمول کیا جا سکے - بہ الفاظ دیگر وہی مبالغہ زیادہ پسندیدہ ہے، جو سامع کو حقیقت سے زیادہ قریب نظر آئے - عرفی کا شعر مبالغے کی خوبی سے محروم ہے - ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ سادہ قلم سے کچھ پھول پتیاں بنا دی جائیں اور وہ رنگ دار معلوم ہوں - لیکن یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ نقاش در و دیوار پر پھول پنکھڑیاں بنا دیتا ہے اور کچھ اس کاری گری سے رنگ بھرتا ہے کہ نظر فریب کہا جاتی ہے - دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ سچ مچ کے پھول ہیں - قوت واہمہ اس پر اضافہ کرتی ہے اور یہ خیال گزرتا ہے کہ ہوا کے ساتھ خوشبو کی لپٹیں دماغ کو معطر کر رہی ہیں - اپنی قوت متخیلہ پر زور دے کر دیکھو ؛ سادہ اور بے رنگ قلم سے رنگ آمیزی واقعیت سے کوسوں دور نظر آئے گی - لیکن رنگین پھولوں سے، رنگ و بو کی موجیں امنڈتی نظر آنا، واقعہ معلوم ہوگا -

عرفی : بسکہ طبع کائنات از خرمی آبستن ست
بر دماند، باد آہ مجرمان بر دار گل

آصفی : از دم تیغ ستم ہر جائے زخم خونچکان
گلبن آسا می دمد از چوب خشک دار گل

عرفی کا شعر لطیف ہے - سانس میں تری ہوتی ہے - ادھر کائنات کی طبیعت خوش و خرم ہے - اس لیے مجرم کی سانس سے دار کی لکڑی میں پھول نکل آنا کچھ بعید نہیں لیکن آصفی کا شعر لطیف تر ہے - بظاہر بات ایک ہے، لیکن جدت کی کارفرمائی نے شعر کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا ہے - زخموں سے خون بہہ کر سولی کی خشک لکڑی پر جم جاتا ہے تو یہ نظر آتا ہے کہ نقش و نگار ہیں - تلوار کا دم، نہ صرف شاعر کے ذہن میں، بلکہ بہ ظاہر بھی اس نقاشی کا باعث ہے، اس لیے آہ مجرم کے مقابلے میں دم تیغ کو

ہر حیثیت سے مکمل وجہ روئیدگی کہا جا سکتا ہے :

عرفی : از نہال قامت خوبان درین موسم رواست
گر بجائے عشوہ ریزد در دم رفتار گل

آصفی : نقش ہائے شاہد شنگول عہد نوبہار
از نسیم ناز افشانند دم رفتار گل

عرفی کے مضمون کی بنیاد صرف الفاظ پر ہے ۔ چونکہ معشوق کے قد کو نہال سے تشبیہ دیتے ہیں اور نہال میں پھول آتے ہیں ، اس لیے شاعر کا ذہن مجاز کو حقیقت سے بدلنا چاہتا ہے ۔ ادھر موسم ہے بہار کا اس لیے متخیلہ کے نزدیک اور زیادہ ممکن نظر آتا ہے کہ عشوۂ ادا کی جگہ اس فصل میں معشوق کے جسم سے پھول جھڑنے لگیں ۔

آصفی نے بھی یہی مضمون باندھا ہے مگر حق یہ ہے کہ قیامت برپا کی ہے ۔ عدیم النظیر جدت سے مضمون ناقابل انکار حد تک بے مثال ہو کر رہ گیا ۔ غور فرمائیے :

''بہار کا موسم ہو ، کوئی مست ناز خراماں خراماں جا رہا ہو ، شباب اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہو ، شراب حسن چھلکی پڑتی ہو ۔ دم رفتار کچھ نقش زمین پر بنتے چلے جاتے ہوں ۔ شاعر یہ منظر دیکھے ، تو کیوں نہ تڑپ اٹھے ۔ موسم بہار میں شاہد شنگول کا جھوم جھوم کر چلنا اور قدموں کے نشان زمین پر بن جانا ، اسے یقیناً یہی نظر آئے گا کہ ناز و انداز کی ہوا قدموں سے پھول برسا جاتی رہی ہے'' ۔

کیا تخیل نے بے جا فریب کھایا ہے ؟ جو دماغ شراب حسن سے مدہوش ہو ، حقیقت سے با خبر نہیں ہو سکتا ۔ اُس کو نقوش قدم پھول ہی نظر آئیں گے ۔ لیکن عشوہ بازی کے بدلے پھول برسنا صرف تخیل ہے ۔ علاوہ ازیں عرفی کا مضمون کمزور بھی ہے ۔ وہ صرف امکان و جواز کا دعویٰ کرتا ہے ؛ یعنی اگر ایسا ہو جائے تو امتناع عقلی نہیں ، لیکن آصفی اس کو واقعہ بیان کرتے ہیں ۔ یہ اُن کا روز کا مشاہدہ ہے :

عرفی : میشہد بخت مرا پژمردہ گل برگ رشید
بسکہ از بذل چمن گردیدہ بے مقدار گل

آصفی : صورتِ گلشن ز عکسِ او شود مرآتِ چرخ
جلوہ ہا کردہ ست یا رب ، تا چہا مقدارِ گل

مفہوم متحد ہے - عرفی بھی پھولوں کی کثرت دکھا رہا ہے ، آصفی بھی یہی چاہتے ہیں ، لیکن طرزِ بیان اور روشِ ادا بدل جانے سے بہ ظاہر صورت بدل گئی ہے - عرفی کا شعر کم زور ہے - اس کے شعروں سے پھولوں کی منقصت ٹپکتی ہے - پھولوں کی اس قدر کثرت اور بہتات کہ چمن کی نظر میں اس کی وقعت ہی نہ رہے ، یہ کوئی زیبا بات نہیں ہے - لیکن آسمان پر چمن کا عکس پڑنا اور پھر ساری فضا کا پھول ہی پھول نظر آنا ، لاجواب بات ہے - شیشے میں جو چیز منعکس ہوتی ہے ، یہ معلوم ہوتا ہے کہ دراصل شیشے کے اندر موجود ہے - آسمان کے شفاف آئینے میں چمن کا عکس نظر آتا ہے ، تو شاعر حیرت سے سوال کر بیٹھتا ہے - خداوندا پھول کا جلوہ کس قدر ہمہ گیر اور لامتناہی ہے کہ سارا عالم اس سے بھرا ہوا ہے -

مضمون بجائے خود ہی ستایش خواہ تھا ، مگر استعجاب نے اس میں چار چاند لگا دیے - بے اختیار زبان سے سبحان اللہ نکل جاتا ہے -

عرفی : در چنین فصلے کہ از فیضِ ہوائے نوبہار
در زمینِ شور می روید ز نوکِ خار گل

آصفی : از گلستان تا بخارستان ، نباشد امتیاز
می دمد چون شاخِ گل ، از ہر خس و ہر خار گل

یہ قافیہ عرفی نے قطعے میں لکھا ہے لیکن ہمیں صرف یہ دکھانا ہے کہ عرفی کا یہ شعر جو اپنے مدعا کی ادائیگی میں دوسرے کا محتاج نہیں ہے ، آصفی کے ہم قافیہ شعر سے پست نہیں ہے تو بلند بھی نہیں - لیکن یہی قافیہ آصفی نے دوسری جگہ اس خوبی سے لکھا ہے کہ باید و شاید - فرماتے ہیں :

بس کہ بالد دست گاہِ نامیہ از نوبہار
می دمد از شاخِ گل ، از برگِ گل ، از خار گل

یہی حال آئندہ قوافی کا ہے - دونوں کے اشعار پڑھو اور بتاؤ کہ کیا اب بھی دنیا یہی بے بنیاد عقیدہ رکھے گی کہ اہلِ فارس کی حریف ہمسری اہلِ ہند سے ممکن نہیں ؟ ''یادگارِ غالب'' میں مولانا حالی نے یہ خیالی عمارت ڈھا دی ہے - ان کے نزدیک تخیل کی وسعت غیر محدود ہے - فیضانِ خداوندی کا دروازہ

کسی ایک قوم یا ایک ملک ہی پر نہیں کھولا گیا ہے۔ علاوہ ازیں زبان کی قدرت بھی اہل زبان ہی کا خاصہ نہیں۔ روزمرہ و محاورہ میں دوسری زبان والا اہل زبان کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا، مگر شاعرانہ زبان، یا لٹریچر ایسی چیز ہے کہ ایک زبان دان اہل زبان سے فوقیت حاصل کر سکتا ہے۔ مولانا اصفی، جن کی پرورش ایرانی گود میں ہوئی، زبان دانی اور تخیل دونوں میں فارسی کے حریف ہیں۔

عرفی : شاید از گلبن صفت بر گلخن از فیض ہوا
پردہ ہائے عنکبوت انگیزد از ہر تار گل
گر همی داند کہ تاراج خزانی در پے است
از چہ می نازد بہ مشتی درهم و دینار گل

آصفی : بے نسیم زخمۂ مطرب ز ساز بزم عیش
جاے نغمہ ہمچو شاخ گل چکد از تار گل
گر چنیں باشد رواج سکۂ فصل بہار
زرگران ریزند جاے درهم و دینار گل

یہاں بھی عرفی، بہاریہ تشبیب کا حسن کھو بیٹھا ہے۔ وہ بھول کر فہایش کرتا ہے کہ جب خزاں کا کھٹکا ہر وقت لگا ہوا ہے، تو مٹھی بھر چاندی اور سونے پر گھمنڈ کرنا عبث ہے۔ ناصح کیسا ہی مشفق کیوں نہ ہو، قبولیت سے کوسوں دور رہتا ہے۔ آصفی فرماتے ہیں: ''اگر شاہنشاہ بہار کا یہی دور دورہ رہا اور قلم رو فطرت میں اسی شان و شکوہ سے اس کا سکہ چلتا رہا، تو اب کوئی دم جاتا ہے جو تم سن لو گے کہ سنار روپے اور اشرفیاں ڈھال رہا تھا کہ یکایک سانچوں میں سے سرخ و سپید پھول جھڑنے لگے۔ اشرفی اور روپے پر پھول خود ہی بنے ہوتے ہیں۔ اُن کو سانچوں میں سے نکلتے دیکھ کر پھول جان لینا بالکل قرین قیاس ہے۔

عرفی : مغز عالم را معطر کرد، گویا می کند
از شمیم خلق داور شمۂ اظہار گل

آصفی : سایۂ ہر گل کہ می خندد، بود یاقوت خیز
رنگ ہر برگے کہ می بالد، کند اظہار گل

عرفی نے یہاں سے ممدوح کی طرف گریز کی ہے، اس لیے تقابل نا انصافی

ہے۔ صرف یہ دیکھو کہ آصفی نے کس خوبی سے یہ قافیہ نظم کیا ہے۔ سرخ پھول کے سایے سے یاقوت پیدا ہونا کیسا خوبصورت مبالغہ، اور ہر ہر پتے کے رنگ سے پھول ظاہر ہونا کس قدر نادر تخیل ہے۔ گویا پھول اور پتوں کا رنگ مافوق العادت ہے۔ فسانہ طویل ہوگیا۔ آصفی کی تشبیب کے دو چار شعر اور سن لیجیے:

شہر بند گلشن دہر ست رنگین عالمی نغمۂ بلبل شود در کوچۂ منقار گل

"دنیا کی رنگینی حد سے گزر گئی ہے۔ اب یہ عالم ہے کہ بلبل کی چونچ سے نغموں کے بجائے پھول جھڑتے ہیں۔" پیاری باتوں کو لوگ عام طور پر پھول کہتے ہیں۔ موسم بہار میں رنگینی عالم پر چھائی ہوئی ہوتی ہے۔ اس سے مجاز نے حقیقت کی صورت اختیار کر لی ہے۔

منگ از فیض نمو باشد برنگ گل زمین
لالہ آسا، سر زند از صخرۂ کہسار گل
گر بیفشاند بہاران دامن خود بر ہوا
در نظر آید، سراپا گنبد دوار گل
نکہت گل، کار انفاس مسیحا می کند
گر بیفشاند کسے بر بستر بیمار گل

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کر دیتے تھے۔ "قم باذن اللہ" کہا اور مردہ اٹھ بیٹھا۔ یہاں پھولوں کی خوشبو کا یہ حال ہے کہ اگر بیمار کے بستر پر دو چار پھول ڈال دو تو بیمار بھلا چنگا ہوجائے۔ خوشبو روح کو فرحت دیتی ہے۔ بیمار کی روح متألم ہوتی ہے، اس لیے اس کے واسطے وہ چیز دوا ہے، جو اُسے قوی کر دے۔ پھول خوشبودار ہوتا اور دماغ کو تازگی بخشتا ہے، اس لیے آصفی کا ادعا عین حقیقت ہے۔ پھر مسیحا کا ادب بھی ملحوظ ہے۔ وہ مردہ زندہ کرتے تھے، یہ بیمار کو تندرست بناتا ہے۔

بنگرد اشکال نیرنگ بہاران در زمین
گر نہد اعمی بچشم خویش، عینک وار گل

فلسفے کا دعویٰ ہے کہ ذراتِ خاک خوردبین سے معائنہ کیے جائیں تو بیل بوٹے نظر آئیں گے۔ گویا زمین بہار کی نیرنگیوں سے پُر ہے۔ شاعر اس فلسفے کی حمایت کرتا ہے، لیکن شاعرانہ زبان میں کہتا ہے:

اگر بہار کی بوقلمونی دیکھنا چاہتے ہو تو خوردبین کی کیا ضرورت ہے ، پھول کو نابینا کی آنکھ پر لگا کر وہ کچھ معائنہ کرا دو جو مصنوعی آلات ہرگز نہیں دکھا سکتے ۔

خیام کا فلسفہ ہے کہ ہر پھول ''لالہ روے بودہ است'' اور ''ز خاک لالہ روے رستہ است'' بہ الفاظ دیگر پھول مردہ حسینوں کی یاد دلاتا ہے ۔ آصفی کا بھی یہی خیال ہے لیکن فرق یہ ہے کہ وہ بوالہوسی کی تعلیم دیتا ہے ، اور یہ فطرت کے سر بستہ اسرار بتاتے ہیں :

گر گلستان در بہاران عرصۂ محشر شود
فتنۂ محشر فشاند بر سر اشرار گل
ور نسیم این جہان، در عالم عقبیٰ رود
دوزخی چیند بدست آرزو از نار گل
غنچۂ گوی گریبان بتان ، از نو بہار
آں قدر بر خویشتن بالد شود یکبار گل

۲ ۔ عرفی کا دوسرا بہاریہ قصیدہ حمل ، حلل وغیرہ قوافی میں ہے ۔ آصفی نے مختلف اوقات میں تین قصیدے اس زمین میں لکھے ہیں ۔ ایک نعتیہ ہے دوسرا حضور نظام دکن کی مدح میں ہے اور تیسرا حضور والی رام پور کی ستائش میں ہے ۔ حضور نظام سے خطاب کرتے ہیں :

خسروا ! عرش جنابا ! بہ سخن داد رسا !
یافت معراج ز مدحت ، چہ قصائد چہ غزل
اندرین عہد نشان یافتہ در ملک سخن
ہمچو اعیان ، ز تو ہر معنی از شان اجل
للہ الحمد کہ ہر گوہر معنی خوش آب
ریخت نیسان رگ خامہ بما قل و دل
نرسد عرفی و طالب بفضاے گردش
ادہم خامۂ من گرم عنان شد ز ازل

بظاہر یہ خیال ہوگا کہ اُن کا یہ دعویٰ کہ عرفی و طالب میرے قلم کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے ، محض ادعا ہے ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ حقیقت ہے ۔ مولانا نے اپنے خط میں بھی اُن قصائد کی طرف خاص طور پر توجہ

دلائی ہے ۔ لکھتے ہیں :

''ان قصائد میں تین قصیدے ایک ہی زمین میں ہیں ۔ ایک نعت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ، دوسرا یہ مدح نواب حامد علی خاں صاحب بہادر رئیس رام پور، تیسرا یہ مدح نواب میر عثمان علی خاں بہادر فرمانده دکن ہے ۔ تذکرہ نویسی میں ایسے مقامات پر شاعر کی تلاش اور زور طبیعت کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔ خاکسار نے جن نامور شعرا کی تتبع کی تصریح کی ہے ، اکثر قصائد انھی کی روش پر لکھے ہیں ۔ ملاحظے کے وقت یہ امر منکشف ہو سکے گا کہ کلام کے مراتب کیا ہیں ۔''

غالباً اس زمین میں پہلا قصیدہ انوری کا ہے ، لیکن ہم اس کو چھوڑ دیں گے ۔ صرف عرفی سے مقابلہ کرنا ہے ، کیونکہ آصفی نے گزشتہ قصیدہ اور یہ اسی کی روش پر لکھے ہیں ۔ مراتب کلام پر غور کرنا ، سلیم طبعوں پر موقوف ہے ۔ سخن شناس کبھی دھوکہ نہیں کھا سکتا ۔ غالب کہہ چکا ہے کہ :

غالب نخورد چرخ فریب از ہزار بار　　گفتم بروزگار ، مخمور چومن ہسے ست

ایران میں بہار تقریباً بیساکھ کے مہینے میں شروع ہوتی ہے ۔ اس ماہ کا نام فروردین ہے ۔ علم ہیئت کی رو سے اس مہینے میں آفتاب برج حمل میں اقامت گزیں ہوتا ہے ۔ نو روز اس کے داخلے کا پہلا دن ہے ۔ ایران میں یہ دن تیوہار ہے ۔ گھر گھر جشن منائے جاتے ہیں ، ساغر عیش چھلکتے ہیں اور پیر و جوان مست و سرشار نظر آتے ہیں ۔

ہندوستان میں فارسی سلطنت اور سلطنت کے ساتھ رسوم و رواج داخل ہوئے تو نوروز بھی ساتھ آیا ۔ شعرا نے بہاریہ میں ، آفتاب کا برج حمل میں داخلہ ، صلائے عیش و نشاط ، لشکر فروردین کا عمل اور ماہ دے کے اثر کے زوال وغیرہ کو لکھنا شروع کر دیا ۔ غالباً سب سے پہلے انوری نے لامیہ میں یہ مضمون لکھا ۔ اس کے بعد عرفی کی نوبت آئی اور اس نے اپنی اعجاز نگاری سے مہر ثبت کر دی ۔ کہتا ہے :

چہرہ پرداز جہان ، رخت کشد چون بحمل
شب شود نیم رخ و روز شود مستقبل

موسم بہار شروع ہوتے ہی رات گھٹنے لگتی ہے اور دن بڑھنا شروع ہو جاتا ہے - عرفی اسی نقطے سے اپنے قصیدے کی ابتدا کرتا ہے - فن مصوری کی اصطلاح میں ''نیم رخ'' وہ تصویر ہے جس میں صاحب تصویر کو ایک پہلو سے دکھایا جائے، یعنی اُس کی نگاہ دیکھنے والے کی طرف ہونے کے بجائے دائیں یا بائیں جانب ہو - اس حالت میں تصویر کی صرف ایک آنکھ اور ایک رخسار دکھائی دیتا ہے، دوسرا پوشیدہ ہو جاتا ہے - مستقبل (بہ فتح با) وہ تصویر ہے جس میں صاحب تصویر کو اس طرح دکھایا گیا ہو جس طرح وہ سامنے دیکھ رہا ہے - اس حالت میں دونوں آنکھیں اور دونوں گال نمایاں ہوتے ہیں اور تصویر مکمل چہرہ دکھاتی ہے - عرفی نے ان دونوں اصطلاحوں کو استعمال کیا ہے - اُس کے ان شعروں سے رات کا گھٹنا اور دن کا بڑھنا ظاہر ہوتا ہے -

چشم شب، تنگ شود دائرۂ مردمکش
دیدۂ روز بہ تدریج برآیند احول
مردم دیدۂ آن، ژالہ و گرما بصفت
بیضۂ دیدۂ این، روغن و دیبا بہ مثل
خون سودائی ز شب زاید و فاسد گردد
لاجرم نشتر روزش بکشاید اکحل
روز چون کرم بریشم ہمہ بر خویش تند
ہر چہ شب رد کند از معدہ چو زنبور عسل
بعد ازین ترجمۂ روز شود صاحب کل
بعد ازین شب بہ نگین ثبت کند عبد اقل

بجائے خود یہ مفہوم خوب ہے لیکن چونکہ عرفی کی زبان سے ہے اس لیے خوب‌تر ہوگیا ہے - آصفی ایوان حمل کی آراستگی سے قصیدے کی ابتدا کرتے ہیں: آفتاب کے لیے فلک نے ایوان حمل کو آراستہ کیا - زہرہ، عطارد، مریخ وغیرہ مصاحب و ملازم اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہوگئے - موتیوں کی جگہ تارے نچھاور کرنے کے لیے، چاند کی

کشتی میں بھر دیے۔ اب وہ وقت اور گھڑی مبارک و سعید ہوگی جب شاہِ خاور تختِ جلال پر رونق افروز ہوگا۔ سارے عالم کی بچی کاری ہوگی، خزاں کا عمل اٹھ جائے گا اور قوتِ نامیہ عالم کو آراستہ و پیراستہ کر دے گی۔ دن بڑھنے لگے گا اور رات نقطے کی برابر رہ جائے گی وغیرہ۔

اس بزم کو مولانا کے معجز کلام میں دیکھیے۔ عرفی عرفی نہ ہوتا اور آصفی ہندوستان میں پیدا نہ ہوتے، تو بلا خوف تردید ہم یہ دعویٰ کر سکتے تھے کہ روانی، زور اور تنوع تشبیہات میں متاخر متقدم سے بلند تر ہے۔ فرماتے ہیں:

"قصیدہ بمدح والی رام پور خلد اللہ ملکہ"

چرخ آراست، بشان دگر، ایوان حمل
بہر نوروز، ز ساز طرب مستقبل

صبح نوروز طرب، خندہ زد از جیب افق
بہ فروغے کہ بود ہم نفس صبح ازل

شاہ خاور، صفت جم، ز نشاط نوروز
قامت خویش، ر آراست بہ زرینہ حلل

خوش‌خوش آن‌ساعت عشرت کہ نہد پائے جلال
بسریرِ شرفِ دولتِ جاویدِ حمل

طبق ماہ بود پُر بہ گہرہائے نجوم
کہ نثار شہ خاور کند از شامِ اجل

مشتری را ز نگاہ شہ خاور شانیست
کہ فرا تر بودش پایۂ از قدر و محل

تترپات لدما داشتہ بہرام بہ چرخ
بر لب زہرہ بود نغمہ بآہنگ غزل

در در خم چرخ فشردند ز پروینِ انگور
لالہ گوں شد ز شراب شفقی روئے زحل

پایۂ عز عطارد بگذشت از کیوان
کہ گزیدش شہ خاور بوزیرانہ عمل

آں وزیرے کہ باقبال شہ ملک آرای
عامل نامیہ را بہر عمل خواند اول

از نقایص ، بہ طبائع نگزارد عیبی
قوت نامیہ کز وے شدہ انقص اکمل

سرہانیست بہسر ماہیت ، از پرتو مہر
قیر کافور شد و عود بطبع صندل

عودی شب شدہ دیباج مخطط از نور
کہ بود دہر بہ پیرایۂ زر تار حلل

وزیر نے نامیہ کو بلا کر حکم دیا ''ابھی ماہیت دہر سے تمام خرابیاں دور کر دی جائیں ۔ اس نے سب سے پہلے رات سے سیاہی دور کی'' ۔ دو شعر اس مفہوم کے آپ نے سن لیے ۔ امثلہ و استعارات کی ندرت دیکھیے ۔ اسی کو دوسرے شعروں میں کس خوبی اور لطافت سے نظم کیا ہے :

فارس دہر ، بہ مضمار زمانہ بگزید
ز آخور خویش یکے ادہم و دیگر ارجل

لیک شد ارجلش از پویہ چنان گرم عنان
کہ شد ادہم چو خر لنگ بکہسار و تلل

مضمار : گھوڑ دوڑ کا میدان ۔ آخور : اصطبل ۔ ادہم : سیاہ گھوڑا ، مشکی ۔ یہ شب سے استعارہ ہے ۔ ارجل : وہ گھوڑا جس کا ایک پیر سپید ہو ، استعارۂ دن ۔ فرماتے ہیں :

''شہسوار زمانہ نے اپنے اصطبل سے دو گھوڑے ، ایک مشکی اور ایک ارجل انتخاب کر کے دونوں کو گھوڑ دوڑ کے میدان میں جگہ دی ۔ مگر ارجل اس قدر تیز رفتار نکلا کہ مشکی اس لنگڑے گدھے کی طرح جو ناہموار زمین پر چل رہا ہو ، منہ دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا ۔''

عارض زنگی شب ، گشت چنان کافوری
کہ شود چشمۂ انوار ازو چشم زحل

روز ، ہر دیدۂ حربا ، لب بیغارہ کشاست
کہ شد از جلوہ پرستاری خورشید احول

آن چنان نقطۂ شب محو شد از صفحۂ دہر
کہ سیاہی نکند باز بچشم احول

عرفی نے ''دیدۂ روز'' کو ''احول'' قرار دیا تھا ۔ احول کو ہر چیز دونا نظر آتی ہے ، اس لیے دن کی آنکھ کے احول ہو جانے سے اس کی زیادتی مراد لی ہے ۔ یہ مجازِ مرسل ہے ۔ آصفی نے یہ قافیہ ان دو شعروں میں باندھا ہے جن میں دوسرا شعر عرفی سے بلند ہے ۔ شب کو ایک سیاہ نقطہ فرض کر کے زمانے سے اس کو ایسا ناپید کیا کہ بھینگا ، زائد دیکھنے کے باوجود نہیں دیکھ سکتا ۔

دست خورشید بآئینۂ زنگاری شب زدہ با مصقلۂ خط شعاعی صیقل

سورج نے رات کے تاریک آئینے کو اپنے کرن کے آلۂ صیقل سے سپید براق کر دیا ۔

اب ہم عرفی اور آصفی کے ہم قافیہ اشعار ساتھ ساتھ لکھ کر دونوں کے مرتبۂ کلام کو نمایاں کرتے ہیں ۔ فیصلہ ناظرین کی سلامت ذوق پر موقوف ہے :

عرفی

وقت آنست کنون کز اثر عیش و نشاط مے نگنجد بصراحی و صراحی بہ بغل

آصفی

غنچہ و گل ز شرابے کہ بجام ابرست مست آید بچمن ، ساغر و مینا بہ بغل

عرفی یہ کہنا چاہتا ہے کہ ''عیش و نشاط کا موسم ہے ، کوئی کس طرح ضبط کرے ۔ شراب خود صراحی سے نکلی پڑتی ہے اور پی لینے کی ہنہاں دعوت دیتی ہے ۔''

آصفی نے مفہوم تو یہی لکھا مگر جدت ادا سے شعر کو بہت لطیف اور بلند بنا دیا ۔ جب تک عالم پر خشکی کا سکتہ رواں رہتا ہے ، سبزہ و گل پژمردہ نظر آتے ہیں ، اور ہر سمت مردنی سی چھائی ہوتی ہے ۔ لیکن جہاں ابر اٹھا اور بارش شروع ہوئی ، دفعتاً تمام نباتاتی مخلوق میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے ، اور ٹھنڈی ٹھنڈی فضا میں غنچہ و گل ناچنے لگتے ہیں ۔ شراب کا بھی تقریباً یہی اثر ہے ۔ ادھر حلق سے اتری ، ادھر جذبات زندہ ہوگئے اور انسان جھومنے لگا ۔ آصفی بارش کے پانی کو شراب قرار دے کر فرماتے ہیں :

''یہ اس جام ابر ہی کی شراب کا اثر ہے کہ چمن میں کلی اور پھول ،

جھومتے ہوئے ، ساغر و مینا بغل میں دبائے رقصاں نظر آتے ہیں ۔"

غنچہ و گل کا پیالہ اور صراحی بغل میں لیے آنا کس قدر لطیف تشبیہ ہے ۔ غنچہ و گل کی بناوٹ سے پہلی نظر میں آنکھ اسے حقیقت مان لیتی ہے ۔

دیکھو ! عرفی نے جو سعی کی تھی ، وہ آصفی کے قلم سے بار آور ہوئی ۔ اسی مفہوم کو دوسری جگہ آصفی نے اس طرح نظم کیا ہے :

قطعہ

غنچۂ گل کہ بود طفل بگہوارۂ شاخ   در قماطے کہ قماشش نبود جز مخمل
می کند شوخی و یک لحظہ نمی آساید   دایۂ باد کشد تنگ ز مہرش بہ بغل

کلی ایک ننھا منا سا پیارا بچہ ہے ، جو مخمل کے بچھونے پر پڑا ہوا مچل رہا ہے ۔ ہوا اس کی دایہ ہے ، جو بالک ہٹ دیکھ کر اسے بہلاتی ہے اور سینے سے چمٹا لیتی ہے کہ شاید اسی صورت سے چپ ہو جائے ۔

بغل کا قافیہ عرفی نے پھر نظم کیا :

عرفی :   حور گیسو بہ میان بستہ در آید بہ چمن
تا لبالب کند از سنبل و گل جیب و بغل

آصفی :   دشت را لالہ و ریحانست بدامان و کنار
گلستان را گل و نسرین ست بہ جیب و بہ بغل

آصفی کا شعر عرفی کے شعر سے لطیف تر ہے ۔ "دامان و کنار" اور "جیب و بغل" کا سنگھم لطافت کو دوبالا کرتا ہے ۔ آصفی ۔ نے یہ قافیہ دو جگہ اور نظم کیا ہے ۔ فرماتے ہیں :

گر بگلزار بہ مجمر بفشانند سپند   می شود دود چو سنبل بہوا دست و بغل
چمن از سبزۂ و سنبل قفسے را ماند   کہ درو سبزک و طوطی ست بہم دست و بغل

سنبل ، سیاہ رنگ اور پریشان مُو ہوتا ہے ۔ دھواں بھی جب انگیٹھی سے بلند ہو کر فضا میں سفر کرتا ہے ، تو سیاہ اور پریشان ہوتا ہے ۔ شاعر کا تخیل موسم گل میں دھویں کو سنبل سمجھتا ہے اور مدعی ہے کہ سنبل دراصل دھواں تھا ، فیض بہار سے پھول کی شکل اختیار کر کے ہوا سے کھیل رہا ہے ۔

دوسرا شعر "دست و بغل" کی بہترین توجیہ ہے ۔ چڑیا گھر میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک ایک پنجرے میں دس دس بلکہ بیس بیس مختلف قسم کی

چڑیاں بند ہوتی ہیں ۔ کوئی سبز ہوتی ہے ، کوئی خاکی ، کوئی سپید ۔ چمن میں بھی ایک ایک قطعے میں متعدد رنگ کے پھول اور کلیاں لگی ہوتی ہیں ۔ شاعر چمن کو قفس سے تشبیہ دیتا ہے ، جہاں سنبل اور سبزہ ایسے باہم گلے میں ہاتھ ڈالے بیٹھے ہیں ، جیسے پنجرے میں طوطا اور سبزک پاس پاس بیٹھے نظر آئیں ۔

عرفی : نامیہ ، چون چمن سبزہ ، دھد اتمامش
ناقص از کارگہ آوند بباغ ار مخمل

آصفی : قطرۂ شبنم غلطان ، بہ بساط سبزہ
دُر غلطان بہ نماید بہ بساط مخمل
ز اھتزاز طرب آہنگی سامان بہار
بر ھوا می فگند ، سبزہ ، کلاہ مخمل

عرفی کا شعر فلک پیما ہے ۔ وہ نامیہ کی دستگاہ کرم کو اس درجہ متاثر بتاتا ہے کہ اگر کارخانے سے آدھی بُنی مخمل اٹھا لائیں اور چمن میں ڈال دیں ، تو نامیہ جہاں سبزے کو پرورش کرے ، مخمل کو بھی مکمل کر دے ۔ یہ نہایت لطیف مبالغہ ہے ۔ لیکن آصفی نے قافیے کی بندش بہاریہ اسلوب سے کی ہے ۔ پہلا شعر صاف ہے ۔ گھاس ہری ہری مخمل سی بچھی معلوم ہوتی ہے ۔ اس پر اوس کے قطرے صبح کے وقت آفتاب کی جوان کرنوں کے زیر عکس موتی سے بکھرے نظر آتے ہیں ۔ یہ تشبیہ عام فہم اور منظر کی سچی تصویر ہے ۔ دوسرا شعر اہتزاز و طرب کے پہلو کو نمایاں کرتا ہے ۔

جوش اور وفور جوش میں انسان قابو میں نہیں رہتا ۔ اس کیفیت کے اظہار کے لیے اس سے بلا اختیار کچھ نئی حرکتیں سر زد ہوتی ہیں ۔ ازاں جملہ ہوا میں ٹوپیاں اچھالتا ہے ۔ موسم بہار میں سبزہ ہوا میں لہلہاتا ہے تو اس کا پھول یہ معلوم ہوتا ہے کہ ٹوپی ہوا میں اچھالی جا رہی ہے ۔ شاعر اس منظر کو شاعرانہ زبان میں بالتوجیہ بیان کرتا ہے ۔

"سبزہ چمن میں کیوں مست و سرشار نظر آتا ہے ؟" اس لیے کہ چاروں طرف عیش و عشرت کا سامان مہیا کرکے بہار نے نوجوانان چمن کو دعوت دی ہے کہ داد عیش و نشاط دیں ۔ خزاں کے ستم کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ ایسا دل‌پسند عیش میسر ہوا ہے ۔ سبزہ اس خوشی میں آپے سے باہر ہو گیا

ہے اور بلا ارادہ ہوا میں ٹوپیاں اچھال اچھال کر خوشی کے جوش کو گھٹا رہا ہے۔''

عرفی : عرق از شبنم گل داغ شود بر رخ حور
اخگر از فیض ہوا ، سبزہ شود در منقل

آصفی : فیض نیرنگ بہاریست در آتش ز ہوا
بال طاؤس کنند جلوہ ز دود منقل

عرفی اور آصفی دونوں ہوا کو معجزہ اثر مانتے ہیں - لیکن عرفی اس میں مبالغے سے کام لیتا ہے اور ہوا کے اثر سے چنگاریوں کو سرسبز بناتا ہے - گو بات خوب ہے لیکن آصفی قافیے کو حقیقت نما بنانا چاہتے ہیں - شعر کو بہ غور پڑھیے ، متخیلہ نگاہوں کے سامنے نہایت حسین منظر پیش کرتی ہے :

انگیٹھی میں کوئلہ روشن کیا جائے ، تو شعلے اور دھؤاں ملے جلے باہر نکلتے ہیں - دھویں کا رنگ تو سیاہ سا ہوتا ہے ، لیکن ابر میں مائل بہ سپیدی نظر آتا ہے - چونکہ ابر میں فضا تاریک ہوتی ہے ، اس لیے اس سیاہی اور سپیدی سے ایک دوسرا رنگ پیدا ہو جاتا ہے ، جو ہلکا نیلا یا فیروزی کہا جا سکتا ہے - شعلہ عموماً سرخ رنگ معلوم ہوتا ہے - لیکن اکثر اوقات بلند ہوتے وقت اور کبھی کبھی ناپید ہونے سے ذرا پہلے نیلا یا اُودا ہو جاتا ہے - یہ منظر بالکل عام ہے - شاعر بھی دیکھتا ہے لیکن نگاہ شاعرانہ ہے ، اس لیے وہ اس سیاہی ، سفیدی ، نیلاہٹ ، سرخی اور اُوداہٹ کو یک جا ہوا میں اڑتا دیکھ کر اُسے طاؤس سمجھتا ہے -

موسم بہار ہے - ہوا کا فیض نیرنگی اُس کے تخیل پر چھایا ہوا ہے ، اس لیے اُس کا خیال فوراً یقین سے بدل جاتا ہے اور وہ یہی طے کرتا ہے کہ فیض ہوا سے دھواں اور شعلے جاندار مور بن گئے ہیں - اسی مفہوم کو دوسری جگہ یوں نظم کیا ہے :

غنچہ اخگر شود و سبزہ شود خاکستر
موج گل ، شعلۂ آتش ز ہوائے منقل

بسکہ ہر خار گلے کردہ عجب نیست ، اگر
یاسمین بشگفد از نشتر زنبور عسل

آصفی : تلخ کامے کہ کشد ساغر زہرابۂ غم
بہ حلاوت ز لبش جوش زند موج عسل

عرفی کا شعر یوں ہی بہار در دامن ہے لیکن ''عجب نیست'' سے لطف معنی اور زائد ہوگیا ہے ۔ مولانا کیف بہار کو کائنات میں اس درجہ موثر بناتے ہیں کہ وہ اعراض و جواہر کی طبیعت تک بدل سکتا ہے ۔ اگر موسم گل میں کوئی تلخ کام ، غم کا زہر آلود پیالہ پی لے ، تو شیرینی بہار ، زہر کی تلخی کو حلاوت میں تبدیل کردے اور پینے والے کے ہونٹوں سے شہد کا دریا موجیں مارتا نظر آئے ۔ یہ صرف مبالغہ ہے ۔ اگر کچھ حقیقت ہے ، تو صرف اتنی کہ موسم بہار میں طبیعت کچھ بشاش ہو جاتی ہے ، اور انسان کو خود بخود سرور سا آنے لگتا ہے ۔ اسی کو مولانا نے اس قدر بڑھا دیا ہے ۔

عرفی : بسکہ از سنبل و گل یافت صفا ، نزدیکست
کز پئے بوسہ دو لب را بہم آرد جدول

عرفی کا مقصد یہ ہے کہ نہر کے دونوں کناروں پر پھولوں سے لدے درخت کھڑے ہیں ۔ جب ہوا چلتی ہے ، ایک ڈھیر کا ڈھیر دونوں طرف نہر میں جا پڑتا ہے ۔ یہ روزمرہ کی صورت حال یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اب دو چار ہی دن میں ، پھولوں کا ایک کنارہ دوسرے سے مل جائے گا اور یہ معلوم ہوگا کہ نہر نے اپنے دونوں ہونٹ بند کر لیے ہیں ۔ اس میں شاعر نے ''از پئے بوسہ'' اور اضافہ کر دیا ہے جو عرفی کے منہ سے ضرور اچھا معلوم ہوتا ہے ۔

مولانا نے اس قصیدے میں تین جگہ یہ قافیہ نظم کیا ہے ۔ فرماتے ہیں :

سبزہ از فیض بہاریست چو برگ خرّم
برگ خشکے کہ فتادہ ز خزان در جدول

تازگی را سر و برگیست بہ گلشن ز سحاب
خرمی را سر و سامان دگر از جدول

یہ شعر انوری وغیرہ کی زبان سے ہوتے تو اچھے معلوم ہوتے ۔ صرف بہار کی تازگی اور خرمی کا اثبات مقصود ہے ۔ جہاں اوپر سے ابر درختوں پر

زندگی برساتا ہے ۔ سطح زمین پر نہر تازگی کی رگیں ادھر اُدھر پھیلا دیتی ہے ۔ پانی ہر درختوں کی سرسبزی اور شادابی کا مدار ہے ، اس لیے نہر خرمی کا سر و سامان ہے ، اور ضرور ہے ۔ پھر خشک پتہ نہر میں جا پڑے اور خرم نظر آنے لگے تو تعجب کیا ہے ۔

مگر تیسرے شعر میں آصفی نے قافیہ اپنا کر لیا ۔ آسمان پر دھنک برسات کا ایک عام منظر ہے ۔ بچہ بچہ واقف ہے ۔ شاعرانہ الفاظ میں کہا جائے تو یہ جی چاہتا ہے کہ کسی طرح اڑ کر اُس میں جا بیٹھیں ۔ موسم بہار ہندوستان میں برسات کا نام ہے ۔ ہر چہار طرف پھول ہی پھول ہوتے ہیں ۔ ہوا چلتی ہے اور پھول رقص کرتے ہیں ، تو رنگ موجیں مارتا نظر آتا ہے ۔ ہر چمک دمک والی شے دوسری شے کو آئینہ دکھاتی ہے ۔ بارش نے گرد و غبار صاف کرکے آسمان کو آئینے کی طرح روشن کر دیا ہے ، اس لیے نظر اٹھا کر دیکھیے تو عجیب تماشا نگاہوں کو جذب کیے لیتا ہے ۔ آسمان کی نگاریں سطح پر پھولوں کی رنگین اور متبرک موجیں دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ قوس قزح کی طرح رنگ برنگ خط ہیں جو دست بگریبان ہیں ۔ یہ ہے شاعری کا وہ مقام جہاں تک مصور کا تخیل بھی رسا نہیں ۔ فرماتے ہیں :

عکس موج گل و لالہ صفت قوس قزح
می کشد بر ورق چرخ نگارین جدول

عرفی : شاید ، ار عذر پرستار بزیرند بحشر
بسکہ برداشت صفا ، صورت عزی و ہبل

آصفی : محفل باغ ز بت خانہ بہ آذین کم نیست
کبریائی گلان نیست کم از لات و ہبل

عرفی کا شعر حد اعجاز کو پہنچ گیا ہے اور اس کے اس شعر کا جواب تو ممکن ہی نہیں :

انبساطی ست درین فصل کہ بے کاوش عقل
شاید ، ار باز شود عقدۂ ما لاینحل

عرفی : لیلی از گوشۂ محمل بنمودست جمال
یا بود لالہ کہ سر بر زدہ از گوشۂ تل

آصفی : تودہ تودہ ز ریاحین ست بصحرا و دمن
پشتہ پشتہ بود از لالہ بکوہ و سر تل

دشت و گلزار و دمن از گل و نسرین و سمن
چمنے در چمنے دارد و تل بر سر تل

سدرۂ و طوبئی جنت ، ز چمن سر زدہ اند
یا کہ شمشاد و سہی سرو دمیدہ سر تل

آصفی کا تیسرا شعر عرفی کے برابر ہے ۔ مگر پہلے دو شعر اعجاز کی حد تک پہنچ گئے ہیں ۔ زور اور روانی و جوش میں عرفی کے ہاں مخصوص اشعار ہوں گے جو ان کے ہم پلہ ہوں ۔ تودہ تودہ ، پشتہ پشتہ ، چمنے در چمنے اور تل بر سر تل ، جدت تراکیب کی نادر مثالیں ہیں ۔

قطعے میں پھر مولانا اس قافیے کو نظم کرتے ہیں :

خوشۂ سنبلۂ خرمن مـاہ کامل
خـط دہقان فلک بـود ز اجناس اقل
عجبے نیست کہ از فیض ربیعی گردد
کشت او سبز و برومند بصد خرمن و تل

ابھی تک دہقان فلک کو جو کچھ فصل سے حاصل ہوا تھا ، وہ سنبلہ کے خوشے اور چاند کا کھلیان تھا ۔ اب ربیع کی فصل آ پہنچی ۔ کچھ عجب نہیں ، اگر اس کے کھیت میں ایک کی جگہ ہزاروں خرمن اناج پیدا ہو جائے ۔

تقابل و توازن نے ہمیں کہیں سے کہیں پہنچا دیا ۔ اب ہم دونوں کی غزلیں ساتھ ساتھ نقل کرتے ہیں ۔ توازن تم خود کر لو :

عرفی :
اے شب ہجر تو ، در دیدۂ خورشید سبل
چشم روح القدس از شوق جمالت احول
مژہ برہم نزدم دوش کہ در بیت حزن
تا صباحم در دل کوفت تمنائے اجل
از دل و دامن آلـودہ ، در پاس مزن
دجلۂ عفو بہ این ہا ، نہ شود مستعمل
بعذاب ابدی ، دل نگزارد غـم دوست
این نہ سومیست کز آتش بکند ترک عسل

لذت تلخی درد تو اگر شرح دہم
نوش دارو بفرستم بہ سلام حنظل
چند ازین آتش خس پوش بر انگیزی دود
اے بجوش جوہری آئینۂ حسن تو مثل

آصفی : اے جمال تو بہار چمنستان ازل
جلوۂ تست بہشت طرب مستقبل
غم ہم چشمی دشمن بعدم باز کشد
نکشم پیش تو زین رشک تمنائے اجل
کبریائی تو اے آفت دین کرد مگر
کافرین جلوہ بہ بیت الصنم لات و ہبل
لذت درد تو در سینۂ حسرت ناسور
زند آن جوش کہ از دل ببرد ذوق عسل
زہر ناکامی وصل تو ز عمرے نوشم
نوش گردد بلبم تلخی طعم حنظل
غیرت حسن بہ آئینہ ازان رو ندہد
کہ شود چشم تماشا ز خیالش احول
بہ غیوری نگزارد بگلستان قدمے
کہ نبوسد کف پا سبزہ چو خواب مخمل
سیل حسن تو بنای دل ما کرد خراب
از چہ در خانۂ آئینہ نیفتاد خلل
از بس جور تو بینم ز ایام جفا
خوے افلاک بخوے تو مگر گشت بدل
باغبان خون شدم از شیوۂ بیدردی تو
ندہی رخصت فریاد نہ آہنگ غزل

مولانا کے اس قصیدے کی تشبیب کے اکثر اشعار آپ پڑھ چکے۔ چونکہ وہ جوش مسابقت کے ممنون ہیں، اس لیے بلند ہیں۔ دو چار شعر وہ بھی سن لیجیے جو زیر بار تقابل نہیں۔ کسی آئندہ فرصت میں باقی دونوں قصیدوں سے مقابلہ و موازنہ کیا جائے گا: ع

شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد

بسکه از تربیت فیض نگاه نیسان
مادهٔ طبع بجارست بکهسار و تلل

عجبی نیست که همچون صدف گوهر خیز
جای یاقوت گهر زا شود اتلال و جبل

ابر سرچشمه کشاده ست ز شیرینی عیش
موجهٔ شهد زند ریشهٔ تخم حنظل

گوهرین تاج نهاده بسر خسرو گل
دست اقبال بهاران بگزین گوهر طل

بسکه از فیض لطافت بصفا می‌بالد
عینک دیدهٔ نرگس شود اوراق بصل

بسکه نیرنگ بهار ست به گلزار و دمن
هر نهالی زده همچون دم طاؤس کال

به تمنای بقولات ربیعی بسه فلک
فربهی مفت ببالد به تن جدی و حمل

نامیه هر نفسی رنگ بهار آمیزد
پیکر نیم رخ غنچه شود مستقبل

عجبی نیست که از تربیت فیض بهار
چون رگ لاله، رگ شعله شود در مشعل

سنگ از لطف هوا وضع نزاکت دارد
کارگاهی دگر از شیشه گری گشت جبل

سرخی رنگ و سیاهی بدل لاله بود
همچو آن شعله که بردور بود در مشعل

دشت و کهسار، شبستان فلک شد از نور
سر زده لاله چو خورشید درخشان زحمل

چشم بکشا بشکوه چمن و کوه و تلل
شد ریاحین کده از صنعت صناع ازل

لعبتان گل لاله ز پس پردهٔ خاک
سر بر آورده بصد ناز چو خوبان به ختل

تازہ چون لالۂ نو رستہ بود شعلہ بسنگ
سبز چون دانۂ بالیدہ شررہا بہ جبل

آب سر چشمۂ خورشید بود سبز مدام
افکند عکس اگر سبزۂ کہسار و تلل

سبز شد آئینۂ آب چنان در انہار
نبرد موج صبا زنگ بزور صیقل

گر نسیم سحری سوے فلک رو آرد
می نماید بکواکب چو گل باغ شمل

طبع صیاد چنان طرح صفا ریختہ است
کہ شود چین جبین چمنش ، دام حیل

گل کند چارۂ دردش بہ مسیحا نفسی
بلبلے نالہ کشد گر بگلستان ز علل

گل رخان گر بگل تازہ مژہ بکشایند
موے مژگان بہ رگ گل بنمایند بدل

از گل افشانی و از لالہ دمانی بہار
گلستان دشت و دمن ، لالہ ستان کوہ و تلل

آنچنان عہد شکستہ است خزان ، باز نماند
از پئے عہد بہاران غم و ویل و بدل

رنگ بخشد بہرخ شاہد امید جہان
بادۂ عشرت حال و طرب مستقبل

۳- عرفی کی کائنات بہار ختم ہوچکی لیکن آصفی کی حقیقت ابھی تک بے نقاب نہیں ہوئی ہے - عرفی معیار بہار نہیں تھا ، معیار بہار قاآنی ہے - اس لیے اب ہم آصفی کو وہمیات کے بجائے وجدان اور فطرت میں ڈھونڈنا چاہتے ہیں - یہی اس کا کمال ہے اور اسی جگہ سے اس کی حدود ، ایران اور ہندوستان کے تمام شعرا سے الگ ہوتی ہیں -

در حقیقت آصفی ، قاآنی کے پیرو ہیں جو نیچر کا سب سے بڑا غماز ہے - اس لیے قصائد پر قصائد پڑھتے چلے جائیے ، فطرت اور اس کے رموز و اسرار کا بیان ختم ہی نہیں ہوتا - ابر و باد ، بہار و خزان ، گلبن و بوستان وغیرہ سے متعلق

سیکڑوں تشبیہیں لکھی ہیں اور کچھ ایسی بامزہ لکھی ہیں کہ ''لا عین رأت و لا اذن سمعت''۔ دنیا مردہ پرست ہے - بڑے بڑے نام آور ادیب زندگی میں ایک نگاہ التفات کے لیے ترس کر مر گئے مگر دنیا کے کان پر جوں تک نہ رینگی - آخر وہی ہستیاں مرنے کے بعد علم و ادب کی مسجود قرار پائیں اور ہر شخص نے عقیدت کے دو چار پھول ان کی یاد کی تربت پر نذر چڑھائے -

کمال کی ناقدری کسی خاص زمانے اور خاص ملک میں شیوۂ عوام و خواص نہیں رہا - ہر ملک، ہر قوم اور ہر زمانے میں یہی شکایت نظر آتی ہے - ابن رشیق قیروانی صاحب العمدۃ فی صناعۃ الشعر نے ایک قطعہ لکھا ہے - صاحب معجم الادبا اس کی شان نزول یہ لکھتا ہے کہ ایک ادیب نے طبقات الشعرا لکھنا شروع کی اور تبصرے میں تقدم و تاخر کو وجہ فضیلت قرار دیا - بات بہت کمزور تھی - کوئی ضروری نہیں کہ زمانے کا تقدم علم و فضل اور سعادت و فطانت میں بھی پیش پیش رکھے - ابن رشیق ان تمام شعرا سے کم سن تھے، جن کا کتاب میں ذکر تھا - اس لیے یہ سب سے کم تر قرار دیے گئے تھے - انہیں خبر ہوئی تو یہ قطعہ لکھ بھیجا[1] :

رفقاً ابا اسحاق ، بالعالم حصلت فی اضیق من خاتم
لو کان فضل السبق مندوحۃ فضل ابلیس علی آدم

ابواسحق دنیا سے بہ نرمی و ملائمت پیش آؤ - تم انگوٹھی سے تنگ تر حلقے میں پھنس گئے - اگر سابق کی فضیلت میں وسعت ہوتی تو شیطان، آدم علیہ السلام سے بزرگ تر تھا -

جب یہ قطعہ ابواسحق تک پہنچا تو انہوں نے مجوزہ اسلوب بدل دیا - اسی مفہوم کو ابن شرف قیروانی نے دو قطعوں میں ادا کیا ہے[2] :

قل لمن لایری المعاصر شیئاً و یری للاوائل التقدیما
ان ذاک القدیم کان جدیداً و سیغدو ھذا الجدید قدیما

اس شخص سے کہہ دو جو اپنے معاصرین کا حق شناس نہیں اور صرف سلف

---

۱ - ملاحظہ ہو استاد محترم مولانا میمنی کا مرتبہ دیوان ابن رشیق و ابن شرف موسوم بہ ''النتف من شعر ابن رشیق و زمیلہ ابن شرف'' صفحہ ۶۹ -

۲ - ایضاً صفحہ ۱۱۱ -

اور گذشتہ آدمیوں کو افضل جانتا ہے کہ یہ کہنہ بھی کبھی نیا تھا ، اور عنقریب یہ نیا بھی قدیم ہو جائے گا ۔ دوسرے قطعے میں اس کی وجہ بھی بیان کرتا ہے :

اغری الناس بامتداح القدیم و بذم الحدیث غیر الذمیم
لیس الا لانهم حسدوا الحیّ و رقوا علی العظام الرمیم

مطلب یہ ہے کہ لوگ پرانے لوگوں کی تعریف اور نئے آدمیوں کی برائی صرف اس لیے کرتے ہیں کہ اُن کو ایک آنکھ دیکھ نہیں سکتے ۔ حسد کے مارے اور کچھ نہیں تو مذمت ہی شروع کر دیتے ہیں ۔

مولانا آصفی نے بھی متعدد مرتبہ یہی سبق دہرایا ہے ، اور حق یہ ہے کہ انھیں بجا شکایت ہے ۔ جو ذات متقدمین ، متوسطین ، متاخرین ہر طبقے کی حریف ہو ، وہ یوں محروم التفات رہ جائے ، ہزار و صد ہزار حیف ہے ! آمدم برسر مطلب ۔

۱ ۔ قاآنی نے ایک تشبیب میں ، بادل کا سماں نظم کیا ہے ۔ کہنا یہ چاہتا ہے کہ :

''بخارات اٹھ کر جو ِ ہوا میں سیاہ چادر سی بن جاتے ہیں ۔ ہوا چلتی ہے
اور اس سیاہ چادر کو عالم پر تان دیتی ہے ۔ بدلیاں آتی ہیں ،
گرجتی ہیں اور برستی ہیں ۔ بجلیاں پیدا ہوتی ہیں ، کڑکتی ہیں اور
چمکتی ہیں ۔''

میر محبوب علی خاں والیِ دکن کی مدح میں ، مولانا نے ایک قصیدہ لکھا ہے ۔ تشبیب میں یہی سماں بیان کیا ہے ۔ ہم دونوں تشبیبیں دوش بدوش نقل کرتے ہیں ۔ انصاف پسند دماغ دیکھیں کہ کس طرح ایک بندی ، ایرانی شہ سوار سے گوے سبقت لے جانا چاہتا ہے ۔ خدا نہ کرے کہ اُن کی جانب سے ابن رشیق اور ابن شرف کا جواب دہرانا پڑے :

قاآنی : بگردون تیرہ ابرے بامدادان برشد از دریا
جواہر خیز و گوہر ریز و گوہر بیز و گوہر زا

آصفی : چہ دود است این کہ پوشیدہ است روی نیلگون دربا
ز دریا سر بر آوردہ ، چو دیوے شد ہوا پیما

قاآنی : چو چشم اہرمن خیرہ ، چو روی زنگیان تیرہ
شدہ گفتی ہمہ چیرہ ، بمغزش علت سودا

آصفی : رود آشفتہ از جیحون ، دود شوریدہ در ہامون
پریشان صورت مجنون ، دژم چون طرۂ لیلیٰ

قاآنی : شبہ گون چون شب عاشق ،گرفتہ چون دل عاشق
باشک دیدۂ وامق ، برنگ طرۂ عــذرا

آصفی : شب تار از شبہ رنگی : سیہ چون چہرۂ زنگی
عیان آثــار دل تنگی ، نہان جمعیّتِ دل ہا

قاآنی : تنش با قیر آلــودہ ، دلش از شیر آمسودہ
برون پر سرمۂ سودہ درون پُر لولوی لا لا

آصفی : چو شام عاشقان تیرہ ، چو مغز کافران خیرہ
بدشت و کوہ شد چیرہ ، بگردون کردہ استیلا

قاآنی : بدل گلشن بہ تن زندان گہے گریان گہے خندان
چو در بزم طرب رندان ز شور نشاہ صہبا

آصفی : بود چون کوہ گردندہ ، بسوے چرخ پویندہ
ز کان خویش ریزندہ ، بہ دریا جوہر والا

قاآنی : چو دودی بر ہوا رفتہ چو دیوے مست و آشفتہ
زدہ بس "در" ناسفتہ ، ز مستی خیرہ در خارا

آصفی : نہنگے بر ہوا رفتہ ، در آغوشش فلک خفتہ
بکام خویش بگرفتہ ، چو ماہی ، یونس بیضا

قاآنی : شدہ خورشید نور افشان ، بتاری جرم او پنہان
چو شاہ مصر در زندان چو ماہ چرخ در ظلـما

آصفی : چو پیلے بحر را نوشد ، چو شیر مست بخروشد
چو بیضہ چرخ را پوشد ، کشاید شہپر عنقا

قاآنی : و یا در تیرہ چہ بیژن ، نہفتہ چہرۂ روشن
و یا روشن گہر بہمن ، شدہ در کام اژدرہا
آصفی : ہوا تا زندہ گل گونش ، برد جولان بہ گردونش
ز دشت و کوہ و ہامونش ، عاپا نیست ، نے پروا

قاآنی : ز بیمش مرغ جان پرد ، ز سہمش زہرہا درد
چو او چون اژدہا غرّد ، و یا چون دو کشد آوا
آصفی : خروشد ہر دم از گردون ، کہ پوشد بر تن ہامون
ز سنبل کسوت اکسون ، ز ژالہ خلعت دیبا

قاآنی : بگردون می کشد آوا ۔ ز سودا می کند غوغا
تنش را علت سودا ، دلش را علت صفرا
آصفی : چو عفریت مست روی او ، فرشتہ وار خوی او
ز خشک و تر بسوی او ، بود چشم امل ایما

قاآنی : نشاند بر چمن ژالہ ، دماند از دمن لالہ
چنان از دل کشد نالہ ، کہ سعد از فرقت اسما
آصفی : بہ بہر نیلی قبا دارد ، ز جیب اختر فرو بارد
بکوہ و دشت نگزارد ، بشورش گردے از ظلما

یہاں سے قاآنی نے چمن کی طرف گریز کی ہے ۔ ابر کی کوئی نئی تشبیہ نہیں لکھی ۔ آصفی کی ندرت تشبیہ پر پہلے بھی متعدد دلائل گزر چکے ہیں ، یہ قصیدہ مُہر ہے جو فطرت شعری نے ختم شعر پر ثبت کر دی ہے ۔ امثال و نظائر کا دریا امنڈ پڑا ہے ۔ دیکھو کس خوبی کے ساتھ قاآنی کی کمی کو ایک ہندی دماغ نے پورا کیا ہے ۔ فرماتے ہیں :

جہان از گریہ اش خندان ، ز چشمش لولو و مرجان
بجیب گلشن و بستان ، بہ کوہ و دامن صحرا

درونش مشرق بیضا ، برونش یک شب یلدا
درون چو طلعت عذرا ، برون چون طرۂ لیلی

گہے چون پیل غرّنده ، گہے چون لیل جوشنده
گہے چون سیل ریزنده ، بسوی پستی از بالا

گہے رقصیده مستانه ، گہے پوئیده دیوانه
بآباد و بویرانه ، ستان ره برد و گہ در وا

بود گر بنده چون عاشق ، پریشان چون دل وامق
بہ پہنائے شب غاسق ، ز درد فرقت عذرا

فشاند شعلۂ آذر ، کشد دم صورت اژدر
بغرّد همچو شیر نر ، کند چون دیو استیلا

جہد از مغز او آذر ، چکد از چشم او گوہر
چہ گوہر یکسره اختر ، چہ اختر اختر رخشا

فلک در قیر آلاید ، زمین پر شیر بنماید
دہان غنچہ بگشاید ، بے آن شیر طفل آسا

گہے گوہر چکد از وے ، گہے صورے دمد از وے
گہے سنبل شود از وے ، امیر علت سودا

سراسر چشمۂ قطران ، شود از دامنش ریزان
بود در قطره اش پنہان ، بہار عشرت دلہا

۲ - شاہزادۂ شجاع السلطنت کی مدح میں قاآنی کا ایک قصیده ہے - ''زد بدلم اے نسیم آتش ہجران یار'' - تشبیب کی ابتداء وصف شراب سے کی ہے ، مگر ثانی مطلع سے بہار کی طرف گریز ہے - آصفی نے میرزا عبدالرحیم معتمد صرف خاص کی ستائش میں جو قصیده لکھا ہے ، وہ اسی بحر میں ہے اور بہاریہ ہے -

اللہ اللہ ! قاآنی کے سامنے زبان کھولنا ، اور پھر وہ بھی حریف بن کر ،
کارے ست کہ ہیچ کس نکرده ست ہنوز :

قاآنی : مژده کہ شد در چمن رایت گل آشکار
مژده کہ سر زد سمن از دمن و مرغزار

آصفی : برد سوے کہسار کو کہہ ابر بہار
بہمن و دی گشت زار ، از غم آن گیر و دار

ابر بہار اپنا جرار لشکر لے کر ، خزاں کو پامال کرنے کے لیے اکلا ہے ۔ پکڑ دھکڑ کے خوف سے بہمن و دے (خزاں کے دو ماہ) کے لشکر میں وہ ہل چل پڑی ہے کہ خدا محفوظ رکھے ۔

قاآنی : وجد کنان شاخ گل از اثر باد صبح
رقص کنان سرو ناز ، بر طرف جوئبار

آصفی : سوری رومی عذار ، قلب گرفت استوار
لالہ قزلباش وار ، صف زدہ در ہر کنار

سوری ، ایک قسم کا سرخ رنگ کا پھول ہے ، وہ قلب فوج کا کماندار ہے ۔ ادھر دونوں بازوؤں میمنہ اور میسرہ ہر گل لالہ ترکوں کی طرح ڈٹے کھڑے ہیں ۔

قاآنی : لالہ بکف جام مے ، گشتہ صہبائے عیش
گرچہ ز نقصان عمر ہست بدل داغدار

آصفی : تاخت بہر باغ و کشت ، لشکر اردی بہشت
دشت ازان شد بہشت ، زاغ شدہ مرغزار

اردی بہشت (بہار کا ایک مہینہ) کا لشکر چاروں طرف ، کھیتوں اور باغوں میں جا پہنچا اور خزاں کا عمل اٹھ گیا ۔ اب چٹیل میدان ، چمن اور بن ، سبزہ زار نظر آرہے ہیں ۔

قاآنی : گوش فرا دادہ گل تا بچمن بشنود
از دہن عندلیب شرح غم بے شمار

آصفی : گیسوی نرگس بکف تیرہ دود ہر طرف
خیل خزاں صف بصف ، شد بسنانش فگار

نرگس نے نیزہ ہاتھ میں لے کر خزاں کی صفوں کی صفیں الٹ دی ہیں ۔ جدھر دیکھیے زخمی اور مقتولوں کے انبار لگے ہیں ۔

قاآنی : زان بزبان فصیح کردہ روایات شوق
قصہ ز ہجران گل ، شکوہ ز سے داد خار

آصفی : سوسن زنگی سرشت ، همزه اردی بهشت
کرد بژوپین و خشت ، حملہ یمین و یسار

اردی بہشت کے ہمراہ سوسن بھی ، چھوٹے چھوٹے برچھے لے کر دائیں اور بائیں حملہ آور ہے ۔

قاآنی : وقت سحر گشت باز دیدۂ نرگس ز خواب
تا کہ صبوحی زند از پئے دفع خمار

آصفی : خنجر سوسن کشاد ، یکسرہ خون فساد
سینۂ گلزار داد ، خون خزاں آشکار

سوسن نے خزاں کے سینے میں خنجر مار کر سارا فاسد خون نکال دیا ۔ یہ لالہ کاریاں اسی خون کی ہیں جو چمن میں نظر آ رہی ہیں ۔

قاآنی : غنچہ کشاید دہن ، تا کہ ز پستان ابر
از قطرات مطر ، شیر خورد طفل وار

آصفی خشک و همه تر گرفت، بحر و همه بر گرفت
دشت و چمن در گرفت، مرکب فصل بہار

غرض کہ لشکرِ بہار نے خشکی اور تری سب پر قبضہ کر لیا ۔ اب دشت و چمن ، بحر و بر سب اس کے زیر نگیں ہے ۔

قاآنی : باد برخسار باغ غالیہ سائی کند
زلف سمن را دہد ، نفحۂ مشک تتار

آصفی : چغد و چہ زاغ و زغن با همه رنج و محن
رفت بدشت و دمن، از چمن و مرغزار

منحوس ویرانہ پسند پرندے ، اُلو ، کوے اور چیلیں سب چمن اور سبزہ زاروں کو چھوڑ کر جنگلوں میں پناہ گزیں ہو گئے ہیں ۔ اب ان کے لیے یہاں جائے امن نہیں ۔

قاآنی : چهر ریاحین رود در عرق از آفتاب
مروحه زان رو دهد ، باد بدست چنار

آصفی فاختہ و هم هزار، در چمن و مرغزار
کبک و کلنگان و سار، برطرف جوئبار

قاآنی : لالہ بسان صدف ابر درو چون گہر
شاخ شود بارور ، باد شود مشکبار

آصفی : زمزمۂ بلبلان ، ہمہمۂ صلصلان
خندۂ عیش گلان ، بردہ ز دلہا قرار

اب چمن میں اور نہر کے کنارے فاختہ ، بلبل ، کبک ، کلنگ اور سارس چہچہا رہے ہیں ۔ اور خوشنوا پرندوں کی نغمہ آفرینی اور پھولوں کے خندہ سے دل بے تاب ہوا جاتا ہے ۔

قاآنی : سوسن ازان رو شدست شہرہ بآزادگی
کز دل و جان می کند مدح شہ کامگار

آصفی : رقص کنان شاخ گل ، دست فشان مست مل
این بصدائے دہل ، وان بنوائے ہزار

قاآنی نے مدح کی طرف گریز کر لی ، لیکن آصفی کی مزاج طبیعت ابھی طوفانی ہے ۔ ہوا سے پھولوں کی ڈالیاں ناچ رہی ہیں ۔ بلبلیں گانے میں مصروف ہیں ۔ لوگ شراب پی پی کر ، ڈہل کی آواز پر ناچ کود رہے ہیں ۔

سرو شد آراستہ ، چون بت نو خاستہ شد ہمہ دل خواستہ ، ساز نشاط بہار
نامیہ از ساحری ، ساختہ صنعت گری بت کدۂ آزری ، گشت چمن از نگار

قوت نشو و نما نے جادو سا کیا ہے کہ نقش و نگار سے چمن آزر کا بت کدہ نظر آتا ہے ۔ رنگ برنگ پھول اس خوبصورتی سے بنائے ہیں کہ عقل حیرت کرتی ہے ۔

ساغر یاقوت رنگ ، پر ز شراب فرنگ یا کہ دمیدہ ز سنگ ، لالہ احمر عذار

لالہ پہاڑوں میں کھلا ہوا یہ معلوم ہوتا ہے کہ یاقوت رنگ پیالہ ہے جس میں یورپ کی سرخ سرخ شراب بھری ہے ۔

غنچہ صراحی بدست ، لالہ بود مے پرست
گل ز طرب نیم مست ، نرگس ازان در خمار

غنچے کے ہاتھ میں صراحی ہے ۔ لالہ اس میں سے لے کر پی رہا ہے ۔ پھول سرخوش ہیں اور نرگس پرخمار ۔

ز آتش دیجے شلبلہ ، سوخت چنان مشعلہ شد ہمہ را مشغلہ ، بر صفت شعلہ زار
چونکہ شراب کا رنگ سرخ ہوتا ہے ، اس لیے یہ یک نظر یہ خیال گزرتا ہے ۔

ہے کہ شعلے ہیں جو گلاس میں بھر دیے ہیں ۔ جب شراب گلاس میں انڈیلی جاتی ہے تو تیزی اور جوش کی وجہ سے جھاگ پیدا کر دیتی ہے جو بالآخر ہوا سے مل جاتے ہیں ۔ شاعر یہ منظر دیکھ کر خیال کرتا ہے کہ یہ جھاگ نہیں ہے ، مشعلیں ہیں جو آتش مے سے روشن کر دی گئی ہیں ۔

بادہ میان قدح ، جوہر جان قدح
دادہ نشان قدح ، لمعۂ آن ہر کنار
لالہ بود مست می قطرۂ شبنم چو خوی
ریختہ بر روی وی ، ہمچو دُر شاہوار
نامیہ چون سر زدہ ، بادیہ خرم شدہ
گشت ہمہ گل کدہ ، دشت و دمن ، کوھسار
سبزۂ لیلوا نسب ، زد بہوائے طرب
خیمہ برسم عرب ، در چمن و مرغزار
ژالہ بصحرا و راغ ، چون گہر شب چراغ
قطرہ بر اطراف باغ ، کوکب شبہای تار
غالیہ سا گشت باد ، طرۂ سنبل کشاد
ہم گل مشکیچہ داد ، نکہت مشک تتار
گشت بفیض نسیم ، زندہ عظام رمیم
عیسی گل را شمیم ، شد نفس روح یار
دیدۂ نرگس بخواب ، طرۂ سنبل بتاب
عارض ہر گل بآب ، بلکہ بود شعلہ بار

ایک طرف قاآنی کا قصیدہ پڑھیے ، دوسرے پہلو میں آصفی کی گل کاریاں دیکھیے ، حق یہ ہے کہ وہ ہندوستان کا قاآنی معلوم ہوتا ہے ۔ اس کا قلم بھی دریائے مواج کی مانند ، غم بلند و پست سے بے نیاز ہے ۔ الفاظ کی ہم آہنگی ، بحر کی موسیقیت ، بندش کی چستی ، تراکیب کا ترنم ، زبان کی چاشنی ، وہ کون سی صفت ہے جو قاآنی میں ہے اور آصفی میں نہیں ۔ پھر تخیل کا ہلکا ہلکا رنگ اس پر مستزاد ہے ۔

۳ ۔ قاآنی نے حاجی آقاسی مرزا کی مدح میں بہاریہ لکھا ہے ۔ مطلع ہے :

عطسۂ مشکین زند ھردم نسیم مشکبار ، بادکوئی ، آہوے چین ست کارد مشکبار

آصفی نے بھی اس بحر میں قصیدہ لکھا ہے ۔ تشبیب کی ابتدا صنع باری سے کی ہے ۔ فطرت کی چمن آرائیاں ، قدرت کی نیرنگیاں اور عالم خاک و باد پر حکمت باری کی گل کاریاں بیان کرتے کرتے ، بہار کا ذکر چھیڑ دیا ہے ۔ فرماتے ہیں :

عالم امثال ، اگر خواہی کہ بینی آشکار
عینک گلہا بنہ بر دیدہ ہائے اعتبار
دیدۂ اعمی ز راز خاک ، بر گیرد سراغ
پردۂ چشمش شود گل برگ در شبہاے تار
ہر کجا بینند ، ریزد کیسۂ گل زر ناب
خاک باشد بوتۂ زر ، کیمیا گر نوبہار
سبزۂ پیروزہ گون و لالہای لعل رنگ
لاجورد و لعلی آمیزد بہ نقش روزگار
کار گاہ باغ را بینی پر از چینی حریر
دشت را یابی نگارستانے از روی نگر
دامن باغ ست ، از لالہ ، چو باغ کاشمر
جیب باغ ست از گل مشکیچہ چون دشت تتار

کیسا سادہ ، لطیف اور پر کیف طرز ادا ہے ۔ ہر ہر شعر بہار در دامن نظر آتا ہے ۔ ذیل کے اشعار میں تخیل کی رنگ آمیزی ، یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاج محل کی پچی کاری ہے ۔

عکس موج لالہ و گل گر بآب جو فتد
رنگ چون قوس قزح بالد بموج جوئبار

نہر کے کنارے لالہ اور گلاب لہلہا رہا ہے ۔ جب ہوا سے درخت اور پودے جھومتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رنگ کے دریا میں موجیں اٹھ رہی ہیں ۔ جب اس منظر کا عکس نہر میں دیکھو ، تو صاف نظر آتا ہے کہ نیلے پانی پر دھنک ہے جو ہوا سے لہرا رہی ہے ۔ کیسی خوبصورت مرکب تشبیہ ہے ۔

گر صبا از کوہساران جانب صحرا رود   دامن صحرا شود از گرد راہش لالہ زار

پہاڑ کے دامن سے ہوا گزرتی ہے تو اس قدر رنگ بہ دامن ہو جاتی ہے کہ

جس جنگل میں سے گزر جاتی ہے ، سارے کا سارا گل لالہ کا تختہ معلوم ہوتا ہے - سبحان اللہ ، رنگ کا طوفان اُمنڈ آیا ہے - گرد و غبار تک سرخ ہو گیا - برسات میں سارا جنگل چمن بن جاتا ہے - جس طرف دیکھیے ، پھول ہی پھول کھلے ہوتے ہیں - شاعر اس کی وجہ یہ قرار دیتا ہے کہ دامن کوہ سے ہوا اپنے ہمراہ جو غبار اُڑا لے گئی تھی وہ اس طرح رنگ رنگ کے پھولوں کی شکل میں نمایاں ہوا ہے -

شد چمن از سبزۂ خرم چو طوطی سبز پوش
بال طوطی می دمد جائے گیا در سبزہ زار

ہری ہری گھاس کا جنگل میں دور دورہ ہے - یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحرا طوطا ہے اور گھاس اُس کے پر ہیں -

صورت سبزک شود ، بال حواصل سبز رنگ
پر فشاند ز اہتزاز باد اگر در مرغزار

سبزک ، ایک قسم کا رنگین پرندہ ، غالباً نیل کنٹھ - حواصل ، ایک دریائی پرندہ ، غالباً بگلا - شاعر کہتا ہے کہ اگر مرغزار میں سفید رنگ پرندہ پر پھٹ پھٹائے تو نیل کنٹھ کی طرح رنگین ہو جائے -

از ہوا ، جام زمرد گون شود جام بلور
غورہ گردد قطرۂ شبنم ز عکس سبزہ زار
از نمو چون کاکل سنبل شود دود، چراغ
غنچہ و گل از ہوا گردد چہ شعلہ چہ شرار
باد در گوش صدف گوید اگر حرف بہار
غنچۂ رنگین شود در بحر در شاہوار

سبحان اللہ ! حسن تخیل ، اور جدت ادا نے کیسی سحر کاری کی ہے - اگر سیپ کے کان میں ہوا موسم بہار کی کوئی بات کہہ دے ، تو موتی جو سیپ کے اندر ہوتا ہے ، اپنی ہیئت تبدیل کر کے اس بات کے اثر سے کلی بن جائے -

گل بخود بالد ز عشرت درمیان شاخسار
سرو می جنبد برعنائی کنار لالہ زار

بلبل از ساز طرب بر شاخ گلبن در کشید
برگہا دستک زن از ساز نشاط روزگار
از فروغ حسن نسرین و جمال نسترن
ماہ تابندہ شود ہر کوکب شبہاے تار
دشت را از لالہ و گل گلشن رضوان عجیب
گلستان را از گل و ریحان بہشتے در کنار

آصفی کی تشبیب کا بڑا حصہ بہاریہ ہے۔ تنگی وقت اجازت دیتی تو یاران نکتہ دان کے لیے صلاے عام دیتا۔ سر دست خاص ہی سہی :

بہ نم آب دل خاک چنان سیراب ست
کہ بود ذرہ چو گرداب ہمہ طوفان کار
قطرہ از جوش روانی ہمہ سیلاب شود
سیل از موج کشائی ست چو بحر ذخار
تیغ خورشید اگر سبز شود ، نیست عجب
خیزد از خرمی سبزہ ز بس جوش بخار
عجبے نیست کہ روید بصدف غنچۂ گل
بسکہ از رنگ بہار ابر بود دریا بار
عجبے نیست کہ در کاغذ بادی ہوا
گوہرین سلک شود رشتہ بارش قطار
عجبے نیست اگر ابر ز مستانہ روی
جانب دشت کند راہ غلط از گلزار
عجبے نیست کہ چون سبزہ ببالد بر خویش
آب آئینہ دہد نشو و نما با زنگار
لالہ زاریست ز ہر داغ بہ پہلوی پلنگ
جوش زد رنگ بکہسار ز یاقوت شرار
تازہ جانے رسد از نکہت گلہا بمشام
تازہ روحے بقوالب دمد از بوی بہار
ہر کجا شوق رود لالہ بہ بیند خرمن
ہر کجا ذوق رسد گل ہمہ یابد انبار

عجبی نیست کہ از تربیت نشو و نما
نالۂ عشق دل سوختہ بالد چو چنار
عجبی نیست کہ داغ جگر سوختۂ
بہ نسیم سحری طرح کشد از گلزار

کور اگر چشم تماشا بگلے بکشاید
می‌دمد، همچو رگ گل ز نگاهش صد تار
پرتو روے گل و لالہ فتد گر بزمین
از زمین رنگ شفق جوش زند در شب تار

تودہ تودہ ز ریاحین بگلستان و دمن
پشتہ پشتہ ز گل و لالہ بدشت و کہسار
برگ برگ چمن از شور جلاجل لبریز
شاخ شاخ ہمہ گلزار صدا خیز چو تار

خوش بود ساقی دریں دوران بگلشن مے زدن
لالہ جام و غنچہ مینای بہاران آمدہ ست
خندۂ گل در چمن افگندہ گلدام نشاط
نوبہار از بہر صید عندلیبان آمدہ ست

سبحان اللہ ! خندۂ گل کو گلدام نشاط قرار دینا اور بلبل کی وارفتگی کی علت اس کی گرفتاری بتانا کس درجہ پیارا مفہوم ہے - بے چاری معذور ہے، کس صورت سے چمن سے باہر قدم رکھے - جال میں پھنسی ہوئی ہے - جب تک جال نہ ٹوٹ جائے، ہل نہیں سکتی -

در شکر خوابست طفل غنچہ در آغوش شاخ
باد نوروزی ز ہر سو مہد جنبان آمدہ ست

سبزۂ نورستہ ہر جا چیدہ فرش مخملیں
خسرو گل تا پےٴ سیر گلستان آمدہ ست

مست گرد دشت و صحرا آنچناں نکہت فروش
دامن ہر گرد بادے عنبر افشان آمدہ ست

گاہ سبز گلشن ، از فیض بہار عکس گل
یک گلستانے بحسن سادہ رویان آمدہ ست

صورتش گردد مصور ، ہر چہ آید در خیال
نامیہ نقاش از اوہام امکان آمدہ ست

سبحان اللہ ! ایک ایک شعر پر وجد طاری ہوتا ہے :

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

کہاں ہیں ایران پرست دماغ ؟ ان اشعار کا جواب لائیں :

بسکہ از جوش بہاران ، بجہان نشو و نماست
باغ و راغ و دمن و کوہ ہمہ مینو ماناست
نقش ہر راز کہ در طبع زمین بود نہان
عکسش از آئینۂ لالہ و گلہا پیدا ست
تا کجا بار شہد ، قافلۂ لالہ و گل
شہر و گلزار و ہمہ دشت و درہ تنگ فضاست
راہ گلزار و بیابان بچپ و راست نہفت
لالہ و گل کہ ھجومے بنمود از چپ و راست
شد زمین سبز و ھوا سبز و فلک شد سرسبز
سبز در سبز نوا بر لب مرغان ھواست

غالب نے بہار کی وسعت دست گاہ کو ایک شعر میں یوں ظاہر کیا ہے :

سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی : بن گیا روے آب پر کائی

شعر خوب ہے اور اسی لیے تقریباً ہر ادیب سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے ۔ مولانا نے بہار کی سرسبزی اور ہمہ گیری کو ایک قدم اور آگے بڑھا دیا ۔ اب نہ صرف روے آب سرسبز ہے بلکہ ہر روے ہوا چڑیوں کے چہچہے بھی سبز اور تر و تازہ ہیں ۔

ز آتش لالہ چنان شمع ہر افروخت بدست
کز رگ شعلۂ آن مد نگاہ اعمیٰ ست

جنگل میں لالہ کی شمع روشن ہے ، لیکن وہ معمولی روشنی پیدا نہیں کرتی ۔ اُس کی روشنی اس درجہ لطیف اور ساری ہے کہ نابینا کی آنکھ کے پردوں سے گزر جاتی ہے ۔ جب انسان کسی چیز پر نظر ڈالتا ہے ، اُس کی آنکھ اور اس شئے کے درمیان ایک مستقیم خط فرض کیا جاتا ہے ، جو گویا نظر کی کشش ہے ۔ شاعر ، شعلوں میں جو خطوط متوہم ہوتے ہیں ، انھیں نابینا کی مد نگاہ قرار دیتا ہے ، یا بہ الفاظ دیگر شمع کی روشنی از سر تا پا بینائی ہے ۔ لالہ کی سرخی کی دوسری تاویل سنیے :

زآتشِ نالہ شرارے کہ جہد در کہسار
صفت کرمک شب تاب ، پرافشاں بہواست

موسم بہار میں ، رات کو درختوں پر جگنوؤں کا ہجوم ہوتا ہے ، تو ادھر اُدھر فضا میں شرارے سے اُڑتے نظر آتے ہیں اور درخت سرو چراغاں بنے ہوتے ہیں ۔ چونکہ سرخ سرخ گل لالہ سے جنگل میں آگ لگی ہوتی ہے ، شاعر ان جگنوؤں کو اس سرد آگ کی چنگاریاں قرار دیتا ہے ۔

سیم محلول زند جوش ز آب انہار
شورشِ چشمۂ سیماب ز موجش پیدا ست

میرے مخلص دوست ڈاکٹر وجاہت حسین صاحب عندلیب شادانی نے ایک نظم لکھی تھی ۔ دریائی منظر موضوع تھا ، بہتے پانی کے متعلق ایک تشبیہ بہت نادر تھی ، اور ہم سب کا خیال تھا کہ یہ نئی ہے ۔ صرف وہ مصرع یاد ہے : ''پگھلا کے چاندی ، گویا بہا دی'' لیکن اب یہ خیال غلط ثابت ہوا ۔ آصفی نے اسی مفہوم کو ، بہ اضافہ ، آج سے تقریباً ۲۵ ، ۳۰ سال بیشتر نظم کر دیا ہے ۔ ''سیم محلول'' اور ''شورش چشمۂ سیماب'' کس قدر مکمل تشبیہیں ہیں ۔ اب صرف ''برق رو'' کہنا باقی رہ گیا ہے ۔ قلعۂ معلٰی رام پور میں وائسرائے کی آمد پر بجلی کا یہ تماشا نظر سے تو گزر چکا ہے ، لیکن بقید نظم دیکھنے میں نہیں آیا :

نکند میل صبوحی بسحر ، نرگس مست
نشۂ بادۂ دوشینہ بہ چشمش برخاست
بر لب گل بزن انگشت و بشنو نغمۂ راز
گر دلت ہمچو صبا واز بہاراں بشنواست ۔

جس وقت ہوا پھولوں کی کیاریوں میں سے گزرتی ہے ، ایک نہایت ہی سریلی سنسناہٹ سنائی دیتی ہے ۔ شاعر کا خیال ہے کہ یہ پھول کی آواز ہے ۔ جہاں ہوا نے ساز گل چھیڑا ، اس نے سارا بہار کا چھپا ڈھکا حال کہنا شروع کر دیا ۔ لیکن یہ صبا کے ساتھ مخصوص نہیں ۔ اگر تم بھی نغمۂ راز سننا چاہتے ہو تو ذرا پھول کی پتی پر انگلی مار دو ، پھر دیکھو کیا ہوتا ہے :

عہد خزان ، بہ عہد بہاران برابر ست
کہسار و دشت ہا ، بگلستان برابر ست
با آن کہ ابر دی بچمن قطرۂ نریخت
لبریز جام و لالۂ نعمان برابر ست
دہقان باد ، گرچہ عرق ریزیی نکرد
با سبز کشت ، دشت و بیابان برابر ست
از لطف و نرمی کہ بود در رگ سمن
با وے زبان خار مغیلان برابر ست
از تازگی ، بشاخ نہال ثمر فشان
در دشت و کوہ ، شاخ غزالان برابر ست
ہر آب و تاب ذرۂ صحرا مژہ کشا
با آب و تاب گوہر غلطان برابر ست
از جوش رنگ لالۂ نعمان و ارغوان
گلشن بکان لعل بدخشان برابر ست

ہر قدر دانہ کہ در کشت درین فصل فشاند
خرمن گل بکف حاصل دہقان آمد

بہار کا موسم تھا ، نامیہ کو گل کی پرورش اور غور و پرداخت مقصود تھی ۔ بے چارے کسان نے جس قدر اناج بویا تھا ، سب پھولوں کی شکل میں زمین سے برآمد ہوا ۔

خاک از عکس گل و لالہ بدخشان گردید
ہر کجا بود چمن ، کان بدخشان آمد

رخ برافروختہ گل ، مغبچۂ را مانند
کہ بکف مجمر زرین و بہ نیران آمد

گلاب کے پھول کی نئی تشبیہ ہے ۔ پھول کی کٹوری کو سونے کی انگیٹھی اور زرگل کو آگ قرار دینا جدت ادا اور نزاکت تشبیہ کی نہایت نادر مثال ہے ۔

تا عصائی تکند ، شاخ نخیزد از جا
در چمن باد زمین گیر چو مستان آمد
غمزۂ شوخ نگاہان فتد از چشم بسوس
تا بجادو نظری نرگس فتان آمد
قدح از لالہ ستانید و صبوحی بزنید
شب غم ، مرغ سحر گفت ، بپایان آمد
ساغر و جام بلورین بسر سنگ زنند
جام یاقوتی گل در کف مستان آمد

کہنا یہ تھا کہ پھول کی بھینی بھینی خوشبو ، موسم بہار میں شراب سے زیادہ بد مست کر دیتی ہے ۔ انسان سونگھتا ہے اور جھومتا ہے ۔ مگر شاعر یوں کہتا ہے کہ اب بلور کے پیالوں اور گلاسوں کی ضرورت نہ رہی ، کیوں کہ مستوں کو ان کے عوض ، گلاب کے پھول کا یاقوت رنگ پیالہ مل گیا ہے ۔

سحر گاہان کہ از فیض بہار گلشن خاور
شفق گون شد گل خورشید تابان چون گل احمر

صبح کا منظر ان الفاظ سے حسین تر لفظوں میں ممکن نہیں ۔ طلوع کے وقت سورج کو دیکھو ، بلامبالغہ سرخ سرخ گلاب کا سا پھول معلوم ہوتا ہے ۔ شاعر اس کو گلشن مشرق کی بہار کا فیض قرار دیتا ہے ۔ پھولی ہوئی شفق تم نے بارہا دیکھی ہوگی ۔ کیسی گہری سرخ ہوتی ہے ۔ شعر میں سورج کو براہ راست اور گلاب کے پھول کو بواسطہ شفق رنگ کہا ہے ۔

سمن جوشید از ریحان ، گل نسرین شدہ خندان
بہارش رنگ زد چندان ، زمین شد سیمگون یکسر

چنبیلی اور جوہی کے پھولوں کا یہ عالم ہے کہ ساری زمین چاندی کی

طرح سفید ہو گئی ہے۔

چو ریحان یاسمین گشته ، ز رومی زنگ چین گشته
همه روی زمین گشته ، سمن زار و سمن پرور

سمن زار اور سمن پرور روے زمین کی سفیدی کے کفیل ہیں۔ لیکن ہر جگہ سفید ہی پھول نہیں کھلتے۔ سرخ اور سنہری بھی نظر آتے ہیں۔ اس منظر کو یوں ادا کیا ہے :

فلک زرین ، ہوا زرین ، زمین زرین شده گوئی
جہان شد کان زر از پرتو بال و پرش یکسر
زمان آراسته با فرش زرین عرصهٔ گیتی
بدور آورد صهبای شفق ہر سو بجام زر
زمین رنگین زمان رنگین ہوا رنگین جہان رنگین
چمن رنگین ، دمن رنگین ، ز گل وز لالهٔ احمر

سبحان اللہ ! گلاب و لالہ کی کیا رنگ فروشی ہے۔ سارا عالم رنگین نظر آتا ہے۔ مولانا کی اعجاز بیانی حد ثنا سے بالاتر نکلی۔

نوای مستی بلبل ، ترنگ شیشه از قلقل
تبسم ریزی ہر گل ، ربوده ہوش عقل از سر

مولانا کی دست گاہ بہار انجام آشنا نہ ہوئی مگر ہم اکتا گئے۔ پروردۂ فطرت ہونے کے باعث یہ مضمون وسیع تر ہے اور ہزاروں طرز ادا رکھتا ہے۔ کہاں تک کوئی لکھے اور کس طرح خاموشی سے کوئی سنتا رہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کو بھی آئندہ فرصت پر اٹھا رکھیں۔

باش تا فصل گل بیاید بساز   نیست این وقت ہاے و ہوے را

فخریہ :

فخریہ میں اپنے کمالات کا اظہار ، حریفوں کی جہالت اور کم علمی ، زمانے کی شکایت اور ابناے عصر کی قدر نا شناسی کا شکوہ ہوتا ہے۔ گو اس صنف میں قدما اور متوسطین کے ہاں بھی کافی ذخیرہ موجود ہے ، جن میں خاقانی سرگروہ ہیں۔ مگر فیضی اور عرفی نے خود بینی ، خود ستائی اور تعلی کا ایک مستقل جہان پیدا کر دیا ہے۔ جو شخص حسب و نسب پر اس قدر نازاں ہو کہ اپنے مقابلے میں دنیا کو ہیچ خیال کرے ، وہ علم و فضل پر

جس قدر بھی فخر کرے ، بجا ہے - جس کی خودی اور کوتاہ بینی کا یہ عالم ہو کہ امرا تو درکنار ، خود بادشاہ کے سامنے بھی بمشکل سر نیاز خم کرتا ہو ، وہ جو کچھ کہے ، درست ہے -

فیضی کا کلام سر دست مہیا نہیں - صرف عرفی سے تقابل کرکے مولانا کا پایۂ سخن ظاہر کیا جاتا ہے - روشن دماغ کے لیے اس قدر بھی زائد ہے - منکرین اور جاحدین کو خدا بھی خاموش نہ کر سکا -

عرفی نے دو قصیدے لکھے ہیں - ایک کی صرف تشبیب اور دوسرا بتمامہ فخریہ ہے - چونکہ آصفی کی تشابیب طویل ہوتی ہیں ، اس لیے ہم کو صرف ہم‌قافیہ اشعار پر اکتفا کرنا پڑے گا - پہلے دو، چار شعر ''انانیت'' کے سن لیجیے :

(۱)

عرفی لکھتا ہے :

(۱) منم آن سحر بیان کز مدد طبع سلیم
نہ بسرد ناطقہ تمام سخنم بے تعظیم

(۲) منم آن سایۂ فطرت کہ گر انصاف بود
باوجودم نتوان گفت باندیشہ فہیم

(۳) منم آن بحر لبالب ز معانی کہ بود
قطرۂ آب ز شرم سخنم دُر یتیم

عرفی کا ادعا ہے : ''میں سحر بیان ہوں - قوت نطق کے لیے میرا کلام مایۂ صد فخر و ناز ہے - میرے روبرو خود قوت متخیلہ ناکارہ ہے - میں معانی کا دریا ہوں اور میرے شعر موتی سے زائد آبدار ہیں -''

یہ مفہوم نثر میں بھی مزے دار معلوم ہوتا ہے ، کیوں کہ انسان بالطبع خودی پسند ہے ، لیکن یہی بقید نظم ہو تو لطف دوبالا ہو جاتا ہے - خاص کر جب عرفی کی زبان سے ادا ہو - چونکہ وہ اس زمانے میں پیدا ہوا تھا ، جب مبالغہ کلام کا لاینفک جز ہو چکا تھا ، اس لیے اس نے اپنی خودی آشکار کرنے کے لیے مبالغے ہی کا دامن پکڑا -

مولانا آصفی نے بھی ''انانیت'' کا کوس بجایا مگر مبالغے کے لباس میں اسرار حقیقت آشکار کیے - فرماتے ہیں :

منم آن تازہ نہالے ز گلستان قدیم
کہ کشد ریشۂ او آب ز ادراک حکیم
آن نہالے کہ برومند ز فیض ازلی ست
ریزد از شاخچۂ او ثمر باغ نعیم

استعارہ لفظی مناسبات سے لبریز ہوتا ہے - جب انسان کو سورج کہتے ہیں ، تو اس کے بعد ایسی صفات ضرور بیان کرتے ہیں جن میں سورج کی رعایت ملحوظ ہوتی ہے - مولانا نے اپنی ذات کو گلستان قدیم کا تازہ نہال قرار دیا ہے ، اس لیے از سر تا پا نہال کی متناسب صفات مذکور ہوئیں - یہ خود ایک صفت ہے - لیکن ہم اس کو ترک کرتے ہیں -

جس طرح کاریگر کی قدرتِ فن اور نزاکتِ صنعت اس کی مصنوعات کی ندرت سے ظاہر ہوتی ہے ، اسی طرح نادرہ کار صناع کی طرف منسوب ہو جانے سے بھی اشیا کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے - انسان ایک ایسے صناع کی ساختہ مشین ہے ، جو اپنی صفات میں بے مثل و نظیر ہے ، اس لیے اس کی ہمسری بھی دشوار ہے - یہ تصوف کا مسلّمہ ہے کہ انسان کی حقیقت پا جانا مشکل ہے - خود مذہب نے بھی طے کر دیا ہے کہ روح یا انسانی زندگی کا شرک فہم سے بالا تر ہے - اہل دانش کی کوششیں بھی ناکام ثابت ہو چکی ہیں ، لہذا مولانا دعویٰ کرتے ہیں :

''میں ابدی باغ کی تر و تازہ شاخ ہوں - میری حقیقت تک حکمت و فلسفہ کی رسائی ممکن نہیں - ازلی فیض نے آبیاری کرکے مجھے بارآور کیا ہے اور جو کچھ میری زبان سے ادا ہوتا ہے ، وہ بہشت کا میوہ ہے -''

اگر حقیقت کے چہرے سے مجاز کا نقاب الٹ دیا جائے ، تو مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح خالق کی حقیقت سمجھ میں نہیں آتی ، اس کی مخلوق بھی فہم و ادراک سے بالا تر ہے - انسان کامل نے اپنے اس قول میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے : ''من عرف نفسہ فقد عرف ربہ'' (کہ جس نے خود اپنی ذات یعنی انسان کی حقیقت دریافت کر لی ، اسے معرفت حاصل ہوگئی) -

عرفی کا پہلا دعویٰ یہ تھا کہ میں ''سحر بیان'' ہوں - آصفی کہتے ہیں میں ''انسان کامل'' ہوں - اب تم ہی فیصلہ کر دو کہ بلند مرتبہ سحر بیان کا

ہو سکتا ہے یا انسان کامل کا ؟ ظاہر ہے موخرالذکر تمام کمالات کا جامع ہے ۔ اس لیے خود سحر بیانی بھی اس کی ایک صفت ہے ۔ مگر عرفی نے صرف سحر بیانی ہی پر اکتفا نہیں کیا ، مقتضائے طبع سے اس میں بھی خصوصیت پیدا کی اور دعویٰ کیا کہ سحر بیانی بھی ایسی کہ ''ناطقہ'' ادب سے نام لیتی ہے ۔ لیکن غور کر کے دیکھا جائے تو اس سے کچھ زائد اضافہ نہیں ہوتا ۔ چونکہ ہر شخص کی زبان جادو کا اثر نہیں رکھتی اور نہ ہر طبیعت سلیم ہوتی ہے ، لہذا نتیجہ عیاں ہے کہ جو جادو بیان ہوگا قوت ناطقہ کے لیے لامحالہ واجب التعظیم ہوگا ۔

البتہ کمال انسانیت کا دعویٰ جن الفاظ میں کیا گیا ہے ، وہ برابر اضافہ کر رہے ہیں ۔ ''تازہ نہال گلستان قدیم ، آب از ادراک حکیم می کشد ، ز فیض ازلی برومندست ، و از شاخچۂ خود ثمر باغ نعیم می ریزد ۔'' چار ٹکڑے ہیں ، جو علی‌التواتر نظم ہوئے ہیں ، اور ہر پچھلا پہلے الفاظ کے معانی میں خوش‌آیند اضافہ کر رہا ہے ۔ چنانچہ جب چاروں کو یک جا کر لیا جائے تو مفہوم یہ ہو جاتا ہے کہ ''من انسان کامل ہستم'' ۔ اس کے بعد فرماتے ہیں :

منم آن جوہر ادراک کہ در علم ازل داشت بر جوہر فعال ، وجودم تقدیم

''جوہر فعال'' فلسفے کی اصطلاح میں وہ ذات ہے جس نے نویں آسمان اور تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے ۔ ''جوہر ادراک'' خلاصۂ معلومات اشرف مخلوقات ۔ فرماتے ہیں :

''میں وہ خلاصۂ موجودات و اشرف مخلوقات ہوں جو جوہر فعال سے بہت پہلے خدا کے ازلی علم میں موجود تھا ۔''

حدیث قدسی ہے : ''کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق ۔'' مفہوم یہ ہے کہ خدا نے دنیا صرف اس لیے آباد کی کہ لوگ اسے پہچانیں اور اس کی قوت کاملہ کا اظہار ہو ۔ اس مفہوم کی طرف آیۂ کریمہ ''و ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون'' بھی اشارہ کرتی ہے ۔ دوسری حدیث ہے : ''ان اللہ خلق آدم علی صورتہ'' خدا نے آدم کو اپنی مجوزہ ہیئت سے مشرف کیا ہے ۔ علاوہ ازیں طبقۂ اہل تصوف میں، حدیث : ''لولاک لما خلقت الافلاک'' بھی بہت مشہور ہے ، جس کا مفہوم یہ ہے کہ تخلیق عالم کی غرض انسان ہے ۔

ان اقوال کے ساتھ مذکورۂ بالا شعر کو دیکھیے ۔ عرفی کا دوسرا دعویٰ یہ تھا کہ میں مایۂ فطرت ہوں ۔ میرے ہوتے ہوئے ''اندیشہ و خیال'' کو

صاحب فہم نہیں کہا جا سکتا ۔ یہ سراسر غلو ہے ۔ آصفی کہتے ہیں ۔ میں ''جوہر ادراک'' ہوں ، اور میرا وجود ازلی ہے ۔ یہ حقیقت اور قوم کا مسلمہ ہے اب تم ہی انصاف کرو کہ کون بجا فخر کر رہا ہے ؟

آگے چل کر فرماتے ہیں :

منم آن ابر گہر ریز حقایق کہ بگوش
ریزم از دامن ایثار نفس ، دُر یتیم
منم آن ابر گہر زائے معانی ، کہ بود
پیش ایثار رگ خامۂ من بحر لئیم

ان دونوں شعروں کا مفہوم واضح ہے ۔ ان کے مقابلے میں عرفی کا تیسرا شعر پڑھ لیجیے ۔ اب ہم یہاں ہم‌قافیہ اشعار لکھتے ہیں :

عرفی : گر بیاد سخنم ، عود بر آتش مانند
حشر اموات شود ہر طرف از نشر شمیم

آصفی : جوش ہستی شود از مغز عدم عطسہ‌کشا
از نسیم دم احیا ، چو کنم نشر شمیم

دونوں شعروں کا مفہوم قریب قریب ایک ہے ۔ دونوں عیسیٰ بننا چاہتے ہیں ، لیکن عرفی بلند اڑا ہے ۔ سبحان‌اللہ ! کلام تو کلام ، وہ عود بھی مسیحائی کرتا ہے ، جو عرفی کے کلام کی یاد میں سلگا دیا جائے ۔ چونکہ اس مفہوم کا دروازہ آنے والے شاعروں پر بند ہو چکا تھا ، اس لیے آصفی نے نئی راہ نکالی ۔

''عدم'' ہستی کا مقابل ہے ۔ ''ہستی'' کا اطلاق اُس شے پر ہوتا ہے جو موجود ہو ۔ عدم کے معنی ہیں ''نہ ہونا''۔ یہ جس طرح اُس چیز پر بولا جاتا ہے جو ہو کر ناپید ہو گئی ہو ، اسی طرح اُس چیز پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے جو سرے سے وجود ہی نہ رکھتی ہو ۔

عرفی نے صرف یہی دعویٰ کیا تھا کہ میرا کلام مردے زندہ کرتا ہے ۔ آصفی کو موقع مل گیا ، فوراً کہہ اٹھے کہ میرا کلام نہ صرف مردوں ہی کو زندگی واپس بخشتا ہے ، بلکہ اُن چیزوں کو بھی حیات آشنا کر دیتا ہے جو سرے سے معدوم ہیں ۔

آصفی نے دوبارہ اس قافیے کو پھر نظم کیا ہے ۔ مفہوم عرفی سے جدا ہے

اور خوب ہے ۔ فرماتے ہیں :

بوے فردوس زند جوش بمغز امکان — از بہار سخن آن دم کہ کنم نشر شمیم

یعنی میرا کلام سرمایۂ بہار ہے ۔ اُس کی ایک لپٹ اس قدر خوشبو در دامن ہوتی ہے کہ جب فضا میں پھیلتی ہے ، تمام عالم امکان کے دماغ میں فردوسی خوشبو کا طوفان برپا ہو جاتا ہے ۔

عرفی : از حجاب سخنم ، بسکہ عرق دادہ برون
صورت شیشہ بر آورد زلال تسنیم

آصفی : گزرد گر بسر چشمۂ نوشم ، رضوان
افگند از کف خود ، جام زلال تسنیم

کہنا دونوں کو یہ ہے کہ ہمارے کلام میں شیرینی ہے ، مگر طرز ادا مختلف ہے ۔ عرفی اس کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ :

"نہر تسنیم کا شیریں پانی میرے کلام کو دیکھ کر مارے شرم کے پانی پانی ہوگیا ۔ چنانچہ اب وہ شیشے کی طرح خشک اور منجمد نظر آتا ہے ۔"
یہ نہایت ہی پاکیزہ غلو ہے ، لیکن آصفی نے مذکورہ مفہوم کو نہایت سادہ اور دل نشیں الفاظ میں جلوہ گر کیا ہے ۔ فرماتے ہیں :

"اگر رضوان کا میرے سخن کے چشمے پر سے گزر ہو جائے تو یقین ہے کہ نہر تسنیم کے شہد سے زائد شیریں اور دودھ سے زائد سپید پانی کے پیالے کو زمین پر دے مارے ۔"

قاعدہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی چیز دنیا سے بڑھ کر معلوم ہوتی ہے ، اس لیے دوسری شئے کی فضیلت صرف اسی وقت نظر آتی ہے جب وہ اس قدر نمایاں ہو کہ مالک کے پاس کوئی عذر ہی باقی نہ رہے ۔ علاوہ ازیں جس شئے کے کھانے یا پینے کی عادت پڑ جاتی ہے ، اس کے سوا دوسری اشیاء چاہے اس سے بہتر ہی کیوں نہ ہوں ، ناگوار معلوم ہوتی ہیں ۔ جو لوگ کنوئیں کا پانی پیا کرتے ہیں ، انھیں نل یا بارش کا شیریں پانی تلخ معلوم ہوتا ہے ۔ یہ کیوں ؟ صرف اس لیے کہ ان کی قوت ذائقہ کھاری پانی ہی کی عادی ہے ۔ دوسرا پانی ان کے لیے نیا ہے ، اور نئی شئے کی پذیرائی کو ایک مدت چاہیے ۔

مگر آصفی کا کلام اس قدر ذائقہ نواز ہے کہ صرف ایک بار سن لینے سے انسان شیریں ترین شئے کو بھی ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ سکتا ہے ۔ گو وہ

اس کا عادی ہی کیوں نہ ہو ۔ ہمارے خیال میں عرفی کا شعر معناً مقدم ہے ، اور حق یہ ہے کہ قافیہ آصفی نے اپنا لیا ۔

اسی قافیے کو آصفی دوبارہ نظم کرتے ہیں :

بوے از نوش کشادم بزمین امکان — کز حلاوت رگ حنظل شدہ موج تسنیم

مقصد وہی ہے ، لیکن طرز ادا میں جدت ہونے کے باعث شعر بے پناہ ہو گیا ہے ۔

دنیا میں غصے سے زائد تلخ کوئی شئے نہیں ہے ۔ اس تلخی کو اگر کوئی شیرینی دبا سکتی ہے ، تو وہ میٹھی بات کی شیرینی ہے ۔ جہاں دو چار میٹھی باتیں کیں ، اور انسان موم ہو گیا ۔ ابھی غصے کے مارے بھوت اور دیو نظر آتا تھا ، چند لمحوں کے بعد جو دیکھا تو فرشتے کی طرح سادہ اور نرم ہے ۔ چونکہ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے ، اس لیے مثالیں لکھنے کی ضرورت نہیں ۔

آصفی مدعی ہیں کہ میرے شیریں کلام نے عالم امکان کی طبیعت میں تغیر و تبدل پیدا کر دیا ہے ۔ حنظل سے زائد تلخ کوئی پھل نہیں ۔ آج وہ بھی اس قدر شیریں ہو چکا ہے کہ رگ رگ سے شہد کی دھاریں نکلتی ہیں ۔

اب تم خود فیصلہ کرو ۔ کیا یہ دعویٰ با در ہوا ہے ؟ ہم یہ نہیں کہتے کہ شاعرانہ طرز بیان مبالغے سے بالکل ہی معرا ہو ، لیکن جہاں تک ممکن ہو ، اسے ہمارے روزمرہ سے قریب ہونا چاہیے ۔ عرفی کا یہ شعر اس معیار پر پورا نہیں اترتا ۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آصفی نے یہاں اپنے پیشرو کو پیچھے چھوڑ دیا ہے ۔ این سعادت بزور بازو نیست

عرفی :
در حرم گاہ دل و حجلہ کہ طبع من ست
حاملہ مریم و جز مریم اگر ہست عقیم

آصفی :
ہمچو مریم، بحرم گاہ دلم ، عیسیٰ است
بکر معنی کہ نشد حاملہ و بود عقیم

مریم علیہا السلام کے متعلق مروی ہے کہ آپ کو کبھی کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا ۔ برابر باکرہ رہیں ، تا آنکہ فرشتے نے عیسیٰ کی روح آپ کے پیٹ میں پھونک دی ۔ عرفی تلمیحاً کہتا ہے کہ میرے حرم گاہ دل میں باکرہ کو حمل رہ جاتا ہے ، خواہ وہ مریم ہو یا کوئی اور ۔ مقصود یہ ہے کہ میں

بڑا طباع ہوں ، وہ وہ معانی پیدا کرتا ہوں کہ باید و شاید ۔

گو تلمیح خوب ہے ، مگر شعر لفظاً و معناً سقیم ہے ، اولاً تو ''حرم گاہ دل'' اور ''حجلہ گہ طبع'' کا سنگھم بے فائدہ ہے ۔ دوسرے حضرت مریم کا ذکر بے ادبانہ کیا گیا ہے ، تیسرے ''جز مریم اگر ہست عقیم'' کا ٹکڑا مصرع کو زبان پر گراں کرتا ہے ۔

آصفی نے یہی مضمون نظم کیا ہے ۔ عرفی کے شعر میں جو کوتاہیاں تھیں ، وہ اُن کے سامنے تھیں ۔ اس لیے اُنھوں نے کوشش کر کے نہ صرف نقائص دور کیے ، بلکہ شعر کو رواں اور بلند کر دیا ۔ فرماتے ہیں : ''میرے حرم گاہ دل میں مریم کی طرح ، بکر معنی سے عیسیٰ مثال پیدا ہوتے ہیں ۔ عیسیٰ علیہ السلام کا مشہور وصف مردے زندہ کرنا تھا ، فصیح و بلیغ کلام بھی یہی اثر رکھتا ہے ۔ حدیث شریف میں مروی ہے : و ان من البیان لسحراً و ان من الشعر لحکمۃ[۲] (کہ بعض تقریریں جادو اور بعض اشعار حکمت و موعظمت سے لبریز ہوتے ہیں) ۔ اس لیے اُن کا دعویٰ مسیحائی کلام غلو نہیں کہا جا سکتا ۔

عرفی :
ور بذیرد ، ز دمم صورت دیوار حیات
مایۂ فطرت ازو وام کند فہم حکیم

آصفی :
نفسم روح حکم گر بہ تن زار دمد
رود از خویشتن از جلوہاش ادراک حکیم

عرفی کا یہ شعر بہت بلند ہے ۔ کہتا ہے کہ میرا کلام صرف جادو اثر ہی نہیں ہوتا ، اسرار و رموز سے بھی لبریز ہوتا ہے ۔ اگر میں اپنے دم سے دیوار پر منقوش تصویر کو زندہ کر دوں ، تو وہ اس قدر معارف آشنا اٹھے کہ حکماء کو عقل و فہم قرض دے ۔

آصفی نے ''حکیم'' قافیہ نظم کیا لیکن معنی کے لحاظ سے شعر آدھا رہا ۔ اس نے ایک ہی شعر میں دو دعوے کیے تھے ، مسیحا دم ہوں اور حقایق آشنا ہوں ۔ انھوں نے صرف آخری دعویٰ لکھا اور دست بردار ہو گئے ۔

عرفی :
آن خرد مند حکیمم کہ بسیایۂ عقل
گیرم اندر حرم جوہر کل ، نبض سقیم

آصفی : آن پزشکم کہ بہ تاثیر نگاہم یابند
همچو قانون شفا ، نسخہ احوال سقیم

عرفی کا مقصد یہ ہے کہ میں اس قدر دانا ہوں کہ اپنے عقل و ذکا سے آن اشیاء میں بھی نقص کو پا لیتا ہوں جو بہ ظاہر نقصان سے بالا سمجھی جاتی ہیں ۔

بات خوب ہے ، لیکن ناقص ہے ۔ حکیم کی حذاقت صرف نباضی سے ظاہر نہیں ہوتی ۔ ممکن ہے کہ وہ مریض کو دیکھتے ہی مرض دریافت کر لے ، لیکن اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ اُس کے علاج سے مریض کو صحت بھی ہو جائے ۔ آصفی اس نقص معنوی سے فائدہ اُٹھا کر فرماتے ہیں :

''میں طبیب حاذق ہوں ۔ میری نگاہ میں یہ اثر ہے کہ ادھر سقیم یا مریض کو دیکھا اور اُدھر وہ تندرست ہو گیا ۔''

ہر چند عرفی نے غلو کا دامن پکڑا ، مگر فلک پیمائی میسر نہ ہوئی ۔ آصفی سیدھی سادی بات کہہ کر آگے نکل گئے ۔ یہ طب کا مسئلہ ہے کہ مرض کی دافع خود طبیعت ہے ، دوا اُس کی صرف اعانت کرتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جاڑے بخار کے سینکڑوں مریض کسی عامل سے تعویذ حاصل کر کے اچھے ہو جاتے ہیں ۔ موجودہ اصول مسمریزم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ۔ حکیم حاذق پر ہر مریض کا اعتقاد ہوتا ہے ۔ وہ جانتا ہے کہ حکیم صاحب آئے اور میں نے مرض سے نجات پائی ۔ اس لیے آصفی کا دعویٰ کس قدر بلند اور سادہ نظر آتا ہے ۔ سبحان اللہ ! ادھر مریض پر نگاہ پڑی ، اُدھر مرض نے روپوشی اختیار کی ۔

عرفی کے شعر میں بعض الفاظ بھرتی کے بھی ہیں ۔ مثلاً ''خرد مند'' حکیم کی صفت ہے ۔ صفت موصوف میں کچھ اضافہ کرتی ہے ، یا یوں کہیے کہ اُن باتوں کو بتاتی ہے جو اُس میں اور افراد سے زائد ہوں ۔ مگر یہاں مطلق نئی بات نہیں نکلتی ۔ حکیم کے معنی میں خرد مندی داخل ہے ، یعنی جو خردمند نہیں اُس کو حکیم نہیں کہا جا سکتا ۔ عرفی سے ایسی توقع ہرگز نہیں ہوتی ۔

آصفی کے مخصوص قوافی رہے جاتے ہیں ، اس لیے ہم تقاوں سے دست کش ہو کر دو چار شعر لکھتے ہیں :

فیض اشراق ضمیرم ، ز حقایق تعلیم همچو آئینۂ خورشید کند طبع حکیم

''میرا ضمیر حقایق و معارف کا گنجینہ ہے ۔ اگر اُس کا پرتو حکیم کی طبیعت پر پڑ جائے تو آسے خورشید کی طرح درخشاں بنا دے ۔''

از فروغ گہر فطرت من ، آب شود در کنار صدف بحر ، دل دُر یتیم

''میری روشن فطرت یکتا موتی کو شرماتی ہے ۔ دیکھیے بیچارہ سیپ میں شرم کے مارے پانی پانی ہوا جا رہا ہے ۔''

اس میں دریا کے پانی کو اشارۃً موتی کا پسینہ قرار دیا ہے ۔ یہ مزید لطف ہے ۔

مہر و مہ را ز فروغ دل و طبع روشن
بزم اشراق ضمیرم بگزیدہ است ندیم
از دلم، نکہت معنی ، صفت غنچۂ گل
عطر آلودہ برآید ، چو دم باد نسیم
روح معنی بدم تازہ دمیدم ز نوی
بود الفاظ کہن بر صفت عظم رمیم
اہتزازے شود از معنی من در دل سنگ
گر چہ در طبع جمادے نبود ذوق سلیم
گوہر سر شیونات جہاں را ابرم
کسہ کنم گنج لآلی ، صدف گوش فہیم
دم طغیان معانی ، صفت بحر محیط
چکد از موج رگ خامۂ من فیض قدیم
ساز خاموشم و خیزد ز دل من آہنگ
حرف من داشتہ بے جنبش لبہا تقدیم
اثر معجز فیض سخنم گر یابد
نطق جوشد صفت بو ز گل گوش صمیم
آن سخانم کہ ز مشت گہرش جوش زند
از کمالات حکم ، موجۂ اسرار قدیم

ان اشعار کی بلند آہنگی ، جوش بیان ، ندرت استعارات اور حقیقت کشائی پر صفحے کے صفحے سیاہ ہو سکتے ہیں لیکن فرصت اجازت نہیں دیتی ۔

(۲)

عرفی کا دوسرا قصیدہ "رفتم اے غم ز در عمر شتابان رفتم" ہے - اس زمین میں آصفی نے بھی راجہ مرلی دھر بہادر معتمد صرف خاص شاہی کی مدح میں قصیدہ لکھا ہے - تشبیب فخریہ ہے ، اس لیے دو چار صفحے اس کے بھی نذر کیے جاتے ہیں -

لیکن اس پر لکھنے سے پہلے ہمیں اس کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ عرفی کا قصیدہ لاجواب ہے - آصفی نے جوش مسابقت میں بہت جاں‌فشانی کی ہے - قصیدہ پڑھتے وقت آپ کو خود اس کا اندازہ ہو جائے گا ، لیکن بجز چند اشعار کے ، ان کی سعی مشکور نہیں ہوئی - اس قصیدے میں آصفی عرفی کے ہمنوا نہیں معلوم ہوتے - شعر پر شعر پڑھتے چلے جائیے - بیدل کے ساز کی سی آواز سنائی دیتی ہے ، اور کچھ نہیں -

گزشتہ قصائد کے برخلاف ، یہاں آصفی کو خود اس کا احساس ہے - عرفی کے ان قوافی پر جو حد اعجاز کو پہنچ چکے ہیں ، انھوں نے قلم نہیں اٹھایا - یہی امر اس احساس کا غماز ہے اور جب یہ بات مسلم ہے ، تو پھر ہم کیوں چست گواہ بنیں -

لیکن جب ہم قصیدے کے خاتمے پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ شعر سامنے آتے ہیں :

این گہرہا کہ بر آوردہ ام از معدن دل
نہ شماری کہ بغارت گری کان رفتم
ہمرہ عرفی و فیضی و حزین و شوکت
اندرین مرحلہ چون برق شتابان رفتم
سعی اندیشہ درین عرصہ قدم پیش گزاشت
گرچہ در وادی ہستی پس ایشان رفتم

ان اشعار میں کھلا ہوا مقابلہ نظر آتا ہے ، لہذا ہمیں دیکھنا چاہیے کہ یہ کہاں تک درست ہے - ہماری اپنی رائے جسے ہم تقابل سے پہلے ظاہر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں ، یہ ہے کہ عرفی کو مستثنیٰ کرکے باقی ہمراہیوں سے آصفی پیش پیش ہیں - و ذالک فضل اللہ -

ہم قافیہ اشعار سے پیشتر "انانیت" کے دعوے سن لیجیے - چوں کہ فخریہ

کی روح یہی ہے ، اس لیے بڑی حد تک اس سے اندازہ ہو سکے گا ۔

عرفی :
منم آن قطرہ کہ صد سینہ و دل کردم داغ
تا ز نوک مژہ غلطیدہ بدامان رفتم
منم آن یوسف یک روزہ کہ نیا رفتہ بہ مصر
تا برون آمدم از چاہ بزندان رفتم

آصفی :
منم آن حسرتی دیدہ کہ پیش محمل
آہ مجنون شدہ در دشت حدی خوان رفتم
منم آن طائر آزاد کہ در بند قفس
پر پر آوردہ ، ز گلزار پر افشان رفتم

یہ دونوں شعر ہم معنی ہیں ۔ مدعا یہ ہے کہ اس ناشاد دنیا میں راحت سے پہلے غم نصیب ہوا ۔ ابھی جی بھر کر لطف اندوز حیات نہ ہونے پائے تھے کہ قیدیِ حوادث ہو گئے ۔ اس مفہوم کو عرفی نے یوسف ، مصر اور زندان کی تلمیح کی نذر کر دیا ۔ آصفی نے طائر ، قفس اور گلزار کی پناہ لی ، لیکن اس قدر فرق رہا کہ عرفی اس کو بد روزی قرار دے کر ماتم کر رہا ہے ، آصفی اس کو آزادی سمجھ کر شاداں ہیں اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے ۔

عرفی :
منم آن غنچۂ پژمردہ کہ از باد خزان
خندہ بر لب گرہ و سر بگریبان رفتم

آصفی :
منم آن نکہت پیراہن یوسف کہ ز مصر
بدماغ و دل یعقوب ، بہ کنعان رفتم

عرفی نے پھر وہی رونا رویا ہے ۔ باد خزاں نے اس کو کھلنے سے پہلے کمھلا دیا تھا ، اس لیے ہر شعر فریادی ہے ۔ آصفی یہاں بھی ''حیات نوید'' ہیں ۔ یوسف[ع] کی قمیص ، حضرت یعقوب[ع] کی بے نور آنکھوں کے واسطے نور تھی ۔ جب یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے شناخت کر لیا اور اپنی کرتوت پر پشیمان ہوئے ، تو انھوں نے فرمایا : ''اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا''۔ یہ میرا کرتا لے جاؤ اور میرے والد کے چہرے پر ڈال دو ، وہ بینا ہو کر چلے آئیں گے ۔

آصفی کا دعویٰ بھی یہی ہے ۔ ان کا کلام اپنے معنوی حقائق و معارف

اور لفظی محاسن کے باعث مذاق سلیم کے لیے روحانی غذا ہے اس لیے وہ بجا فرماتے ہیں کہ میں دنیا کے لیے پیغام زیست ہوں ۔

عرفی : منم آن ہیکل روحانی اندیشہ خدا

کہ در آب زدم ، بر اثر نان رفتم

آصفی : منم آن عاشق شوریدہ کہ با لشکر شوق

ہمہ برہم زنی بزم رقیبان رفتم

عرفی کہتا ہے کہ ''عالم تجرد میں ، میں خدائی اندیش روحانی صورت تھا ، مگر قسمت میں ذلت لکھی تھی ۔ اس دنیا میں آ کر آب و دانہ کے لیے در بدر مارا مارا پھرنا پڑا''۔ چونکہ وہ صاحب کمال تھا ، اس لیے اپنی ذات کو برتر دیکھنا چاہتا تھا ۔ خانخانان اور میر ابوالفتح کی قدر دانی نے ان کی اشک شوئی کی ۔ مگر ہندوستان کی داد و دہش نے ، جو اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے معاصرین کو مالا مال کر چکی تھی ، اس کی طرف پورا التفات نہیں کیا ، اس لیے قصیدے بھر میں یہی رونا رویا ہے ۔

آصفی بھی صاحب کمال تھے ۔ انھوں نے بھی نا قدردانی کے مظالم سہے اور اپنی آنکھوں کے سامنے ابجد خوانوں کو شہرت کے تخت پر جلوہ‌گر دیکھا ۔ مگر یہ دنیا میں عمل کی تعلیم لے کر آئے تھے ، اس لیے شور اور واویلا کی جگہ ہمت کا سبق دیتے ہیں ، فرماتے ہیں :

''میں ایسا شوریدہ مزاج عاشق ہوں کہ اپنے شوق کے ہمراہ رقیبوں پر چڑھ دوڑوں گا اور ساری بزم درہم برہم ہوجائے گی'' ۔ بالفاظ دیگر انسان کو رقابت کے باعث دل چھوڑ دینا ہرگز نہ چاہیے ۔ ازل سے ابد تک یہاں ''تنازع للبقا'' جاری رہے گا ۔ یہ فطرت کا قانون ہے ۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی قوت و استعداد سے خود راستہ صاف کر لیں ۔ موانع دیکھ کر رونا بزدلی ہے ۔

عرفی : منم آن میوۂ اوزندہ بہ بستان کمال

کہ بدست و دہن ذائقہ ارزان رفتم

آصفی : منم آن ہدہد پیغام بسر عالم شوق

سوے بلقیس بہ صد شوق سلیمان رفتم

عرفی کو وہی فلک کی شکایت ہے ، آصفی کو وہی آرزوے عمل اور اسی

دعوتِ کار کا ذوق ہے :-

عرفی : منم آن سیر ز جان گشتہ کہ با تیغ و کفن
بدر خانۂ جلاد غزل خوان رفتم

آصفی : منم آن نالہ کہ با برگ خراشیدن جان
از دلِ خستۂ فرہاد بیابان رفتم

یہاں بھی گزشتہ اختلاف خیال کارگر ہے ۔ عرفی کو یاس و حرمان نے جان سے بیزار کر دیا ہے ۔ اب وہ اس بات کو زندگی سمجھتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح زنجیرِ حیات سے پانو نکال لے ۔ مگر آصفی محروم رہ کر بھی جان سے ہاتھ نہیں دھو بیٹھتے ۔ مانا کہ وہ فرہاد کے خستہ دل کے نالۂ پر سوز ہیں ، لیکن پھر بھی اس قدر ''اثر در دامن'' ہیں کہ زمین و آسمان کو ہلا ڈالیں گے ۔

عرفی کی ''انانیت'' ختم ہو گئی ، لیکن آصفی کا دعویٰ تمام نہیں ہوا ۔ یہ زنجیر کی چند کڑیاں تھیں ۔ باقی حصہ تصویر کا دوسرا رخ ہے ۔ فرماتے ہیں :

منم آن نالہ کہ با برگ خراشیدن جان
از دل خستۂ فرہاد بیابان رفتم
گاہ از حسرت جان بخشیِ لعل لب یار
جوش خون گشتم ، و از دیدۂ گریان رفتم
گاہ از کشمکش رنج خمار امکان
صورت نشۂ مے از سر مستان رفتم
گاہ از گرمی داغ جگر سوختۂ
ہمچو آہے ز دل تنگ پشیمان رفتم
گاہ از بہر جلاے نظر چشم کمال
کحل بینش شدم و سوی صفاہان رفتم
گاہ چون ولولۂ شوق زلیخا از مصر
بہ طلب کاری یوسف سوے کنعان رفتم
گاہ چون آئینہ در محفل رعنا صنمان
رفتم از خویش ، ولے با دل حیران رفتم

گاہ چون بوے گل از شیوۂ آزادہ روی
دستبرد دست صبا ، از چمنستان رفتم
گہ ز رنگینیِ لعل سخن شعلہ فگن
آتش رشکہ شدم ، سوی گلستان رفتم

ان اشعار کو پڑھیے۔ عرفی کا قصیدہ خوب تر ہے ۔ لیکن خوبی خدا نہیں ہے۔ ممکن ہے کئی چیزیں خوب نکلیں ۔ ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۷ اور آٹھواں شعر شاعری کی تصویر ہے۔

عرفی نے ''منت نا پذیری'' کا راگ الاپنا چاہا ہے ۔ احسان قافیہ استعمال کرتا ہے :

آرزو کشتم و خون خوردم ، و عشرت کردم
نہ در جور زدم ، نے بر احسان رفتم

مدعا یہ ہے کہ آرزوؤں کا خون کرنا میں نے گوارا کیا ، لیکن تیرے میرے آگے فریاد لے کر نہیں گیا ۔ بات بالکل معمولی ہے، لیکن مصرع اول کے دلکش فقروں سے حسن پیدا ہو گیا ہے ۔ آصفی نے بھی اس قافیے پر طبع آزمائی کی ہے ۔ فرماتے ہیں :

خلش نیشتر غیرت منت نہ گزاشت
جوش خونابہ شدم ، از رگ احسان رفتم

شریان خون کا گھر ہے اور خون پر زندگی کا مدار ہے ۔ ادھر شریان چھڑی اور معتدبہ حصہ خون نکلا کہ ادھر سلسلۂ حیات ختم ہو گیا ۔ شاعر ''احسان'' کو انسان فرض کرکے ، اپنی ذات کو اس میں دوڑنے پھرنے والا خون تصور کرتا ہے ۔ رگ نشتر وغیرہ نوکیلی چیز سے چھیڑی جاتی ہے ۔ ''غیرت منت'' میں باہمت کے لیے ، کافی سامان خلش ہے ۔ اس لیے احسان کا بار ، اس کے لیے نشتر کا کام دیتا ہے ۔ ادھر احسان قبول کیا ، ادھر خون کی طرح باہر آ رہا ۔ اس مفہوم کو جدت نے بلند اور مضبوط بنا دیا ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

''میں احسان اٹھا ہی نہیں سکتا ؛ کیوں کہ میں رگ احسان کا خون ہوں اور منت نشتر ہے ۔ نشتر کی نوک کے آگے خون کی کیا مجال کہ باہر نہ بہ نکلے'' ۔ بہ الفاظ دیگر میرے حق میں ''احسان''

کا وجود ہی نہیں ہے اس لیے کہ میں اس کی زندگی ہوں ۔ جب میں ہی اس سے جدا ہو گیا ، تو وہ کس طرح زندہ رہ سکتا ہے ۔

اسی مفہوم کو دوسری جگہ پھر نظم کیا ہے :

بختم از ہمت بے حاصلیم داشت نشان
برق گردیدم و بر خرمن احسان رفتم

چونکہ قسمت میری یاور تھی ، اس لیے ازل سے ہمت ساتھ لایا تھا ۔ گو اس سے حاصل کچھ نہ ہوا ، لیکن سہارا تو تھا ، لہذا میں نے بجلی بن کر خرمن احسان کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا ۔ نہ دنیا میں احسان کا وجود ہوگا اور نہ دنیا کے اسباب ننگ و عار میں طوفان نظر آئے گا ۔

عرفی نے صرف خود ''احسان'' کا بار نہیں اٹھایا ۔ لیکن آصفی نے سرے سے احسان کا وجود ہی مٹا ڈالا ۔ بہ غور پڑھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ گو عرفی کا شعر بھی اپنی جگہ خوب ہے لیکن آصفی کے دونوں شعر خوب، تر اور مضبوط ترین ہیں ۔ آگے چل کر آصفی نے پھر یہی مضمون نظم کیا ہے لیکن قافیہ اور ہے ۔ اس لیے جدت زیادہ نمایاں ہے ۔ فرماتے ہیں :

در جہانے کہ خموشی نہ کشد ننگ سوال
حرف احسان شدم ، از یاد کریمان رفتم

سبحان اللہ ! شاعر کے تخیل میں ایسی دنیا بھی موجود ہے ۔ جہاں خاموشی ، سوال کو باعث ننگ سمجھتی ہے ۔

عرفی : از پریشانی دل سوختم و بہر علاج
ہم بدریوزۂ دل‌ہاے پریشان رفتم

آصفی : اندرین دشت بدوش طلب نالۂ شوق
چون جرس از دل شوریدہ پریشان رفتم

عرفی : زان شکستم کہ بدنبال دل خویش مدام
در نشیب شکن زلف پریشان رفتم

آصفی : صورت نغمۂ نے ، از غم این کوچۂ تنگ
ہر نفس دست بدیوار و پریشان رفتم

مضمون طویل ہو گیا ہے اس لیے ان قوافی پر آپ خود غور کیجیے ۔ آصفی نے یہ دونوں شعر بھی عرفی سے بہتر ہی لکھے ہیں ۔ علاوہ ازین آصفی کے

یہ شعر بھی لطافت در دامن کہے جا سکتے ہیں :

گردش ساغر این بزم دماغم آشفت
صورت ہوش ، ز ہم بزمی مستان رفتم

نشۂ فطرت من ، در خور ہر مغز نبود
جوش صہبا شدم از شیشۂ امکان رفتم

برگ برگ چمن دہر خزانی دیدم
شور بلبل شدم ، از سیر گلستان رفتم

کلفت خاطر من بود پریشان آہنگ
گرد بادے شدم و سوے بیابان رفتم

عشرت ہستی من بود ز تلخی حیات
نوش جستم بے زہرابۂ ثعبان رفتم

رمز نشگافتم از خندۂ گلہاے بہار
زین چمن ، غنچہ صفت سر بگریبان رفتم

کوچۂ زخم دل بسمل حسرت جستم
ہر قفاے اثر شوخی پیکان رفتم

بسکہ کوچک دلی آبلۂ پا دل داد
راہ صحراے جنون با بن دندان رفتم

کاروانم ز قفا دیدۂ غارت میداشت
خواب شیرین شدم از چشم نگہبان رفتم

یاس گردید رفیق سفر ناکامی
بخت نازد کہ سبکسار بحرمان رفتم

شوخی حسن برسوائی نظارہ کشید
دامن آلودہ تر از باد بہاران رفتم

(۳)

آصفی کا تیسرا فخریہ ''دبستابش ، اور ''حیرانش'' ہے ۔ غالباً ان قوافی میں سب سے پہلے انوری نے قصیدہ لکھا تھا ۔ خاقانی ، عرفی اور قاآنی وغیرہ تخت خلافت پر متمکن ہوے تو انھوں نے بھی اپنے پیش رو کا تتبع کیا ۔ لیکن جہاں تک ہماری نظر ہے ، خاقانی کا قصیدہ سب سے بہتر تسلیم کیا گیا ہے ۔

اُس نے تشبیب میں سب سے پہلے متصوفانہ فخر استعمال کیا ، اور آئندہ کے لیے نئی راہ پیدا کردی ۔ متاخرین میں صرف عرفی سے امید تھی کہ وہ اس روش کو اختیار کرے گا ۔ لیکن ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی ، جب اُس کا قصیدہ بایں الفاظ ہماری نظر سے گزرتا ہے کہ :

دل من باغبان عشق و حیرانی گلستانش
ازل دروازۂ باغ و ابد حد خیابانش

عرفی نے قصیدہ کیسا لکھا ہے ، اس کے متعلق کچھ کہنا بے کار ہے ۔ آپ خود خاقانی اور عرفی کے قصیدے کو پہلو بہ پہلو رکھ کر دیکھ لیجیے ۔ کہاں تصوف کے نازک ترین معاملات اور کہاں گل ، گلستان ، باغبان اور باغ وغیرہ کا بے جا صرف ۔ خیر اس میں بھی کچھ مضائقہ نہ تھا ۔ اکثر شعرا نے اس پردے میں بھی لیلی جمال کو جلوہ گر دیکھا ہے ۔

مگر افسوس یہ ہے کہ یہاں عرفی نے اپنے مسلک شعر کو خیر باد کہہ دیا ہے ۔ اگر اُس کے کلیات کے تمام نسخوں میں یہ قصیدہ مندرج نہ ہوتا تو بمشکل یقین آتا کہ یہ الحاقی نہیں ہے ۔

اس کے برخلاف آصفی نے اس دریا کو مشاق ترین تیراک کی طرح عبور کیا ہے ۔ انھوں نے ٹھیک اُسی جگہ قدم رکھا ہے ، جہاں سے خاقانی نے قدم اٹھایا تھا ۔ مگر اُس سے بھی زائد سنبھل کر ، اور زیادہ تیزی سے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

دلم طفلے و درسش عشق و خاموشی دبستانش
معلم فیض ہستی ، نقش امکان حرف نسیانش

سر زانو بجشمش بود آن دم تختۂ مشقے
کہ عقل اولین گردد سبق آموز امکانش

بجز فیض معلم ، در نگاہ حیرت ایجادش
نمی کردے سیاہی ، از مکین چشم حیرانش

سواد ہوش روشن کرد چون از فطرت عالی
نمود خود بجال خویشتن می داشت گریبانش

معلم دید استعداد فطرت از قضا ایمن
سرشک خون بدامن پاک فرمودہ ز مژگانش

بہ پیش چشم او آئینۂ بنہاد از رازے
کہ عکس بے نیازی داشت از اعیان و امکانش

تجلی برق زد بر دیدۂ ادراک او آن دم
کہ عکس و آئینہ شد محو و ماندہ چشم حیرانش

پس از حیرت نگاہی ، یافت چون سرمایۂ بینش
تجلی کرد دیگر جلوہ در آغوش مژگانش

بآن پرتو بچشم او فروغ آگہی آمد
کہ خواہد در کنارش چرخ و صد خورشید تابانش

شیونات تکثر در محیط نقطۂ دیدہ
کہ از پرکار وحدت بود ہم عنوان و پایانش

نہ نقطہ ، بلکہ از میم محمد چشمۂ بودہ
کہ از ہر قطرہ اش سر بر زدے صد چرخ و کیوانش

ان اشعار کو پڑھیے اور دیکھیے ، صوفیانہ نقطۂ نظر سے ، انسان اور عالم کی حقیقت کا اظہار کس پختگی سے کیا گیا ہے ۔ خاقانی نے بھی یہی نغمہ الاپا ہے ۔ لیکن الحق کہ اس درجہ معجز نہیں ہے ۔ مولانا آگے چل کر فرماتے ہیں :

ز طفلے گوش کن اسرار ہستی کز نوآموزی
معلم بود فیض لایزالی در دبستانش

ز لوح عشق درس خامشی زان پیش بگرفتم
کہ عقل اولین از کاف نون گردد سبق خوانش

دران مکتب کہ باشد حیرت انشا خامۂ فطرت
نہ باشد غیر عشق خامشی در لوح عنوانش

ز درد عشق خاموشی بہ است از نالہ انگیزی
کہ می نالد طبیب عقل از اندوہ درمانش

مخلص :

سلسلۂ کلام میں نا معلوم طور پر ، کسی کی تعریف یا مذمت شروع کر دینا ''مخلص'' یا ''گریز'' کہلاتا ہے ۔ بہتر مخلص وہ مانا جاتا ہے جہاں اس خوبی سے مدعا بیان کیا جائے کہ سننے والا اسے ما قبل کا نتیجہ خیال

کرے ، یعنی ذہن سرعت سے اس طرف منتقل ہو سکے اور طبیعت میں استعجاب نہ پیدا ہو ۔

شعرا نے عموماً مخلص میں زور لگایا ہے ۔ آصفی نے بھی بڑے حسن سے اس فرض کو انجام دیا ہے ۔ چند مثالوں سے اس کا اندازہ ہو سکے گا ۔

(۱) نعتیہ قصیدہ لکھ رہے ہیں ۔ تشبیب میں علو ہمت کی تعلیم ، خود داری اور منت ناپذیری کی تلقین اور گدا گری کی مذمت کرتے کرتے فرماتے ہیں :

گر حرص کشد دامن فقرت بسوالے　　سلطان عرب وایہ دہد دخل عجم را
آن شاہ جہان گرد جہان بخش کہ جودش　　طغرائے کمال ست منا شیر کرم را

(۲) بہار کی لطافت سے صفحے روکش گلزار ہیں ، نشو و نما کی فراوانی سے عالم خطۂ کشمیر نظر آرہا ہے، گل ہائے تر کے جوشِ رنگ و بو سے دشت و صحرا کو گلبن و بوستان کی ہمسری کا دعویٰ ہے ، یاسمین و نسترن اور سنبل و نرگس سے دنیا بھری پڑی ہے ، رندان مے آشام رنگ رلیاں منا رہے ہیں ، دنیا میں عیش و نشاط کی محفلیں آراستہ ہیں ، ہم جولی کھیل کود میں مشغول ہیں ، احباب باہم مبارک باد دے رہے ہیں ، مصاحب رؤساء و سلاطین کے حضور میں تہنیت نامے پیش کر رہے ہیں ۔ شاعر گوشۂ عزلت میں بیٹھا ہوا یہ سب کچھ سن اور دیکھ رہا ہے ، مگر اُسے کچھ ایسی لو لگی ہے کہ صرف ایک ہی آستانے کا پرستار اور ایک ہی ذات کا والہ بنا ہوا ہے ۔ چنانچہ بلبلوں کے نغمے سن کر ضبط نہیں کر سکتا اور آسمانی ترانہ شروع کر دیتا ہے ۔

یہ مضمون آصفی کے ہاں یوں ادا ہوا ہے ۔ بہار کا تذکرہ کرتے کرتے فرماتے ہیں :

درین بہار، کہ ہر کس بگشادہ بر رخ دل
در نشاط پرستی و عیش ایوان را
عجب کہ سجدہ ز مستی بپاے خم نکنند
کہ گشت مے کدہ بیت الحرام مستان را

نہد اساس بہ وضع ہنروری کہ از　　ندیم ، رسم ستائش گری سلطان را
نابتراز طرب از درونہ جوش زند　　بلب ترانۂ گل، بلبلِ خوش الحان را

بگرمی نفس افروختم بہ کعبۂ تار   زنعت نور خدا ، شمع دین و ایمان را
ظہور ہستی حق ، عین قدرت اعجاز   کہ کرد پارہ بسیابہ ماہ تابان را

(۳) صنم پرستی میں عمر کا گراں مایہ حصہ صرف ہو چکا ہے ، نیاز عشق پتھر کے مغرور و بے جان مجسمے کے روبرو نیم بسمل ہے، مگر بے سود ۔ یکایک معاملہ ضبط کی حدود سے گزر جاتا ہے اور طبیعت دیر کی جگہ حرم اور صنم کی جگہ خدا کی جویا ہوتی ہے ۔ مگر راستہ دشوار گزار اور منزل کٹھن ہے ۔ نگاہ اٹھتی ہے اور ناپیدا کنار دشت میں گم ہو کر رہ جاتی ہے ۔ عقل سرگردان ہے کہ راہ پر کہاں سے لائے ۔ یکایک ممدوح کا خیال آ جاتا ہے ۔ فرماتے ہیں :

ہر چند کہ این مرحلہ از صعب گزاری   فرسودہ کند حوصلۂ اہل ہمم را
اما عجبے نیست ، کند آصف دوران   خضر رہ من قائد توفیق کرم را

(۴) برسات کا موسم ہے ، تمازت آفتاب نے بخارات کے انبار لگا دیے ہیں ، ہوائیں چلتی ہیں اور ان ذروں کو فلک تاز بنا دیتی ہیں ۔ ذرات کالی کالی گھٹائیں بن کر عالم پر چھا جاتے ہیں ۔ بادل گرجتا ہے ، بجلی چمکتی ہے اور دنیا مارے ڈر کے سہمی جاتی ہے ۔ شاعر دیکھ کر حیران ہے ۔ اللہ اللہ ! کس قدر ڈراؤنی گھٹا ہے ۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا ۔ سچ ہے :

جہان در ظلمتش خفتے ، ہمہ انوار بنہفتے
نبودے عدل سلطان دکن گر مطلع بیضا

(۵) بہار کا موسم ہے اور دنیا رشک فردوس نظر آرہی ہے ۔ مگر شاعر اپنی تنگ و تاریک کوٹھری میں بیٹھا ہوا ہے ۔ دل چاہتا ہے کہ مناظر قدرت کا تماشہ کرے ، مگر یہ ہے کہ پڑا گھُٹ رہا ہے ۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر دل سے رہا نہیں جاتا اور مجبور ہو کر کہہ اٹھتا ہے :

عالمے از بادۂ عشرت دماغے تازہ کرد
مغز جانم از خمار غم پریشان آمدہ است
تو دریں خلوت نشستی عرصہ برمن تنگ شد
وقت چاک جیب و دامان و گریبان آمدہ است
تا بکے در کنج تنہائی ، بخلوت خون شدن
غنچہ آسا تا بلب خوناب شریان آمدہ است

شاعر سن کر جواب دیتا ہے :

گفتمش باشد جنون بے یار و ساقی سیر باغ
گرچہ در گلزار ، ساز باغ رضوان آمدہ است
تلخ باشد ساغر و مینا بہ پیش مے گسار
لالہ و گل ہمچو خوناب شہیدان آمدہ است

دل ہوا و ہوس کا مطیع بندہ ہوتا تو اسے منظور کر لیتا لیکن وہ تو "عرش الٰہی" ہے ، لہذا اس برہم کو سنجیدہ فہمائش شروع کرتا ہے -

گفت نبود جز ہوائے نفس ، ساقی و شراب
عقل زین ساز ہوس ، بر خویش لرزان آمدہ است
دل بہ مہر سادگان بستن ، ز فسق ست و فجور
صحبت ام الخبائث ، کار شیطان آمدہ است
از حضور نفس بگذر ، ہمسری عقل کن
آن چو زندان ست واین چون باغ رضوان آمدہ است

شاعر اس کا جواب وہی دیتا ہے جو ہر امرد پرست صوفی دیا کرتا ہے - یعنی ہم ان خاکی نقوش میں صنع باری کا مشاہدہ کرتے ہیں ، قضائے شہوت مقصود نہیں ہے ، کیونکہ :

ہر چہ خوبان را بود خوبی حسن از خط و خال
حسن صانع ، در نقاب خط خوبان آمدہ است .

دل یہ جواب سن کر ہنس پڑتا ہے - یا اللہ ! کس قدر مکار لوگ ہیں ، خواہمخواہ مغالطے میں ڈالتے ہیں - کیا فطرت کا مظہر صرف یہی ہے ؟ کیا قدرت کی گل کاریاں اس قدر محدود تھیں کہ ان سے صرف انسان ہی بہرہ مند ہو سکا ؟ سبحانک ھذا بہتان عظیم فطرت کی توہین کرنے والے :
عالم نیرنگ دارد ، ہر گلے اندر کنار عالم امثال از گلشن نمایان آمدہ است
کیونکہ :

ہر گلے آئینہ دار لالہ رویان آمدہ است

جلوۂ ہر نقش می بین و بہ حسنش دل مبند
بستن دل بر صور از نقص انسان آمدہ است

گر نہ داری آگہی، اوضاع عالم را نگر
کز حدیث ذات ، نقصانش بامکان آمدہ است

شاعر کی عقل سے غفلت کے پردے اٹھ جاتے ہیں ۔ لیکن ایسی رہنما ذات کہاں تلاش کرے جو اسرار عالم سے کما حقہ واقف ہو ۔ اس پر دل رہنمائی کرتا ہے اور رسولؐ خدا کی طرف اشارہ کرتا ہے :

گفت برگیر از کمال ذات پیغمبر سبق
آنکہ ذاتش مظہر اسرار اکوان آمدہ است
گلبن باغ نبوت ، گلشن آرائے شرف
آنکہ خاشاک حریمش ، باغ رضوان آمدہ است

(۶) بہار دنیا پر چھائی ہوئی ہے ۔ درخت ، شاخ ، پھول پھل ، پتے ، کونپلیں ، گھاس ، غرض ہر وہ شئے جس میں نمو کام کر سکتا ہے ، سرمست ہے ۔ یوں تو ہر زمانے میں شراب خوش گوار ہوتی ہے ، لیکن خاص کر ایسے زندہ وقت میں تو یہ صرف مزہ ہی نہیں ، ہمہ زندگی ہے ۔ اس عیش نوید ہنگام سے زمانہ حظ اٹھا رہا ہے ، لیکن شاعر اب بھی غم نصیب ہے ، کیونکہ :

چرخ بمن جنگ داشت ، غصہ دلم تنگ داشت
پیکر بیرنگ داشت بہت ستیزہ شعار

یکایک دروازے پر کوئی دستک دیتا ہے ، شاعر دیوانہ وار دوڑتا ہے ۔ دروازہ کھولتے ہی آنکھوں کے سامنے بجلی سی کوند جاتی ہے ۔ سامنے وہ ذات نظر آتی ہے جو مختصر الفاظ میں اس کی روح ہے ، لیکن یہ کس لیے ؟ کیا آج اس کی امیدیں بر آئیں گی ؟ ہاں بے شک ! کیوں کہ آج اس نے آتے ہی :

لب بہ لب من نہاد ، جان بہ تن مردہ داد
غنچۂ دل بر کشاد ، ہمچو نسیم بہار

جب شاعر کی رگوں میں زندگی دوڑ جاتی ہے تو داد عیش دینے کو تیار ہو جاتا ہے ۔ معشوق ساقی بنتا ہے اور اب مجلس میں شراب ہی شراب ہے ۔ جب ذرا دماغ بادۂ عیش سے تازہ ہو جاتا ہے ، تو معشوق خسرو دکن کی مدحت شروع کرتا ہے کہ وہ ایسا بہادر ، کرم گستر، سخی اور مسیحا ہے کہ زمانے میں اس کی نظیر نہیں ۔ شاعر کہتا ہے کہ اس میں تو مطلق شک و شبہہ کی گنجائش نہیں ، لیکن یہ بھی تو واقعہ ہے کہ اس ذات تک رسائی کہاں ؟

اہل جاہ کی وہاں رسائی ہے ، اس لیے وہی فیض یاب بھی ہوں گے ۔ معشوق

گفت ندانی ۔ مگر نیست ترا زان خبر
یاد شہ داد گر ، از خرد خوردہ کار

از ہمہ دانشوران ، وز ہمہ نام آوران
رغم دگر برتران ، کرد گزین مرد کار

صدر امیران گزید ، بدر مشیران گزید
فخر دبیران گزید ، شاہ عدالت شعار

حضرت عبدالرحیم ، کز خرد مستقیم
مقتصد ست و کریم ، بہر صغار و کبار

(ے) معشوق نے آ کر شاعر کو بے تاب شوق کر دیا ۔ آہ ! کوئی کس طرح قابو میں رہ سکتا ہے جبکہ :

صورت عقد ثریا کہ بود در شفقے
بود در حقہ یاقوت لبش سلک گہر

بود از پرتو رخسارۂ او شب کافور
بود کافور ہم از سایۂ شب چون عنبر

از حریر تن صاف گہرش می لغزید
گر رسیدے بہ تن او ز ہوس دست نظر

ذوق از لعل لبش در شکرستان آمد
لذتش برد ز دل لذت قند و شکر

سنبل غالیہ گونش بدماغم افگند
شور سودائے جنونے بہ ہوائے دیگر

جس طرح تشنہ لب سراب کو دیکھ کر دیوانہ وار دوڑتا ہے ، اسی اضطراب اور شوق کے ساتھ شاعر اسے آغوش میں لے لیتا ہے ۔ ناز و غمزہ کے بعد معشوق کہتا ہے : ”یہ تو نے اپنا حال کیا بنا لیا ہے ؟ نہ سیر باغ ہے ، نہ بادہ و ساغر ہے ۔ دنیا میں مجلس عیش آراستہ ہے ۔ اور تو سیاہ خانے میں پڑا ہوا ہے ۔ نہ معشوق شیریں کام دربر ہے ، نہ انیس و جلیس میسر“ ۔ شاعر جواب دیتا ہے :

”یہاں ساغر ، شراب اور شاہد روح پرور کا کیا ذکر ! یہاں تو صدائے

اللہ اکبر کانوں میں آجاتی ہے اور بس - ہر طرف رندی و ہوس ناکی کے عوض زہد و اتقا کا دور دورہ ہے "۔ وہ پوچھتا ہے "یہ کون مقام ہے ؟ ہم نے تو ایسی جگہ نہ دیکھی نہ سنی - یہاں کا فرمانروا کون ہے ؟ اور وزارت کی باگ کس کے ہاتھ میں ہے؟" شاعر جواب دیتا ہے :

گفتم این شہر نہ باشد کہ بہشت امن ست
مطمئن ہست دل خلق ز ہر گونہ حذر
میر محبوب علی خان نظام آصف جاہ
کہ بود فخر سلاطین و خدیو کشور
آسمان جاہ و ارسطوی زمان دستوریست
کہ بہ‌ئے عز و جلال ست وجودش مفتخر

(۸) سورج اپنی خواب گاہ میں استراحت کو جا چکا ہے - نیلے آسمان پر روشن فرشتے جلوہ آرا ہیں - چاند سیاروں کو ہمراہ لے کر مجلس میں بیٹھا ہے - شمعیں روشن ہیں ، حسین رقاصہ کھڑی ناچ رہی ہے ، اور ارباب نشاط سامعہ نوازی کر رہے ہیں - شاعر اپنے تاریک صحن میں لیٹا ہوا ، رشک آمیز نگاہوں سے یہ ماجرا دیکھ رہا ہے - کاش اُس کا دل بھی پہلو میں ہوتا ، کہ اتنے میں :

ماہ دو ہفتۂ من ، کوفت در بستۂ من
داد آواز ز مستی بنوائے دف و چنگ

بہ کفے ساغر مے ، در کف دیگر میداشت
بط مے را ، چو عقابے کہ بگیرد در چنگ

گفتم اے ناز تو سابق قدم از فتنۂ حشر
وے بتاراج نگاہ تو ہمہ چین و فرنگ

طرۂ لیلی شب ، مشک سیہ افشانند
تو درین پردۂ نیرنگ چہ داری آہنگ

پردۂ کحلی شب ، مشک فروش خواب ست
خفت در مشک باین لحظہ چہ روم ست وچہ زنگ

سر بیالش بنہ و نرگس فتان بر بند
محتسب تا نکند عربدہہا یا سر جنگ

گفت ، امشب ہمہ یکسے بادۂ مست اند و خراب
عسس و محتسب و شحنہ بود یا سرہنگ

گفتم ، اندازۂ گفتار نگہدار بہوش
تو مپندار بہمستی کہ جہان ست ملنگ

گفت ، ہشیاری چون تو ہمہ در غفلت زد
حال کشور چہ شناسی تو درین گوشۂ تنگ

امشب از وسعت مشرب بدکن داد صلا
جشن سال شہ زینت دہ تاج و اورنگ

(۹) نواب سر مزمل‌اللہ خاں بہادر رئیس بھیکم پور کی مدح میں قصیدہ لکھا ہے ۔ یہاں جس بے ساختگی کے ساتھ گریز کی ہے ، اس کی مثالیں بہت ہی کم نظر آتی ہیں ۔ فرماتے ہیں :

چون ہلال رمضان شد شرف افزاے صیام
تافت از وی بفلک اختر عز اسلام
سبحل روزہ بسر آراست چنان مفتی روز
کہ بہ آفاق حلالش ہمہ گردید حرام
گر مسیحا ز فلک مائدۂ می آورد
بودے از نعمت جنت متنفر لب و کام
فالمثل خضر اگر آب حیات آوردے
حرمتش بود بصائم صفت آب حرام

بانگ تہلیل بہم گشت ز ہر سینہ بلند | شور تسبیح ز دل بست بلبہا احرام
جائے گلبانگ صراحی نفس توبہ برمست | جاے مے بود سرشک شفقی اندر جام

نارسا گشت چنان سلسلۂ زلف دراز
کز کشاکش دل شوریدہ پذیرفت آرام

از دکن روئے نہادم بسوئے کشور ہند
پائے جولان بکشادم بہ سفر از آرام
دل آشفتہ نمی یافت تسلی کدۂ
طبع شوریدہ نمی کرد بہ یک جائے مقام
چارمین هفته شد آخر چو ازان ماه صیام
ماه دو هفتهٔ من آمده چون ماه تمام
جنبش ابروی او برق قیامت آثار
مستی نرگس او فتنۂ حشر اندام
گردش چشم سیہ ، فتنۂ دور گردون
حلقۂ زلف رسا ، سلسلۂ روز قیام
در ادب گاه نیازش ز خم ابروئے
پشت دستے بزمین داشت مہ نو بسلام
شوخ مستانہ لب راز نہادہ بہ لبم
بوئے صہبائے لبش برد ز سر ہوش انجام
گفت ، ساغر رمضان مست بغربت مپسند
کہ کنم صبر ز مے تا سحر عید صیام
ساز و برگ طرب آرائے کہ بمن از ماہے
بادۂ صافی عشرت رمضان کرد حرام
گفتم ، اے شوخ بغربت چہ طرب می جوئی
ساقی و بادہ کجاینست ، کجا شیشہ و جام

نہ حریفے کہ بسازیم باو ساز طرب
نہ جلیسے کہ طرازیم باو بزم مدام
چون من و تو ز سفر سوی وطن باز رسیم
بگزینیم بہم ہمدمی شیشہ و جام

اس پر معشوق برافروختہ ہو گیا ۔ ریائی زہد کے طعنے اور ترک ملاقات کی دھمکیاں دیں اور شکست توبہ پر آمادہ کیا ۔

گفتم ، اے بادۂ لعل تو خمار امکان
گفتم ، از مستی چشم تو جہان مست مدام
اندرون کشور بیگانہ مشو عیش پرست
کسہ پشیمان شوی از رنج خمار انجام
عسس و محتسب و قاضی کشور بیرسند
جرگہ بندند بگرد من و تو زہن آثام

اس کے بعد کیا ہوگا ؟ یہ ہے وہ نقطہ جہاں سے بہ یک جولانی فکر، آصفی ممدوح کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں ، یعنی :

ماجرائے من و تو فاش دم صبح کنند
پیش فرزانۂ دین پرور عز اسلام

مذکورہ مثالیں صحیح اندازہ کرنے کے لیے بہت کافی ہیں ۔ مزید شوق کے لیے کلیات میں کافی سامان فرحت و انبساط موجود ہے ۔ دیکھیے اور لطف اٹھائیے ۔

خاتمہ :

''خاتمہ'' اصطلاح شاعری میں قصیدے کے وہ آخری اشعار کہلاتے ہیں جن میں ممدوح کی درازی عمر و جاہ وغیرہ کے لیے دعائیہ کلمات استعمال کیے جاتے ہیں ۔ عربی قصائد میں ابتداءً اس کا التزام نہ تھا ۔ یا مدح پر قصیدے کو ختم ہی کر دیتے تھے یا کچھ تھوڑی بہت استدعا بھی کر لیتے تھے ۔ غالباً خاتمے کی زیر بحث شکل اس وقت معرض وجود میں آئی ، جب عرب کے قصائد فارسی رنگ روپ اختیار کر چکے تھے ۔ بہرحال فارسی میں خاتمہ قصیدے کا لازمی جز رہا ہے ۔

خاتمے میں شعرا نے سب سے زیادہ غلو کیا ہے ۔ جس قصیدے کو اٹھا کر دیکھو ، زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں ۔

قصیدہ ، مدحیہ نظم کا نام ہے ۔ مدح کسی مطلب سے کی جاتی ہے ۔ اس لیے چنان و چنیں کے بعد حرف مطلب زبان پر آنا لازمی ہے ۔ مداح فرض کرتا ہے کہ ممدوح ستائش پر خوش ہو کر صلہ دے گا ، اس لیے اس کو زائد خوش کرنے کے لیے مدعا طلبی کے بعد ، اس کے لیے دعا کرتا ہے ۔

بہت ممکن ہے کہ سب سے پہلے جس نے دعا دی ہو ، وہ پرخلوص ہو ۔

لیکن کاغذ نے جن قصیدوں کو محفوظ رکھا ہے ، ان میں بلا استثنا کوئی ایک بھی سچی اور صحیح دعا پر حاوی نہیں - جب اوصاف میں ، اس قدر ملمع برتا گیا ہے تو دعا کس طرح سادی رہ سکتی تھی ؟ سب سے زائد جس شئے سے انسان کو محبت ہے ، وہ عمر ہے - انسان کسی حالت میں ہو ، سچے دل سے موت کی تمنا کبھی نہیں کرتا - دولت کے ساتھ ساتھ یہ حالت زیادہ ترق کر جاتی ہے - جو جس قدر زیادہ دولت مند ہوتا ہے، زندگی کے معاملے میں اسی قدر زیادہ حریص بھی ہوتا ہے - چونکہ اس کے دامن حرص و آز میں عمر خضر و الیاس بھی چند لمحے ہوتے ہیں ، اس لیے وہ طوالت عمر کی دعا سے خوش ہوتا ہے - شاعر جو کچھ لینا چاہتا ہے ، چند لفظ خرچ کرکے اس کی آرزو کو تسکین دے دیتا ہے اور کچھ لے بھاگتا ہے - رہ گئی قبولیت تو اسے قبولیت سے نہ کچھ فائدہ اور نہ عدم قبولیت پر کوئی نقصان -

خیر ، مقصد یہ ہے کہ آصفی نے بھی اپنے خاتموں میں سراسر تقلید برتی ہے - جس راہ پر شعرائے سلف چلتے رہے تھے ، وہی اختیار کر لی - بہت ممکن تھا کہ وہ کوئی اجتہادی قدم اٹھاتے لیکن یہ یقینی ہے کہ وقتی فضا میں ان کے لیے آزادی کا سانس لینا محال تھا - وہ اس وقت پیدا ہوئے تھے ، جب بزم مدح کا خمار حد سے گزر چکا تھا - طبیعتیں فرضیات کی عادی ہو گئی تھیں ، اس لیے خمار شکنی کے لیے بھی اسی شراب کی ضرورت تھی - مجبوراً انھیں وہی پیش کرنا پڑی - البتہ بعض مقامات پر یہ کوشش ضرور کی کہ واقعاتی دنیا ، فرض و ادعا کو اپنے ہمراہ لے لے - مگر یہ پہاڑ کے مقابلے میں رائی کا دانہ تھا -

شاعر کے فرض و ادعا کو سب سے زائد پناہ نعت میں ملتی ہے - نعت میں ممدوح وہ ذات ہوتی ہے جو اعتقاداتی دنیا میں خدا کے بعد سب سے بزرگ و برتر ہے - اس لیے اس کے اوصاف میں بھی زبان و قلم سے وہ تمام اسمائے صفت نکل جاتے ہیں جو حقیقت پر محمول کیے جائیں تو بلا استثنا انسان کی ہستی سے بالاتر نکلیں - مگر اس کے باوجود قائل کی عقیدت ''ھل من مزید'' پکارتی ہے - وہ جس قدر مبالغہ کرتا ہے ، اپنے الفاظ کو اسی قدر کوتاہ پاتا ہے - آخر مجبور ہو کر دعا کرتا ہے اور جوش شوق میں سب کچھ مانگ بیٹھتا ہے - چونکہ مدحت نگاری میں اس کو اپنے قصور کا اعتراف ہے ، اس لیے ہم مناجات میں اس کو مقابلۃً : ''دعا قبول ہو یا رب کہ عمر خضر دراز''

کا مصداق نہیں کہہ سکتے ، بلکہ اس کے برخلاف ہم کو یقین ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے ، غیر ممکن ہی نہیں ، وقوعی ہے - ذیل کی مثالیں اس کی وضاحت کرتی ہیں - جب ان میں آپ یہ دیکھیں گے کہ صرف وہی درخواست کی گئی ہے کہ جو نعت کے اندر کسی حالت میں بھی مبالغہ نہیں کہی جا سکتی ، تو آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ اسی قسم کی آرزوئیں اور تمنائیں آصفی کے دل میں دوسرے عاشقان رسالت سے کم پیدا نہیں ہوئیں - فرماتے ہیں :

تا در چمن و دشت بود فیض بہاران
از لالہ و گل ہائے مطرا ، چمن آرا
تا سینۂ کہسار بود خون ز دل لعل
تا لعل جگر رنگ برآرند ز خارا
بادا رخ احباب تو در گلشن ہستی
از بادۂ عشرت ، صفت لالۂ حمرا
چون لعل ز افشردن سر پنجہ غم باد
خون بستہ دل اندر حجر سینۂ اعدا

جب تک دنیا میں بہار کا دور دورہ رہے اور پہاڑوں میں پتھر کے اندر سے خونیں رنگ لعل نکلیں ، تیرے دوست سرخ رو اور دشمن خونیں دل ہوں -

تا حرف و رقم ، مبداء اسرار کمال اند
یا حرف و رقم تا کہ بتد کار قلم را
کلک ازلی نقش طرازندہ کند حرف
در مدحت ذات تو ، ہمہ حرف و رقم را

جب تک دنیا میں اسرار و رموز کے اظہار کا ذریعہ تحریر سمجھی جائے اور تحریر کے لیے قلم درکار ہو ، تمام حروف صرف تیری نعت میں صرف ہوا کریں ، اور دنیا کو اپنے مطالب کے اظہار کے لیے کوئی حرف نہ ملے -

بدہر تا کہ ز خوے ستیزہ کار فلک
شود نزول ز بالا بہ زیر حدثان را

ز خوی فتنه و ز سنگ حوادث گردون
دل شکسته روان خسته باد خصمان را

جب تک آسمان ، دنیا پر حوادثات کی بارش کرتا رہے ، تیرے دشمنوں کے دل زخمی رہیں !...

بان آصفی دعا ، دم صبح اجابت است
کز مطلع قبول بسر آرد سر آفتاب
تا از پئے صبوحی مستان صبح خیز
در بزم روزگار بود ساغر آفتاب
در محفل شهود دهد ساقی ازل
با مے کشان عشق تو از کوثر آفتاب
در جام بخت خصم تو درد حمیم باد
هر جرعه شعله قطره کند اخگر آفتاب

جب تک دنیا میں سورج نکلتا رہے ، تیرے دوستوں کو شراب طہور اور دشمنوں کو پیپ اور لہو پینے کو ملے !

آصفی گوید دعاے ذاتت ، اے ختم رسل
زان نمط کز نص قطعی هم بقرآن آمده است
باد فرمان نبوت ، سر بمهر ختم تو
تا قضا گوید فلان رفته ست و بهمان آمده است

جب تک دنیا میں پیدایش و وفات کا سلسلہ جاری رہے ، تیرا شریک نبوت نہ پیدا ہو !

تا غزالان حرم را نبود دام کمین
تا ز جرأت ، دل صیاد ستم گر شکند
چرخ هر دام جفائی که نهد در راهم
نیروے عدل تو هر حلقه و چنبر شکند

جب تک حرم کی ہرنیاں شکاریوں پر حرام رہیں اور جب تک ظالم شکاری انہیں دیکھ کر کف افسوس ملے ، میرے راستے میں جس قدر مشکلات حائل ہوں ، تیرے عدل و انصاف سے سب دور ہو جایا کریں !

تا که دولاب چرخ گردنده ... دلو زرین به چنبر اندازد

صورت دلو بهر چرخ بچاه دشمنان را نگون سر اندازد

جب تک دنیا میں سورج غروب ہوتا رہے، آسمان تیرے دشمنوں کو ذلیل و خوار رکھے!

شود تا شاخ خشک خامه تر از رشحهٔ معنی
کند تا آبیاری مطالب لاله افشانش
شود گلدسته گلهاے معانی زیب بزم او
معطر باد از بویش دماغ آل و یارانش
پئے گلدسته بند نعت او از حضرت باری
شود فردوس نزل و باغ آرا باد رضوانش
رسد یا آصفی از فیض نعتش نکهت رحمت
پئے تعطیر مغز آرزو از فیض بستانش

تا بهار چمن دهر ز هستی جوشد
تا دهد آب ، سحاب کرم فیض ازل
لب هر غنچه ، ارم خنده ز فیضت بادا
به نشاط دل مخلوق به گلزار امل
روز محشر ز پئے است تو چون نوروز
عرصهٔ حشر بخورشید شود برج حمل

تا دل پاک تمنا بکنند از فیض ازل
منتهی تا نشود سلسلهٔ عهد قدیم
تا کشد نقمت عصیان بسوی قعر سقر
تا برد عفو گناهان بطرب گاه نعیم
باد احباب ترا گلشن فردوس مقام
باد اعداے ترا منزلے از قعر جحیم

تا فتراق تو برآ آرد بهابهاد فغان
تا که باشد عرش جولان گاه پاپاهاے من

شور محشر باد از عشقت نوای ذوق من
صور اسرافیل ہم آہنگ این غوغاے من
آستان حضرتت بادا مرا دارالسلام
عشرت آباد تمنا جنت المعلاے من

ان دعاؤں میں کوئی ایک دعا بھی ایسی نہیں جس کو ہم یہ کہہ سکیں کہ ''مطلب مشکل'' ہے ، اس لیے ''فسون نیاز'' اس کا حریف نہ ہوگا ۔ آصفی مسلمان ہیں ، عقیدت کیش ہیں ، عاشق ہیں ۔ وہ آرزو کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے دشمن مقہور اور دوست کامگار رہیں ، یا آپؐ کی پاک اور مقدس محبت اُن کے دل کو جلوہ زار بنا دے ، یا قیامت میں آپؐ کے اتباع کرنے والوں پر رحمت نازل ہو ۔ ایک عقیدت مند یہی چاہتا ہے اور عنقا جیسی چیز کا طالب نہیں ۔ پھر اس کی تحدید میں جو مدت ذکر کرتا ہے ، وہ مثلاً یہ ہے کہ جب تک سورج طلوع ہوا کرے یا جب تک نیکی نیک اور بدی بد پھل لائے وغیرہ،اس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جب تک دنیا کا موجودہ نظام قائم رہے ، یعنی قیامت تک ۔ چونکہ رسول اللہؐ خاتم النبیین ہیں اور آپؐ کا مذہب عالم گیر قانون ہے ، اس لیے یہ دعائیں بالکل ایسی ہیں جیسے کوئی کہے : خداوندا ! فلاں شخص کو اتنی عمر دے ، جتنی وہ پائے گا ۔ اور جس طرح یہ محال طلبی نہیں ، اسی طرح وہ بھی محال طلبی نہیں ہو سکتی ۔

لیکن اب اس کے مقابل وہ دعائیں رکھی جائیں جو دوسرے ممدوحوں کے حق میں ہیں تو معاملہ بر عکس ہو جاتا ہے ۔ وہ معمولی انسان ہیں ، اس لیے اُن میں ہر صفت ، بشرطیکہ وہ پائی بھی جائے ، بالکل سادہ ہوتی ہے ، لیکن شاعر اس نقص کو مٹاتا ہے ، اور ممدوح کو مقصد کی بلند ترین چوٹی پر بٹھا دیتا ہے ۔ اس حالت میں صرف یہی دعا کہ آپ پھلتے پھولتے رہیں ، ایسی ہے جو محاورہ نہ ہو ، تو قطعاً غیر منطقی ہے ۔ پھر اس سے کہیں زائد بلند اوصاف کو ، اور کہیں مشکل باتوں کو اُس کے لیے مانگنا تو بالکل ایسا ہوتا ہے ، جیسے کوئی کہے ''اللہ میاں تو مجھے خدا بنا دے'' ۔ ظاہر ہے کہ یہ نا ممکن ہے ، اور اس قسم کی دعا کرنے والے کو اگر اور کچھ بھی نہ کہا جائے تو ژاژ خا یا یاوہ گو نہیں تو ہرزہ ہوش کہتے ہیں ۔

لیکن زمانے کے ہاتھوں مجبور ہو کر قوم کی بہترین ہستیاں اپنے آپ کو اس ذلیل لفظ کا مصداق بناتی ہیں ۔ چونکہ اس قسم کی مجبوریاں آصفی کو بھی پیش آتی ہیں اس لیے اُن کے ہاں بھی مذکورہ قسم کی دعائیں بہ کثرت ہیں ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

تا بہرۂ ایثار کف ہمت نیسان
گوہر کدہ سازد گہر دامن یم را
از دست سخا ہمت فیاض تو بخشد
گنجینۂ لعل و گہر اصناف امم را
در موکب اقبال تو دوران ـــۂ نصرت
رنگین کند از خون عدو پاے الم را

الٰہی تا کہ در گیہان ، روان ست از قضا فرمان
ز اجلال قدر ہر آن ، بود بر شہ جبین فرسا
جہان را او بود آسر ، زمان را او بود قاہر
ز فرمانش شود ظاہر ، تسلط بر ہمہ دنیا
ز ملک ہند تا دکھن ، ز عدل او شود گلشن
جہان را درگہش مامن ، زمان را عتبہ اش ملجا

تا بہر کائنات ز سرچشمۂ وجود
فیض بقا بچشمۂ حیوان برابر ست
تا صبح و شام را نسق نور و تیرگی
بہر نظام عالم امکان برابر ست
بادا بقاے تو بجہان ہمچو مہر و ماہ
با راۓ تو ، قواعد گیہان برابر ست

تا دور آسمان بہ ترق مساعد ست
تا پایۂ رفیع بخورشید خاور ست

باشی چو آفتاب ، بـه اوج سپهر جاه
کـز بخت تو جهان معانی منور ست

تا که در عالم امکان بود آثار عروج
وز رتب فرهٔ اجلال باعیان گردد
آن مراتب که بود درخور ادراک عقول
از عروج تو نشان مبتد بامکان گردد

وقت آن ست که بالد نفس عرض دعا
به نیازے که اجابت کشد او را به کنار
شاه را عمر چنان باد که در دور پسین
عمر صد خضر به صرف گره آید به شمار
سال و مه ، هفته و هر روز کند جشن طرب
بسر آرد به نشاط ابدی لیل و نهار
خلق را باد نظامے به نظام عدلش
ملک پرداخته از فتنهٔ چرخ دوّار

تا که چکد از سحاب ، قطره درّ خوشاب
تا که به آن درّ ناب ، دهر کند گوشوار
سال و مهت چون گهر ، منتظم یک دگر
چون قطرات مطر بیش بود از شمار
چرخ کند گوشوار ، زان گهر بے شمار
زینت لیل و نهار ، باد به آن گوشوار
ساق دور زمان ، از طرب جاودان ،
با تو دهد شادمان ، جام به لیل و نهار

تا که در عالم ایجاد بود عشرت و غم
تا کشد دوست می و خصم خورد خون جگر

دوستان را ز مئے عشرت کوثر ساغر
دشمنان را قدح زهر ز زقوم سقر
بهره یابند ز خوان کرمت صبح و مسا
درخور حوصلهٔ خواهش خود ، اهل هنر

تا که گوهر کسلد ابر بهاری به صدف
تا شود آبروے بحر و صدف از گوهر
به نثار تو قدر گوهر شب تاب نجوم
دائم آرد بکف از دامن بحر اخضر

تا که خواهد شب دیجور ، در آغوش ظلام
تا که از چشم فلک خواب برد آب غطاط
شاهد بخت تو بیدار بماند دائم
باد روز و شب تو روز و شب عیش و نشاط

تا که خورشید جهان تاب ز دور عشرت
نهد از حوت باهنگ طرب روی بحمل
عهد نوروز بود آخر عهد عمرت
روز نوروز بود ثانی و روزت اول

تا بود طبع سخنور ز سخن گوهر زا
تا که باشد نسق گوهر معنی به کلام
گوهر اهل سخن باد نثار مدحت
باد آغاز ثنای تو ز حسن انجام
سایهٔ ذات تو مبسوط بود برسر خلق
بارگه تو بود موصل اعیان کسرام
باد با عمر تو عمر خضری هم سوگند
بادهٔ عیش تو چون آب بقا باد مدام

تا بود دور بقا و تا بود دور فنا
تا کہ در باغ جہان آید بہار و ہم خزان
گلبن ذاتش ہمیشہ باد ریان از بقا
وز بہار عیش صحت باد دائم گلفشان
تا کہ آبادی و ویرانی ہست در ملک وجود
تا بہ نیرنگی بود بر پا طلسم آسمان
خلق باد از داد و عدلش کامجوی و کامیاب
ملک باد از نصفت او از حوادث در امان

ان دعاؤں میں یا تو یہ خواہش ہے کہ ممدوح کو غیر فانی ہستی عطا کی جائے ، اور یا یہ کہ اس کو وہ مرتبہ ملے جو ہر بلند مرتبہ شئے سے اعلیٰ ہو ۔ اول محال ہے ، دوسرا تقریباً غیر ممکن ، غیرممکن یا محال شئے کی طلب میں خلوص پیدا ہونا بھی اسی طرح غیرممکن یا محال ہے ، لیکن چونکہ یہ حصہ قصیدے کا جز ہے ، اور قصیدہ ترقی کرکے سر تا پا غلو ہو چکا ہے ، اس لیے اس میں بھی غلو جلوہ گر ہے ۔

بعضے قصائد میں آصفی نے ایسی دعا بھی دی ہے جو تھوڑی سی تاویل کے بعد معمولی بول چال میں شامل ہو جاتی ہے ۔ مثلاً :

تا در حرم و دیر بود رسم پرستش
معبود حقیقی و دگر سنگ صنم را
اندر حرم سینہ دہد شام و سحر گاہ
چون شمع حرم ، قلب تو انوار قدم را

مقصد یہ ہے کہ تیرا سینہ نور ایمان سے روشن رہے ، لیکن شاعرانہ ادا نے اس کو ذرا نثر سے الگ کر دیا ہے ۔ فرماتے ہیں : ”جب تک دیر و حرم میں خدا اور بتوں کی پرستش ہو ، تیرا دل شمع حرم کی طرح سینے کو انوار الٰہی سے روشن رکھے ۔“

یا فرماتے ہیں :

تا صوم و صلوٰتے و دگر حج و زکاتے — از طاعت خلاق کند عرض نشان را
ہر گام دل صائم امید فزاید — از روئی تو عیش صد عید رمضان را

اقبال ترا سلسلہ عہد ابد باد　چندانکہ بود سلسلۂ دور زمان را
در عہد تو پیوستہ ز قانون عدالت　بر امن تو دوران نگزیند حدثان را

یعنی جب تک دنیا میں ، خدا کی پرستش اور بندگی میں نماز ، روزہ ، حج ، زکوۃ وغیرہ داخل رہیں ، تیرا اقبال پائدار اور تیرا عدل عالمگیر رہے ۔ امید وار تجھے دیکھے ، تو ایسی خوشی محسوس کرے ، جیسے روزہ دار عید کا چاند دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا ہے ۔ بالفاظ دیگر تو صدا اقبال مند ، عدالت شعار اور کرم گستر رہے ۔

اسی مضمون کی مختصر دعا ان الفاظ میں نظم فرماتے ہیں :

تا ہلال عید باشد در جہان عشرت نوید
تاکہ باشد از نشاط عید صائم کامیاب
ابروی اقبال او در آسمان عز و جاہ
چون ہلال عید عشرت باد بہر شیخ و شاب

تا بود سلطان انجم بر سپہر چارمین
از جلال و احتشام خویشتن گردون جناب
بارگاہ افسرالدولہ بہادر در دکن
بہر اعیان ملجا و بہر سران مادا مآب
دشمنان سوزند اندر آتش رشکش چو عود
ناکسان نالند از غم صورت چنگ و رباب

مطلب یہ کہ جب تک ، آسمان پر آفتاب جلوہ فگن رہے ، تیری بارگاہ ، اعیان ملک و قوم کا ملجا رہے ، اور دشمن آتش حسد سے جل بھن کر خاک ہوا کریں ۔

تا نسق را بدکن شیوۂ تجدید بود　تا مدار نسق و نظم بعقل دانا ست
بہر ہر نظم و نسق باد بعقل تو مدار　حکمران تاکہ نظام دکن ملک آرا ست

یعنی جب تک دکن میں نظم و نسق کے نئے نئے طریق پیدا ہوتے رہیں ، اور دنیا عقل کو مدار انتظام شمار کرے ، ہر موقعہ پر صرف تیری ہی عقل راہنمائی کرے ۔

بود تاکہ دور سپہر کبود　رسد تا بہ گیتی بہار ستی ۔

به بزم وزیر دکن پیشکار بهاران شود پیشکار بسنت
بمدحش نئے خامۂ آصفی شود بلبل نوبهار بسنت

یعنی تیری بزم سدا تر و تازہ رہے اور آصفی کے اشعار سے ہمیشہ مالامال۔

تا قضا دفتر ایجاد طرازد بوجود داوریگاہ بدیوان قضا تا بینند
تابرات امل اہل جہان بنویسند تا کہ از خامۂ قدرت خط اجرا بینند
سرور جنگ بود قاسم ارزاق جہان بہرۂ بخت ازو مخلص و اعدا بینند
نخل بخشش کہ خورد آب زجوی اقبال ثمر افشان کمال جم و دارا بینند

یعنی سرور جنگ کے ہاں سدا لنگر جاری رہے ، جس سے دوست دشمن ، سب فیضیاب ہوں ، اور تا ابد جمشید و دارا کی طرح صاحب اقبال رہے ۔

تا کہ میدارد تسلسل زلف عمر کائنات زلف‌عمرت چون‌حیات خضرطولانی کند
تا کہ زلف شاہد کشور بدوش روزگار گہ بجمعیت بود ، گاہے پریشانی کند
زلف رعنا شاہد ملک دکن مجموع باد عدل و انصاف تو دائم شانہ گردانی کند

مقصد یہ ہے کہ خدا آپ کی عمر بڑھائے اور عدالت کی توفیق دے ۔

مولانا شبلی مرحوم کو دعا دیتے ہیں :

جای شبلی بدکن باد چو بلبل بچمن کز نواسنجی او رونق بستان آمد

نواب ماہر جنگ کے لیے آرزو ہے کہ :

فلک مراتب او آن قدر کہ افزاید برون ز دائرہ عقلش انحصار کند

خدا آپ کو اس قدر مراتب عطا کرے کہ ہم گن بھی نہ سکیں ۔

نواب فخرالملک وزیر تعلیمات سے خطاب کر کے فرماتے ہیں :

تا کہ از لیل و نہار ست نظام عالم تا بود مہر و مہ و گردش چرخ دوار
جمع آیند بدرگاہ تو اصحاب علوم کام یابند ز جود و کرمت لیل و نہار
ہمچو خورشید فروزندہ جہان آرا باد تیر رای منیر تو ز نورالانوار

مقصد یہ ہے کہ سدا تیری مجلس میں علماء اور فضلاء کا مجمع رہے ، اور تیری روشن رائے سورج کی طرح سب سے ممتاز ہو ۔ مذکورۂ بالا مثلوں میں ، آصفی نے یہ کوشش کی ہے کہ ان کی دعا میں صرف معمولی مبالغہ ہو ، اور ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں ۔ ان کے کلیات میں اس قسم کی اور مثالیں بھی بکثرت ملتی ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حتی‌الامکان قدیم شاہراہ سے الگ چلنا چاہتے تھے ۔

یہاں بہ ظاہر یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دعاؤں میں بھی کافی غلو ہے ، اس لیے کہ تقریباً ہر جگہ یہی کہا گیا ہے کہ جب تک سورج طلوع ہو ، یا حوادث نازل ہوں ، یا جب تک یہ نظام عالم قائم رہے وغیرہ ، پھر ان مثالوں کو واقعاتی کس طرح کہا جا سکتا ہے ۔

لیکن اگر ذرا بھی دقت نظری سے کام لیا جائے ، تو مسئلہ حل ہو جاتا ہے ۔ مدعا یہ نہیں کہ کلام مبالغے سے خالی ہو جائے ۔ مقصد یہ ہے کہ جو دعا دی جائے ، وہ دعا غلو نہ ہو ۔ رہی تحدید وقت تو وہ کتنے ہی سیدھے سادے الفاظ میں ہو ، غلو ہی رہے گی ۔ مثلاً صرف یہی کہہ دیا جائے کہ ''سدا ایسا ہوجیو'' ۔ تو یہ بھی حقیقتاً واقعیت سے دور ہے ——— پہلی مثالیں واقعیت آشنا آرزو سے خالی ہیں ۔ ان میں اس قدر حقیقت سے دور راستہ اختیار کیا گیا ہے کہ صاف بناوٹ نظر آتی ہے ، اس کے بر خلاف ان خواہشوں میں ذرا سی فکر بھی درکار نہیں ہوتی ۔ سامع سنتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ با اثر ہے ۔ یہ کیوں ، صرف اس لیے کہ اگر زیادہ سے زیادہ کچھ طلب کیا ہے تو اقبال مندی ، عدالت شعاری وغیرہ ۔ رہی درازی عمر ، اولاً تو اس کے لیے براہ راست کوئی خواہش ہی نہیں ، اور اگر ہے بھی تو تشبیہ کے سہارے ، یعنی خضر کی طرح عمر بڑی ہو ۔ چونکہ تشبیہ کے لیے صرف معمولی وجہ شبہ کافی ہے ، اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں ، ''مقصد یہ نہیں ہے کہ عمر بالکل خضر کی برابر ہو ، بلکہ جس طرح ان کی عمر دراز ہے ، ممدوح بھی بڑی عمر پائے'' ۔

تبصرے کے ان صفحات میں ، مولانا آصفی کے قصائد کے اجزا اور خصوصیات کا ہر ہر پہلو روشن ہو چکا ہے ۔ بات حد سے زائد بڑھ گئی اس لیے ہم علیحدہ علیحدہ تخییل ، تشبیہ ، زور اور چستی وغیرہ کی مثالیں نہیں دیتے ۔

[نگار لکھنؤ ۔ اپریل ۱۹۳۰ع و ستمبر ۱۹۳۰ع]

اشاریہ

مرتبہ

ضیا شاہد

اشخاص

ا

خ

د

ذ

س

ش

ص

ض

ط

غ

ف

ق

کتب

الف

ب

ت

ث

ج

ص

ط

ظ

ع

غ

ف

مقامات

الف

ب

پ

ت

ٹ

ج

ز

س

ش

ص

ط

اصطلاحات

ع

غ

ف

ق

ک

ل

م

ن

و

متفرقات

الف

ب